

نوحہ نم گھٹاتے تہیں ہم شانِ حسینؑ اللہ اکبر حق ہے شاہد کہ شہادتِ تھی شاہِ حسینؑ
(مولانا محمد علی جوہر)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بجوابِ فلاحِ الکونین فی عزِّنا الحسین

بِشَارَتِ الدَّارِیْنِ

السَّیِّدِی

بِالصَّبْرِ عَلٰی

شَہَادَتِ الْحُسَيْنِ

مُصَنَّفِ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبِ اُمت کا تہم امیرِ تحریکِ خدامِ اہلِ سنت و جماعت

ناشر

تحریکِ خدامِ اہلِ سنت و جماعت

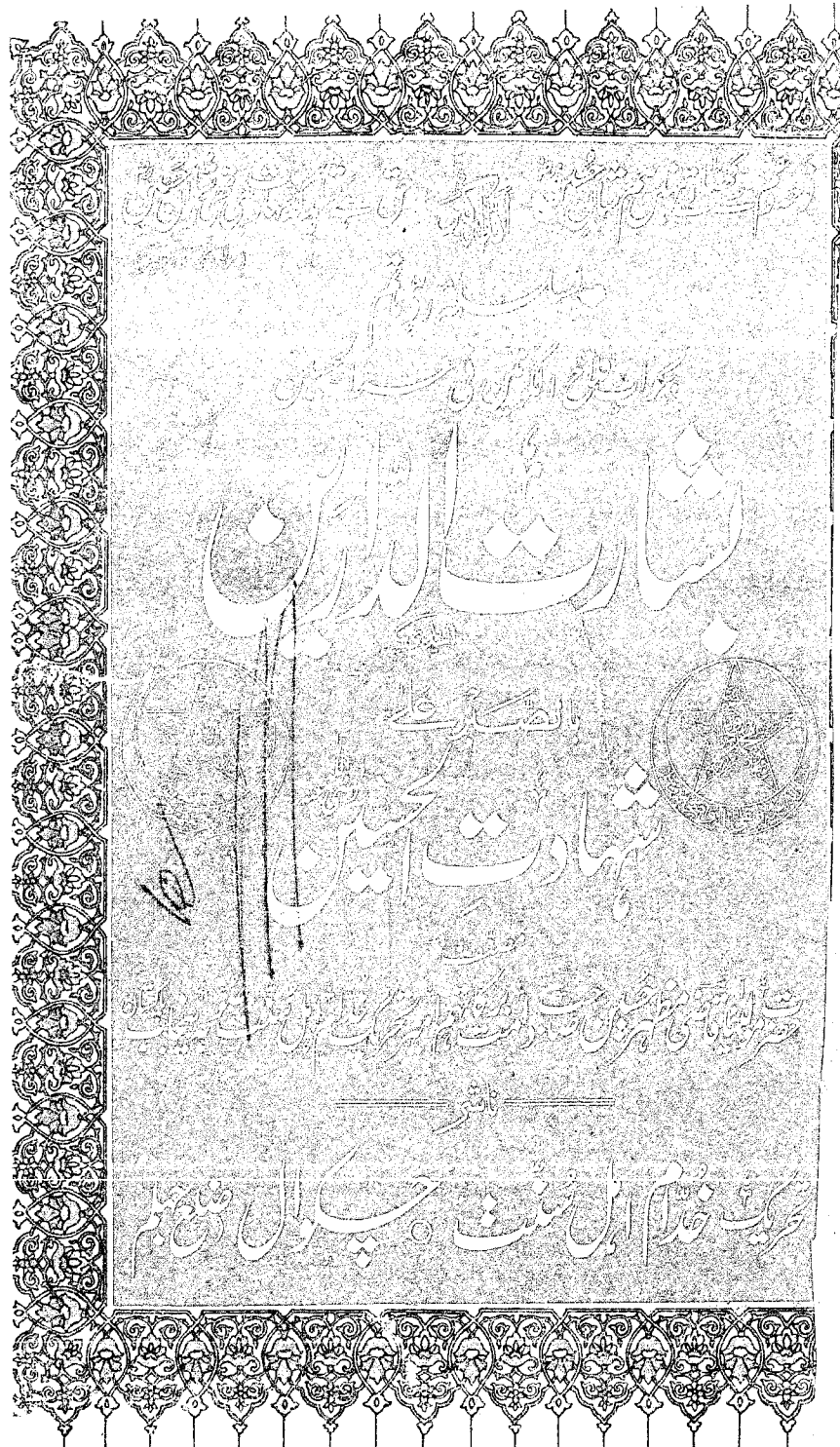
۵۔ قائم کے شہادت پر شیعہ کمال کے دلیل کر رہے ہیں۔ یہی وہ دلیل ہے جو ان کے پاس ہے۔
جواب آیت کلاماً فیضیت جلودھم برلناہم جلودھم ابرہا سے ملے ہوئے ہیں۔ یہی وہ دلیل ہے جو ان کے پاس ہے۔
شیخ پروری ص ۷۷، ۷۸

تصحیح اغلاط

بشارت الدارین کا مطالعہ کرنے سے پہلے تصحیح اغلاط فرمائیں تاکہ مطالعہ میں دقت نہ ہو۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۸	۱	یزید	ہند یزید
۲۲۰	۱		حاشیہ کی ابتدا میں لفظ امام پڑھا
۵۳۷	عنوان حق چار	حق یار	حق چار یار
	یار کی پہلی سطر		۱۔
۵۶۳	۱۳		متواتر کے لئے حاشیہ
			۱۔ بقول شیعہ علماء (ملا خطہ ہو "فصل الخطاب")
۵۶۳	۱۶	شیخ صدوق	شیخ صدوق یعنی
۵۶۳	۱۶		مجمع البیان کے بعد شیخ طوسی پڑھیں
۵۷۲	صفحہ	۵۷۲	۵۷۳
		۵۷۳	۵۷۲
	مجال بالذات	۵۷۳	مجال بالغیر
۵۹۷	۸		نکاح کی مدت پر حاشیہ ۱۔
۶۰۳	۶		۱۔ اسی کو نکاح موقت کہتے ہیں
۶۰۳	صفحہ	۶۰۳	۶۰۵
		۶۰۵	۶۰۳

کتاب اجمالی نظر ص ۵۵۶ پر



ظہور الیٰہیؑ بزجاجہ مبارک محمدؐ

نوحہ و غم سے گھٹاتے نہیں ہم شانِ حسینؑ حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی شایانِ حسینؑ
 سکن

بجواب
 فلاح الکونین فی عزاءِ حسینؑ

بشارت الدارین بالبصر علی شہادتِ حسینؑ

مصنّف

حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؑ صاحبِ اہمیت برکاتہم
 امیر تحریک خدام اہلسنت صوبہ پنجاب

ناشر
 خدام اہلسنت چکوال (ضلع جہلم)

خدام اہل سنت کی دعا

سنت مولانا مظہر حسینؑ امیر تحریک اہلسنت صوبہ پنجاب

خدا یا اہل سنت کو جہان میں کامرانی دے
 تیرے قرآن کی عظمت پیر سینوں کو گرمائیں ،
 وہ منراہیں نبی کے حبیب و پیاروں کی صداقت کو
 صحابہ اود اہل بیت سب کی شان بچھائیں ،
 حسن کی اور حسین کی سیرت ہی بھی کو بچھائیں ہم کو
 صحیح رہنے کی تھیں پرچشم اسلام کو بالاء ،
 تیری نصرت سے پھر ہم پرچشم اسلام لہرائیں
 تیرے کُن کے اشارے سے ہو پاکستان کو حاصل
 ہر مہم کسی تحفظ ملک میں ست تم موت کو
 تو سب سرفراہم کو تو میں نے اپنی عبارت کی ،
 ہمارے زندگی تیری رضائیں صرف ہر جگہ
 تیری توفیق سے ہم اہل سنت کے ہیں خدام

نہیں مایوس تیری نعمتوں سے مظہر مولانا قاضی

تیری نصرت ہر دنیا میں مست میں تیری رضوائیں

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۹	قاضی نور اللہ شوستر کی اقرارِ تقنیہ	۱	تقریظ از محمد فاضل نوشنویس
۵۰	سبط ابن جوزی شیعہ ہیں	۵	آغا زین العابدین
۵۳	بحث دلیل نمبر ۳ - قصہ یاسین شہید	۱۲	تسمیہ کتاب
۵۴	تفسیر ابن کثیر کا غلط حوالہ	۱۳	تقریظ کا لغوی و شرعی معنی
۵۵	ما تم مروّجہ حرام ہے (بحوالہ ترجمہ مقبول)	۱۶	قصہ حضرت یعقوب علیہ السلام (بحث دلیل)
۵۷	کتاب "روضة الشهداء"	۲۵	شیعہ مصنف کی کم فہمی اور خیانت
۵۸	کتاب "معارج النبوة" مغتبر نہیں	۳۰	برادران یوسف کا ماتم
۶۰	ماتمی کوّا	۳۱	ما تم اہل کوفا
۶۱	ماتمی الوّا	۳۲	ذاکر سے خطاب از جوش ملیح آبادی
۶۲	ماتمی چڑیاں	۳۹	بحث ماتمی دلیل نمبر ۲
۶۲	سیاہ لباس کی بحث	۳۹	علمائے حبشہ کا رد
۶۵	سیاہ لباس دوزخیوں کا ہے	۴۴	زیر بحث ماتم
۶۵	سیاہ لباس سنت فرعون ہے	۴۵	بحث ماتمی دلیل نمبر ۳
۶۷	پنجابی اشعار در بارہ رد ماتم	۴۵	آیت فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ
۶۸	بحث دلیل نمبر ۵ - ۷ - ۸	۴۷	کتاب "میر الشہادتین" کی حیثیت
۶۸	(قورات و انجیل کی عبارات)	۴۸	آسمان کی سُرخ

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت:	بار اول محرم الحرام ۱۳۹۵ھ
نام کتاب:	بشارت الدارین بالقبر علی شہادت الجحیم
مصنف:	حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
طابع:	محمد فاضل مرغوب رقم
کاتب:	علی پرنٹنگ پریس پیمبر اخبار لاہور
مطبع:	خدا مہنت چکوال (ضلع جہلم)
ناشر:	۲۵ روپے
قیمت:	دو ہزار

ملنے کے پتے

- ۱۔ مکتبہ رشیدیہ نیو جنرل مارکیٹ چکوال (ضلع جہلم)
- ۲۔ دفتر خدام اہل سنت والجماعت و خانہ عثمانیہ ویلڈار روڈ اچھرہ (لاہور)
- ۳۔ مکتبہ حنفیہ تعلیم الاسلام - مکی مسجد مدنی محلہ (جہلم)
- ۴۔ کالج بک ڈپو ہسپتال روڈ چکوال (ضلع جہلم)
- ۵۔ مکتبہ تنویر القرآن ۱۶ - اردو بازار - لاہور

صفحہ	مضمون	صفحہ
۷۸	وید کی پیشگوئی	۱۱۵
۸۳	م حسینؑ کے ساتھ کوفیوں کا سلوک	۱۱۶
۸۵	کوفہ ہی پہلے ماتمی ہیں	"
۸۵	م درخانہ یزید	۱۲۰
۸۶	دوسرے بہتانات	"
۸۸	تہ حضرت داؤد علیہ السلام	۱۲۱
۸۹	غسیر قی کا حوالہ	۱۲۳
۹۰	کے متعلق ماتمی عقیدہ	"
۹۱	م حسینؑ کی تین سوشادیاں	۱۲۷
۹۱	بٹ بخاری اور قصہ حضرت ابراہیمؑ کی بحث	"
۹۹	کذب کا معنی	۱۲۹
۱۰۳	غفلت کا معنی	۱۳۱
۱۰۴	ظلم قرآن مجید میں	۱۳۴
۱۰۶	غیر رسول خداؐ نے حکم الہی کو ٹالا	۱۳۹
۱۰۶	واقعہ غدیر خم	۱۴۰
۱۰۹	اہل بیت پر دین چھپانے کا الزام	۱۴۳
۱۱۱	عے تقیہ حضرت علیؑ کو گالی دینا جائز ہے	۱۴۴
۱۰۲	ثواب مُثَقَّہ	۱۴۵
۱۱۳	ث ماتمی دلیل نمبر ۶	۱۴۷
۱۱۳	(نوح) کی وجہ تشبیہ	۱۴۸

صفحہ	مضمون	صفحہ
۱۸۶	حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ کا اختلاف	۱۴۹
۱۸۸	معجزہ کے جھگڑے	۱۵۲
۱۸۹	حضرت محمدؐ و اہل بیتؑ کا ارشاد	۱۵۴
۱۹۰	حضرت علیؑ پر تنقید مودودی	۱۵۷
۱۹۲	ابو مخنف راوی شیعہ ہے	۱۶۰
۱۹۴	تاریخ طبری کی حیثیت	۱۶۴
۱۹۵	ذکر امام حسینؑ کے متعلق حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ	۱۶۶
۱۹۷	مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا فتویٰ	۱۶۸
۱۹۸	لعن یزید کا مسئلہ	۱۶۸
۲۰۲	یزید کے متعلق مولانا بریلوی کا فتویٰ	۱۷۰
۲۰۳	مقام امیر معاویہؓ مولانا بریلوی کے قلم سے	۱۷۳
۲۰۶	حضرت معاویہؓ کی یزید کو وصیت	۱۷۵
۲۰۷	امام زین العابدینؑ نے یزید کی بیعت کی	۱۷۵
۲۰۹	امام حسینؑ نے امیر معاویہؓ کی بیعت کی	۱۷۵
۲۱۰	بحث دلیل نمبر ۱۶ (روایت مسند احمد بن حنبلؒ)	۱۷۷
۲۱۳	إصابہ کا غلط حوالہ	۱۷۹
۲۱۴	یزید کا رونا اور ماتم کرنا	۱۸۰
۲۱۶	"ینایح المودت" کا مصنف شیعہ ہے	۱۸۱
۲۲۱	کتاب "بر الشہادتین" شاہ عبدالعزیز صاحب	۱۸۳
۲۲۱	کی کتاب نہیں ہے !	۱۸۴

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۲	غنیۃ الطالبین کی روایت (فرشتوں کا رونا)	۲۲۵	جنگِ اُحد اور صحابہؓ
۲۲۳	غوث الاعظمؒ کے نزدیک یوم عاشوراء کو	۲۲۶	حضرت علیؓ کی توہین
۲۲۴	غم منانا ناجائز ہے	۲۲۷	جزع و ماتم کے خلاف احادیثِ شیعہ
۲۲۵	امام حسینؑ کی مدد کو فرشتے لیٹ پہنچے	۲۲۸	روایاتِ کافی اور ہذا کا شیعہ کی بحث
۲۲۷	بحثِ دلیل نمبر ۱۸۔ (ماتمی اشعار کی حیثیت)	۲۲۹	تین تلو تیرہ شیعہ پورے ہونے پر امام مہدیؑ
۲۲۸	امام حسینؑ کی قربانی سے سنتِ رسولِ ضائع ہوئی۔ (شیعہ نظریہ)	۲۳۰	ظاہر ہوں گے
۲۲۹	علامہ اقبالؒ اور اسلامی فتوحات۔ (شکوہ)	۲۳۱	کافی کی روایات کی تعداد
۲۳۰	غزوہ تبوک میں صدیقؓ و فاروقؓ کا	۲۳۲	بعد وفاتِ رسولؐ صرف چار مومن رہ گئے
۲۳۱	ایشاء (اقبال)	۲۳۳	سب مہاجرین و انصارِ حقیقی ہیں
۲۳۲	غازیانِ جنگِ بدر (ابوالاثر حفیظ جالندھری)	۲۳۴	امام حسنؑ وغیرہ ائمہ کے زمانہ میں شیعہ
۲۳۳	بحثِ دلیل نمبر ۱۹۔ (آیت فَصَلَتْ وَجْهَیْہَا بَعَثَ)	۲۳۵	احادیث کی اشاعت نہیں ہو سکی
۲۳۴	بحثِ دلیل نمبر ۲۰۔ (آیت لَا يُجِیْبُ اللّٰہُ الْجَہْلَیْنَ)	۲۳۶	شامتِ لقیۃ
۲۳۵	مروّجہ ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کے دلائل	۲۳۷	ایک مسئلہ کے تین مختلف جواب
۲۳۶	صبر اور جزع کا لغوی معنی	۲۳۸	صحیح بخاری اور الکافی کا موازنہ
۲۳۷	از روئے قرآن جزع صبر کے خلاف ہے	۲۳۹	اہل بدعت کی روایت قبول ہونے کی شرط
۲۳۸	صبر کا جامع مفہوم (امام راغب اصفہانی و)	۲۴۰	احادیثِ شیعہ سے ماتم کی تردید
۲۳۹ (امام رازی)	۲۴۱	بحثِ آیت اِنَّكَ لَنْ تَسْتَبِیْحَ مَعِيَ صَبْرًا
۲۴۰	وَلَاکَ الْکِتَابُ سے مراد حضرت علیؓ ہیں (تفسیر)	۲۴۲	(قصہ حضرت موسیٰؑ و خضرؑ)
۲۴۱	آیت میں لفظی تحریر (تفسیر قمی)	۲۴۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جازہ پر
۲۴۲		۲۴۴	چار تکبیریں پڑھیں (حدیثِ شیعہ)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۴	سرویر کائنات کی توہین	۳۰۴	وضو میں پاؤں دھونے کا ثبوت
۳۲۸	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۹	۳۰۵	(فروع کافی) ادیبِ اعظم کا غلط ترجمہ
۳۲۹	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۰	۳۰۶	بحثِ روایت کل جزع و غزع قبیحہ
۳۳۰	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۱-۱۲-۱۳-۱۴	۳۱۱	ماتمی مذہب میں صبر اور بے صبری برابر ہیں
۳۳۱	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۵-۱۶-۱۷	۳۱۲	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۶
۳۳۲	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۸	۳۱۳	مومن عورتوں کی بیعت میں ماتم کی ممانعت
۳۳۳	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۹-۲۰	۳۱۴	(از تفسیر قمی)
۳۳۴	آیت لَا تَقِمُّوْا وَّلَا تَحْزَنُوْا کی بحث	۳۱۵	احادیثِ اہل سنت سے حرمتِ ماتم کا ثبوت
۳۳۵	غلبہ اسلام اور ملکی فتوحات	۳۱۶	خاتونِ جنت پر نوحہ کرنے کا بہتان
۳۳۶	خلافت کاچن (مولانا ظفر علی خان)	۳۱۷	حضرت عائشہ صدیقہؓ پر نوحہ کرنے کا بہتان
۳۳۷	ردِّ ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۱	۳۱۸	مصنّف کی علمی خیانت
۳۳۸	ردِّ ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۲	۳۱۹	حضرت عائشہؓ اہل بیت سے ہیں
۳۳۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا قصہ	۳۲۰	سیرتِ ابنِ ہشام سے نوحہ کی ممانعت
۳۴۰	ردِّ ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۳	۳۲۱	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۲
۳۴۱	اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا هُمْ	۳۲۲	"معارج النبوة" قابلِ اعتبار نہیں
۳۴۲	یَحْزَنُوْنَ	۳۲۳	مشکوٰۃ کا حوالہ اور ماتمِ مصنف کی خیانت
۳۴۳	آیت غار (لَا تَحْزَنَ) کی بحث	۳۲۴	احادیثِ اہل سنت سے نوحہ کی ممانعت
۳۴۴	آیت غار سے فضائلِ صدیقی کا ثبوت	۳۲۵	احادیثِ شیعہ سے نوحہ کی ممانعت
۳۴۵	خلافتِ صدیقی میں شام و روم کی فتوحات	۳۲۶	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۳
۳۴۶	یارِ غار (علامہ اقبالؒ)	۳۲۷	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۴

صفحہ	مضمون	صفحہ
۳۹۹	اشعار (مولانا الطاف حسین حالی مرحوم)	۳۷۷
۴۰۱	شیعہ مفسرین کی پریشانی	۳۷۹
۴۰۲	حضرت ابو بکر صدیق کی صحابیت کا منکر کافر	۳۸۲
۴۰۳	ہے (مولانا احمد رضا خان بریلوی) کفتویٰ	۳۸۲
۴۰۹	حضرت ابو بکر صدیق ہیں (کتب شیعہ)	۳۸۲
۴۱۱	ردِ ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۹	۳۸۳
۴۱۲	لَکَیْکُمْ تَاَسُوْا عَلٰی مَا فَاَتَاکُمْ	۳۸۳
۴۱۳	مکث اور مکا کی بحث (منہج البلاغہ)	۳۸۳
۴۱۳	اس آیت کی تفسیر حضرت علیؑ سے	۳۸۲
۴۱۵	چار لاکھ روپیہ انعام	۳۸۸
۴۱۵	شیعہ مذہب کو اہل مکہ و مدینہ نے ظاہر کیا	۳۸۹
۴۱۶	(اصول کافی)	۳۸۹
۴۱۷	رسول خدا پر افتراء	۳۸۹
۴۱۷	مجتہدین شیعہ کے نزدیک زنجیر زنی ناجائز ہے	۳۹۰
۴۱۸	شیعہ مجتہدین سے ایک سوال	۳۹۳
۴۱۹	سینہ کو بی حرام ہے (ایک اصفہانی شیعہ)	۳۹۴
۴۱۹	مجتہد کافتویٰ	۳۹۴
۴۱۹	نکاح صاحب کے چیلنج کا جواب	۳۹۶
۴۲۱	حرمت ماتم پر ایک ہی آیت کافی ہے	۳۹۸
۴۲۲	حق تصنیف کا معاملہ	۳۹۸
۴۲۲	تفسیر بالرائے کا مطلب	۳۹۹
۴۲۳	سراط مستقیم سے مراد حضرت علیؑ ہیں	۴۰۱
۴۲۴	ذکر الکتائب مراد حضرت علیؑ ہیں	۴۰۲
۴۲۵	غزوہ حنین اور حضرات صحابہ	۴۰۳
۴۲۵	تمام علماء اہلسنت کے نزدیک ماتم مردہ حرام ہے	۴۰۹
۴۲۸	پشاور کے سنی مسلمانوں کی خدمت میں	۴۱۱
۴۲۸	سنی مطالبات کی تحریک	۴۱۲
۴۲۸	دیوبندی بریلوی اختلاف اہل سنت کا	۴۱۳
۴۲۸	داخلی معاملہ ہے	۴۱۳
۴۲۸	امیر معاویہؓ پر طعن کرنے والا دوزخ کا کُتبا	۴۱۵
۴۲۸	ہے۔ (مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی)	۴۱۵
۴۲۸	صدیق و فاروقؓ کا گستاخ کافر ہے (۱۰۰)	۴۱۶
۴۲۸	حضرة علیؑ اور حضرت معاویہؓ کا دین و ایمان	۴۱۷
۴۲۸ میں کوئی اختلاف نہیں (منہج البلاغہ)	۴۱۷
۴۲۸	اولیاء اللہ کے چاروں روحانی سلسلے	۴۱۸
۴۲۸	حضرة پیر صاحب گوردی نے حضرت گنگوہی کو	۴۱۹
۴۲۸	مقتدائے زمانہ لکھا ہے	۴۱۹
۴۲۸	مولانا محمد اسماعیل شہید پر ایک اشاعت کا بہتان	۴۱۹
۴۲۸	مسئلہ ختم نبوت	۴۲۱
۴۲۸	روافض کے خلاف پیران پیر کا فتویٰ	۴۲۲

صفحہ	مضمون	صفحہ
۴۲۲	حضرت غوث الاعظم پر بہتان	۴۲۲
۴۲۳	حضرت پیران پیر سید ہیں	۴۲۳
۴۲۵	شیعہ سادات اپنا نسب چھپاتے رہے	۴۲۵
۴۲۶	ماتم و تعزیر کے خلاف مولانا بریلوی کا فتویٰ	۴۲۶
۴۲۸	حرمت ماتم و تعزیر میں حضرت شاہ عبد العزیز	۴۲۸
۴۲۸	محدث دہلوی کا فتویٰ	۴۲۸
۴۲۹	شاہ عبد العزیز صاحب کی طرف منسوب عبارت	۴۲۹
۴۳۲	تحفہ اثنا عشریہ میں حرمت ماتم کی تصریح	۴۳۲
۴۳۳	بحث ماتم کا خلاصہ	۴۳۳
۴۳۴	سورة المحتسین کی آیت سے حرمت ماتم	۴۳۴
۴۳۴	(حاشیہ ترجمہ مقبول)	۴۳۴
۴۳۷	اصل اشیاء میں اباحت ہے یا توقف	۴۳۷
۴۳۸	ماتمی تحریک پر ایک اجمالی منظر	۴۳۸
۴۳۹	مصائب پر صبر کرنے والوں کے لیے بشارت	۴۳۹
۴۴۰	شہداء زندہ ہیں	۴۴۰
۴۴۱	رسول خداؐ بھی غم نہ کھائیں (ترجمہ مقبول)	۴۴۱
۴۴۳	خلاصہ آیات	۴۴۳
۴۴۴	ماتمی تحریک کی ابتداء و انتہاء	۴۴۴
۴۴۴	رسول خداؐ نے ولادت حسینؑ کو پسند نہیں فرمایا	۴۴۴
۴۴۵	حضرت فاطمہؑ نے بھی پیدائش حسینؑ کو پسند نہیں فرمایا	۴۴۵
۴۴۶	حضرت علی المرتضیٰؑ نے بھی پیدائش حسینؑ کو پسند نہیں کیا	۴۴۶
۴۴۸	حضرت ابراہیمؑ اور حضرت علیؑ کے صبر کا موازنہ	۴۴۸
۴۴۹	حضرت ابراہیمؑ نے بھی شہادت حسینؑ کا ماتم کیا	۴۴۹
۴۵۰	کر بلا میں حضرت آدمؑ کا ماتم	۴۵۰
۴۵۰	حضرت نوحؑ صحرائے کر بلا میں	۴۵۰
۴۵۱	حضرت ابراہیمؑ کر بلا میں گھوڑے سے گر پڑے	۴۵۱
۴۵۱	کر بلا میں حضرت اسماعیلؑ کی بھیڑوں کا سوگ	۴۵۱
۴۵۱	حضرت سلیمانؑ کا تخت کر بلا میں گر پڑا	۴۵۱
۴۵۲	حضرت زکریاؑ اور کر بلا	۴۵۲
۴۵۳	حضرت عیسیٰؑ کا کر بلا میں شیر نے گھیرا کر لیا	۴۵۳
۴۵۴	قیامت تک ماتم ہی ماتم	۴۵۴
۴۵۵	حضرة حسینؑ کی لاش گھوڑوں سے پامال نہیں ہوئی	۴۵۵
۴۵۶	جہنم کا ماتم	۴۵۶
۴۵۶	آگ کا ماتم	۴۵۶
۴۵۷	شیعیت کی رفتار	۴۵۷
۴۶۰	دو در رسالت میں شیعہ	۴۶۰
۴۶۰	دو در رسالت کے بعد صرف تین چار شیعہ تھے	۴۶۰
۴۶۱	حضرت علی المرتضیٰؑ کے دور خلافت کے شیعہ	۴۶۱
۴۶۳	خلافت امام حسنؑ میں شیعوں کا کردار	۴۶۳
۴۶۳	حضرت امام حسینؑ کا دور	۴۶۳

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۹۰	قرآن مجید میں اتباعِ سنت کی تاکید	۵۱۵	حضرت علیؓ کی زبان سے سوادِ اعظم کی تعریف
۴۹۱	آیت اُولی الامر کا مطلب	۵۱۵	حضرت ابن عباسؓ کی زبان سے اہلسنت کی تعریف
۴۹۲	احادیثِ اہل سنت سے اتباعِ سنت کی تاکید	۵۱۶	قیامت کو اہلسنت کے چہرے روشن ہونگے
۴۹۳	امام حسینؓ کو صرف ایک مجلسِ شیعہ نصیب تھا	۵۱۶	حضرت عمرؓ کا ارشاد
۴۹۴	اللہ تعالیٰ شیعوں پر غضبناک ہوا (امام موسیٰ کاظمؑ)	۵۱۷	رسول خداؐ کی زبان مبارک سے اہلسنت کا ثبوت
۴۹۵	تین سو تیرہ شیعہ پورے ہو گئے تو امام غائبؑ ظاہر ہوں گے	۵۱۷	امام حسنؓ و امام حسینؓ اہل سنت کی آنکھوں
۴۹۶	بے نماز اور مخالفِ شریعت شیعوں کا نام خارج کر دیا جاتا ہے	۵۱۸	اہل سنت کا عروج و زوال
۴۹۷	لفظِ شیعہ کی بحث	۵۱۸	ممتا خیرین علمائے اہل سنت
۴۹۸	قرآن مجید میں لفظِ شیعہ کا استعمال	۵۱۹	حضرت محمدؐ و آلہٗ ثانی
۴۹۹	ایک اسرائیلی شیعہ کی بحث	۵۲۰	خاندانِ ولی اللہی
۵۰۰	مولوی امداد حسین کاظمی کا ایک علمی نکتہ	۵۲۱	آکا بر دیو بند کی خدماتِ جلیلہ
۵۰۱	آیت وَ اِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَ اَهْلًا بِمِثْرِ اَهْلِهِمْ کی بحث	۵۲۲	حضرت نالوتوئی کی ہدیتِ الشیعہ اور
۵۰۲	لفظِ شیعہ کا استعمال (شیعانِ عثمانؓ کی میاب ہیں)	۵۲۳	حضرت گنگوہیؒ کی ہدایتِ الشیعہ
۵۰۳	ایک خطرناک مغالطہ (دورِ منور کی روایت کا مطلب)	۵۲۴	مدحِ صحابہؓ کا وجوب (ارشادِ حضرت مدنیؒ)
۵۰۴	فرقہ شیعہ کا اصلی نام رافضی ہے	۵۲۵	صحابہ معیارِ حق ہیں
۵۰۵	اہل سنت و الجماعت کی وجہ تشبیہ	۵۲۶	امام اہلسنت مولانا عبدالشکور بکھنوی
۵۰۶	لفظِ سنت کا استعمال قرآن مجید میں	۵۲۷	مولانا ابوالفضل دہلوی مصنفِ کتابِ ہدیت کی خدمت
۵۰۷	سنت کا شرعی معنی	۵۲۸	مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی
۵۰۸		۵۲۹	وجودِ دور اور اہلسنت کی عمومی غفلت
۵۰۹		۵۳۰	ولانا محمد اسحاق صدیقی کا دردِ مندانہ پیام
		۵۳۱	خداام اہل سنت میدانِ عمل میں
		۵۳۲	تنظیمِ اہل سنت کی خدمات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۳۵	حضرت پیر نور شید احمد صاحب کا گرامی نامہ	۵۳۵	حضرت علیؓ کی زبان سے سوادِ اعظم کی تعریف
۵۳۶	خداام اہل سنت کنونشن لاہور	۵۳۶	حضرت ابن عباسؓ کی زبان سے اہلسنت کی تعریف
۵۳۷	حق چار یار	۵۳۷	قیامت کو اہلسنت کے چہرے روشن ہونگے
۵۳۸	لفظِ یار کا مفہوم	۵۳۸	حضرت عمرؓ کا ارشاد
۵۳۹	خطبہ جمعہ کا شعار	۵۳۹	رسول خداؐ کی زبان مبارک سے اہلسنت کا ثبوت
۵۴۰	شاہجہاں بادشاہ غازی کی مکتوبین کھڑی شریفیہ چار یار کے نام کنندہ ہیں۔	۵۴۰	امام حسنؓ و امام حسینؓ اہل سنت کی آنکھوں
۵۴۱	پاکستان کا ایک غیر ملکی قیدی قومی ہستی کے مزاجین کو کافر قرار دیتا ہے۔	۵۴۱	اہل سنت کا عروج و زوال
۵۴۲	۷ ستمبر کا تاریخی دن	۵۴۲	ممتا خیرین علمائے اہل سنت
۵۴۳	ملتِ اسلامیہ کو مبارک باد	۵۴۳	حضرت محمدؐ و آلہٗ ثانی
۵۴۴	حضرت صدیق کا عظیم کارنامہ خلافت	۵۴۴	خاندانِ ولی اللہی
۵۴۵	سنتی مطالبات کی تحریک	۵۴۵	آکا بر دیو بند کی خدماتِ جلیلہ
۵۴۶	سنتی مطالبات کا خلاصہ	۵۴۶	حضرت نالوتوئی کی ہدیتِ الشیعہ اور
۵۴۷	ایک غیر متصفانہ فیصلہ	۵۴۷	حضرت گنگوہیؒ کی ہدایتِ الشیعہ
۵۴۸	حصہ نظم - چار یار مصطفیٰ اہل یقین (حاجی ملا دلدار)	۵۴۸	مدحِ صحابہؓ کا وجوب (ارشادِ حضرت مدنیؒ)
۵۴۹	خیر القرون قرنی	۵۴۹	صحابہ معیارِ حق ہیں
۵۵۰	فلسفہ شہادتِ امامِ عالی مقام (ظفر علی خان)	۵۵۰	امام اہلسنت مولانا عبدالشکور بکھنوی
۵۵۱	حق چار یار (از محمد یونس سرور و اصفی)	۵۵۱	مولانا ابوالفضل دہلوی مصنفِ کتابِ ہدیت کی خدمت
۵۵۲	مقام چار یار (از ڈاکٹر منظور احمد منظور)	۵۵۲	مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی
۵۵۳	اعلانِ حق ہمارا ہے حق چار یار سے (محمد یونس)	۵۵۳	وجودِ دور اور اہلسنت کی عمومی غفلت
۵۵۴	اصحابی کالجیوم (عزیز فیضانی)	۵۵۴	ولانا محمد اسحاق صدیقی کا دردِ مندانہ پیام
۵۵۵	جو صابر و شاکر ہیں وہ ماتم نہیں کرتے	۵۵۵	خداام اہل سنت میدانِ عمل میں
۵۵۶	ماتمی مجتہد محمد حسین ڈھکو کی کتاب	۵۵۶	تنظیمِ اہل سنت کی خدمات
۵۵۷	"تجلیاتِ صداقت" پر ایک اجمالی نظر		



اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عِبَادِكَ الَّذِيْنَ اَصْطَفٰی

مری انتہائے نگارش ہی ہے! ترے نام سے استدراک رہا ہوں

قارئین کرام! یہ تصنیف کسی بادشاہ، کسی امیر، کسی وزیر یا قلم فروش ادیب کی نہیں۔ یہ تصنیف میرے ایک فاضل بزرگ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ العالی (خلیفہ ارشد حضرت مدنی) کی ہے۔ فقیر پُر تقصیر اپنے بزرگوں یعنی علمائے دیوبند کی تصانیف کو بغرض ثواب و اصلاح نفس پڑھا رہا ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف کی اس کتاب مُسْتَطَابُ الْمَسْتَبٰہِ "بَشَارَتُ الدَّارِیْنِ" کی کتابت کے ساتھ ساتھ مطالعہ کا شرف بھی راقم الحروف کو نصیب ہوا۔

جی میں آیا کہ اس کتاب مُسْتَطَاب پر حضرت مولانا کی اجازت سے ایک تشریظ لکھوں۔ گو میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، یہ کام کسی عالم دین کا ہے لیکن جسارت کر کے قلم اٹھا رہا ہوں۔ میری اس تشریظ کی مثال اس بڑھیا کی طرح ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری میں ایک موت کی انٹی پیش کی تھی اور لوگوں کے تمسخر اڑانے پر یہ کہا تھا کہ میں یہ موت کی انٹی اس لیے نہیں لائی کہ اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید سکوں گی، بلکہ اس لیے لائی ہوں کہ حضرت یوسف کے خریداروں میں خدائے عز و جل کے اہل میرا نام بھی درج ہو جائے۔

یہ گنہگار انسان، کج مزاج زبان کہ جس کا فنِ کتابت میں مرغوب نام اور وہ خود مغلوب ہوئی نام ہے اس نیت، ارادہ سے یہ تشریظ پیش کر رہا ہے کہ شاید یہی تشریظ میرے لیے توشہ آخرت بن جائے اور اگر روزِ سر اللہ تعالیٰ مجھ سے باز پرس فرمائے کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے پیش کر غافل! عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

تو بارگاہِ الہی میں یہ گنہگار عرض کرے گا، یا اللہ العالمین اور تو مجھ سے کوئی نیک عمل نہیں ہو سکا

سولے اس کے کہ تیرے محبوب سرور کائنات، منفرد موجودات، رحمتِ عالمیان، صفوتِ آدمیان تتمعہ دوز زمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے مداح ایک عالم دین سے یہ کتاب مُسْتَطَاب لکھوا کر لایا ہوں۔ جس میں امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر ماتمی مجالس اور ماتمی جلسوں، مروجہ ہنگامہ آرائیوں کی حرمت کو شرعی دلائل سے ثابت کر کے حضرت حسینؓ اور خاندانِ نبوت کے صبر و ثبات کا راستہ دکھایا گیا ہے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام اور خلفائے عظام پر وافض کے عائد کردہ بہتانات کا مدلل جواب دے کر تحفظ ناموس صحابہ کا فریضہ ادا کیا گیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی شان میں پاکستان کے شاعر بکیت اور ستِ اسلامیہ کے نامور فرزند مولانا ظفر علی خان مدیر روزنامہ "زمیندار" لاہور نے ایک نظم لکھی تھی جس کے صرف تین شعر سپرد قلم کرتا ہوں۔

شاد باش و شاد زنی لے سرزمین دیوبند ہند میں تُو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند!
تجھ میں قاسم ہوں کہ الور شاہ کہ محمود الحسن سب کے دل تھے درد مند اور سب کی فطرت جھنڈ
گرئی ہنگامہ تیری ہے حسین احمد سے آج! جن سے پرچم ہے روایاتِ سلف کا سر بلند!
یہ بات مُسْتَم ہے کہ ہر مدعی انانیت کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی نیک بشتہ پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے ہر فرعون نے راموسی۔ مدیر "زمیندار" علیہ الرحمۃ نے اپنے اشعار میں جن علمائے دیوبند کا ذکر فرمایا ہے، یہ ابھی بقید حیات ہی تھے کہ پنجاب کی مردم خیز زمین نے ایک عالم دین پیدا کیا جس کا نام نامی، اسم گرامی مولانا محمد کرم الدین صاحب دسبر ہے۔ مولانا دبیر مرحوم وہ بزرگ ہستی ہیں جنہوں نے پنجاب میں فتنہ مرزائیت اور فتنہ رافضی کے استیصال میں اپنے دوز میں جوگا لیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ایک لاجواب مناظر بھی تھے، شیعہ و دُستی نزاعی مسائل میں آپ نے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ آپ کی شہرہ آفاق کتاب "آفتابِ ہدایت" اس کا منہ بولتا نمونہ ہے۔ انگریز کے خود کاشتہ پونے مرزا غلام احمد قادیانی (کادیانی) سے آپ نے براہ راست ٹکری اور اُس کی جھوٹی نبوت کا اچھی طرح پوسٹ مارٹم کیا۔ حتیٰ کہ اُس کے خلاف ایک مقدمہ کے سلسلہ میں سرزمین قادیانی (ضلع گورداسپور)

پیشی پر بھی جاتے رہے اور بہ نصرت خداوندی اس مقدمہ میں کامیاب ہوئے اور مرزا قادیانی کو گورنر اسی کی عدالت سے چھ ماہ قید محض کی سزا سنائی گئی۔ اس مقدمہ کی مفصل روئیداد حضرت مولانا دبیر مرحوم کی کتاب ”تاریخہ عبرت“ میں موجود ہے۔ اسی نیک سیرت عالم دین کے ہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت قاضی صاحب کو پیدا فرمایا۔ آپ نے بھی اپنے والد بزرگوار (علیہ الرحمۃ) کے نقش قدم پر چل کر دینی علوم حاصل کئے۔ پنجاب میں تحصیل علم سے فراغت کے بعد علم کی تشنگی آپ کو کشان کشان دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور (دیوبند) لے گئی۔ دیوبند میں شیخ العرب والجم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں زبانِ حاک اپنی عقیدت و محبت کا اظہار یوں کیا۔

کبھی آندھی، کبھی بجلی، کبھی برسات نے روکا
ہر رنگ سے، ہر ڈھنگ سے طابات نے روکا
پر شوق مراڑک نہ سکا ان رخساروں سے
میں آہی گیا اڑکے محبت کے پروں سے!
قصہ مختصر! چشمہ دارالعلوم دیوبند سے اپنی علمی پیاس بجھائی اور دورہ حدیث شریف سے فارغ ہو کر واپس لوٹے۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں آپ کے مزاج میں شاہی بھی ہے اور فقیری بھی۔ ع، شاہی و درویشی اینجا باہم است۔ آج کل آپ مذہب اہل سنت والجماعت اور تحفظ ناموس صحابہ کی خاطر شمشیر برہنہ لے کر میدانِ عمل میں آئے ہیں۔ بے شک زمانہ حاضر میں مذہب اہل سنت والجماعت کی تباہی و خرابی اور تحفظ ناموس صحابہ کیلئے میدانِ عمل میں آنا بڑی کٹھن منزل ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں توفیق عطا فرمائیں۔
اس سعادت بزورِ بار و نبیت تانہ بخشہ خدائے بخشندہ!

حضرت قاضی صاحب نے اس میدان میں قدم رکھتے ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ یہ کتاب مشتطاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حضرت موصوف گویا اپنی باقی ماندہ زندگی ہی مذہب اہل سنت کی خدمت اور تحفظ ناموس صحابہ کے لیے وقف کر چکے ہیں بقول احسان انش
مگر قبول افتد رہے عز و شرف لے جان شوق
میں معنوں زندگی کرتا ہوں تیرے نام سے

یہ علمی جواہر پائے جو ”بشارت الدارین“ کے نام سے منظر عام پر آ رہے ہیں کسی طویل تمہید و تعارف کے محتاج نہیں۔ یہ کتاب حضرت مولانا کی خاموش محنت کا ثمر شیریں ہے، عربی زبان میں شیعہ و سنی علماء کی تفاسیر و تصانیف کا وقتِ نظر سے مطالعہ کرنا اور پھر ان منتشر جواہر ریزوں کو یکجا جمع کرنا سالہا سال کی محنتِ شاقہ چاہتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر اہل سنت والجماعت اور تحفظ ناموس صحابہ کی خاطر علماء کی خدمات کے بارے میں قلم اٹھانے کا کام کسی منصف مزاج اور صحیح النظر نقاد کے سپرد ہوا تو حضرت قاضی صاحب کا نام بھی انشاء اللہ عزیز سرفہرست آئے گا۔

اس دلائل و کتاب کی تعریف و تحسین میں کچھ لکھنا میرے نزدیک تحصیل حاصل کی کوشش ہی نہیں کرام! خود آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ آفتاب کے وجود کی کوئی دلیل، آفتاب کی تابش و ضیاء یاری سے زیادہ قاطع و ساطع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ع۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب! جس کتاب مشتطاب میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مدح و تہلیل و زینت اوراق ہو اور ان کے خلاف یا وہ گویا دہرہ مرائی کرنے والے گروہ کا منہ توڑ۔ دندان شکن اور مشکٹ جواب ہو۔ اس کتاب کے اوراق کی سیاہی کیونچہ ٹمرہ چشم اہل سنت والجماعت ہو اور وہ اوراق کیوں نہ مسلمانانِ پاکستان کیلئے قابلِ دید ہوں! انشاء اللہ تعالیٰ یہ نقشِ صفحہ روزگار پر یادگار رہے گا اور مصنف کا شہرہ علم و فضل تار و زینت شمار ہو گا۔ آخر میں، میں اپنے علم و رتبہ پر بھی ناز کرتا ہوں کہ اس مایہ ناز تصنیف کی دیباچہ نگاری کا فخر مجھ عامی کے قلم کج محرق کو عطا کیا گیا ہے۔ ان مختصر الفاظ کے ساتھ میں یہ گلدستہ علم و حکمت آربابِ ذوقِ دین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ علوم دینی کے اس عزیز الوجود اور کامل العمل عالم کو مذہب مقدس اسلام کی خدمت کے لیے تادیر سلامت رکھے

ابن دُعا از من و از جملہ جہان آمین یاد۔ ومن اللہ التوفیق و هو خیر الرفیق + حسبی اللہ و نعم الوکیل + نعم المولیٰ و نعم النصیر +
جامعہ چوہدری گلارڈن مورخہ ۵-۱-۹
اسٹیٹ - لاہور
راجی شفاعت و غفران
محمد فاضل اعوان!

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اَعْلَانِی

کتاب ”بَشَادَتُ الدَّارَيْنِ بِالْصَّبْرِ عَلَى شَهَادَاتِ الْحُسَيْنِ“ بحوالہ ”فَلَا حُ الْكُوفَتَيْنِ فِي عَزَاءِ الْحُسَيْنِ“ اہل اسلام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ محرم ۱۳۹۲ھ میں ایک پمفلٹ بنام ”ہم ماتم کیوں کرتے ہیں“ مؤلفہ ملک غلام عباس صاحب بی۔ اے، شیخان تلہ گنگ ضلع کیمپور کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ جس کے جواب میں تلہ گنگ کے سنی احباب کی فرمائش پر میں نے ایک رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ لکھا۔ اس کے جواب میں ملک غلام عباس صاحب نے ایک سائیکلو سٹائل اشتہار بنام ”کھلی چھٹی بک نام منظر ہوسین مولوی چودھوی صدی“ تقسیم کیا۔ جس کا جواب بھی ہماری طرف سے شائع کر دیا گیا۔ بعد ازاں ان دونوں جوابی رسالوں کا مجموعہ بنام ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ میں شائع ہوا۔ چونکہ یہ رسالہ عام فہم تھا اور اس میں شیعوں کے دلائل کا نمبر وار جواب دیا گیا تھا۔ نتیجہ مذہب کی سب سے صحیح ترین کتاب حدیث ”أُصُولُ الْكَافِي“ اور ”قُرُورِ الْكَافِي“ کی احادیث سے بھی مرد و جہاں اہل ماتم کا ناجائز ہونا ثابت کیا گیا تھا، اور قرآنی آیات صبر بھی مذہب اہل سنت کی تائید میں پیش کر دی گئی تھیں۔ اس لیے شیعہ دنیا میں کھلبلی مچ گئی۔ ادھر اہل سنت اپنے موقف کی حقانیت سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے ماشاء اللہ کئی سنی نوجوانوں کا عقیدہ مستحکم ہو گیا۔ جو لوگ باجوہ سنی المذہب ہونے کے ماتمی مجالس میں شریک ہوتے تھے انہوں نے توبہ کر لی۔ تلہ گنگ کے مسلمانان اہل سنت اپنے طویل خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور مذہب اہل سنت کی خدمت و نصرت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور وہاں سنی جلسوں اور سنی کانفرنسوں کا ایک کامیاب سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور

اے ملک باز خان صاحب ~~میں نے اس سلسلہ میں جو محنت کی ہے وہ قابلِ داہ ہے~~ (باقی اگلے صفحہ پر)

اپنے اپنے دائرہ میں سنی علماء و خطباء نے اس اہم فریضہ مذہبی کی طرف توجہ کی اور اہل سنت ایک نئے دور کے ساتھ میدانِ کلمی میں آگئے۔ یہ نتائج و اثرات ماتمی گروہ کے لیے بالکل خلاف توقع تھے کیونکہ وہ یہ گنا کر چکے تھے کہ اہل سنت جس غفلت اور بے بسی، کم محنتی اور انتشار میں مبتلا ہو چکے ہیں اب ان کے لیے اس سے خلاصی مشکل ہے۔ لیکن ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔

ماتمیوں کے رسالہ ”ہم ماتم کیوں کرتے ہیں“ نے ہی ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ مسئلہ ماتم اہل تشیع اور اہل تشیع دونوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ ہمارے جوابی رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ نے سارے ملک کو متاثر کیا، اور چونکہ اہل تشیع ماتمی ہنگاموں کے ذریعہ ہی ناواقف سنی عوام کو متاثر کرتے تھے اور اس ذریعہ سے اپنے مذہب کو فروغ دے رہے تھے۔ اس لیے اُن کی راہ میں ہمارا جوابی رسالہ بڑی رکاوٹ بن گیا اور انہوں نے اپنے علماء و مجتہدین سے اس کا جواب الجواب تیار کرنے پر بہت اصرار کیا۔ جس کے نتیجے میں انجن حیدری چکوال کی طرف سے ایک کتاب بنام ”سَلَامُ الْكُوفَتَيْنِ فِي عَزَاءِ الْحُسَيْنِ“ رمضان ۱۳۹۳ھ میں شائع کی گئی جو ۱۸-۲۳ سائز کے ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب پر مصنف کا نام آفاقیہ مصنف صاحب نقوی ساکن ربال تحصیل چکوال درج ہے۔ اس کتاب پر شیعوں کے علامہ مولوی محمد حسین صاحب المعروف بے ڈھکو صاحب سابق پرنسپل دارالعلوم محمدیہ سرگودھا اور علامہ نصیر حسین صاحب سابق پرنسپل دارالعلوم محمدیہ کی تقریظیں لکھی ہیں۔ لیکن یہ یقین نہیں آتا کہ کتاب کے مصنف آغا صاحب موصوف ہی ہیں۔ کیونکہ ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے اور ہم بھی اُن کے نام سے اسی کتاب کے ذریعہ واقف ہوئے ہیں۔ ان کا نام چکوال کی مجالس ماتم کے ایک اشتہار میں بھی سجائے علماء کے ذاکرین میں درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخان چکوال کے ہاں بھی وہ ذمرہ علماء میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے

بقیہ تحت العتس ص ۱۔ وہ ایک انتھک اور بے خون سپاہی کی طرح مرکزِ گرم کا درہتے ہیں۔ تلہ گنگ کے سنی مسلمانوں کی تحریک میں ان کی جدوجہد نمایاں ہے۔

ان کی نہاد قبول فرمائیں اور مذہب اہل سنت والجماعت کی خدمت کے لیے زیادہ سے زیادہ مخلصانہ طور پر توفیق عمل نصیب ہو آمین۔

اغلب یہی ہے کہ کتاب کے مصنف کوئی اور شیعہ عالم ہیں اور بظاہر یہ کتاب آغا واصف حسین صاحب کی طرف منسوب کر دی گئی ہے اور شیعہ علماء سے یہ کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ کیونکہ تفتیہ اُن کے ہاں ایک ایسا ہتھیار ہے جو ہر موقع پر کام دے سکتا ہے اور اپنی تصنیف کو کسی اور کے نام سے شائع کرنے کا اقرار تو خود مولوی محمد حسین صاحب علامہ موصوف نے اپنی کتاب ”احسن الفوائد“ میں کر لیا ہے۔ چنانچہ اپنی تصانیف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ :- ”ایک کتاب جس کے نام کا ذکر مناسب نہیں، بعض مصالح کی بنا پر بعض دیگر اہل علم حضرات کے نام پر چھپی ہے“ اس لیے یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ”فلاح الکونین“ کے مصنف بھی علامہ محمد حسین صاحب ہی ہوں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

بہر حال اگر آپ اس کتاب کے مصنف نہیں ہیں تو آپ کا مقررہ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ کتاب میں آپ کی تقریظ موجود ہے۔ جس میں آپ نے اس کتاب کی اشاعت کے لیے ماتمیوں کو بایں الفاظ تاکید کی ہے کہ :- ”اہل ایمان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ اس رسالہ کی نشر و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ خود پڑھیں دوسروں کو پڑھائیں اور جہاں جہاں اصل رسالہ پہنچا ہے وہاں وہاں جو ابی رسالہ شریفہ (فلاح الکونین فی عذراء الحسینؑ) بھی پہنچائیں، اور اس طرح انصارِ حسینی میں اپنا نام درج کرائیں“

آپ کے خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ بھی میرے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ سے متاثر ہوئے ہیں اور علامہ صاحب کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ ماتمی گروہ میں کمی نہ آجائے۔ علامہ صاحب موصوف پر لیشانی کے عالم میں یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ :- ”اسی سلسلہ قبیحہ کی ایک کڑی وہ رسالہ بھی ہے جس کا نام ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ ہے۔ جو چکوال کے ایک قاضی صاحب کے علم و قلم کا شاہکار ہے جس میں دل کھول کر عزاداری سید الشہداء کے خلاف زہر اُگلایا ہے۔ نہ معلوم اس رسالہ پر تقریظ لکھنے والے ایک چنیوٹی مولوی کس ”جنت الحَمَقَاء“ میں بستے ہیں۔ جنہوں نے ترنگ میں آکر یہ لکھ دیا

لے یعنی مبلغ اہل سنت جناب مولانا حافظہ محمد حسین صاحب چنیوٹی۔ جنہوں نے میرے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے متعلق اپنی تقریظ میں یہ لکھا تھا کہ :- ”جس میں قرآنی آیات و احادیث و اقوال ائمہ سے اٹھارہ دلائل مرقومہ ماتم کے حرام ہونے پر ثبوت دلائل نہایت تحقیق کے ساتھ پیش فرمائے ہیں۔ جن کا جواب کوئی غالی شیعہ شیخ کی جرأت قیامت تک نہ کر سکے گا“

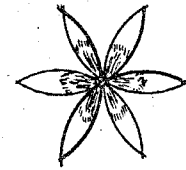
کہ قیامت تک اس رسالہ کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ اگرچہ رسالہ اپنے دلائل کی ناپختگی اور طرزِ تحسیر کی ناشائستگی کی وجہ سے محتاجِ جواب نہ تھا مگر چونکہ بعض ناپختہ اذہان کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ابھی مقررہ کی آواز فضائے محیط میں گونج رہی تھی کہ ایک غیور سید اپنی غیرت قومی و ملی کے نشہ سے سرشار ہو کر اور دلائل قاطعہ سے مسلح ہو کر عرصہ پیکار میں کود پڑا الخ۔ علامہ صاحب نے یہاں جو کچھ لکھا ہے وہ علم و تحقیق پر مبنی نہیں ہے کیونکہ میں نے آپ کی محبوب عزاداری کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اُس پر کتابتِ سنت کے دلائل و براہین پیش کر دیئے ہیں۔ جن کا صحیح جواب آپ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک نہیں دے سکتے اور آپ مروجہ ماتم کو جس کو آپ عزاداری سید الشہداء سے تعبیر کرتے ہیں، سنت و عبادت کیونکر قرار دے سکتے ہیں جبکہ یہ افعال ماتم صبر کے خلاف ہیں اور قرآن مجید میں مومنین کو صبر کا حکم دیا گیا ہے اور منعِ آیات میں صابرین کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، اور از روئے لغت بھی جُزء کرنا صبر کے خلاف ہے کیونکہ صبر اور جُزء باہم ضدین ہیں اور قرآن مجید میں سورۃ ابراہیم کی حسب ذیل آیت سے بھی صبر اور جُزء کا آپس میں متناقض ہونا ثابت ہوتا ہے :- ”سَوَّاءٌ عَلَيْنَا اَمْ جَزَعْنَا اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّعِيَةٍ“۔ مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر کا ترجمہ یہ ہے :- ”مگر ہمارے لیے تو دونوں حالتیں برابر ہیں خواہ ہم روئیں بیٹیں یا صبر و سکوت اختیار کریں“

اس آیت کی تفسیر میں شیعہ مجتہد شیخ بوعلی طبرسی لکھتے ہیں :- ”والجَزَعُ انزعاجُ النفس بوجہ دما یغم و ذقیضہ الصبر“۔ یعنی جُزء نفس کے اس قَلَق و اضطراب کو کہتے ہیں جو کسی غم پہنچانے والی بات سے لاحق ہوتا ہے اور اس کی نقیض صبر ہے“ اور اہل علم جانتے ہیں کہ اجتماعِ نقیضین محال ہے یعنی جو دو حالتیں آپس میں ایک دوسرے کی نقیض ہوں وہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ لہذا جہاں صبر ہوگا وہاں جُزء نہیں ہوگا اور جہاں جُزء ہوگا وہاں صبر نہیں ہوگا۔ یعنی جُزء کرنے والوں کو صابرین نہیں کہہ سکتے اور یہ بھی ملحوظ ہے کہ جب جُزء صبر کے خلاف ہے تو مروجہ ماتم جو جُزء سے کہنے جتنے زائد بقراری اور اضطراب کے مظاہرہ کا نام ہے وہ صبر کے کیوں خلاف نہ ہوگا۔ اس بحث کی تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائی جائے۔ (۲) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان افعالِ ماتم سے صراحتاً منع فرمادیا تو آپ اُن

کی بڑی ضرورت ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر پہلے ارادہ محاکمہ مسئلہ خلافت کی بحث بھی ”بشارت الدارین“ میں لکھ دی جائے گی۔ لیکن باوجود اختصار کے ارادہ کے یہ مسئلہ طویل ہونا گیا، جس سے کتاب کی ضخامت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس لیے بحث خلافت کو نامکمل چھوڑ کر باقی کتاب کی تکمیل کر دی گئی ہے۔ اب انشاء اللہ حسب فراغت مسئلہ خلافت مکمل کر کے علیحدہ کتاب شائع کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کتاب ”بشارت الدارین“ کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کو اس سے دینی نفع حاصل کرنے کی توفیق نصیب ہو۔ آمین! بِحَوْلِ النَّبِيِّ الْكَرِيمِ، خَاتَمِ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَآصْحَابِهِ وَسَلَّمَ خادِم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ (فاضل دیوبند، خطیب مکنی جامع مسجد چکوال)

دامیر ”تحریک خدام اہل سنت“ صوبہ پنجاب (پاکستان)

۱۲۔ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۹۔ ستمبر ۱۹۷۴ء



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسول محمد ورحمة للعالمين وامام الصابرين وخاتم النبیین وعلى خلفائہ الراشدين وعلى ائمة الطيبين واصحابہ المرصطين اجمعين۔ اہم اہم اہم برادران ملت کی خدمت میں عرض ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین مسئلہ صبر و ماتم ایک اہم اختلافی اور نزاعی مسئلہ ہے۔ شیعہ فرقہ ماتم کو سنت اور عبادت قرار دیتا ہے اور اہل سنت کے ہاں شیعوں کا تجوزہ ماتم شرعاً ناجائز اور حرام ہے اور میری اس کتاب ”بشارت الدارین“ بالصبر علی شہادت الحسین میں یہی مسئلہ زیر بحث ہے جو شیعوں کی ایک کتاب ”فلاح الکونین فی عزاء الحسین“ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ حق تعالیٰ کی تائید اور نصرت سے شیعہ دلائل و اعتراضات کا اس میں مکمل و مدلل جواب موجود ہے، اور خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ تعصب اور فرقہ بازی سے بالاتر ہو کر ان دونوں کتابوں کے دلائل اور مضامین کا جائزہ لیں انشاء اللہ حق واضح ہو جائے گا۔ و اتوفیقی اللہ علیہ توفیق والیہ العلیہ۔

تسمیہ کتاب

اس سے پہلے میں قارئین کو دونوں کتابوں کے ناموں کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ کس کتاب کا نام تسمیہ کتاب اس کے موضوع کے مناسب ہے۔ ہماری کتاب میں چونکہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مصائب و آلام پر نصرت میں صبر کرنے کا حکم ہے اور بشارت صابرين ہی کو دی گئی ہے اس لئے کتاب کا نام ہی اس کے مضمون کو واضح کرنے والا ہے۔ یعنی ”بشارت الدارین“ بالصبر علی شہادت الحسین جس کا مطلب یہ ہے جو مسلمان حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر صبر اختیار کرے گا اس کے لئے دونوں جہانوں میں بشارت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و بشر الصابرين الذين اذا أصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون اُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتُ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَادْنٰهُمْ هم المبتدون (بارہ دم۔ رکوع ۳) اور (اسے میرے رسول) آپ ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں کہ جب بھی ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی بیشک اللہ کی ملک میں ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے خاص رحمتیں بھی ہوں گی اور عام رحمتیں بھی، اور یہی لوگ ہیں ہدایت پانے والے یعنی مصائب پر صبر کرنے والے لوگ اس جہان میں بھی ہدایت یافتہ ہیں اور آخرت میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو گا۔ یہ ہے مؤمنین صابرين کے لئے دونوں جہان کی بشارت۔ لیکن اس کے برعکس شیعہ مصنف نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے یعنی ”فلاح الکونین“، فی عزاء الحسین اس کا معنی تو یہ ہے کہ عزائے حسین میں دونوں جہانوں کی فلاح ہے اور عزاء لغوی معنی صبر ہے نہ کہ ماتم۔ لیکن کتاب میں

خلافِ صبرِ انصاف یعنی منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کو باعثِ فلاح قرار دیا گیا ہے۔ برعکس نام نہند نگہی کا غور، اور تقویٰ ہے کہ شیعہ ذاکرین و علماء ماتم کرنے والوں کو عزادارانِ حسین کہتے ہیں۔ اسی بنا پر میں نے اپنے جوابی رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے آخر میں بحثِ فلاح عیاض صاحب کی۔ جسے مولف ”ہم ماتم کیوں کرتے ہیں“ سے یہ سوال کیا تھا کہ: ”آپ ماتم کی جگہ میں تفریہ کا جیوس بھی لکھتے ہیں۔ اگر آپ تفریہ کا فتویٰ معنی سمجھتے ہیں تو یہ بتائیں کہ شیعہ روئے امام حسینؑ کو تفریہ کہنے کی وجہ کیا ہے؟ میرے اس سوال کے جواب میں ”فلاح الکونین“ کے مصنف صاحب کہتے ہیں: کہ تفریہ کے فتویٰ معنی صرف ہم ہی نہیں بلکہ ہر پڑھا لکھا انسان جانتا ہے کہ تفریت، تفریہ عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ جن کے معنی ہیں ماتم پرسی کرنا، ماتم کرنا۔ جس کو پنجابی زبان میں ”ٹکان دینا“ کہتے ہیں (صفحہ ۱۲۱ جواب دی) اول تو آپ کی یہ جہالت کہ تفریت اور تفریہ کو دو جدا جدا الفاظ سمجھ لیا حالانکہ یہ لفظ ایک ہی ہے جس کو عربی رسم الخط میں تعزیۃ اور اردو میں تفریت لکھا جاتا ہے۔

تفریہ کا فتویٰ معنی

(دب) دوم آپ نے تفریت کا فتویٰ معنی ماتم کرنا لکھا ہے جو بالکل غلط اور من گھڑت ہے، کیا لغت کی کسی کتاب سے یہ معنی ثابت کر سکتے ہیں؟ آپ تو غالباً سمجھنا چاہتے ہی نہیں لیکن درمحل کو سمجھانے کے لئے کتب لغت کے حوالجات حسب ذیل ہیں (۱) بیان المسان میں ہے۔ تفریت مصیبت زدہ کو صبر کی ہدایت کرنا۔ (۲) التمجید میں ہے، عزیزی (تعزیۃ) الرجل سجدہ۔ اُس مرد کی تفریت کی یعنی اس کو تسلی دی (۳) عربی کی مشہور اور مستند کتاب قاموس میں ہے۔ العزاء، الصبر وعزۃ تعزیۃ یعنی اس کو صبر دلایا۔

تفریہ کا شرعی معنی

مسلمانان اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل میت کے پاس تفریت کرنا مسنون ہے (۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عزى مصاباً فله مثل اجر واداء القومى وابن ماجہ (مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کو صبر دلانے اس کو اسی مثل اجر ملے گا (۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عزى ثکلی کئی بردائی الجنۃ رواہ المقرئ (مشکوٰۃ شریف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس عورت کو صبر دلانے جس کا بچہ مر گیا ہو اس کو جنت میں ایک چادر پہنائی جائے گی اور تفریت بمعنی صبر اور تسلی دلانے میں اہل سنت کا کوئی اختلاف نہیں ہے چنانچہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی رضوی بریلوی اپنی مشہور کتاب ”بہار شریعت“ حصہ چہارم ص ۱۹۸ میں لکھتے ہیں: ”تفریت مسنون ہے، حدیث میں ہے جو اپنے بھائی مسلمان کی مصیبت پر تفریت کر لے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے کرامت کا جوڑا پہنائیگا، اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے“ (مشکوٰۃ مصیبت پر

صبر کرے تو اسے دو ثواب ملتے ہیں ایک مصیبت کا دوسرا صبر کا، اور جزع جزع سے دونوں جلتے رہتے ہیں (مشکوٰۃ تفریت کے لئے اکثر عربیوں دشتہ و درج جمع ہوتی ہیں اور روقی پیٹتی فوج کر تی ہیں انہیں کھانا نہ دیا جائے کہ گناہ پر مدد کرنا ہے ”بہار شریعت“ اس کتاب بہار شریعت حصہ چہارم کی تقریظ میں بریلوی مکتب فکر کے امام مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں: ”مطالعہ کیا الحمد للہ مساکین صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔“

احادیث شیعہ

چونکہ ہم نے شیعوں کے مرد و تفریہ کا خلاف لغت و شرع ہونا ثابت کرنا ہے اس لئے تفریت کے شرعی معنی سمجھنے کے لئے مذہب شیعہ کی مستند کتب حدیث کی عبارتیں درج ذیل ہیں: (۱) فروغ الکافی جلد اول میں باب المتعزیٰ ایک مستقل باب ہے جس کے اردو ترجمہ الشانی میں لکھلے۔ ”باب التعزیت“ میں فرماتے ہیں ان احادیث کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے (۱) امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آنے والا تفریت کے لئے آیا جس کی فحی آواز تو سنی گئی مگر وجود نظر نہ آیا۔ اس نے کہا سلام ہو تم پر اے اہل بیت اور اللہ کی رحمت ہو بیشک ہر ذی حیات مرنے والا ہے، تم روز قیامت صبر کا اجر پاؤ گے۔ جو نارسے دور ہوا اور جنت میں داخل ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا اور فانی دنیا متاع غرور کے سوا کچھ نہیں۔ پس مرفعی خدا کے لئے ہر مصیبت میں صبر کرنا چاہئے (الشافی ص ۱۵۷) (۲) فروغ الکافی ثواب التفریت کے باب میں ہے کہ فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام نے کہ موسیٰ علیہ السلام نے مناجات میں کہا۔ زنی پسر مردہ کو صبر دلانے والے کی کیا جزا ہے؟ فرمایا میں اُس کو اپنے سایہ میں اُس دن جگہ دوں گا جس دن میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا (۳) فرمایا امام جعفر صادق نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کسی رنجیدہ کو صبر دلانے کی قور و قیامت اس کو ایسا لباس پہنایا جائیگا جس سے وہ خوش ہوگا۔ (الشافی ص ۱۵۸) یہ ہے تفریت کا مطلب جو اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب احادیث میں مذکور

سلسلہ کتاب الکافی کے دو حصے ہیں۔ ۱۔ اصول الکافی اور فروغ الکافی اور فرقہ الکافی اور فرقہ الکافی میں ہے، الکافی کے مصنف شیخ محمد بن یعقوب الکافی ہیں۔ اصول الکافی اور فروغ الکافی کا ترجمہ شیعوں کے ادیب اعظم سید خضر حسن صاحب نے الشافی کے نام سے لکھا ہے، اور الشافی ترجمہ اصول الکافی کا مقدمہ شیعوں سلطان النقیں علامہ محمد حسین صاحب سابق پرنسپل دارالعلوم حقیر سرگودھا نے لکھا ہے اور فلاح الکونین کی عزادارانِ حسین پر تقریظ لکھنے والے بھی ہیں مولوی محمد حسین صاحب ہیں، اصول فروغ الکافی مذہب شیعہ کی کتب حدیث میں سب سے اعلیٰ درجے کی کتاب ہے چنانچہ اس کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب نوموت لکھتے ہیں کہ: ۱۔ اصول الکافی متناہیہ (کافی) منہ عن جعفر الفقیہ۔ تہذیب الاحکام اور استنباع الدین میں سب سے سنی اور سب سے افضل کتاب ہے۔ جس روز سے یہ طبعی گئی ہے اس روز سے آج تک برابر مرید فقہاء و محدثین اور علماء عالمین اور روشنی چشم شیعہ بھی رہی ہے (۲) (مقدمہ الشافی ص ۱)

ہے۔ اس کے بعد بھی کیا کوئی اہل انصاف شیعہ عالم ماتم حسین کو عزائم حسین اور تعزیر مرتد جہ یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کی شبیہ کو تعزیرت کے نام سے موسوم کر سکتا ہے۔ جس میں صبر دلانا نہیں بلکہ صبر کھونا مقصود ہے۔ لیکن مصنف "فلاح الکونین" تعزیرت کے لغوی اور شرعی معنی کو نظر انداز کرتے ہوئے، یہ کیسا ہی عجیب جواب لکھتے ہیں کہ وہ بعض اوقات موضوع لغو جس کے لئے واضح ہے یہ لفظ وضع کیا ہو عامۃً انتاس کی روزمرہ کی زبان میں اس کا مفہوم اس قدر بدل جاتا ہے، اُس میں اتنا تضاد پیدا ہو جاتا ہے کہ لغوی معنی بیکار ہو جاتے ہیں مثلاً لغوی لحاظ سے کسی گڑی ہوئی چیز کو "گاڑی" کہتے ہیں مگر عرف عام میں یہی لفظ متحرک اشیاء ریل اور موٹر پر استعمال ہوتا ہے۔

الجواب (د) سبحان اللہ! کیا علی تحقیق ہے۔ ایک عربی لفظ تعزیرت کے لغوی اور شرعی معنی کے جواب میں کیسی جاہلانہ گاڑی کی مثال پیش کر دی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ گاڑی کی وجہ تسمیہ کیلئے اور نہ صرف کسی لفظ کے لغوی معنی سے بحث ہے کہ عرف عام میں اس کا مفہوم برعکس ہو گیا ہے۔ ہمارا سوال تو یہ ہے کہ لغوی معنی کے علاوہ جب احادیث کی ذہنی میں تعزیرت کا مطلب کسی دوسرے مصیبت زدہ کو صبر اور تسلی دلانا ہے تو اس شرعی مفہوم کے بالکل خلاف ماتم اور تعزیر مرتد جہ کو اہل تشیع کی مذہبی اصطلاح میں کیوں ان ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے جن سے مطلوب و مقصود ہی صبر اور تسلی کی حقیقت سے بالکل نا آشنا بنا دینا ہے۔ (ب) اردو محاورہ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "یا پھر جیسا کہ لفظ صلوة ہے جس کے لغوی معنی دُعا کے ہیں۔ واضح نے اس معنی کے لئے وضع کیا تھا لیکن شریعت اسلام نے اس لفظ کو اپنی اصطلاح میں نماز کے معنی میں استعمال کیا اور اب اس کا استعمال قرآن اور حدیث میں ہی نہیں بلکہ عرف عام میں بھی نماز کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ یہی لفظ صلوة محمد وآل محمد پر درود بھیجنے کے ضمن میں بھی استعمال ہوتا ہے بالکل اسی طرح لفظ تعزیرت کے معنی موضوع لغو ماتم پر ہی کرنا تھا۔ ماتم سے ہمدردی کرنا۔ ماتم کرنا تھے، لیکن اصطلاح عام میں منقول ہو کر اس کے معنی شبیہ روضہ امام حسین ہو گئے جو اس لفظ کے مندرجہ ہی مبتداء الی الذہن ہوتے ہیں۔" (فلاح الکونین)

الجواب :- آپ نے یہاں جو صلوة کی مثال پیش کی ہے یہ آپ کے مخالف ہے اور ہمارے موافق کیونکہ صلوة کا لغوی معنی شرعی اور عرفی استعمال میں موجود ہے۔ کیونکہ صلوة کا لغوی معنی دُعا بھی ہے اور رحمت بھی دیکھئے قاموس ادا المتجددین اور نماز، درود شریف اور نماز جنازہ سب میں دُعا اور رحمت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لہذا شریعت اور عرف عام میں ان عبارتوں کا مفہوم لغوی معنی کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے۔ لیکن برعکس اس کے تعزیر مرتد جہ میں تعزیرت کا لغوی اور شرعی مفہوم لینی

مصیبت زدہ کو صبر دلانا دونوں باقی نہیں رہتے اور ان معانی کے خلاف مظاہرہ کیا جاتا ہے اور آپ بھی اس کو محسوس کر رہے ہیں اسی لئے تو جواب میں کسی لفظ کے لغوی اور عرفی معنی کے تضاد اور مخالفت کی مثال پیش کر رہے ہیں۔

ملک غلام عباس صاحب بی۔ نے ابتدائی ماتی ٹریکٹ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں نمبر وار ۱۸ دلائل پیش کئے تھے۔ جن کے نمبر وار جوابات میرے جوابی رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں دیدیئے گئے تھے اور انہی کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" نے ان ۱۸ دلائل پر نمبر وار مفصل بحث کی ہے، اور گوڈ کوڈ ٹریکٹ کے اکثر دلائل قابل ذکر ہی نہیں تھے اور "فلاح الکونین" میں بھی حسب ذیل یہ اعتراف موجود ہے کہ ملک غلام عباس صاحب موصوف عالم نہیں ہیں :- ملک صاحب بینک چودھویں صدی کی میڈیکل ہسپتال میں نگرہ علامہ سے نہیں بلکہ عوام سے ہیں (صفحہ ۹) لیکن مصنف صاحب موصوف نے مذہبی تعصب کی بنا پر جو کہ ماتی ٹریکٹ میں مندرجہ ہر استدلال کی تائید کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے خواہ وہ کتنی ہی جاہلانہ بات ہو۔ اس لئے اس کتاب میں بھی نمبر وار ان کے دلائل اور جوابات پر بحث کی گئی ہے۔ تاکہ مطالعہ کرنے والوں کے لئے علی تحقیق آسان ہو جائے۔ وَأَفْهَى أَمْرٍ إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ۔

قصہ حضرت یعقوب علیہ السلام

(بحث دہلی نمبر ۱)

ماتی ٹریکٹ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں پہلی دلیل کے تحت یہ آیت پیش کی گئی تھی :- وَابْتَغِ عَيْنَاكَ مِنَ الْخَيْرِ فَهُوَ كَيْفٌ (سورۃ یوسف) :- "اور اس نے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا ہائے افسوس یوسف پر اور غم و اندوہ کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں۔" میں نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ (۱) وَابْتَغِ عَيْنَاكَ مِنَ الْخَيْرِ فَهُوَ كَيْفٌ :- "اور آپ کی آنکھیں بھرا دے سفید ہو گئیں، پس وہ اپنے غم کو اپنے اندر روکنے والے تھے"۔ ماتی نے اس میں بھی غلطیہ کا ترجمہ اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ اُس سے ماتم نہ کرنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ کفر سے اُس شخص کو تھے جس کے دل میں بہت صدمہ ہو لیکن صبر کی وجہ سے وہ اس کا اظہار نہ کر سکے اور یہی وہ صبر میل ہے جس کا اعلان آپ نے اُس وقت کیا تھا جب بھائیوں نے یہ تجویز دی تھی کہ یوسف کو بھیڑ یا کھائے (۲) آیت میں نہ منہ پھیرنے کا لفظ ہے نہ سینہ کوئی اور ماتم کا بلکہ صرف خَوْن کا لفظ ہے جس کا معنی صرف غم و اندوہ ہے (۳) حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق کا صدمہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو مسلسل رہا لیکن جب دور فراق ختم ہوا اور آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تحت مصر پر منتقل ہونے کی بشارت ملی تو پھر آپ کا غم بھی جاتا رہا اور آنکھوں کی روشنی بھی اسی

لوٹ آئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب تک کسی محبوب کی مصیبت باقی ہو اور اس کا مدد ملتا رہے لیکن صبر کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے تو یہ غیر اختیاری غم و اندوہ گناہ نہیں اور جب وہ مصیبت ختم ہو جائے تو پھر غم بھی ختم ہو جاتا ہے اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام عالی مقام اور آپ کے اعزہ و اصحاب پر جو مصیبت نازل ہوئی وہ وقتی تھی۔ شہادت کا درجہ پانے کے بعد جب آپ کو جنت مل گئی تو پہلی مصیبت بھی ختم ہو گئی۔ اب شہدائے کربلا کی روحوں کو حسب آیات قرآنی جنت کا رزق ملتا ہے اور وہ وہاں خوش ہیں تو اب رونے اور ماتم کرنے کا کیا موقع ہے۔ ہم تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں کہ جب تک آپ مصیبت میں مبتلا تھے اس وقت بھی صبر کیا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند مقام کی بشارت ملی تو پہلا غم بھی بالکل ختم ہو گیا۔ مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے کیا با تمین کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں ہے اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جنت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں۔ (۴) حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی سلطنت ملنے کے بعد بھی کیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس گدڑی بھنی مصیبت کی یاد گار میں ہر سال غم کی مجلس منعقد کی تھی؟ (۵) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے سانحہ کربلا ایک بہت بڑا ایمانی امتحان تھا جس میں آپ اعلیٰ نمبروں میں پاس ہوئے تو اب واہ واہ! حسین، امام کربلا کی شان کے مناسب ہے یا ہائے حسین، ہائے حسین۔ جو امام عالی مقام کو پاس سمجھتا ہے وہ واہ واہ کرے اور جو دغود با اللہ) قیل سمجھتا ہے وہ ہائے ہائے کہے گا۔ نگاہ اپنی پسند اپنی اپنی دھم مائش کیوں نہیں کرتے صید۔

اس کے جواب ابواب میں مصنف "فلاح الکونین" میرے مذکورہ جوابات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ فہم و کظیم کا ترجمہ اس لئے ترک کر دیا گیا کہ اس سے ماتم نہ کرنا ثابت ہوتا ہے، ہرگز نہیں۔ بے شک کظیم کے لغوی معنی غم و غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں مگر قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس غم کو دُور نہیں کیا تھا وہ ہمیشہ زبان اور آنکھوں سے اس کا ذکر کرتے رہے، اسی لئے مولانا اشرف علی تھانوی نے فہم و کظیم کا ترجمہ "وہ غم سے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے" کیا ہے، یہی ترجمہ حقیقت پر مبنی ہے۔ جس کی تصدیق حضرت یوسف علیہ السلام کے ان بھائیوں کی زبان سے ہو رہی ہے جو حضرت یعقوب کے اس غم و الم کا باعث بنے تھے اور جن کے سامنے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں اس حالت تک پہنچ گئے تھے کہ انہیں قالوا تانا اللہ ففتوٰ تنذُر یوسف حتیٰ تَکُون حَوضًا اذ تَکُون مِن اَیْمَانِ لَکِن کُنا پڑا "جمہرہ معلوم ہوتا ہے تم سدا کے سدا یوسف کی یاد گاری میں گئے رہو

میاں تک کہ کھل کھل کر دم لب ہو جاؤ گے یا کہ بالکل ہی مر جاؤ گے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) آیت عیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ بٹے کے غم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا جی ہی جی میں کڑھنا اس قدر شدید تھا کہ بیٹوں کو باپ کی ہلاکت کا خطرہ لاحق تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حزن و ملال، رنج و الم اس پر دال ہے کہ آپ کا یہ غم بطور مذہب تھا جو بازاؤں بند کیا جاتا ہے۔

یا اَسَفی عَنی یُوسُف۔ ہائے افسوس یوسف پر الم

الجواب (۱) آپ نے کَظِیم کا لغوی معنی غم و غصہ کو ضبط کرنے والا تسلیم کر لیا تو پھر اس کیفیت صبر کو ماننے کیوں نہیں؟ اور ساتھ ہی آپ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس غم کو دُور نہیں کیا تھا۔ یہ لکھنے کی آپ کو کیوں ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ کیا میں نے یہ لکھا ہے کہ ایام مصیبت میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس غم کو دُور کر دیا تھا؟ نہیں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر جیل کے تحت غم کو بہت زیادہ ضبط کیا اور غم کا مظاہرہ بصورتِ منہ پٹینے، سینہ کو ٹٹنے، سیاہ کپڑے پہننے اور ماتمی جلوس نکالنے کا نہیں کیا، اور اگر کیا ہے تو ثابت کریں؟ (دع) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو ترجمہ آپ نے پیش کیا ہے کہ "وہ غم سے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے" اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ غم کو اپنے اندر دبائے ہوئے تھے۔ کیا آپ اس کا معنی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غم کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کا خون آلود کرتلے ہوئے لگی کوچوں میں ماتمی جلوس نکالا کرتے تھے، اور لوگوں کو منہ پٹینے اور سینہ کو ٹٹنے کی دعوت دیتے رہتے تھے؟ علاوہ ازیں آپ کی علمی خیانت یہ ہے کہ حضرت تھانوی کی بابت عبارت چھوڑ دی جس میں آپ نے لکھا ہے: "کیونکہ شدتِ غم کے ساتھ جب شدتِ ضبط ہو گا جیسا کہ صابرین کی شان ہے تو کَظِیم کی کیفیت پیدا ہوگی۔"

مولانا تھانوی کے نزدیک صابرین کی شان غم شدید کو سختی کے ساتھ اپنے اندر ضبط کر لے یا با تمین کی طرح ماتمی غم کے جلوس نکالنا مولانا تھانوی کی اس تشریح سے تو آپ کے ماتم کی بنیاد ہی گرا دی۔ عوہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

شیعوں کے مشہور مفسر شیخ طبری اپنی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں: "وَالْكَظِيمُ اجْتِرَاعُ الْمُحْزَنَاتِ تَقْسِيرُ شَدِيدٍ" وہو ان یمسکہ فی قلبہ ولا یشہدہ ائی غیرہ۔ "کَظِیم" کہتے ہیں غم کے گھونٹ پینے کو اور وہ یہ ہے کہ غم کو اپنے دل میں روکے اور اس کو دوسرے تک نہ پھیلانے "فرمایے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے کَظِیم کا مطلب

لے تفسیر مجمع البیان کے مصنف شیخ ابو علی طبری میں جو چھٹی صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ شیعہ علماء کے نزدیک ان کا علی مقام بہت بلند ہے چنانچہ دور حاضر کے شیعہ مفسر نے اپنی تفسیر میں ان کی تفسیر مجمع البیان کے جاہل حوالات پیش کئے ہیں۔ یہاں یہ غور ہے کہ مذہب شیعہ کی ایک اور سند کتاب "اتحاج طبری" کے مصنف احمد بن ابی طالب طبری ہیں۔ وہ ان کے علاوہ ہیں۔

لکھا ہے وہی آپ کے شیعہ مفسر شیخ طبرسی نے بیان کیا ہے اور یہی میں نے لکھا تھا کہ :- کظیم اس کو کہتے ہیں کہ جس کے دل میں بہت حد تک صبر ہو لیکن صبر کی وجہ سے وہ اس کا اظہار نہ کر سکے اور یہی وہ صبر جلیل ہے جس کا اعلان آپ نے اس وقت کیا تھا جب بھائیوں نے یہ جھوٹی خبر دی تھی کہ یوسف کو بیٹھایا گیا تھا۔

آیت اِنَّمَا اَشْكُوْ بَشِيٍّ كَامَطْلَب

آپ نے لکھا ہے کہ جب بیٹوں نے آپ کے حزن و ملال پر اعتراض کیا تو آپ نے قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْ بَشِيٍّ وَحْزَنِيَّ اِلَى اللّٰهِ فرمایا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رونے دھونے کو بے صبری نہیں فرمایا مگر آپ کا لوگوں کو اس فعل سے یہ کہہ کر منع کرنا کہ یہ بے صبری ہے کیا یہ حکم خدا کی مخالفت اور سنت نبی کا انکار نہیں ہے؟ - (فلاح الکونین ص ۱۸)

الجواب دلی اہل سنت اور اہل تشیع کی تفاسیر کے مندرجہ حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے شدت غم کو اپنے دل میں رکھا اور مولائے اللہ تعالیٰ کے اپنے غم کا اظہار کسی کے سامنے نہیں کیا، باقی رہا یہ کہ بیٹوں نے جو یہ کہا تھا کہ :- بخدا معلوم ہوتا ہے تم سدا یوسف کی یاد گاری میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کر دم بلب ہو جاؤ گے یا یہ کہ بالکل ہی مر جاؤ گے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) تو اگر آپ کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے غم کا دوسروں کے سامنے اظہار کیا تھا، تو یہ آیت اِنَّمَا اَشْكُوْ بَشِيٍّ وَحْزَنِيَّ اِلَى اللّٰهِ کے خلاف ہے، جس کا ترجمہ آپ نے خود کیا ہے کہ :- فرمایا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور آپ کے شیعہ مفسر شیخ طبرسی بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- المعنى انما اشكو حزنى وحاجتى واختلال حالى وانتشارها الى الله فى ظلم الليل والى اوقات خلواتى لا الىكم :- معنى یہ ہے کہ میں اپنے غم اور حاجت اور اپنے حال کے تغیر اور اس کے اضطراب کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں راتوں کے اندھیروں میں اور اپنی تنہائیوں کے اوقات میں نہ کہ تمہارے آگے اور نیز شیخ طبرسی فہو کظیم کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- وَاَلْكَلِيمُ هَهُنَا بِمَعْنَى الْكَاطِمِ وَهُوَ الْمَلُومُ الْهَمُّ وَالْحَزَنُ الْمُمِيسَةُ لِلْغَيْظِ لَا يَشْكُوهُ لِأَهْلِ زَمَانِهِ وَلَا يُظْهِرُهُ بِلِسَانِهِ

وَلِذَلِكَ لَقِبَ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ الْكَاطِمُ لِكَثْرَةِ مَا كَانَتْ يَتَجَرَّعُ مِنَ الْغَيْظِ وَالْغَمِّ وَالْخَمِّ

میان معنی کاظم ہے اور وہ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر رنج و غم بھرا ہوا ہو اور وہ روکنے والا ہو اپنے غم کو

اور وہ اس رنج و غم کی شکایت اپنے زمانہ کے لوگوں سے نہ کرتا ہو اور نہ وہ اس غم کو اپنی زبان سے ظاہر کرتا ہو اور اسی وجہ سے امام موسیٰ بن حضرت جعفر علیہ السلام کا لقب کاظم پڑ گیا تھا کیونکہ اپنی زندگی کے طویل عرصہ میں آپ نے اس غم اور غم کے اپنے اندر ہی روکے رکھا تھا۔ علاوہ ازیں شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر میں خصم جلیل کا مطلب یہ لکھا ہے اى فَامْرَأَتِي صَبْرًا جَبِيلًا لَاجِرًا مَعَهُ دَلِيلِيْ مِيرَاكَامُ صَبْرًا جَبِيلًا ہے جس کے ساتھ جزع نہیں۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی سنت کی مخالفت ماتی کرو کر رہا ہے یا ہم اہل سنت۔ آپ کے شیعہ مفسر شیخ طبرسی کی تفسیر سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے زبان سے بھی لوگوں کے سامنے اپنے غم کا اظہار نہیں کیا بلکہ آپ رات کی تاریکیوں میں اور اپنی تنہائیوں میں غم کا اظہار صرف اپنے رب کے سامنے کیا کرتے تھے۔ اس سے تو آپ کے ماتم کی بنیاد ہی متہدم ہو گئی ہے جبکہ اس کا سنت و عبادت ہونا ثابت ہو، اور یہ حکم بھی اس غم کے متعلق ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے سینہ میں انتہائی شدت اختیار کر چکا تھا۔ لیکن آپ نے لوگوں کے سامنے زبان اس کو ظاہر تک بھی نہیں کیا اور جہاں دلوں میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم ہے ہی نہیں محض تکلف اور بناوٹ ہے اور فنکاری کے طور پر عوام ماتی لوگ دُور دُور سے ماتی مجالس اور جلوسوں کے لئے بلائے جاتے ہیں اور خوب ان کی شک پروری کی جاتی ہے، معاوضہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اس ماتم کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی سنت صبر جلیل کیا تعلق ہے؟ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔

فلسفہ ماتم

شیعوں کے محقق شیخ طبرسی کی تفسیر واضح ہو گیا کہ صبر جلیل وہ ہے جس میں زبان سے بھی غم کا اظہار نہ کیا جائے لیکن اس کے برعکس مصنف "فلاح الکونین" اپنے ماتم کا فلسفہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ :- مصائب سید الشہداء علیہ السلام کا تذکرہ سن کر اولاً ہمارے چہروں پر آثار حزن و ملال ظاہر ہوتے ہیں، آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، ہچکیاں بندھ جاتی ہیں، گے رندہ جاتے ہیں۔ جب یہ عذبات غم شدت اختیار کرتے ہیں تو سر اور سینہ پیٹتے ہیں، چھریوں اور چاقوؤں سے چھاتیوں اور پشتوں کو کاٹتے ہیں چونکہ رونے سے سینہ کو بی اور زنجیر زنی تک تمام افعال فطری ہیں لہذا ان پر عمل کرنا مقتضائے فطرت ہے اور ان کی مخالفت کرنا خلاف فطرت اور قسادت قلبی ہے یہ ہے اس ارفطری سے مروجہ ماتم کی دلیل اثبات "دعہ" الجواب دلی، یہ حرکات و افعال تو ماتمیوں کی مسخ شدہ

اے آپ پر اتمام حجت کے لئے تفسیر مجمع البیان کا حوالہ کافی ہے، درنہ اہل سنت کی تفاسیر میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ (۱) تفسیر خازن میں ہے الصبر الجلیل الذی لا شکوى فیہ ولا جزع (صبر جلیل وہ ہے جس میں نہ شکایت ہو اور نہ جزع) باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

فطرت کا مقتضی ہیں، نہ کہ فطرت انبیائے کرام علیہم السلام کے۔ قرآن سے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر جمیل کا یہ مطلب واضح ہوتا ہے کہ آپ نے لوگوں کے سامنے زبان سے بھی غم کا اظہار نہیں کیا، لہذا آپ کا سارا تاملی تشہد قرآن عظیم کے خلاف ہے، اور اس کو دین، سنت اور فطرت قرار دینا قرآن مجید کا انکار اور شریعت اور سنت کی معنوی تحریف ہے۔ اہل غم و انصاف غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے حزن، بت، اور افسوس کا لفظ استعمال کیا ہے اور بکاء کا لفظ بھی ذکر نہیں فرمایا، اور بقول مفسرین جو آپ کی آنکھوں کی شدت غم کی وجہ سے آشوب جاری ہوئے جس کے اثر سے آنکھیں سفید ہو گئیں تو یہاں تک اختیار ہی معاملہ ہے، لیکن زبان سے اظہار غم نہ کرنا چونکہ اپنے اختیار میں مقاس لئے آپ نے لوگوں کے سامنے بھی کبھی زبان سے غم کا اظہار نہ کیا۔ صرف اپنے پردہ گاہ کے سامنے رات کی تاریکیوں میں اظہار کرتے رہے۔ مانتی گروہ جن افعال کو انسانی فطرت قرار دے رہا ہے اگر یہ صحیح ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی فطرت سلیمہ تحت بھی تو ان افعال ماقم کا صدور ضرور ہوتا، اور جب ایسا نہیں ہوا۔ جیسا کہ صبر جمیل اور انشاء شکویتی و حزن الی اللہ کی آیات کا مطلب واضح کیا گیا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ مانتی افعال و حرکات انتہائی بگڑی ہوئی فطرت کا نتیجہ ہیں اور بدبختی کی علامت۔ (ب) مزید اتمام حجت کے لئے دور حاضر کے مشہور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب ہلوی کی تفسیر حسب ذیل ہے :- صبر جمیل وہ ہے جس میں آدمیوں کے سامنے کوئی شکوہ اور شکایت نہ کی جائے۔ (ترجمہ مقبول)

بقیہ قصہ اہل حق صبر جمیل کے تفسیر غفری میں ہے، الصبر الجمیل الذی لا شکوی فیہ (۳) تفسیر کبیر میں امام رازی لکھتے ہیں عن الحسن انہ سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قولہ صبر جمیل فقال صبر لا شکوی فیہ ذلک بت لہ صبر یعنی نہ کریم سے صبر جمیل کا مطلب پوچھا گیا تو حضور نے فرمایا کہ ایسا صبر جس میں شکایت نہ ہو، اور جس نے غم کو پہنچایا اس نے صبر نہ کیا اور بدست مروی ہے صبر جمیل ای من غیر جزع (صبر جمیل وہ ہے جس میں جزع نہ ہو) نیز امام رازی فرماتے ہیں قد اُستحسن لسانہ عن انبیاءہ و صحبہ انہ یقولون لا شکوہ فیہ (۴) اور فقہ حنفیہ کا معنی لکھتے ہیں :- بمعنی الکظم و هو الممسک علی حزنہ فلا یظهرہ (یعنی کظم، کاظم کے معنی ہیں :- وہ شخص جو اپنے غم کو روکے رکھتا ہے اور اس کو ظاہر نہیں کرتا) اور امام رازی انشاء شکویتی و حزن الی اللہ کے متعلق لکھتے ہیں :- ای لا ذکر العز و العظیم و لا لون القلیل الذی مع اللہ (یعنی میں نہیں بیان کرتا بڑے غم کو یا غم کو جو اللہ کے سامنے) اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی تفاسیر سے ثابت ہو گیا کہ مصیبت میں جزع کرنا صبر جمیل کے خلاف ہے، اور ایسا ماقم کرنے والے صابرین سے خارج ہو گئے۔

ایک اور جہالت

آپ نے لکھا ہے کہ :- حضرت یعقوب علیہ السلام کا حزن و ملال اور درجہ اولیٰ اس پر دال ہے کہ آپ کا یہ غم بطور مذہبہ تھا جو بآواز بلند کیا جاتا ہے۔ کیا آسفی علی یوسف :- "ہائے افسوس یوسف پر" (ہذا من الکونین ص) الی جہاں آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ پر دلیل نمبر ۱ کی بحث میں شرح جامی سے مذہبہ کی تشریح پیش کی ہے وہاں انشاء اللہ العزیز، عربی عبارت کے ترجمہ میں آپ کی جہالت اور خیانت ثابت کی جائے گی (ب) تفسیر خازن میں آیت کیا آسفی علی یوسف کے تحت لکھتے ہیں :- "وقد اعترض بعض النحویین علی یعقوب علیہ السلام فی قولہ کیا آسفی علی یوسف، فقال هذه شکایة و الظہار جزع غلظ یطیق بعلو منصبہ ذالک، ولیس الامر كما قال هذا الجاہل المعترض لان یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام شکا الی اللہ لا منہ، فقولہ کیا آسفی علی یوسف معناه یاس رب ارحم افسفی علی یوسف" اور بعض جاہلوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول کیا آسفی علی یوسف پر اعتراض کیا ہے کہ یہ شکایت ہے اور جزع کا اظہار ہے جو آپ کے منصب نبوت کے لائق نہیں، حالانکہ ایسا معاملہ نہیں ہے جیسا کہ اس جاہل مقرر نے کہا ہے، کیونکہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تھی نہ کہ اس سے، پس آپ کا یہ قول کہ کیا آسفی علی یوسف اس کا معنی یہ ہے کہ اے میرے رب، مجھے جو حضرت یوسف کا غم ہے، اس میں مجھ پر رحم فرما) اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اللہ کو لپکا رہا ہے نہ کہ بطور مذہبہ حضرت یوسف علیہ السلام کو (ج) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کے جاہلوں کا یہی مذکورہ جواب دے کر فرمایا ہے کہ :- وکن ذلک یدل علی انہ لما عظمت مصیبتہ و حقیت محنتہ فاحذ صبر و تجرع القصة و ما الظہار الشکایة فلا یجزم استوجب بہ المدح العظیم و الثناء العظیم (یعنی یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جب آپ کی مصیبت بڑھ گئی اور شدت سخت ہو گئی تو آپ نے صبر کیا اور غم کو اپنے اندر روکے رکھا اور شکایت ظاہر نہ کی، اس لئے آپ مدح و ثناء عظیم کے مستحق ہو گئے)

(۲) الفاظ کیا آسفی علی یوسف سے استدلال کرنا آپ کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں کیونکہ آپ کے شیعہ مفسر شریخ طبری اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :- وروی عن سعید بن جبیر انہ قال لقد اعطیت هذه الامۃ عند المصیبة ما لم یعط الانبیاء قبلہم انا للہ وانا الیہ راجعون ولوا عطیہا الانبیاء لا عطیہا یعقوب اذ یقول یا افسی

علی یوسف (سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ فرمایا کہ مصیبت کے وقت اس امت کے لئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا عطا کیا گیا ہے جو ان سے پہلے انبیاء کو بھی عطا نہیں ہوا، اگر ان کو یہ عطا کیا جاتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی یہ عطا کیا جاتا، جبکہ آپ نے فرمایا تھا یا اَسْفٰی عَلٰی یُوسُفَ ۛ

(۳) شیعہ مذہب کی سب سے قدیم تفسیر قمی میں ہے :- و سئل ابو عبد اللہ علیہ السلام ما بلغ من حزن یعقوب علی یوسف ؟ قال حزن سبعین ثلثی با و لادھا وقال ان یعقوب لم یعرف الاسترجاع و من هنا قال و اسفا علی یوسف (اور امام جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پر حضرت یوسف علیہ السلام کا غم کس حد تک پہنچ گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ان ستر عورتوں کے غم کے برابر جن کی اولاد مر گئی ہو اور آپ نے فرمایا کہ حضرت یعقوب استرجاع (یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) نہیں جانتے تھے اس لئے آپ نے فرمایا :- یا اَسْفٰی عَلٰی یُوسُفَ ۛ

(۴) مشہور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :- تفسیر عیاشی اور تفسیر قمی میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تھا کہ یعقوب علیہ السلام کا حزن یوسف علیہ السلام کے بارے میں کس حد کو پہنچ گیا تھا ؟ فرمایا ستر عورتوں کے درجے کے برابر جن کی اولاد مر گئی ہو۔ تفسیر قمی میں اتنا اور زیادہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ سے واقف نہ تھے اس لئے یا اَسْفٰی عَلٰی یُوسُفَ فرمایا

۱۔ تفسیر قمی کے مصنف شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی ہیں جن کے متعلق تفسیر قمی کے مقدمہ میں شیعوں کی حجۃ الاسلام علامہ سید حبیب موسوی جزائری لکھتے ہیں :- کان فی عصر الامام العسکری علیہ السلام وعاش الی سنہ ۳۰۴ھ وقد اکثر ثقتہ الاسلام معتدین یعقوب الخلیجی الروایۃ عنہ فی الکافی (آپ امام حسن عسکری کے زمانہ میں تھے اور ۳۰۴ھ تک زندہ رہے اور ثقہ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی رحمہ اللہ نے اپنی (کتاب حدیث) کافی میں ان سے اکثر روایت کی ہے) اوّل ایک شہر کا نام ہے جس کی نسبت سے آپ کو قی کہا جاتا ہے چنانچہ اسی مقدمہ میں لکھتے ہیں :- ان الامام الصادق الناطق بالحق یقول، قم بلدنا و بلد شیعتنا مطہرۃ مقدّسۃ (یعنی امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ قم ہمارا اور ہمارے شیعوں کا شہر ہے پاک و اسلحہ من الکوفة وانتقل الی قم واصحابنا یقولون انہ اوّل من نشر حدیث الکوفیین بقم (شیخ قمی در اصل کوفہ کے رہنے والے ہیں پھر آپ شہر قم کی طرف منتقل ہو گئے اور ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے شیعہ ہیں جنہوں نے کوفہ کی حدیثوں کو شہر قم میں پھیلا دیا ہے اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے امام رضا علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ہے۔)

حدیث نبوی میں وارد ہے کہ سوائے امت محمدی کے اور کسی امت کو مصیبت کے وقت کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ نہیں عطا کیا گیا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب یعقوب علیہ السلام پر سخت مصیبت پڑی تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ نہیں کہا بلکہ یا اَسْفٰی عَلٰی یُوسُفَ کہا (حاشیہ ترجمہ مقبول) فرمائیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے تو ایک مرتبہ سالہا سال کے بعد بے اختیار ہو کر کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ فرمایا تھا جب کہ آپ کو بنیامین کے متعلق یہ اطلاع ملی تھی کہ ان کو عزیز مصر نے روک لیا ہے، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ کلمہ یا اَسْفٰی عَلٰی یُوسُفَ بھی لوگوں سے علیحدہ ہو کر فرمایا تھا جس پر آیت کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں فتویٰ عنہم فقال یا اَسْفٰی عَلٰی یُوسُفَ۔ چنانچہ آپ کے شیخ طبرسی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں :- ای الفوف و اعرض عنہم لشدة الحزن لما بلغه حبس بنیامین و حاج ذلت و جدہ بوصف لانه کان یتسلی بہ (یعنی آپ واپس پلٹے اور ان سے منہ پھیرا جو بے شدت غم کے جو انہیں بنیامین کے روکے جانے کی خبر سے لاحق ہوا تھا اور اس نے آپ کے غم میں ہجرت پیدا کر دیا تھا کیونکہ بنیامین کے ساتھ آپ تسلی کر لیا کرتے تھے) (تفسیر مجمع البیان) فرمائیے آپ کی مزمومہ مائتہ فطرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ تَقُوْا لِلّٰہِ بیٹوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر اس موقع پر مجلس ماتم بپا کرتے جس میں سنیہ کو بی، زنجیر زنی ہوتی اور بدلوں کو پھیر لوگ ہوں امان کیا جاتا، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نبی تھے۔ ان کی پاک فطرت کا تقاضا یہ ہوا کہ اپنے بیٹوں سے بھی علیحدہ ہو کر تنہائی میں بیٹھ گئے اور وہاں ہی بے اختیار اللہ کے سامنے یہ زبان سے نکلا :- یا اَسْفٰی عَلٰی یُوسُفَ۔ علاوہ ازیں یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ کو اور دیگر انبیاء کو امام علیہم السلام کو مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کا حکم بھی عطا نہیں ہوا تھا لیکن قرآن مجید میں تو مومنین صابرین کے لئے یہ فرمایا گیا ہے :- وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (اور اے میرے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دیدیں کہ جن پر جب بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہتے ہیں۔ اس آیت کی تشریح انشاء اللہ العزیز و اللطیف صبر میں بیان کی جائے گی۔

فرمائیے! آپ کے شیعہ مفسرین نے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول صبر جمیل کے تحت لوگوں کے سامنے اظہار غم کو بھی صبر جمیل کے خلاف لکھا ہے، اور امام الانبیاء والمرسلین حضور خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، امام الصّابرین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اصحاب و اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق

یہی رہا ہے کہ وہ مصیبت کے موقع پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہی پڑھا کرتے تھے، تو پھر آپ قرآنی حکم تقاضا کے خلاف اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طریق صحابہ کرام اور ائمہ عظام کی پیروی کو چھوڑ کر بجائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اور صبر و رضا کا سبق پڑھانے کے فرقہ شیعہ کو ہائے حسین، ہائے حسین کا درس کیوں دے رہے ہیں۔ کیا آپ اس قرآن عظیم پر ایمان نہیں رکھتے؟ اور کیا آپ کے لئے آخری کامل و مکمل شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حکم کافی نہیں ہے؟

شیعہ مصنف کی کم فہمی اور خیانت "فلاح الکونین" کے مصنف صاحب لکھتے ہیں: قاضی صاحب! جس غم و اندوہ، گریہ و ماتم کو ناجائز اور حرام ثابت کرنے کے لئے آپ نے قلم کا پورا اندر صرف کر ڈالا۔ آخر اسی قلم سے یہ لکھ کر خود ہی اس کے بواز کو تسلیم کر لیا کہ: "جب تک کسی محبوب کی مصیبت باقی ہو اور اس کا صدمہ لاحق رہے لیکن صبر کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے تو یہ غیر اختیاری غم و اندوہ کوئی گنہ نہیں" اس کو کہتے ہیں حق جو باطل کے مٹانے سے مٹتا نہیں، دبانے سے دبتا نہیں اور پھیلنے سے چھپتا نہیں۔ (ص ۱۸)

الجواب (د) آپ نے میری پیش کردہ عبارت کا یہ آخری جملہ کیوں چھوڑ دیا: "اور جب وہ مصیبت ختم ہو جائے تو پھر غم بھی ختم ہو جاتا ہے" (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے، حصہ اول ص ۱) کیا اس جملہ سے آپ کے ماتم کی ساری بنیاد ہی نہیں ختم ہو جاتی۔ یا تو آپ کی یہ علمی خیانت ہے کہ ان الفاظ کو قصداً چھوڑ دیا، اور یا آپ اتنے کم فہم ہیں کہ میری مذکورہ عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھ سکتے۔ کیا ایسا شخص کسی علمی مذہبی موضوع پر بحث کرنے کی اہلیت رکھتا ہے؟ (ب) حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے جو انتہائی درجہ کی خصوصیت محبت تھی اور اُس کی وجہ بھی اُخروی محبت تھی کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس دُنیا میں جنت کا جمال نصیب ہوا تھا (جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ عارفین نے بیان فرمایا) اور آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی سے جو شدید رنج و غم لاحق ہوا تھا اور اس کو بھی آپ نے صبر جلیل کے تحت دل ہی دل میں روکے رکھا تھا اور لوگوں کے سامنے اپنے غم کا اظہار تک بھی نہ کیا۔ لیکن اتنا شدید حقیقی غم بھی اسی وقت تک رہا جب تک کہ آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تحت مصر پر متمکن ہونے کی اطلاع نہیں ملی۔ لیکن جب آپ کو اس کی اطلاع پہنچ گئی تو سابقہ سارا غم ختم ہو گیا، اسی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ: اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میدان کو بلا میں حضرت امام

عالی مقام اور آپ کے اعزہ و احباب پر جو مصیبت نازل ہوئی وہ وقتی تھی۔ شہادت کا درجہ پانے کے بعد جب آپ کی جنت ملی گئی تو پہلی مصیبت ختم ہو گئی۔ اب شہدائے کربلا کی روجوں کو سب آیات قرآنی جنت کا رزق مٹا ہے اور وہاں خوشی ہیں۔ تو اب رونے اور ماتم کرنے کا کیا موقع ہے؟ ہم حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں کہ جب تک آپ مصیبت میں مبتلا تھے اس وقت بھی صبر کیا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند مقام کی بشارت ملی تو پہلا غم بھی بالکل ختم ہو گیا۔ مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ کیا ماتیوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں ہے اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جنت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں اور نمبر ۸ کے تحت یہ لکھا تھا کہ: حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی سلطنت ملنے کے بعد بھی کیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس گزری ہوئی مصیبت کی یادگار میں ہر سال غم کی مجلس منعقد کی تھی؟ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے حصہ اول ص ۱)۔

عجیب جاہلانہ جواب میرے ان سوالات کے جواب میں مصنف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں کہ: حضرت یعقوب کا غم جو حضرت یوسف کے فراق اور مصائب پر تھا وہ کچھ تو حضرت یوسف کی ملاقات سے دور ہوا اور کچھ بیٹے کو تخت مصر پر جلوہ افروز دیکھ کر جاتا رہا۔ اس کے برعکس حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے عزیز اقربا، یار و انصار نے جن روح فرسا مصائب و آلام کا سامنا کیا ان کے عوض امام علیہ السلام کے سر پر کونسا دنیوی تاج رکھا گیا۔ آپ کی اولاد کو کونسی حکومت حاصل ہوئی، جس کو دیکھ کر ہم عزادار، جگر گوشہ رسول، فرزند نبول کے غم کو بھول جائیں" (ص ۱۸)

الجواب (د) میں نے لکھا تھا کہ: مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے کیا ماتیوں کو حضرت حسین کے جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں ہے؟ تو اس کے جواب میں آپ نے بعد کی عبارت میں یہ تو تسلیم کر لیا کہ: اس میں شک نہیں کہ شہدائے کربلا علیہم السلام نے وقتی طور پر مصائب اٹھائے اور اپنی جانیں راہِ خدا میں قربان کرتے کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہو کر جنت کے اعلیٰ و ارفع مقامات حاصل کر لئے الخ لیکن یہ واضح طور پر تسلیم نہیں کیا کہ تخت مصر سے جنت کا مقام حسینی اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ (ب) بلکہ اس کے برعکس آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ: آپ کی اولاد کو کونسی حکومت حاصل ہوئی، جس کو دیکھ کر ہم عزادار، جگر گوشہ رسول، فرزند نبول کے غم کو بھول جائیں؟ اس جواب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ماتیوں کے نزدیک جنت کے اعلیٰ و ارفع مقام سے یہ بہتر ہے کہ امام

حدیث میں صورتاً اس پر مجازاً کذب کا اطلاق ہوتا ہے۔ (تفسیر بیان القرآن) (۲) علامہ عثمانی موصوف لکھتے ہیں کہ: ”بَلْ فَعَلْنَا كَبِيرُهُمْ هَذَا كَمَا خَلَقَ دَاقِعَ خَبْرٍ دِينَكَ طَوْرٍ بِرَنَ تَحَا جَسَ حَقِيقَتًا جُھُوتٌ كَمَا جَابَءُ، بَلْ كَ اُنْ كِي تَحْقِيقٍ اَدْرِجْ تَحْقِيقِ كَ لِيْءِ اِيْكَ فَرَضِيْ اَحْتِمَالٌ كُوْ بَصُوْرَتِ عَوٰی لَ كَرِ بَطُوْرٍ تَعْرِیْضٍ وَ اَلْزَامُ كَلَامٌ كَیَا كَیَا تَحَا جَسِیَا كَ عَمُوْمًا بَحْثٌ وَ مَنَاطِرُہٗ مِیْن ہُو تَا ہِے، اَس كُو جُھُوتٌ نَمِیْن كہے سَكْتِے۔“ (۳) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: ”بولے کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم! فرمایا، بلکہ اُن کے اس بڑے نے کیا ہوگا، تو اُن سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں“ اس کی تفسیر میں مولانا محمد نسیم الدین صاحب مراد آبادی فرماتے ہیں: ”آپ نے اس کا تو کچھ جواب نہ دیا اور شانِ مناظرہ سے تعریض کے طور پر ایک عجیب و غریب حجت قائم کی۔۔۔ مجھ سے کیا پوچھنا، پوچھنا ہو تو، وہ خود بتائیں کہ اُن کے ساتھ یہ کس نے کیا۔ مدعا یہ تھا کہ قوم غور کرے کہ جو بول نہیں سکتا، جو کچھ کر نہیں سکتا، وہ خدا نہیں ہو سکتا“ (تفسیر خزائن العرفان) (۴) تفسیر خازن میں ان تینوں باتوں کے متعلق لکھتے ہیں: ”فَكَذَبَ هَذِهِ اَلْاَلْفَاظُ صَدَقَ فِی نَفْسِہَا لَیْسَ فِیْہَا كَذِبٌ فَانْ قُلْتَ قَدْ سَمَیْہَا النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ كَذِبَاتٌ بِقَوْلِہٖ لَمْ یَكْذِبْ اِبْرَاہِیْمُ اَلَّا ثَلَاثُ كَذِبَاتٍ وَقَالَ فِی حَدِیْثِ الشَّقَاعَةِ یَذْكُرُ كَذِبَاتِہٖ قُلْتَ مَعْنَاہُ اَمَّا لَمْ یَكْذِبْ بِكَلَامِ صُوْرَتِہٖ صُوْرَةُ الْكُذْبِ وَ اِنْ كَانَ حَقًّا فِی الْبَاطِنِ اَلْهَذِیْہُ الْكَلِمَاتُ وَلَمَّا كَانَ مَنْمُومٌ ظَاہِرًا خَلَفَ“ (پس یہ سب الفاظ فی الحقیقت سچ ہیں ان میں کوئی جھوٹ نہیں۔ پس اگر تو یہ کہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کذبات فرمایا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی کوئی بات ایسی نہیں کہی کہ وہ حقیقت میں حق ہو، لیکن صورت اُس کی جھوٹ کی ہو مگر یہ تین باتیں ایسی کہی ہیں اور اس وجہ سے کہ ان کا ظاہری مفہوم ان کی دل کی مراد کے خلاف تھا یعنی سننے والوں کے لیے) (۵) مولانا عبدالحق صاحب حجتی تحریر فرماتے ہیں کہ: ”واضح ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے آپ کو کذب سے روکنا یا آفتاب کو

تیسری بات

مذکورہ دو باتیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قرآن میں مذکور ہیں اور تیسری بات کہ آپ نے اپنی بیوی سارہ کے متعلق فرمایا کہ یہ میری بہن ہے اور اس سے آپ نے دینی بہن مراد لیا تھا اور اس میں بھی کوئی جھوٹ نہیں بلکہ یہ بھی از قسم توریہ و تعریض ہے چنانچہ فتح الباری شرح البخاری میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے مندرجہ زیر بحث حدیث بخاری پر مفصل تبصرہ کیا ہے، جس میں فرماتے ہیں کہ: ”واما اطلاقہ الذب علی الامور الثلاثة فلكونه قال قولاً يعتقده السام كَذِبًا لَكِنَّہٗ اِذَا حَقَّقَ لَمْ یَكُنْ كَذِبًا لَّغِنَہٗ مِنْ بَابِ الْمَعَارِیضِ الْمَحْتَمِلَةِ لِلْمَرْءِ فَلَیْسَ بِكَذِبٍ مَحْضٍ“ فقوله ”اِنَّیْ سَقِیْمٌ“ یَحْتَمِلُ اَنْ یُّكُوْنَ الْمَرَادُ ”اِنَّیْ سَقِیْمٌ“ اِیْ سَأَسْقِمُ دَاسْمُ الْفَاعِلِ یَسْتَعْمَلُ جَمْعُی الْمُسْتَقْبَلِ كَثِیْرًا..... (وقولہ) ”بَلْ فَعَلْنَا كَبِیْرُہُمْ هَذَا“ قَالَ ابْنُ قَتِیْبَہٖ مَعْنَاہُ اَنْ كَانُوْا یَنْطَقُوْنَ فَقَدْ فَعَلْنَا كَبِیْرُہُمْ هَذَا..... (قوله هذه اخفى) ليعتذر عنه بان مراده انها اخته في الاسلام۔۔۔ اور آپ کا ان تینوں باتوں پر کذب کا اطلاق کرنا سوا اس وجہ سے ہے کہ آپ نے ایسی بات کہی کہ سننے والا اس کو جھوٹ قرار دیتا ہے لیکن جب اس کی تحقیق کی جائے تو یہ جھوٹ نہ تھا کیونکہ یہ معاریض کی قسم میں سے ہے۔ جس میں دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے، لہذا یہ جھوٹ محض نہیں ہے۔ پس آپ کا یہ فرمانا کہ میں سقیم ہوں اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میں عنقریب بیمار ہوں گا، اور اسم فاعل، مستقبل کے معنی میں اکثر استعمال کیا جاتا ہے۔۔۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے، تو ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ بُت بولتے ہیں تو اُن کے اس بڑے نے کیا ہے۔۔۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ میری بہن ہے، تو اس میں آپ کی طرف سے یہ عذر ہے کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ میری اسلامی بہن ہے۔“

کلام ابراہیم اور تفسیر شیعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مذکورہ تینوں باتوں میں جو تاویل و توجیہ اہل سنت مفسرین و محدثین نے کی ہے وہی شیعہ مفسرین و محدثین نے بھی لکھی ہے۔ چنانچہ شیخ فی لکھتے ہیں: ”فَقَالَ الصَّادِقُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاللَّهِ مَا فَعَلْنَا كَبِیْرُہُمْ وَمَا كَذَبَ اِبْرَاہِیْمُ فَقِیْلَ كَیْفَ ذَلِكْ قَالَ اَمَّا قَالَ فَعَلْنَا كَبِیْرُہُمْ هَذَا اِنْ نَطَقَ

وان لم ينطق فلم يفعل كبرهم هذا شئ (تفسير حق) :- پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی قسم نہ یہ کام اُن کے بڑے نے کیا نہ حضرت ابراہیم نے جھوٹ کہا۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیسے؟ تو فرمایا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر یہ بڑا بولتا ہے، تو اسی نے کیا ہے اللہ اگر نہیں بولتا تو اس بڑے نے یہ فعل بالکل نہیں کیا (۲) شیخ طبرسی لکھتے ہیں :- فکانہ قال انی ساسقم لا معالة وثانیہا انہ نظر فی التَّجْوُمَ کنظرهم لانہم کانوا یتعاطون علی التَّجْوُمِ منادہم انہ یقول بمثل قولہم عند ذلک انی سقیم فتروکہ ظنا منہم ان نجمہ یدل علی سقمہ فمادی ان ابراہیم (ع) کذب ثلث کذبات - قولہ انی سقیم - وقولہ بل فعلہ کبرہم هذا وقولہ فی ساسمۃ انہا اختری فیمن ان یحمل ایضاً علی المعاصی ای ساسقم وفعلہ کبرہم علی ما ذکرناہ فی وصفہ وساسمۃ اختہ فی الدین وقد ورد فی الخبر ان فی المعاصی فی لمدوحة عن الکذب والمعاصی ای ان یقول الرجل شیئاً یقصد بہ غیرہ ویفہم منہ غیر ما یقصد بہ ولا یمکن ذلک کذا فان الکذب قبیح لعینہ ولا یجوز ذلک علی الانبیاء لانه یرفع الثقة بقولہم جل اَمْناء اللہ تعالی واصفیاء عن ذلک - (تفسیر مجمع البیان سورۃ الصافات) :- یعنی آپ نے یہ فرمایا کہ میں بالظہور بیمار ہونے والا ہوں۔۔۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ نے ستاروں پر نظر کی جس طرح وہ ستارہ پرست لوگ کرتے تھے، کیونکہ وہ ستاروں سے مطلب نکالتے تھے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو اس وہم میں ڈال دیا کہ آپ بھی اُن کی طرح ہی ستاروں کے حساب سے کہہ رہے ہیں اور آپ نے اس وقت فرمایا کہ میں بیمار دھونے والا ہوں۔ پھر انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا اس گمان پر کہ آپ کا ستارہ آپ کی بیماری پر دلالت کرتا ہے، اور آپ کا یہ فرمانا کہ اُن کے اس بڑے نے یہ کیا ہے اور یہ کہ سارہ میری بہن ہے۔ تو ممکن ہے کہ اُن کو بھی معارف پر محمول کیا جائے یعنی میں غریب بیمار ہونے والا ہوں اور فعلہ کبرہم کا مطلب ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے، اور یہ کہ سارہ آپ کی دینی بہن ہے، اور روایت میں مذکور ہے کہ معارف میں جھوٹ سے بچاؤ ہو جاتا ہے اور معارف کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی بات کہے کہ اس کی مراد اُس سے اور ہو اور اس کی مراد کے برعکس

اس سے دوسرا معنی سمجھا جائے، اور یہ جھوٹ نہیں ہوتا کیونکہ جھوٹ فی نفسہ قبیح ہے اور انبیاء پر یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے اُن کی بات سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امین اور اس کے برگزیدہ بندے اس سے پاک اور بالا ہیں (۳) علامہ باقر مجلسی آیت انی سقیم کے تحت لکھتے ہیں :- ”وکلما مکہ خلاف واقع باشد و بر سبیل مصلحت گفتہ شود و توریہ کنند و ازال قصد صحیح کنند آن دروغ نیست و جائز است بلکہ در بسیارے از جاہا واجب می شود از برائے حفظ نفس خود یا مال خود یا غرض خود یاد دیگر، و بعضی گفتہ اند، گفت من دلم بیمار است و در اندوہم از ضلالت قوم خود و ظاہر احادیث معتبرہ بسیار آنست کہ میں کلام بود بر سبیل مصلحت و یکے ازیں وجہ کہ مذکور شد یا مذکور خواہد شد توریہ فرمود کہ ظاہر آنہا معنی نہ ہمیدہ و غرض واقعی آنحضرت صلیح باشد“ (حیات القلوب جلد اول ص ۱۱) :- ”اور جو کلام کہ خلاف واقع ہو اور مصلحت کی بنا پر کہی جائے اور اُس کی مراد صحیح بات ہو تو وہ جھوٹ نہیں ہے اور جائز ہے بلکہ اکثر جگہوں میں (ایسی بات) واجب ہو جاتی ہے اپنی جان یا مال کی حفاظت یا کسی اور غرض کے لیے، اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میرا دل بیمار ہے اور اپنی قوم کی گمراہی سے رنجیدہ ہوں اور اکثر معتبر احادیث کا ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ بات مصلحت پر مبنی تھی اور مذکورہ وجہ سے یا اس وجہ سے جو آئندہ مذکور ہوگی۔ آپ نے توریہ فرمایا کہ انہوں (یعنی کافروں) نے ظاہر اس کا مطلب نہ سمجھا، حالانکہ آپ کی واقعی غرض صحیح تھی“ اور آیت بَلْ فَعَلْنَا کَبْرِیْہُمْ ہَذَا کے تحت علامہ مجلسی لکھتے ہیں :- ”چوتھی وجہ یہ ہے کہ جھوٹ اس خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں جو کسی مصلحت کی بنا پر نہ کہی جائے، اور یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصلحتاً فرمائی تھی کہ ان کو دلیل میں عاجز کریں۔ چنانچہ حدیث معتبر میں منقول ہے کہ حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ اس شخص پر ایسی بات جھوٹ نہیں ہوتی جو اصلاح کے مقام پر ہو، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ بحمدہ ان (مبتول) نے یہ کام نہیں کیا تھا اور حضرت ابراہیم نے بھی جھوٹ نہیں کہا“ (حیات القلوب) توجیب شیعہ علماء و مجتہدین نے بھی ائمہ اہل بیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مذکورہ قیوں باتوں کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو اہل سنت مفسرین و محدثین نے لکھا ہے اور دونوں کی تحقیق یہی ہے کہ یہ باتیں جھوٹ نہیں ہیں، تو پھر حدیث بخاری پر اہل تشیع کا اعتراض کرنا کیونکر صحیح

ہو سکتا ہے :

کذب کا معنی

زیادہ سے زیادہ یہی اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ تینوں باتیں جھوٹ نہیں ہیں تو حدیث بخاری میں اُن پر کذب کا اطلاق کیوں کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کذب کے معنی عربی لغت اور محاورہ میں جھوٹ کے سوا اور بھی آتے ہیں۔ (۱) کذب کا صلہ علی آئے تو اس کا معنی واجب ہونا ہے۔ چنانچہ لغت کی مشہور کتاب قاموس میں ہے قد یكون بمعنى وَجَبَ ومنه كذب عليك الحج، كذب عليك العمرة، كذب عليك الجهاد یعنی کبھی کذب بمعنی وَجَبَ آتا ہے اور اسی سے یہ ہے کہ تم پر حج واجب ہے، تم پر عمرہ واجب ہے، تم پر جہاد واجب ہے۔ (۲) کذب کا معنی کم ہونا بھی ہے، چنانچہ عربی محاورہ ہے کذب لکین الثاقہ (اوشنی کا دودھ کم ہو گیا) اور اسی بنا پر ضعیف عورت کو مَكْذُوبَةٌ کہتے ہیں۔ چنانچہ قاموس میں ہے اَلْمَكْذُوبَةُ الضَّعِيفَةُ۔ (۳) کذب بمعنی خطا بھی آتا ہے اور محدثین عموماً اس کو خطا کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور خود قرآن مجید نبی کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ معراج کے بیان میں ہے :- مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى (سورة النجم)۔ ”قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی“ دَرَجَتِهِ مَوْلَانَا أَشْرَفَ عَلَى مَنَاقِبِهِ، تو یہاں لفظ کذب سے مراد خطا ہے، مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قَابِ قَوْسَيْنِ پر تعجلیاتِ الہیہ کا مشاہدہ کیا اور آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا، تو دل نے بھی اس کی تصدیق فرمائی، تو جب عربی لغت میں بھی کذب کے معنی دے دیے ہیں اور قرآن حکیم میں بھی کذب بمعنی خطا استعمال ہوا ہے، تو اگر حدیث بخاری میں کذب بمعنی جھوٹ ہو بلکہ بمعنی خطا مستعمل ہو تو اس پر کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے، اور یہاں کذب بمعنی خطا ہونے کی تائید خود بخاری شریف کی ہی دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔

چنانچہ حدیث شفاعت میں ہے :- عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيعُ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيَقُولُونَ لِمَ اسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتَّى يَرْجِعَنَا مِنْ مَكَانِنَا فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ أَنْتَ الَّذِي خَلَقْتَ اللَّهَ مَبْدَأَ وَنَفَخْتَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ فَاشْفَعْنَا لِنَأْتِيَ رَبَّنَا

فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَبِذِكْرِ خَطِيئَتِهِ، وَيَقُولُ أَمَّا نُوحًا أَذَلَّ رَسُولَ بَعَثَهُ اللَّهُ فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَبِذِكْرِ خَطِيئَتِهِ، أَمَّا إِبْرَاهِيمَ الَّذِي اتَّخَذَ اللَّهُ خَلِيلًا فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَبِذِكْرِ خَطِيئَتِهِ (بخاری شریف، کتاب الرقاق باب الصفۃ والنار) :- حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو جمع کرے گا، تو وہ کہیں گے کہ ہم اپنے رب کے پاس کس کو شافع بنائیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی جگہ پر راحت عطا فرمائے۔ پس وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور اپنی لوح آپ کے اندر بھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا اور انہوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ پس آپ پر زور دگا کہ پاس ہماری شفاعت (سفارش) کریں، تو آپ فرمائیں گے میں تمہارا کام نہیں کر سکتا اور اپنی خطا ذکر کریں گے اور فرمائیں گے کہ حضرت نوحؑ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔ پس وہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے، تو آپ بھی فرمائیں گے کہ میں تمہارے کام نہیں آسکتا اور اپنی خطا بیان کریں گے تم حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا ہے، پھر وہ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ بھی فرمائیں گے کہ میں تمہارے کام نہیں آسکتا اور اپنی خطا کا ذکر کریں گے۔“

ان انبیائے کرام کے علاوہ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ بھی یہی جواب دیں گے اور حضرت عیسیٰؑ روح اللہ بھی معذرت پیش کریں گے اور آخر کار تمام امتوں کی شفاعت امام الاثیاء والمرسلین رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفاعت کو شفاعتِ کبریٰ کہا جاتا ہے، جو تمام بنی آدم کے لیے ہوگی۔ بہر حال اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ علیہم السلام کی طرف خطیئۃ کا لفظ منسوب فرمایا ہے، اور خطیئۃ اور خطا بھول چوک کے معنی میں بھی آتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت آدم اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی جن باتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطیئۃ سے تعبیر فرمایا ہے، وہ گناہ نہیں ہیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن باتوں کو خطیئۃ سے تعبیر فرمایا ہے، وہ بھی گناہ نہیں لہذا یہ بحث حدیث

بخاری میں بھی کذب بمعنی جھوٹ نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ تو کبیرہ گناہ ہے جس کا ہُردور انبیائے کرام سے نہیں ہو سکتا۔

اور حدیث شفاعت کے علاوہ خود قرآن مجید میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لفظ خطیئہ ہی کی نسبت

لفظِ خطیئہ قرآن میں

کی گئی ہے چنانچہ پ ۱۹۔ سُورَةُ الشُّعَرَاءِ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ" مولانا تھانوی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے: "اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے دن معاف کر دے گا" اور خطیئہ سے مراد خلافِ اولیٰ ہے ورنہ انبیاءِ عظیم السلام معاصی سے قطعاً پاک تھے۔ (تفسیر بیان القرآن، ۲) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں: "اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا" اس کے حاشیہ پر مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی فرماتے ہیں: "انبیاءِ معصوم ہیں، گناہ اُن سے صادر نہیں ہوتے اُن کا استغفار اپنے رب کے حضور تواضع ہے اور اُمت کے لیے طلبِ مغفرت کی تعلیم ہے۔ (۳) مولوی فرنا علی صاحب شیعی مفسر لکھتے ہیں: "اور وہ شخص جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا" (۴) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے: "اور وہی ہے جس سے میں خواہش رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخش دے" (ترجمہ مقبول) پہلے تین مفسروں نے خطیئہ کا ترجمہ خطا کیا ہے اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعی مفسر نے اس کا ترجمہ گناہ کیا ہے۔ اب مصنف "فکدح الکونین" سے ہمارا یہ سوال ہے کہ کیا آپ کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گناہ کیا تھا؟ اگر آپ اس کے جواب میں کہیں کہ اس سے مراد صورتاً گناہ ہے نہ کہ حقیقتاً۔ تو یہی ہم حدیث بخاری میں لفظ کذب کے متعلق کہتے ہیں، کہ اس سے مراد صورتاً کذب ہے نہ کہ حقیقتاً، اور صورتاً کذب کو ہی تور یہ کہا جاتا ہے، اسی بنا پر ہم نے حدیث مذکور کے ترجمہ میں کذب کا معنی تور یہ لکھا ہے۔

اور صورتاً کذب کو کذب کے لفظ سے تعبیر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی

مقبول چوک کو قرآن مجید میں لفظِ معصیت اور غواہیت سے تعبیر کیا گیا ہے: "وَعَطَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَخَوَىٰ" (سورۃ طہ ۷۷) اور لُغَت میں عصیان اور معصیت نافرمانی کو کہتے ہیں چنانچہ المنجد میں ہے عَصَى عَصًا وَمَعْصِيَةً: "خَرَجَ عَنْ طَاعَتِهِ وَعَانَدَهُ" (وہ اس کی تابعداری سے انکار کیا اور اس کی مخالفت کی) اور غواہیت کا معنی گمراہی ہے، چنانچہ المنجد میں ہے: غَوَى، غَوَايَةً: "ضَلَّ، خَابَ، هَلَكَ" (گمراہ ہوا، محروم ہوا، ہلاک ہوا) حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گمراہی سے معصوم ہوتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام نے بھی نافرمانی نہیں کی تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: "فَنَسِيَ ذَلِكُمُ نَجْدًا لَّهُ عَزْمًا" (تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصہ نہ پایا) (مولانا احمد رضا خان بریلوی) (سورۃ طہ ۷۷) اور مولانا تھانوی لکھتے ہیں: "سوائے غفلت (اور بے احتیاطی) ہو گئی ہم نے ان میں پختگی نہ پائی" اس آیت میں لفظ نَسِيَ سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شجر ممنوعہ کا جو پھل کھایا تھا تو اس میں وہ بھول گئے تھے اور بھول کر یعنی یاد نہ رہنے کی وجہ سے جو کام کیا جائے اس کو نافرمانی اور مخالفت نہیں کہتے، مثلاً روزہ دار کو اگر یاد نہ رہے کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے اور کچھ کھاپی لے تو روزہ بھی نہیں ٹوٹتا۔ نافرمانی اور گناہ اس فعل کو کہتے ہیں جس میں قصد اور ارادہ کا دخل ہو۔ تو باوجودیکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حقیقتاً نافرمانی نہیں کی لیکن چونکہ صورتاً نافرمانی تھی، اس لیے اس کو لفظِ معصیت اور غواہیت سے تعبیر کیا گیا ورنہ یہ بھول چوک ہے نہ کہ گناہ چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اس کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں: "اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے" اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے: "اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں تعرض واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی" اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعی لکھتے ہیں: "اور آدم نے اپنے رب کے خلاف کیا لہذا ناکام رہے" حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ پس جب آدم نے کھالیا تو خلاف احتیاط یا ترکِ اولیٰ ہوا، اسی کے نتیجہ کو خدا فرماتا ہے فَخَوَىٰ حوام اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ معاذ اللہ گمراہ ہو گئے لیکن تفسیر اہل بیت سے ثابت ہوا کہ اُن کا مقصود جو تھا وہ حاصل نہ ہوا۔ (ترجمہ مقبول)

لفظ ضلالت کا استعمال

ضلالت کا معنی گمراہی ہے اور سورۃ فاتحہ میں ذلّ الضالّین سے مراد نصاریٰ وغیرہ کفار ہیں۔ حالانکہ یہی لفظ ضال

قرآن مجید میں نبی کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی آیا ہے :- وَجَدْتُ ضَالًّا فَهَدَيْتُی تو کیا کوئی مومن یہ کہہ سکتا ہے کہ میں ضال بمعنی گمراہ ہوں، ہرگز نہیں! بلکہ میں ضال سے مراد ناقص ہونا ہے۔ چنانچہ (۱) مولانا مھتائوی یہ ترجمہ لکھتے ہیں :- ”اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلادیا“ اور وحی سے پہلے شریعت کی تفصیل معلوم نہ ہونا کوئی منقصت نہیں (تفسیر بیان القرآن) (۲) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی فرماتے ہیں :- ”اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا، تو اپنی طرف راہ دی“ (۳) مولوی فرمان علی صاحب شیعہ نے یہ ترجمہ کیا ہے :- ”اور تم کو احکام ناواقف دیکھا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا“ (۴) اور مولوی مقبول صاحب دہلوی کا ترجمہ یہ ہے :- ”اور تم کو بھٹکا ہوا پایا اور منزل مقصود تک پہنچایا۔ (ترجمہ مقبول) میں ترجمہ بھٹکا ہوا محل اعتراض ہے!

ذنب کا لفظ قرآن مجید میں گناہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے مثلاً سورۃ النکوۃ میں ہے :- وَإِذْ أَمَرُوا ذُرًّا مُّسَلَّاتٍ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ :- ”جب وقت

زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے بدلے میں ماری گئی“ (ترجمہ مولوی فرمان علی) مولانا اشرف علی صاحب مھتائوی لکھتے ہیں :- ”اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی“ لیکن یہی لفظ ذنب قرآن مجید میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بھی مذکور ہے :- وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (سورۃ محمد) (۱) مولانا مھتائوی اس کا ترجمہ لکھتے ہیں :- ”اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے بھی“ اور ذنب سے مراد ذنب مجازی ہے (بیان القرآن) اور مولوی فرمان علی صاحب لکھتے ہیں :- ”اور ہم سے، اپنے اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگتے رہو“ اور حاشیہ پر لکھتے ہیں :- ”یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت رسول تمام گناہوں سے پاک اور معصوم تھے، باوجود اس کے استغفار کا حکم یا تو اس وجہ سے ہے کہ نفس کو انکسار اور تواضع کی عادت رہے، یا یہ مقصود ہے کہ طلبِ غصمت

کرو کہ آئندہ بھی گناہوں سے محفوظ رہو۔ (۳) اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ ترجمہ کیا ہے :- ”اور تم اپنے گناہوں کی معافی کے لیے اور مومن مرد اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرو“ (ترجمہ مقبول) یہاں دونوں مترجمین نے لفظ ذنب کا ترجمہ گناہ لکھا ہے، حالانکہ امام الاشبہاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف گناہ کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔

لفظ ظلم قرآن مجید میں

ظلم کا لغوی معنی وضع الشیء فی غیر محلّہ ہے یعنی کسی چیز کو

اس کی جگہ سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا، لیکن قرآن مجید میں لفظ ظلم کا اطلاق شرک پر بھی کیا گیا :- اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اٰیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّسْتَدْرُوْنَ (سورۃ الانعام ۹) :- ”جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ پر (چل رہے) ہیں“ (مولانا مھتائوی) اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں :- ”وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی، انہیں کے لیے امان ہے اور وہی راہ پر ہیں“ مولوی فرمان علی صاحب شیعہ کا ترجمہ یہ ہے :- ”جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا، انہیں لوگوں کے لیے امن (و اطمینان) ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں“ مولوی مقبول احمد صاحب نے لکھا ہے :- ”جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے نہیں ملادیا۔ امن و اطمینان امنی کے لیے ہے“ حاشیہ پر لکھتے ہیں :- ”تفسیر مجمع البیان“ میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اس وقت لوگوں کو بہت ہی گراں گزری اور انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ مطلب نہیں ہے، جو تم سمجھ ہو بلکہ اس کا مطلب ہے شرک کیا تم نے تمہیں سنا کہ خدا کا ایک نیک بندہ (حضرت لقمان) کہتا ہے (جس کے قول کو خدا تعالیٰ نقل فرماتا ہے) یٰبَنِیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ط إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ :- ”میرے پیارے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ کر و بیشک شرک بہت ہی بڑا ظلم ہے“ اور یہاں مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے ایک اور بھی بی

کے معنی یہ منقول ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ولایت علی اور اولاد علی کی نسبت جو حکم پہنچایا، اُس پر ایمان لائے اور اس کو ابو بکر و عمر کی دوستی کے ساتھ مخلوط نہ کیا۔ ”توجہ مقبول، لیکن یہ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ ایک غرابی نکتہ ہے جو امام جعفر صادق کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، بہر حال لفظ ظلم قرآن مجید میں بمعنی شرک مستعمل ہے، لیکن یہی لفظ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق بھی آئی ہے: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنَّ لَنَا تَغَوُّرًا لَّنَا وَتَرَحُّمًا لَّنَا لَنُكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ اور حضرت یونس علیہ السلام کی دعا میں بھی مذکور ہے: فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ پس اُنہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ (الہی)، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ (سب نقائص سے) پاک ہیں، میں بے شک قصور وار ہوں“ (ترجمہ مولانا نقی) اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: حضرت یونس علیہ السلام سے اس واقعہ میں کسی امر کی مخالفت نہیں ہوئی۔ صرف اجتہاد میں غلطی ہوئی جو اُمت کے لیے عفو ہے مگر انبیاء کی تربیت و تہذیب زائد مقصود ہوتی تھی، اس لیے یہ ابتلاء ہوا۔ (متفہیم بیان القرآن) آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ لفظ ظلم لے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر ”تفہیم القرآن“ میں یہ لکھا ہے کہ: حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔ پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے بطور خود اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارا نہ کیا کیونکہ اس پر تمام محبت کی تلافی شرائط پوری نہیں ہوئی تھیں“ (تفہیم القرآن جلد ۲، سورۃ یونس، حاشیہ ص ۱۱۳) اور مودودی صاحب کا یہ عقیدہ عصمت انبیاء کے خلاف ہے، کیونکہ انبیائے کرام سے فریضہ رسالت ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہوتی اور جو لغزش انبیاء سے ہو سکتی ہے اُس کا تعلق فریضہ رسالت سے نہیں ہوتا۔ بعض دیگر انبیاء پر بھی مودودی صاحب نے ضابطہ تنقید کے جوش میں تنقیدیں کی ہیں، جن کی تفصیل میری کتاب ”مودودی مذہب“ میں مذکور ہے۔ یہ بھی ملحوظ ہے کہ مودودی صاحب نے گودسٹر پبلش میں سے یہ الفاظ ذکر: ”حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں“ حذف کر دیے ہیں، لیکن بعد کی جو عبارت باقی ہے وہ بھی عصمت انبیاء کے خلاف ہے اور مفتی محمد رفیع صاحب سابق مدرس اکوڑہ خٹک (حال راولپنڈی) نے مودودی صاحب کے دناج میں جو معنی جاننے ”کتاب کلمی ہے اس کے جواب میں میری کتاب ”علمی محاسبہ“ کا اطلاق کریں اس میں عصمت انبیاء پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ ۱۲

قرآن مجید میں شرک کے معنی میں مستعمل ہے، لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں لفظ ظلم سے عام لغزش مراد ہے، نہ کہ گناہ اور شرک، اور انبیائے کرام کی زلت (لغزش) کو ترک اولیٰ اور خلاف اولیٰ کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان انبیاء سے جو فعل صادر ہوا وہ بھی جائز تھا، لیکن انہوں نے اس سے بہتر اور اولیٰ صورت کو چھوڑ دیا، اس لیے اُن کی عظمت شان کے پیش نظر یہ بھی اُن کے حق میں قصور قرار دیا گیا۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُفْرَسِينَ یعنی ابراہار (صالحین) کی نیکیاں بھی مقررین کے لیے قصور و خطا سمجھی جاتی ہیں۔“

بہر حال جس طرح سُنی و شیعہ علمائے مفسرین نے قرآن مجید میں انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق لفظ مَعْصِيَت، غواہیت، ضلالت، ذنب اور ظلم وغیرہ الفاظ کی تاویل کی ہے، اور اس کا وہ مفہوم بیان کیا ہے جس میں عصمت انبیاء کا عقیدہ مجروح نہیں ہوتا۔ تو اس پر زیر بحث حدیث بخاری کے لفظ کذب (کذبات) کو قیاس کر کے اس کی صحیح تاویل ہو سکتی ہے، جیسا کہ سابقہ توجہات و تاویلات میں مذکور ہو چکا ہے، اس لیے حدیث بخاری کے الفاظ پر کوئی علمی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی عصمت بھی دیگر انبیائے کرام کی طرح محفوظ رہتی ہے، اور تمام شبہات زائل ہو جاتے ہیں۔ وَبِاللَّهِ الْحَكْمُ ۝

الٹا چور کو تو ال کوڑاٹے

مصنف ”فلاح الکونین“ نے حضرت ابراہیم، اور حضرت داؤد علیہما السلام کے بارے میں جو الزامات اہل سنت پر عائد کیے تھے، اُن کا تحقیقی جواب عرض کر دیا گیا ہے۔ لیکن کیا مصنف موصوف کو اپنے گھر کی خبر نہیں کہ اُن کی مستند کتابوں میں انبیائے کرام کے متعلق کیا لکھا ہے، جن سے عصمت انبیاء مجروح ہوتی ہے مثلاً:-

رسول خدا نے حکم الہی کو طالا

قرآن مجید میں ہے: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ط وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَكَتْ رِسَالَتُهُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَنْ النَّاسُ ط مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے:- ”اگر رسول

جو کچھ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (علیؑ کے بارے میں) نازل کیا گیا ہے، اسے پہنچاؤ اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اپنی رسالت ہی نہ پہنچائی، اور اللہ آدمیوں کے شر سے تم کو محفوظ رکھے گا۔“ (ترجمہ مقبول) اور تفسیر قمی میں ہے کہ :- ”نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي عَلِيٍّ :-“ یہ آیت علیؑ کے بارے میں اُتری ہے۔“ اور شیخ طبرسی لکھتے ہیں :- ”وقد اشتهرت الروایات عن ابی جعفر ابی عبد اللہ علیہما السلام ان اللہ اوحی الی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یستخلف علیاً راعی فکان بیغاث ان یشیق ذلک علی جماعۃ من اصحابہ ، فانزل اللہ تعالیٰ ہذا الایۃ لتتبعیالہ علی النبی بما امرہ اللہ باداۃ۔“ (تفسیر مجمع البیان) :- ”اور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سے روایات حدیث شہرت کو پہنچ چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ حضرت علیؑ کو خلیفہ مقرر کریں۔ پس آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ یہ حکم آپ کے اصحاب کی ایک جماعت پر شاق ہو گا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت آپ کے دل کو مضبوط کرنے کے لیے بھیجی تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ادا کر سکیں۔“ اور علامہ مجلسی اس آیت کے تحت حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کرنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ :- ”پس حضرت رسول ترسید از قوم کہ مبادا اہل شقاق و نفاق پراگندہ شوند و بجاہلیت و کفر خود بگردانند، زیرا کہ حضرت علیؑ دانست کہ عداوت ایشان با علی بن ابی طالب در چہ مرتبہ است و کینہ او در سینہ ہائے ایشان جا کردہ است۔ پس سوال کرد از جبرئیل کہ از خداوند عالمیان سوال نماید کہ اورا از کینہ منافقان محفوظ رکھد و انتقامی برد کہ جبرئیل از جانب خداوند عالمیان خبر محافظت اورا از شر منافقان بیارد۔ پس تبلیغ رسالت را تاخیر نمود تا مسجد خیف جبرئیل بر آنحضرت نازل شد و امر کرد آنحضرت را کہ عہد ولایت را با ایشان برساند و اورا قائم مقام خود گرداند و وعدہ محافظت از شر اعدای را برائے آنحضرت طلب نمود بود، نیارود۔ پس حضرت فرمود کہ اے جبرئیل! من از قوم می ترسم کہ مرا تکذیب نمایند و قول مراد حق را قبول نہ کنند۔ پس از شما باز گرد، پس چون یہ غدیر خم رسید کہ بقدر رسد میل پیش از جحفہ است۔ جبرئیل بہ نزد آنحضرت آمد و تکیہ پیش ساعت از روز گذشتہ بود بانہایت زبرد تہدید و مبالغہ و باضامن شدن عصمت از شر اعدا پر گشت۔ محمد خداوند عزیز جلیل ترا سلام می رساند و می گوید کہ اے پیغمبر بزرگوار! تبلیغ کن آنچه لبوس

فرستادہ شدہ است در باب علیؑ و اگر نہ کنی نرسانید خواہی بود، بیچ یک از رسالات الہی را و خدا ترا نگاہ می دارد از شر مردم“ (حیات القلوب جلد دوم صلاۃ مطبع فولکشور لکھنؤ، ستمبر ۱۸۸۳ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ) :- ”پس حضرت رسولؐ تو لوگوں سے ڈر گئے کہ ایسا نہ ہو کہ مخالفین اور منافقین منتشر ہو جائیں اور جاہلیت اور کفر کی طرف لوٹ جائیں۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اُن کی حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ دشمنی کس درجہ پر پہنچی ہوئی ہے، اور اُن کے سینوں میں اُن کا کینہ جم چکا ہے۔ پس آپ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ آپ کو منافقین کے فریب سے محفوظ رکھے، اور اس کا انتظار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل منافقین کے شر سے آپ کی حفاظت کی خبر لاتے ہیں، اس لیے رسالت کی تبلیغ میں تاخیر کر دی، حتیٰ کہ مسجد خیف تک پہنچ گئے تو وہاں جبرئیل نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم پہنچا کہ حضرت علیؑ کی ولایت (یعنی خلافت) کا حکم پہنچائیں اور ان کو اپنا قائم مقام مقرر کریں، لیکن حضورؐ نے دشمنوں کے شر سے حفاظت کا وعدہ طلب کیا تھا، جبرئیل وہ نہ لائے۔ پھر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اے جبرئیل! اپنی قوم سے ڈرتا ہوں کہ وہ جھٹلائیں گے اور علیؑ کے حق میں میری بات قبول نہیں کریں گے۔ پھر جبرئیل واپس گئے حتیٰ کہ آپ جب غدیر خم پر پہنچے جو تقریباً تین میل جحفہ سے آگے ہے۔ جبرئیل آپ کے پاس اس وقت پہنچے کہ دن کی پانچ ساعتیں گزر چکی تھیں اور نہایت زبرد تہدید (مخت ڈانٹ) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کا حکم لائے، اور کہا کہ اے محمد! خداوند عزیز و جلیل آپ کو سلام پہنچاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے پیغمبر بزرگوار! جو میں نے آپ کو حکم بھیجا ہوا ہے، حضرت علیؑ کے بارے میں وہ پہنچا دیں اور اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی پیغام (حکم) نہیں پہنچایا اور لوگوں کے شر سے خدا آپ کی حفاظت کرے گا۔“

فرمائیے! کیا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام رسالت کا انکار نہیں ہے؟ کہ آپ نے نعوذ باللہ لوگوں کے خوف سے حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بار بار اُپس کرتے رہے، اور جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی، حکیم الہی کے سنائے میں پس و پیش کرتے رہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ شان رسالت بیان فرمائی ہے،

کہ :- اَلَّذِيْنَ يُكَلِّمُونَ رَسُلَاتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَہٗ ذٰلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ - (پ ۲۲، سُورَةُ الْحَزْبِ ع ۵) :- اس آیت کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ یہ لکھتے ہیں کہ :- پیغمبر ایسے لوگ ہیں جو خدا کا حکم پہنچاتے ہیں اور اُسی سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں ڈرتے، (ترجمہ مقبول)

اللہ تعالیٰ کا تو یہ اعلان ہے کہ پیغمبر اُس کا حکم پہنچانے میں کسی مخلوق سے بھی نہیں ڈرتے اور باتیں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی کی خلافت و امامت کے اعلان کرنے میں اپنے اصحاب سے ڈرتے رہے، العیاذ باللہ اور یہ خوف اس شخصیت کی خلافت کے اعلان میں ہے جو خود شیعہ خدا ہیں اور اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود بھی ہیں، اور یہ بھی ملحوظ نہیں رکھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح اپنی جان کا خوف ہوتا تو پھر مکہ معظمہ میں قریش مکہ اور ابو جہل جیسے دشمنوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کا اعلان کیسے فرماتے، جبکہ آپ بالکل تنہا تھے اور اب جبکہ مکہ فتح کر لیا ہے اور اسی حجتہ الوداع کے خطبہ کے دوران تکمیل دین کا اعلان ہو چکا ہے اور تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار جانثار صحابہ کرام کی جماعت مقدسہ کفر و باطل کی طاقتوں کو زیر و زبر کرنے کے لیے قائم ہو چکی ہے، اور سالہا سال کی اور مدنی زندگی میں احکام رسالت بلا کسی خوف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سناسچکے ہیں۔ تو اب صرف حضرت علی کی خلافت کے اعلان کے بارے میں یہ جاننا کا خوف کیسے لاحق ہو گیا۔ نہیں! نہیں! کوئی عقل و شعور رکھنے والا مسلمان ایسا تقویر بھی نہیں کر سکتا۔

در اصل بات یہ ہے کہ مابقی فرقہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور دیگر صحابہ کبار کی عداوت میں اتنا خالی ہو چکا ہے کہ وہ ان مقدس صحابہ کو مجروح کرنے میں ہر ممکن کوشش کرتا ہے خواہ اُس میں رسالت محمدیہ ہی مجروح ہو جائے اور قرآن اور اسلام سے ہی اعتماد اٹھ جائے العیاذ باللہ جیسا کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں یہ کاروائی کی گئی ہے۔ وَاللّٰهُ الْبَہَادِمِ :-

اُمّہ اہل بیت پر دین چھپانے کا الزام

دین من کتمہ اعز اللہ عزوجل دمن اذا عہ اذلہ اللہ عزوجل :- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اے سلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ عزوجل اُس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے گا

اللہ عزوجل اُس کو ذلیل کرے گا۔ (باب المکتان) یہاں بعض علمائے شیعہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ حکم ایسے وقت کے لیے ہے، جب دشمنوں کا زور ہو اور شیعوں کو جان کا خطرہ ہو لیکن یہ تاویل باطل ہے، کیونکہ امام جعفر صادق نے یہاں دین شیعہ کی یہ صفت بیان فرمائی ہے (انکم علی دین) تم ایسے دین پر ہو یعنی شیعہ مذہب ہی ایسا ہے جس کو چھپانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت ملے گی اور اُس کے ظاہر کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیعہ کو نکت نصیب ہوگی، اور اسی بنا پر علامہ خلیل قزوینی نے اصول کافی کی شرح صفائی میں یہ تشریح کر دی ہے کہ ”گفت امام جعفر صادق اے سلیمان! بدستیکہ شما شیعیہ امامیہ قبل از ظهور قائم علیہ السلام طریقے دارید کہ ہر کہ نہ آئنا از غیر اہلش، عزیز می کند اور اتقائی“ یعنی امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے سلیمان! بے شک تم شیعہ امامیہ امام مہدی کے ظہور سے پہلے ایسا مذہب رکھتے ہو کہ جو شخص اس کو نا اہلوں سے چھپائے گا، اللہ تعالیٰ اُس کو عزت دے گا، تو اس میں تفریح کر دی کہ دین کے چھپانے کی یہ خصوصیت حضرت امام مہدی کے ظاہر ہونے تک ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ اس میں نا اہلوں سے چھپانے کا ذکر ہے نہ کہ ہر کسی سے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر شیعہ علماء و ذاکرین علی الاعلان اور پھر لاؤڈ سپیکر پر تو اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ عام مجمع میں تو اہل، نا اہل سب موجود ہوتے ہیں۔ لہذا شیعہ مذہب کی بنیاد پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ شیعیت کی عام تبلیغ حرام ہے اور جو اس کی عام تبلیغ کرتے ہیں وہ امام جعفر صادق کی نافرمانی کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہوتے ہیں۔ عبرت عبرت (۲) اسی دین چھپانے کا نام مذہب شیعہ کی اصطلاح میں تقیہ ہے، چنانچہ اسی صفائی شرح اصول کافی میں کنتان کا یہ معنی لکھتے ہیں :-

پوشانیدن چہرے خواہ نزد منافقان برائے دفع ضرر و آئنا تقیہ نیز نامند و خواہ نزد موافق برائے مصلحتے مثل جلب نفع :- کسی چیز کو چھپانا، خواہ نقصان دور کرنے کے لیے منافقین سے چھپائی جائے اور اُس کا نام تقیہ ہے اور خواہ اپنے موافقین سے بوجہ نفع حاصل کرنے کے بات چھپائی جائے“ اسی بنا پر شیعہ مذہب میں تقیہ کا بہت بڑا ثواب ہے، چنانچہ لکھتے ہیں :- عن ابی عمر العجمی قال قال لی عبد اللہ علیہ السلام یا اباعمر ان تسعة اعشار الدین فی التقیۃ ولادین لمن لا تقیہ لہ والتقیۃ فی کل شیء الا فی النبیذ والمسح علی الخفین :- ابو عمر عجمی سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے اباعمر! دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ

میں ہیں، اور جو تفتیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے، اور تفتیہ ہر چیز میں ہے، سوائے نبیذ (جو وغیرہ) جو ش دیا ہوا پانی، اور موزوں کے مسح کے۔“

از روئے تفتیہ حضرت علیؑ کو گالی دینا جائز ہے

(۳) اور اس عبادت تفتیہ کی حد یہاں تک ہے کہ :- قیل لابی عبد اللہ علیہ السلام ان الناس یروون ان علیاً علیہ السلام قال علی منبر الکوفة ایہا الناس انکم ستدعون الی سبّی فنبوئی شتم تدعون الی البراءت متی فلا تبغوا امتی، فقال اکثر ما یکذب الناس علی علی علیہ السلام شتم قال انما قال انکم ستدعون الی سبّی فنبوئی شتم تدعون الی البراءة متی وانی علی دین و لکم یقل لا تبغوا و متی :- امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا گیا کہ لوگ حضرت علیؑ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا کہ تم کو عنقریب مجھے سب کرنے (گالیاں دینے) کے لیے کہا جائے گا، تو تم مجھے سب کر لینا (یعنی گالیاں دے لینا) پھر تم کو مجھ سے تبرّا کرنے (بیزاری کا اعلان کرنے) کو کہا جائے گا، تو تم مجھ سے تبرّا نہ کرنا۔ پس امام صادق نے فرمایا کہ لوگ حضرت علیؑ پر بہت جھوٹ بولتے ہیں، پھر کہا کہ حضرت علیؑ نے تو یہ فرمایا تھا کہ تم مجھے سب کرنے کے متعلق بلائے جاؤ گے، تو تم مجھے سب کر لینا اور پھر تمہیں مجھ سے بیزاری اختیار کرنے کے لیے کہا جائے گا، اور بے شک میں دین محمد پر قائم ہوں، اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ مجھ سے تبرّا نہ کرنا“ (اصول کافی باب التفتیہ) :-

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ سب کا ترجمہ شایح نے دشنام کیا ہے، اور دشنام گالی گلوچ کو کہتے ہیں، اور اس روایت میں امام جعفر صادق نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم مجھ سے تبرّا نہ کرنا۔ یہ نوں نے آپ کی طرف جھوٹی بات منسوب کی ہے۔ چنانچہ علامہ خلیل قزوینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :- از تسمہ حدیث معلوم می شود کہ معنی آن، این است کہ تبرّا کنید“ یعنی اس حدیث کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تبرّا بھی کر لینا۔ یعنی حضرت علیؑ نے اپنے مُحبّین سے کوفہ کے منبر پر علی الاعلان یہ فرمایا تھا کہ تفتیہ کر کے مجھ کو گالیاں بھی دے لینا اور تبرّا بھی کر لینا۔ تو یہ ہے عبادت تفتیہ اور یہ ہے محبت اہل بیت کا تقاضا، اور یہ ہے اہل تشیع کا ایمان و عقیدہ، جس سے اُن کی نجات و نلاح وابستہ ہے۔

ثواب مُتَع

مذہب تشیع میں تفتیہ سے بھی بڑھ کر ایک عبادت ہے جس کو متع کہتے ہیں اور بظاہر وہ متع کو نکاح موقت کا نام دیتے ہیں، یعنی ایسا نکاح جس میں مدت مقرر

کی جاتی ہے اور اس مدت کے ختم ہونے کے بعد وہ نکاح بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر علم و دیانت کی بنا پر تحقیق کی جائے تو یہ متع نکاح ہی نہیں بلکہ ہے۔ کیونکہ اس میں گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے چنانچہ ”بُہانُ الْمُتَع“ ص ۶۶ پر یہ لکھا ہے کہ :- اعلان و شہود نزد اصحاب مادر دائم و منقطع شرط نیست“ اعلان کرنا اور گواہوں کا ہونا ہمارے اصحاب کے نزدیک نکاح دائم (جو ہمیشہ کے لیے کیا جائے) اور منقطع (جو مدت مقررہ پر ختم ہو جاتا ہے) یعنی متع میں شرط نہیں ہے۔ پس عورت و مرد آپس میں بغیر گواہوں کے ایجاب قبول کر لیں، تو پھر وہ آپس میں جماع کر سکتے ہیں، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ لیکن یہاں متع پر تفصیلی تبصرہ کی گنجائش نہیں۔ ہم یہاں صرف اس کا وہ ثواب بیان کرتے ہیں جو متع کرنے والوں کو ملتا ہے :- قَالَ السَّيِّئُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مَنْ تَمَتَّعَ مَرَّةً دَرَجَتُهُ کَدَرَجَةِ الْحَسَنِ وَمَنْ تَمَتَّعَ مَرَّتَیْنِ دَرَجَتُهُ کَدَرَجَةِ الْحَسَنِ وَمَنْ تَمَتَّعَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ دَرَجَتُهُ کَدَرَجَةِ عَلِیٍّ وَمَنْ تَمَتَّعَ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ دَرَجَتُهُ کَدَرَجَتِیْ۔ (بُہانُ الْمُتَع) (ترجمہ) :- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک مرتبہ متع کرے اُس کا درجہ امام حسین کے درجہ کی طرح ہوگا، اور جو دو مرتبہ متع کرے اُس کا درجہ امام حسن کے درجہ اور جو تین مرتبہ متع کرے اُس کا درجہ حضرت علیؑ کے درجہ، اور جو چار مرتبہ متع کرے اُس کا درجہ میرے درجہ کی طرح ہوگا۔

استغفر اللہ! ثواب متع کی انتہا ہو گئی، قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ متع میں شہوت رانی ہی مقصود ہے، لیکن اس کا ثواب وہ ہے جو نہ نماز کا ہے نہ روزہ کا، نہ حج کا اور نہ جہاد کا۔ اب ان فرائض و عبادات کی کیا ضرورت ہے، متع کر لو اور نفوذ باللہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سادرجہ بھی حاصل کر لو اور یہ حوالہ کسی ایسی ویسی غیر معتبر کتاب کا ہم نے پیش نہیں کیا جیسا کہ مُصَنَّف ”فلاح الکونین“ کی عادت ہے بلکہ مذکورہ کتاب ”بُہانُ الْمُتَع“ علامہ ابوالقاسم رضوی لاہوری کی تصنیف ہے (جو علامہ حامد لاہوری کے والد ہیں) جن کے متعلق شیعی علامہ مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ :- سید ابوالقاسم ابن سید حسین رضوی القمی لاہوری، بہت بزرگ مرتبہ عالم و متکلم تھے۔ پنجاب میں اُن کی علمی خدمات

سنجیدہ حروف کے ساتھ لکھے جانے کے قابل ہیں۔ مرقوم نے علاوہ تفسیر وغیرہ کے علم کلام میں بہت سے کتب و رسائل تصنیف فرمائے۔ اُن میں سے مندرجہ ذیل کُتب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ معارف الملة الناجية والنار، برهان المنتبه، عشرة کاملہ، شرح تجرید۔ ان کُتب کے علاوہ اُن کی تفسیر نفیر (ذامع التنزیل، تیرھویں پارے تک، بھی مباحث کلامیہ کا ایک عمدہ شاہکار ہے) (احسن الفوائد ص ۱۳) توحید مذہب میں تقیہ، مُنتہ اور ماتم جیسی عبادتیں پائی جاتی ہوں تو اُس کے نام لیواؤں میں تبارِ سنت، اعمالِ صالحہ، ورع و تقویٰ، اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کا کنیا واسطۂ مذہب معلوم اہل مذہب معلوم (بحث دلیل نمبر ۶)۔ ماتی ٹریٹ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں دیل نمبر ۶ کے تحت یہ لکھا تھا کہ :- حضرت نوح کا اصلی نام عبدالغفار تھا اور نوحہ کرنے کی وجہ سے نوح کہلاتے ہیں۔ (الصادی علی الجلالین جلد دوم ص ۳۳ مطبوعہ مصلح)

اس کے جواب میں یہ لکھا گیا تھا کہ :- حضرت نوح علیہ السلام کسی مقبول بندے کی مصیبت و شہادت کی وجہ سے نہیں روئے بلکہ اس کی وجہ خود صاوی حاشیہ جلالین میں یہ لکھی ہے کہ :- لَقَب نوح بكثره لوجه على نفسه حيث دعا على قومه فهلكوا اذ قيل لمرأجة ربه في شان ولده كنعان :- "آپ کا لقب نوح اس لیے ہوا کہ آپ اس بنا پر زیادہ روتے رہے کہ آپ نے اپنی قوم کے لیے بدعا کی تھی، جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ اپنے بیٹے کے بارے میں آپ نے رب تعالیٰ سے سوال کیا تھا" (۲) "اس نوحہ (رونے) سے مُنہ پٹنا اور سینہ کو بی کرنا کیسے ثابت ہو گیا" (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۱۱) اس کے جواب الجواب میں مُصتف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں کہ :- فریقین کی اکثر کُتب تفسیر میں تو یہی ملتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سینکڑوں سال حصولِ لقا کے لیے روتے رہے اور اس رونے دھونے کی وجہ سے نوح (نوحہ کرنے والا) کے نام سے مشہور ہو گئے۔ صاحب الصاوی علی الجلالین کا یہ کہنا کہ حضرت نوح قوم اور بیٹے کی ہلاکت پر روتے رہے، ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ پیغمبر کا ایسی سرکش قوم کے لیے بدعا کر کے پھپھانا، جو سینکڑوں سال کی تبلیغ کے بعد بھی ایمان نہ لائی اور اپنے بیٹے پر نوحہ کرنا جس کو اللہ تعالیٰ نے نوح کی اولاد سے خارج کر دیا، نبی کی عصمت کے خلاف ہے (۲) نوحہ کے معنی ہیں بن کرنا

جو بن کرے روتا ہے اُس کا غم شدت اختیار کرتا ہے وہ سراور سینہ پٹتا ہے (۱) (ص ۱۱۳)

(۱) میں نے "تفسیر صاوی" کے حوالہ سے دو قول پیش کیے تھے اور ہمیں اس پر اصرار نہیں ہے کہ قوم کے لیے روتے رہے، لیکن قوم کے لیے رونا تو آپ کے بعض محققین نے بھی لکھا ہے چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ :- و بسند معتبر از حضرت امام رضا منقول است کہ مردے از اہل شام از امیر المومنین علیہ السلام پرسید از اسم نوح، فرمود نامش سکن بود و اورا نوح نامیدند برائے آنکہ بر قوم خود ہزار و کم پنجاہ سال نوحہ کرد۔ (حیات القلوب) :- "اور بسند معتبر حضرت امام سے منقول ہے کہ اہل شام میں سے ایک مرد نے امیر المومنین حضرت علی سے نوح نام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اُن کا نام سکن تھا، اور اُن کا نام نوح اس لیے پڑ گیا کہ آپ اپنی قوم پر پچاس سال کم ایک ہزار سال (یعنی صاوی سے نو سو برس) روتے رہے۔"

گو اس میں اور صاوی کے قول میں کچھ فرق ہے لیکن اپنی قوم کفار پر حضرت نوح علیہ السلام کا رونا تو ثابت ہو گیا (۲) آپ نے اپنی کم فہمی کی بنا پر صاوی کے دوسرے قول کا یہ مطلب سمجھ لیا کہ حضرت نوح اپنے بیٹے کنعان کی ہلاکت پر نوحہ کرتے رہے۔ حالانکہ خود صاوی کے ان الفاظ میں صراحت تھی کہ :- قیل لمرأجة ربه في شان ولده كنعان :- "آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس بنا پر روتے رہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کے حق میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی، اور پھر اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا :- فَلَا تَسْتَلِ مَا كُنْتَ لَكَ بِهِ عَلِيمٌ :- "جس بات کا آپ کو علم نہیں، اُس کے بارے میں مجھ سے میر سوال مت کریں" (۳) آپ نے جو لکھا ہے کہ نوحہ بن کرنے کو کہتے ہیں، اور ماتی ٹریٹ میں یہ وجہ بھی تھی کہ حضرت نوح اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق میں روتے رہے۔ تو کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ نوح باللہ حضرت نوح اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے بن کرتے رہے۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ بن میت پر رونے کو کہتے ہیں، یہ سب ماتم کی ظلمتیں ہیں جو آپ کے قلب و دماغ پر محیط ہیں۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کے رونے کا باعث کسی مومن متقی کی موت یا شہادت کا ہونا مذکور ہوتا تو پھر بھی آپ کے ماتم کا ثبوت صرف رونے کی وجہ سے نہیں ہو سکتا تھا، اور یہاں تو کسی محبوب و مقبول بندے کی موت پر رونے کا کوئی تذکرہ ہی نہیں :-

سینہ کو بی کا غرابی فلسفہ

آپ نے لکھا ہے کہ :- نوہ کے معنی ہیں "بیں کرنا" جو بیں کر کے روتا ہے اُس کا غم شدت اختیار کرتا ہے، وہ سر اور سینہ پیٹتا ہے، بال نوچتا ہے، مثال ہنسنے کو لیجئے، مسکراتا، منہ کھول کر یا بند کر کے ہنسا، تہقہ لگانا یہ کیفیات ہنسنے کے وقت صرف منہ کی ہوتی ہیں۔ بعض اوقات جب ہنسی بڑھ جائے تو انسان ہنستے ہنستے کبھی لیٹ جاتا ہے اور کبھی پیٹ مقام لیتا ہے۔ یونہی حالت غم میں کچھ انسان کی کیفیت حرکات میں تبدیلی ہوتی ہے چنانچہ پہلے انسان صرف آنکھوں سے آشوبہانا اور آہیں بھرتا ہے، پھر جذبات غم بے بس کر دیتے ہیں تو وہ سر اور سینہ پیٹتا ہے، بال نوچتا ہے حتیٰ کہ دیواروں سے ٹکریں مارتا ہے۔ رونے کے بعد پیٹنا شدت اضطراب کا نتیجہ ہے (فلاح الکونین) (۱) بے شک خوشی میں ہنسا اور مصیبت میں مغموم ہونا یا آنکھوں سے آنسوؤں کا آ

الجواب

جانا انسان پر یہ غیر اختیاری حالات طاری ہو جاتے ہیں۔ لیکن خوشی اور غمی دونوں کی بھی ایک حد ہے، اگر خوشی میں اگر کوئی شخص کو رونے لگ جائے تو وہ انسانی حدود سے تجاوز کر کے جانوروں کی صف میں داخل ہو جائے گا، اور سٹیہ اور باوقار مجلس سے اُس کو اٹھا دیا جائے گا، یا اُس پر پاگل ہونے کا گمان کیا جائے گا، اور اگر خوشی میں رقص و سرود کا مظاہرہ شروع کر دے تو اسلامی شریعت میں یہ افعال ممنوع ہیں اس لیے اُس سے اس مظاہرہ کو ناجائز سمجھا جائے گا۔ اسی طرح مصیبت اور صدمہ لاحق ہونے پر اگر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو رونے کی حد تک اس کا جواز ہو گا۔ لیکن شدت غم کا مظاہرہ اگر اسی طرح کیا جائے گا، جس طرح آپ نے اپنے ماتم کی تصویر کشی ہے تو یہ انسانی اوصاف کمال (صبر و حوصلہ) کے خلاف سمجھا جائے گا اور شرعاً یہ مظاہرہ ناپسندیدہ اور قبیح فعل ہو گا، کیونکہ حضور خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان افعال سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ تفسیر قمی اور ترجمہ مقبول کے حوالجات سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے اور آئندہ انشاء اللہ الفریزہ حرمت ماتم کے دلائل میں اس پر مفصل بحث کی جائے گی۔ لہذا آپ کا بیان کردہ ماتمی فلسفہ، غرابی فلسفہ تو کم لایا جاسکتا ہے، لیکن انسانی فطرت اور محمدی شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوشی میں تبسم (مسکراتا) اور ضحک (ہنسا) ثابت ہے، تہقہ بھی ثابت نہیں یعنی کھل کھلا کر زور سے ہنسا۔ اسی طرح مصیبت میں صرف رونا ثابت ہے چھینا

چلانا اور منہ پیٹنا اور سینہ کو بی کرنا وغیرہ ثابت نہیں بلکہ ان افعالِ قبیحہ سے ممانعت ثابت ہے۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور نمونہ کو سنت قرار دیں یا اپنے نفسانی جذبات کے مظاہرہ کو۔ شریعت محمدیہ تو حدود مقرر فرمادی ہیں، "تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْدُوهَا"۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حدیں قائم کی گئی ہیں پس تم اُن سے تجاوز نہ کرو" اور اسی بنا پر فرمایا :- "قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ"۔ آپ فرمادیجئے! کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے مراد سنت نبوی کی اتباع ہے۔ اس لیے آپ اگر اپنے ماتم کو محبتِ خداوندی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو رحمتہ للعالمین کی سنت سے ثابت کریں، اور اگر آپ کے نفس کا یہ تقاضا ہے اور یقیناً یہی ہے تو ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ کی وفات

(بحث دلیل نمبر ۹) ماتمی ٹریکٹ میں دیں نمبر ۹ کے تحت یہ لکھا تھا کہ "حضرت حضرت ابراہیم بن محمد نے انتقال کیا، آنحضرت کو خبر ہوئی تو عبد الرحمن بن عوف کے ساتھ تشریف لائے نزع کی حالت تھی، گود میں اٹھالیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے" (سیرت النبی حصہ اول ص ۲۸) اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ (۱) اس کے بعد کے یہ الفاظ نہیں لکھے کہ :- "عبد الرحمن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ آپ کی یہ حالت ہے، آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے" اس سے ثابت ہوا کہ اپنے فرزند حضرت ابراہیم کے انتقال پر رحمت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لیکن اس سے ماتم مرتبہ کیے ثابت ہوا (۲) اور اس گریہ کی بھی، کیا ہر سال حضرت ابراہیم کی وفات کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی مجلس بپا کی تھی؟ (۳) حضرت حسین کے ماتمیوں نے بھی کبھی حضرت ابراہیم بن محمد کے ماتم کی مجلس بپا کی ہے؟ (۴) ماتم کیوں نہیں کرتے؟

اس کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں (۱) اگر ملک صاحب نے یہ الفاظ نہیں لکھے کہ عبد الرحمن نے کہا الخ تو ان الفاظ کے نقل کرنے سے آپ کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ یہ الفاظ آپ کے وقت

کی تائید نہیں کرتے۔۔۔۔۔ جواب میں آپ نے فرمایا ”یہ رحمت ہے“۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابراہیم کی موت کو رحمت نہیں فرمایا بلکہ رونے کو رحمت فرمایا ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی عزیز ترین انسان کی موت پر آشوبہا نہایت رسول ہے اور رحمت خدا ہے۔ اس کے بعد ابو داؤد کتاب الجنائز باب البکاء علی المیت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ.... فرمایا اِنْفَارِحُمَا ”یہ رحمت ہے“ اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ اَللّٰهُمَّ رَضِیْ رِبْنَا وَ اَنَا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاهِیْمَ لَمَحْزُون۔“۔ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غم کرتا ہے، ہم نہیں کہتے مگر وہ جو ہمارے رب کو راضی کرے، اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی میں غمناک ہیں۔“ مذکورہ بالا روایت بخاری شریف، کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے یہ بے رونے کا جواز۔ رونے سے ماتم ہم نے دلیل نمبر ۶ میں ثابت کر دیا ہے، نیز مذکورہ بالا واقعہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ رونا صبر کے خلاف نہیں۔ البتہ زبان سے ایسے جملے ادا کرنا صبر کے خلاف ہے، جن سے قضاؤ اللہ ایزدی پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

الجواب

مُحَمَّدٌ اَكْرَمُ صَلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب سے کہ یہ رحمت ہے ہمیں یہ فائدہ ہے کہ رونے کی علت معلوم ہو گئی یعنی حضرت ابراہیم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قلبی شفقت و رحمت کی بنا پر روئے۔ چنانچہ اس کی تائید بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ اپنے ایک نو اسے کو حالت نزع میں دیکھ کر رو پڑے تو:- فَقَالَ سَعْدُ یَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا هَذَا فَقَالَ هَذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِی قُلُوبِ عِبَادِهِ وَ اَنَا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الرَّحْمَاءِ (کتاب الجنائز) پس حضرت سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے، تو حضور نے فرمایا یہ رحمت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اُن پر رحم فرماتا ہے جو رحم و رحمت والے ہیں۔“ بہر حال حدیث بخاری سے تو صرف رونا ثابت ہوتا ہے، نہ کہ آپ کا ماتم جس کے آپ مدعی ہیں، اور رونے سے ماتم، جو آپ نے دلیل نمبر ۱ میں ثابت کیا ہے اُس کی بنا، غرابی فلسفہ ہے نہ کہ شرعی، اور یہ الیسا ہی ثبوت ہے کہ کوئی شخص حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ضحک (ہنسنا) ثابت کر کے یہ کہے کہ اس سے کوونا ثابت ہوتا ہے

کیونکہ کودنے کو میرا جی چاہتا ہے، تو اس کا کیا علاج ہے؟ (دب، فردغ کافی جلد اول میں ہے کہ:-“امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب حضرت رسول خدا کے فرزند طاہر کا انتقال ہوا تو آپ نے جناب خدیجہؓ کو رونے سے منع فرمایا۔ انہوں نے کہا جب اس کا دودھ چھاتی سے بہتا ہے تو میں روتی ہوں فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ اُسے جنت کے دروازے پر کھڑا پاؤ اور وہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر جنت کے بہترین پاکیزہ مقام پر لے جائے۔ انہوں نے کہا کیا ایسا ہے، فرمایا خدا نے عز و جل کیسے عذاب دے گا اُسے جس کے دل کے چین کو چھین لیا ہو، اور اس نے صبر کیا ہو اور خدا کی حمد کی ہو“ ترجمہ شافعی از ادیب اعظم) اس سے ثابت ہوا کہ رونا اگرچہ جائز ہے لیکن یہ مطلوب و مقصود نہیں ہے کہ ضرور رونے کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئندہ رونے سے بھی منع فرما دیا۔ اس سے تو آپ کا ہر فلسفہ ماتم برباد ہو گیا۔

(۲) آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:-“مذکورہ بالا واقعہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ رونا صبر کے خلاف نہیں۔ البتہ زبان سے ایسے جملے ادا کرنا صبر کے خلاف ہے، جن سے قضاؤ قدر ایزدی پر اعتراض وارد ہوتا ہے“ تو یہ بھی آپ کا مغالطہ ہے کیونکہ صرف رونے کو یعنی آشوبہا نے کو صبر کے خلاف کوئی بھی نہیں کہتا۔ بلکہ مُنْشَہ پٹینا اور سینہ کوٹنا اور زبان سے داویلا کرنا صبر کے خلاف ہے جس کو آپ تم کہتے ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:- اِنَّ اللّٰهَ لَا یُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَیْنِ وَلَا بِحَزَنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ یُعَذِّبُ بِهَذَا وَ اِشَارَاتِیْ لِسَاتِد۔ (کتاب الجنائز)۔“تحقیق اللہ تعالیٰ آنکھ سے آشوبہا جاری ہونے اور دل کے غمگین ہونے پر عذاب نہیں دیتا لیکن اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے اور آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔“ بے شک ایسے الفاظ کا ادا کرنا بھی جن سے قضاؤ قدر پر اعتراض وارد ہوتا ہے، صبر کے خلاف ہے بلکہ اگر مصراحتاً شکایت ہو تو ایمان کا بھی خطرہ ہے۔ لیکن زبان سے بیچ و پکار، داویلا اور لَوْحہ ممنوعہ بھی صبر کے خلاف ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:- عَنْ اُمِّ عَطِیَّةٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اَخَذَ عَلِیْنَا النَّبِیُّ صَلی اللہ علیہ وسلم عِنْدَ الْبَیْعَةِ اَنْ لَا نَتَوَحَّحَ:-“اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیعت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم فوجہ نہیں کریں گی، اور بخاری شریف میں ہی ہے:- قَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْغَدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ
:- ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو رخصارے پیٹے اور گریبان
بھاڑے اور جاہلیت کے زمانے کی طرح لپکائے“ اور اسی مضمون کی احادیث فروع کافی اور جلاء التو
میں بھی موجود ہیں۔ جن پر مفصل بحث حرمت ماتم کے دلائل کے باب میں کی جائیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ :-
آپ فرماتے ہیں کہ:- ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت
ایک اور احمقانہ استدلال ہے کہ تحقیق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال
مقام اُحد پر جاتے اور جب گھاٹی ظاہر ہوتی تو شہداء کی قبروں پر سلام کرتے سلامٌ علیکم بما صبرتم فمغفم
عقبی الدار“ ایسی ہی ایک روایت تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳ صفحہ ۸۴ پر ہے، اسی طرح حضرت ابو بکر
عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بھی جاتے رہے۔ صاحب خلق عظیم، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جو زندگی بھر اپنے ساتھیوں کو نہ بھولے اور ان کی یاد کو باقی رکھنے کے لیے ہر سال ان کی قبروں پر جاتے
رہے، کیا اپنے تخت جگر کو بھول گئے ہوں گے؟ اور حضرت ابراہیم کی قبر پر نہ جاتے ہوں گے لہذا
بہریت کذا یہ مجالس اور جلوس سنت رسول ہیں“

الجواب

(۱) سبحان اللہ! کیا عجیب استدلال ہے، اس کو کہتے ہیں! ع۔
اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔ حدیث مذکور میں تو زیارت
قبور کا ذکر ہے، حتیٰ کہ رونے کا بھی ذکر نہیں، پھر شہداء کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لیجائے
مجلس ماتم اور جلوس ماتم کیسے ثابت ہو گیا؟ کچھ تو ہوش و حواس قائم کر کے دلیل پیش کیا کریں (ب) میرا
سوال تو یہ تھا کہ رونا اگرچہ جائز ہے، لیکن یہ وقتی تاثر کا تقاضا ہے، اور رونا جو جائز ہے اس کی بھی حضور
نے سال بسال مجلس اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد قائم نہیں فرمائی اور نہ ہی شہداء
بدر و اُحد کی۔ آپ کے مزمومہ ماتم کا تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کہیں نام و نشان بھی
نہیں ملتا۔ (ج) آپ کی یہ توجیہ کہ حضرت ابراہیم کی سالانہ یادگار اس لیے نہیں منائی جاتی کہ آپ بچپن

میں فوت ہو گئے اور کوئی کارنامہ نہ سرانجام دے سکے۔ تو اس سے معلوم کہ آپ کے ماتم حسین
کی بنیاد غم و اندوہ نہیں ہے بلکہ حضرت حسین کا شاندار کارنامہ ہے، تو شاندار کارنامہ کیا بیٹنے اور
سینہ کو بی کرنے ہی سے زندہ ہو سکتا ہے۔ سرور کائنات سے زیادہ کس کا شاندار کارنامہ عبرت ہو
سکتا ہے، پھر آپ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس طرح ماتم کیوں نہیں کرتے؟ اور انو باللہ
ہائے محمد! ہائے محمد! کہتے ہوئے ماتمی جلوس کیوں نہیں نکالتے؟

(بحث دلیل نمبر ۱) ماتمی ٹریکٹ میں یہ
حضرت حمزہؓ کی شہادت اور ماتم لکھا تھا کہ:- حضرت حمزہ کی شہادت پر حضرت
رسول اکرم روئے اور فرمایا ہائے! آج حمزہ کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس پر صحابہ رسول
نے اپنی عورتوں سے کہا کہ تم حضرت حمزہ کا ماتم کرو اور عورتوں نے گریہ کیا اور صف ماتم بھجائی آن
حضرت نے عورتوں کا گریہ سن کر خود گریہ کیا اور عورتوں کو ماتم کرنے کی وجہ سے دعائے خیر دی و کتاب
مغانی فتوح الشام ص ۱۸، سیرت ابن ہشام، سیرت النبی مشبہ نعمانی جلد اول، اس کا
جواب رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں یہ دیا گیا تھا کہ (۱) اس عبارت میں بھی منہ پٹیا اور سینہ
کو بی کرنا ثابت نہیں ہے، جس سے مروجہ ماتم ثابت ہوتا ہو۔ (۲) سیرت النبی علامہ شبلی نعمانی ص ۱۸
اول صفحہ ۳۸ میں قویہ الفاظ ہیں:- ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ
نشینان الفسار کی بھیڑ بھٹی اور حضرت حمزہ کا ماتم بند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا تمہاری
ہمدردی کا شکر گزار ہوں، لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں“ اس سے قویہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہؓ
ماتم میں عورتوں نے رواج کے تحت نوحہ (بین کر کے رونا) شروع کر دیا تھا۔ جس سے رحمۃ اللعالمین
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع فرمادیا۔ (۳) پمفلٹ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لفظ
مبارک نقل کرنا کہ:- ”مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں“ کیا علمی بددیانتی نہیں ہے؟ (۴) کیا ہر سال حضرت
حمزہ کی شہادت کے دن صرف گریہ کی مجلس بھی قائم کی گئی تھی؟ (۵) اور کیا آجکل کے ماتمیوں نے بھی کبھی
حضرت حمزہ کی مجالس ماتم بپائی ہیں؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟ (۶) اس کے جواب الجواب میں مصنف

”فَلَا حُكُومَ لَكُمُ الْيَوْمَ“ لکھتے ہیں :- (۱) سیرت النبیؐ میں رونے پیٹنے کے الفاظ نہیں مگر ماتم کا لفظ موجود ہے۔ ماتم کے لغوی معنی ہیں رونا اور پیٹنا، مروّجہ ہوا غیر مروّجہ۔ ماتم سولے رٹوں اور سینہ کو بی کے کیا ہوتا ہے، جس کا ثبوت آپ جانتے ہیں۔

الجواب

ماتم کا لغوی معنی :- (۱) یہ بالکل جھوٹ ہے کہ ماتم کا لغوی معنی پیٹنا اور سینہ کو بی بھی ہے۔ اگر ہے تو ثبوت پیش کیجئے۔ ماتم کا معنی صرف سوگ کرنا ہے اور ماتم کا لفظ خوشی کے مجمع پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ ”منتہی المصاب“ میں ہے :- ماتم۔ مجمع مردم در اندوہ و شادی، یا خاص است مجمع زناں یا مجمع زنان جوان :- ”غم اور خوشی میں لوگوں کا مجمع، یا عورتوں کے مجمع کے ساتھ خاص ہے، یا جوان عورتوں کا مجمع“ و در عرف مخصوص شدہ است بائجن زناں ہنگام مرگ کے :- ”اور عرف میں ماتم کا لفظ مخصوص ہے کسی کی موت کے وقت عورتوں کے مجمع کے ساتھ“ آپ نے تو کہہ دیا کہ ماتم کا معنی رونا پیٹنا ہے، حالانکہ لغت میں ماتم کا لفظ خوشی کے مجمع پر بھی بولا جاتا ہے اور عرف میں بھی کسی کی موت پر عورتوں کے اجتماع کو ماتم کہا جاتا ہے۔ لہذا لغوی یا عرفی معنی میں بھی ماتم معنی پیٹنا نہیں آتا۔ چہ جائیکہ آپ کے ماتم کا مروّجہ تفسیر و سیرت النبیؐ کی زیر بحث عبارت میں بھی ماتم کا مطلب یہی ہے کہ عورتیں غم و سوگ کیلئے جمع تھیں۔

ماتم کا شرعی مفہوم

فروع کافی جلد اول میں ہے :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال یصنع لاهل المیت ماتماً ثلثۃ ایام من یوم مات :- اس کا ترجمہ شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر احسن صاحب اردو نے یہ لکھا ہے کہ :- ”فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے کہ اہل میت کے ساتھ تین روز شریک غم ہونا چاہیے موت کے دن سے“ دوسری روایت میں ہے :- اوصی ابو جعفر علیہ السلام بیثمان مائة درهم لماتمه وكان یری ذلك من السنة لان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتخذ والذلّٰی جعفر طعاماً فقد مشغولوا :- ”امام محمد باقر علیہ السلام نے آٹھ سو درہم کی وصیت کی اپنا غم منائے جانے کیلئے اور یہ سنت رسولؐ ہے کہ چونکہ حضرت نے حکم دیا تھا اولاد جعفر کیلئے کھانا بھیجے گا“

(دشانی ترجمہ فروع کافی) یہ ہے احادیث شیعہ میں لفظ ماتم کا مفہوم۔ اس میں مُنہ پیٹنا اور سینہ کو بی کرنا تو کجا رونے تک کا بھی لفظ نہیں ملتا، اور ماتم کا مفہوم صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ اہل میت طبعی غم کی وجہ سے مشغول ہوں گے۔ اس لیے تین دن تک اُن کو اُن کے اقربا رکھانا بھیجیں اور یہ سوگ بھی تین دن تک ہے، نہ کہ تیرہ سو سال بلکہ قیامت تک۔ چونکہ احادیث میں لفظ ماتم کا موجود ہے اس لیے میں نے مروّجہ ماتم کا لفظ استعمال کیا ہے، تاکہ آپ ناواقف لوگوں کو احادیث مذکورہ سے لفظ ماتم دکھا کر یہ نہ مغالطہ دے سکیں کہ ماتم تو احادیث میں ثابت ہے پھر اہل سنت اس کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ توجب تک آپ یہ نہ ثابت کریں کہ ماتم کا معنی مُنہ پیٹنا اور سینہ کو بی کرنا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے، آپ کے لفظ گم یہ دُکاء اور لفظ ماتم وغیرہ الفاظ سے ماتم مروّجہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا :- ”فَأُتُوْا بِرُءُفَاكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ“ (۲) اس کے بعد مصنف لکھتے ہیں :- ”پیٹنے سیرت النبیؐ کی اس واقعہ کے متعلق پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، تمام مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے، گھروں سے ماتم کی صدائیں بلند تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں، لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا :- ”أَمَّا حَمْزَةُ فَلَا بَوَاقِي لَهُ“ حمزہ کا رونے والا کوئی نہیں۔ انصاری نے یہ لفظ سنے تو رُپ اٹھے۔ سب نے اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو درد و اذہ پر پردہ نشینان انصاری کی بھیڑ تھی۔ حمزہ کا ماتم بند تھا، اُن کے حق میں دُعا خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا مشکور ہوں، لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام میں عورتیں مقتول عزیزوں کا ماتم کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد مدتوں تک معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حمزہ سے شروع کی جاتی۔ یہ پابندی رسم نہ تھا بلکہ حمزہ کی حقیقی محبت تھی“ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ”سیرت النبیؐ“ کے ان الفاظ (لیکن مُردوں پر نوحہ جائز نہیں، کا یہ مطلب لیا ہے کہ رحمتہ للعالمین نے انصاری کی عورتوں کو حمزہ کے ماتم سے منع کر دیا تھا۔ (۱) اگر ”سیرت النبیؐ“

کے ان الفاظ کے سیاق و سباق پر منظرِ تفتیح غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان الفاظ کا اس عبارت سے کوئی تعلق نہیں اور یہ شبلی صاحب کے اپنے الفاظ ہیں۔ کیونکہ یہ ناممکن اور محال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی حمزہ پر ماتم کی دعوت دے کر خود ہی منع کریں (ب) اگر حضور منع فرمادیتے تو پھر مدّتوں تک حمزہ کے ماتم کا سلسلہ کیوں جاری رہتا۔ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ :- دوسری کتبِ اربعہ میں حضور کے ارشاد (مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں) کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ ”مدارج النبوة رکن ۴ باب ۶ صفحہ ۱۲۳ پر ہے الخ۔۔۔ استیعاب صفحہ ۲۴۵۔ بعد قول رسول اللہ لکن حمزة لا بواکی له الى اليوم الا بدت البکاء علی حمزة :-“ آنحضرت کے ارشاد لکن حمزة لا بواکی له کے بعد کوئی الفاظ عورت اپنی میت پر نہیں روئی مگر پہلے حمزہ پر روئی“ نیز آپ نے یہ لکھا ہے کہ :- لفتیاً یہ الفاظ شبلی نعمانی کی اختراع ہیں، ایسی بے ٹک کی ہانک کے نہ نقل کرنے کو بددیانتی نہیں کہا جاسکتا۔ ان پوری عبارت کے پہلے پیرگراف کے آخری الفاظ ”اما حمزة فلا بواکی له“ اور دوسرے پیراگراف سے کہ اس واقعہ کے بعد مدّتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا۔ تو یہ داستان حمزہ سے شروع ہوتی۔“ کے الفاظ نقل نہ کرنا بہت بڑی علمی بددیانتی ہے۔ (فلاح الکونین ص ۵۴)

الجواب

۱) آپ نے ”سیرت النبی“ کی عبارت کے ساتھ جو یہ الفاظ لکھے ہیں :- ”عرب میں دستور تھا۔۔۔۔۔ یہ داستان حمزہ سے شروع کی جاتی یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حمزہ کی حقیقی محبت تھی“ میرے پاس ”سیرت النبی“ حصہ اول طبع پنجم مطبع معارف شہر اعظم گڑھ کا نسخہ ہے، جس میں یہ عبارت بالکل موجود نہیں، اور نہ ہی یہ الفاظ ”سیرت ابن ہشام“ میں ہیں اور نہ ہی ”مدارج النبوة“ میں۔ پھر آپ نے بالخصوص ”سیرت النبی“ شبلی نعمانی کے حوالہ سے یہ عبادت کیوں پیش کر دی؟ کیا اس کو علمی دیانت کہا جاتا ہے؟ اگر میں نے ”سیرت النبی“ کی عبارت میں یہ الفاظ نہیں لکھے تو اس میں میرا کیا قصور؟ علاوہ ازیں ”سیرت النبی“ کی ابتدائی عبارت جس میں اما حمزة لا بواکی کے الفاظ ہیں اس لیے نہیں لکھی تھی کہ یہ مضمون اس عبارت میں آجاتا ہے جو میں نے پیش کی ہے اور اس کو علمی بددیانتی نہیں کہا جاتا۔ (۲) آپ نے لکھا ہے کہ یہ الفاظ کہ ”مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی طرف سے بڑھادیے ہیں“ الخ تو یہ بھی آپ کی غلط بیانی ہے کیونکہ یہ الفاظ ”سیرت ابن ہشام“ میں موجود ہیں :- ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہ پر عورتوں کے رونے کی آواز سنی تو آپ باہر تشریف لائے۔ وہ مسجد کے دروازے ہی پر نوحہ کر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے تم وہاں چلی جاؤ، تم نے اپنی طرف سے تسلی کا حق ادا کر دیا۔ ابن ہشام نے کہا اسی روز نوحہ کرنے کی مخالفت کر دی گئی“ (سیرت ابن ہشام مترجم اردو، ناشر ششیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۶۷)۔ اور ”سیرت ابن ہشام عربی“ کے الفاظ یہ ہیں :- قال ابن ہشام ونہی یومئذ عن النوح (اسی دن نوحہ کرنے سے روک دیا گیا) (مطبوعہ مصر ص ۹۹) اور ”مدارج النبوة“ میں بھی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس دن نوحہ کرنے سے منع فرمادیا۔ لیکن آپ نے ”مدارج النبوة“ کا حوالہ درج کرنے میں وہ عبارت چھوڑ دی جو آپ کے دعویٰ کے خلاف تھی۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کی مندرجہ عبارت کے بعد فرماتے ہیں کہ :- ”اتتا تو معارج النبوة“ میں مذکور ہے اور ”روضۃ الاحباب“ میں اتنا زیادہ ہے کہ فرمایا، میرا مقصد نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ پر روئیں، اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا اور اس مخالفت میں تاکید و مبالغہ فرمایا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے“ (مدارج النبوة حصہ دوم ص ۲۳، ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی بمبئی (وڈ کراچی)۔

اب قارئین حیران ہوں گے کہ مصنف ”فلاح الکونین“ نے علمی خیانتیں خود کیں اور الزام لگا دیا علامہ شبلی نعمانی پر۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ مصنف صاحب موصوف تو خوش ہی ہوں گے کہ تفتیح کا ثواب تولوٹ لیا (۲) آپ کا یہ لکھنا بھی جہالت یا علمی خیانت پر مبنی ہے کہ :- ”کیونکہ یہ ناممکن اور محال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی حمزہ پر ماتم کی دعوت دے کر خود ہی منع کریں“ کیونکہ آپ نے جو عبارتیں درج کی ہیں ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ صریح حکم نہیں ہے کہ عورتیں حمزہ کا ماتم کریں بلکہ صرف یہ فرمایا لکن حمزة لا بواکی له (لیکن حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں)، چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ :- حضور کا یہ فرمانا کہ لکن حمزة

لا بواکی لہذا اس سے مقصود افسوس کے علاوہ حضرت حمزہ کی مصیبت و غربت پر ہمدردی اور غمخواری کرنا تھا۔ کیونکہ وہ نہایت دردناک حالت کے ساتھ شہید کیے گئے تھے اور دوسری غربت یہ تھی کہ کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے لیے روئے، اور بغیر نوحہ کے رونا ممنوع بھی نہیں لیکن انصار چونکہ حضور کی خوشنودی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے، اس بنا پر انہوں نے اس کا یہ مفہوم لیا۔ حالانکہ حضور کا یہ مقصد نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور روئیں۔ حضور نے بھی جب ان کی جانب سے اپنی خوشنودی کی خواہش کو ملاحظہ فرمایا تو ان کے لیے دعا فرمائی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس رونے نے نوحہ گری کی صورت اختیار کر لی ہو اور اس سے آپ نے منع فرمایا، اور اس کی مخالفت میں مبالغہ و تاکید فرمائی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک نوحہ بھی مباح ہو اور اس کے بعد اس حکم کو منسوخ فرما دیا ہو، واللہ اعلم۔ مکرر ارجح المسبوتہ جلد دوم ص ۲۳۱،

فرمائیے! جب مذکورہ کتابوں کی تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو نوحہ سے منع فرما دیا تھا، تو آپ کا استدلال باطل ہو گیا۔ آپ نے جو استیعاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد لا کن حنہ لا بواکی لہذا کے بعد کوئی انصار عورت اپنی میت پر نہیں روئی مگر پہلے حمزہ پر روئی“ تو یہ روایت ابن ہشام کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ واقعہ واقعہ سے منقول ہے (و ذکر الواقدی، اور واقدی کے متعلق علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ: ”سیرت نبوی کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں (۱) کتاب السیرت (۲) کتاب التامیخ والمغازی والمبعث۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں۔ کتب سیرت کی اکثر بے ہودہ روایتوں کا سرچشمہ ان ہی کی تصانیف ہیں۔ ایک طریقہ حدیث نے کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اُس کا ثانی نہیں، اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں“ (ہفتہ سیرت النبی حصہ اول ص ۳۳) (ب) آپ کی اس پیش کردہ روایت میں بُکار کا لفظ ہے جس سے آپ کا منہ پٹنے اور سینہ کوٹنے اور چھریاں مارنے والا ماتم تو کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا (ج) اور

اگر آپ اپنے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں تو کیا ماتم حسین سے پہلے آپ ماتم حضرت حمزہ بھی لائے حمزہ! لائے حمزہ! سے بپا کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کے ناک کان کاٹ دیے گئے اور ہند نے آپ کا کلیجہ چبایا، اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ کو سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا تھا چنانچہ شیعوں کی اصح الکتاب اصول کافی کتاب الحجۃ میں لکھا ہے کہ:۔ ”تمام عرش پر لکھا تھا کہ حمزہ شیر خدا ہیں اور اسد رسول اور سید الشہداء ہیں (شانی ترجمہ اصول کافی ص ۲۵۷)“

ایک اور غرابی نکتہ

اس بحث کے آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ:۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ قول خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، تو بھی اس سے آپ کے موقف کی تائید نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کی آیت مجیدہ:۔ ”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ یَقْتُلُ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ، بَلْ اَحْیَاءٌ وَلَٰکِنْ لَا تَشْعُرُونَ“ کے مطابق شہید زندہ ہیں، اُن کو مردہ کہنا جائز نہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں پر نوحہ کرنے کو منع فرمایا نہ کہ شہداء کے نوحہ و ماتم کو۔ مردوں کے نوحہ و ماتم کو ہم کب جائز کہتے ہیں؟

الجواب

(ا) یہ تو ثابت کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوحہ سے منع فرمایا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جن عورتوں کو منع فرمایا تھا وہ کس کو رو رہی تھیں؟ حضرت حمزہ کو! تو کیا آپ کے نزدیک حضرت حمزہ شہید نہیں؟ اور وہ اُن زندوں میں نہیں جن کو جنت کا رزق ملتا ہے۔ (ب) ابن ہشام کی عبارت میں مردوں کا لفظ نہیں ہے، صرف یہ ہے کہ اُس دن نوحہ کرنے سے مخالفت کر دی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ نوحہ ہی ممنوع ہے، خواہ وہ عام میت کے لیے ہو یا شہید کے لیے (ج) مولانا شبلی کی عبارت میں جو مردوں کا لفظ ہے اُس سے مراد شہداء ہی ہیں، اور باعتبار ماضی کے اُن کو میت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے تحت ہر جاندار کے لیے موت ہے۔ شہداء پر بھی پہلے موت کا وقوع ہوتا ہے اور پھر اُن کو قبر و برزخ میں ایسی حیات عطا کی جاتی ہے جس کا تعلق ان کے

جسموں سے بھی ہوتا ہے (د) خود نبی کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُونَ سے خطاب فرمایا ہے کہ آپ بھی میت ہیں اور دوسرے لوگ بھی میت ہیں۔ حالانکہ اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جہان میں تشریف فرما تھے تو یہ میت کا اطلاق باعتبار مایٹول کے کیا گیا۔ یعنی مستقبل میں آپ پر موت کا وقوع ہونے والا ہے۔ تو اگر شہدائے کرام پر باعتبار ماضی میت کا اطلاق کیا جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔ لیکن آپ ان علمی تعبیرات کو کیا سمجھیں، آپ کو تو داییں بائیں ماتم ہی ماتم نظر آتا ہے۔

ماتمی دلائل کا خاتمہ | آپ نے آخر میں یہ لکھ دیا کہ :- مُردوں کے نوحہ و ماتم کو ہم کب جائز کہتے ہیں۔ چنانچہ فروع کافی اور رسائل الشریعہ میں ہے :- کلّ جزء وفزع قبیح الا علی الحسین۔ بحار الانوار عن امالی شیخ مفید بحوالہ اخالة العاکثر ص ۶۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال کلّ الجزء والبقا مکروہ سو می الجزء والبقا علی الحسین :- حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام (یعنی امام جعفر صادق) فرماتے ہیں کہ ہر جزء اور آہ و بکا مکروہ ہے، سوائے جزء اور آہ و بکا بر امام حسین علیہ السلام (فلاح الکوثین)۔ اسے کہتے ہیں بھٹیلا ڈال دینا۔ اگر آپ نے آخر میں تسلیم کر لیا تھا کہ سوائے حضرت امام حسین کے ہر کسی پر جزء و فزع اور رونا دھونا مکروہ اور قبیح ہے تو پھر آپ نے نمبر الگ کس عقیدہ کی تائید میں دلائل دیئے اور کیوں دیئے؟ آپ نے بزعم خود ماتم کے ثبوت کے لیے جتنی آیات اس بحث میں پیش کی ہیں، اُن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تو کوئی ذکر ہی نہیں اور حضرت حمزہ کی شہادت اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور اس پر رونے کے سلسلے میں آپ نے جو روایات و عبارات پیش کی ہیں، اُن کا بھی امام حسین سے کوئی تعلق نہیں، اور جیسا کہ آپ نے انہی آیات و روایات سے ماتم مروّجہ (جزع فزع کرنا وغیرہ)۔

۱۔ اس آیت کہ ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی یہ لکھتے ہیں :- ”تم بھی یقیناً مرنے والے ہو اور یہ بھی ضرور مرنے ہیں“ (سورۃ الزمر، ۶۴)

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر بالفرض آپ کا استدلال صحیح ہے اور یہ امور آپ کے دعویٰ سابق کے مطابق سُنّت و عبادت ہیں تو پھر حضرت حسین کے علاوہ دوسرے شہداء اور اولیاء کے لیے بھی یہ ماتم آپ کے دلائل کے تحت سُنّت و عبادت ہی ہوگا، پھر اس کو اب قبیح کیوں قرار دے رہے ہیں۔ چند صفحات پہلے جو کام سُنّت تھا اب اچانک وہی کام کیوں قبیح اور مذموم بن گیا اور یہ فرمان بھی حضرت امام جعفر صادق کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ بھی یہی سمجھتے تھے کہ ان آیات و روایات مذکورہ سے ماتم مروّجہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ لیکن محض ضد یا تفسیر کی بنا پر آپ غلط استدلال پیش کرتے رہے اور آخر مذکورہ ضابطہ تسلیم کر کے خود ہی آپ نے اپنے سابقہ دلائل و نظریات ماتم کی تردید کر دی۔ یہ ہے کرامت شہدائے کرام کی اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اور یہ ہے اثر حقانیت مذہب اہل سُنّت و الجماعت کا کہ آپ نے آخر میں مجبور ہو کر یہ بات تسلیم کر لی کہ جزء فزع اور ماتم امام حسین پر تو جائز ہے لیکن ان کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں بلکہ یہ بُرا فعل ہے۔ حتیٰ کہ اب آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ماتم کو بھی جائز نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی کم فہمی اور جہالت کی یہ حد ہے کہ اس ضابطہ ”کلّ جزء وفزع قبیح الا علی الحسین“ کے لکھنے کے متضاد ہی نمبر ۷ کے تحت یہ لکھ رہے ہیں کہ :- ہم ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے دن مناتے ہیں اور ان کی یاد میں مجلسیں کرتے ہیں، جنہوں نے اسلام اور بانی اسلام کی حفاظت و حمایت میں جانیں قربان کیں۔“

ماشاء اللہ! اگر ان کی یاد میں مجلسیں کرنے سے مراد ماتمی مجالس نہیں ہیں بلکہ بغیر ماتم مروّجہ ان کے حالات کا تذکرہ کرنا مقصود ہے تو یہ مسئلہ زیر بحث نہیں، اور اگر ان مجلسوں سے مراد جزء فزع اور ماتم کی مجلسیں ہی ہیں تو پھر آپ اپنے تسلیم کردہ ضابطہ کے خلاف امور قبیحہ کا ارتکاب کرتے اور شیعہ عوام کو ناجائز امور میں مبتلا کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت امام حسین کے ماتم کے سوا اور سب بزرگوں کے ماتم کو حسب روایت سابق امام جعفر صادق علیہ السلام نے قبیح قرار دے دیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کا یہاں یہ لکھنا کہ :- ”علاوہ بریں اس وقت کلام اس امر کے جواز میں ہے جو محمد تعالیٰ آپ کے اقرار سے ثابت

ہے“ کچ فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ کلام تو آپ کے مزعومہ ماتم کے سنت اور عبادت ہونے میں ہے۔ (ب) میں نے تو بکاہ کو جائز کہا ہے نہ کہ مُنہ پیٹنے اور سینہ کو ٹٹنے (ج) اور آپ کے سابقہ تسلیم کردہ ضابطہ سے تو بکاہ درود نے کا بھی جواز ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ جو امر قبیح اور بُرا ہو وہ ناجائز ہوتا ہے اور موجب گناہ۔ اور گو گریہ و بکاہ وقتی تاثر کے تحت جائز ہے لیکن محض رونے اور غم مٹانے کی مجلس کا قیام بھی سال بسال جائز نہیں ہے۔ بہر حال اب آپ کے ذمہ صرف یہ ثبوت رہ گیا ہے کہ حضرت حسین پر جزع و فزع اور ماتم ممنوع اور قبیح نہیں۔

عام الحزن (بحث دلیل نمبر ۱۱) ماتمی ٹریکٹ میں لکھا تھا کہ: ”حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات کے سال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام الحزن یعنی غم کے سال کا نام دیا ہے“ اس کا جواب رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں یہ دیا گیا تھا (۱) اگر اس سال کو عام الحزن کا نام دینے کا مطلب یہی ہے کہ ہر سال اُن کی وفات کے دن ماتم کی مجالس قائم کی جائیں تو کیا حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمہ الزہراء، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم نے بھی کوئی ہر سال مجلس غم بپائی تھی اور کیا رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے مہربان چچا ابوطالب اور پیاری بیوی حضرت خدیجہ الکبریٰ کی وفات کا دن ہر سال مجلس ماتم کی صورت میں منایا تھا۔ اگر نہیں تو پھر کس کی پیروی کرتے ہیں؟ (ص ۱۳۱)۔ اس کے جواب ابواب میں مصنف ”فلاح الکونین“ فرماتے ہیں کہ: ”یہ اگر مگر کی بات نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ عام الحزن (غم کا سال) اور غم کے سال کا سولے اس کے اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا کہ کل ایک سال حضور اکرم صلعم کا اپنے مہربان چچا حضرت ابوطالب وفات شعار اور محبوب بیوی حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا غم مانا کیا امت کے لیے سنت نہیں؟ امتی ہونے کی حیثیت سے ہم رسول کریم صلعم کے عزیز و اقرباء کا غم آپ کی سنت سمجھ کر ہی مناتے ہیں۔ اگر آپ اہل سنت کے مدعی ہوتے ہوئے رسول خدا کی سنت پر عمل نہیں کرتے تو جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں، انہیں اس سنت پر عمل کرنے سے روکنے کی کوشش کرتے“ (فلاح الکونین)

الجواب

(۱) آپ کی جہالت کی بھی کوئی حد ہے! اس سال کا نام عام الحزن رکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سارا سال غم منایا جائے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ یہ وہ سال ہے جس میں ایسے جلیل القدر اعزہ کی وفات کا صدمہ پہنچا مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ”عام الفیل“ میں پیدا ہوئے اور عام الفیل اس سال کو کہتے ہیں جس میں حبشہ کے گورنر ابرہہ نے مانتھیوں کے شکر کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی اور اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کے ذریعہ اس لشکر کو نیست و نابود کر دیا، اور اس عظیم واقعہ کے ذکر میں قرآن مجید میں سورۃ الفیل نازل ہوئی: - اَکْمَرْتُمْ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ دیکھا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے اصحابِ فیل سے کس طرح کیا انہ۔ تو مانتھیوں کا سال نام پڑ جانے کا مطلب کیا آپ کے نزدیک یہ ہے کہ سارا سال وہاں مانتھیوں کا لشکر حملہ آور ہوتا رہا اور سارا سال مانتھی وہاں گھومتے پھرتے رہے، ہرگز نہیں۔ اصحابِ فیل (مانتھیوں والے) تو ایک دن بھی نہیں بلکہ دن کے کچھ حصے میں تباہ و ہلاک کر دیئے گئے۔ لیکن اس نسبت سے سارے سال کا نام ہی ”عام الفیل“ رکھا گیا۔ یہی مطلب عام الحزن کا سمجھ لیجئے، لیکن آپ کی سمجھ میں ایسی معمولی بات بھی آئے کیسے، جب کہ سمجھ بھی ماتم کی نذر ہو گئی۔ (ب) اور آپ یہ بھی کسی روایت سے ثابت نہیں کر سکے کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی اُن کے ماتم کی کوئی مجلس قائم کی ہو۔ (ج) یہاں تو بڑے وثوق سے آپ فرما رہے ہیں کہ سارا سال غم منانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، اور اہل سنت اس سنت کی پیروی نہیں کرتے اور اہل تشیع کرتے ہیں۔ لیکن اس سے ایک صفحہ پیلے کا اپنا یہ ضابطہ بھول گئے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا ہے ہر جزع اور آہ و بکا کردہ ہے سولے جزع اور آہ و بکا ہر حسین علیہ السلام۔ اور اس سے قبل کی روایت میں بجائے لفظ مکروہ کے قبیح کا لفظ ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہاں مکروہ سے مراد سخت ناپسندیدہ اور بُرا فعل ہے۔ اب آپ ہی یہ بتائیں کہ اگر حضرت خدیجہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہربان چچا کا غم منانا سال بسال سنت ہوتا تو پھر امام جعفر صادق اس کو کیوں قبیح فرماتے کیونکہ آپ نے حضرت

حسینؑ کے لیے غم و اندوہ کے سوا سب پر قبیح ہونے کا حکم لگایا ہے، تو جس کام کو امام جعفر صادقؑ ناجائز اور بُرا بتائیں کیا آپ کے نزدیک وہ کام سُنت ہے؟
اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے دے آدمی کو موت! پر یہ بد ادا نہ دے

واقعہ حضرت اویس قرنیؓ

(بحث دلیل نمبر ۱۲) مائمی ٹرمکیٹ میں لکھا تھا کہ: ”جنگِ احد میں جنابِ رسالت مآبؐ کا دانت مبارک شہید ہو گیا۔ جس کی خبر سُن کر خواجہ اویس قرنیؓ نے اپنے دانت توڑ دیے آنحضرتؐ نے اس فعل کو پسند فرمایا اور خواجہ کے لیے دُعادی“ اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ: ”(۱) یہ روایت بلا سند اور بلا حوالہ پیش کی گئی ہے اس لیے اس کو حجت نہیں بنایا جاسکتا (۲) اگر اس طرح اپنے دانت توڑنا صحیح اور کارِ ثواب ہوتا تو پھر حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا بھی اپنے دانت توڑ دیتے۔ کیا مائمیوں کے نزدیک خواجہ اویس قرنیؓ کا عشقِ رسالت، حضرت علیؓ سے زیادہ تھا (۳) اگر خواجہ اویس قرنیؓ کی یہ سنت مائمیوں کو پسند ہے، تو پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت شہید ہونے کی یادگار میں اپنے دانت کیوں نہیں توڑ دیتے۔ سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا نہ مرثیہ خوان رہیں نہ سوزِ خوان رہیں، نہ رہے باش نہ بچے باشری“ (ہم مائمیوں کو بھی کوئے اس کے جوابِ الجواب میں مصنف ”فلاح الکونین“ لکھتے ہیں (۱) اگر مفلط میں خواجہ اویس قرنیؓ کے دانت توڑنے والی روایت بلا سند اور بلا حوالہ پیش کی گئی ہے تو صحیح حوالہ مان سکتے ہیں۔

حاضر ہے! ملاحظہ کیجئے! السيرة الحلبیة ج ۲ ص ۲۶۹، تذکرة الاولیاء ترجمہ اردو ص ۱۰۰ سہیل یمن مؤلفہ عبد الرحمن شوق امرتسری ص ۲۰: ”حضرت اویس قرنیؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابرو مبارک ملے ہوئے تھے یا ابن الخطاب کو کہا کہ اگر تم دوستی میں درست ہوتے تو اسی دن جبکہ آپ کے دندان مبارک شہید نہیں ہوئے تھے، تو تم نے کیوں موافقت کے طریقہ پر اپنے دانت توڑ نہ دیئے کیونکہ یہ شرط موافقت تھا؟ (ب) خواجہ اویس قرنیؓ کے متعلق اتنی بات تو صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پھر آپ نے دانت دکھائے جو لوٹے ہوئے تھے اور کہا میں نے آپ کو بلا دیکھے غیبت کرنے والی اللہ ہونے کی اطلاع دی تھی، اور حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ اصحاب نے اُن سے ملاقات حالت میں اپنے دانتوں کو آپ کی موافقت میں توڑ ڈالا کہ جب میں ایک دانت توڑتا تھا تو میری بھی کی اور دُعا بھی کرائی چنانچہ سیرت حلبیہ میں ہے (جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے)۔: وفی رواية ان

دل کو قرار نہ آتا تھا، حتیٰ کہ ایک ایک کر کے میں نے سب دانت توڑ دیے“ (تذکرة الاولیاء ص ۱۰۰) آپ کی مندرجہ عبارت سے پہلے یہ عبارت ہے: حضرت علی المرتضیٰؓ تو خاموش رہے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت اویس سے دریافت فرمایا کہ

الجواب

اویس! آپ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی۔ آپ نے فرمایا کیا آپ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے؟ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ہاں۔ اویس نے فرمایا شاید آپ نے حضور پر نور کا یہی جبّہ شریف دیکھا ہو گا اور آپ حقیقتاً حضور پر نورؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں تو بھلا بتاؤ، حضور پر نورؐ کے ابرو مبارک ملے ہوئے تھے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ خاموش ہو گئے کیونکہ آپ کو معلوم نہ تھا۔ پھر اویس نے دریافت فرمایا! کیا آپ حضور پر نورؐ کے دوست ہیں؟ انہوں نے فرمایا، ہاں! اویس نے فرمایا اگر آپ دوستی میں پورے ہوتے تو جنگِ احد کے روز (تذکرة الاولیاء) اور آپ نے یہ عبارت غالباً اس لیے چھوڑ دی ہے کہ ناواقف لوگ یہ سمجھیں کہ خواجہ اویس قرنیؓ نے صرف حضرت عمر فاروقؓ پر الزام عائد کیا تھا۔ حالانکہ مندرجہ بالا عبارت میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے۔ اگر الزام آتا ہے تو دونوں پر، نہ کہ صرف حضرت عمر فاروقؓ پر، کیونکہ دونوں نے اپنے دانت نہیں توڑے تھے اور کوکچہ خواجہ اویس قرنیؓ نے ان دونوں اصحاب سے کہا ہے، کیا مائمی لوگ حضرت علیؓ کے متعلق بھی یہ

علاوہ ازیں یہ روایت اس لیے مُشتَبہ ہے کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابرو مبارک ملے ہوئے تھے یا تو کیا ان حضرات نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک کو کبھی بھی نہیں دیکھا ہے۔ خواجہ اویس قرنیؓ کے متعلق اتنی بات تو صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ولی اللہ ہونے کی اطلاع دی تھی، اور حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ اصحاب نے اُن سے ملاقات

عمر قال لاؤیس استغفر لی فقال کیف استغفرت وانت صاحب رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقال له عمر رضی الله عنه سمعت رسول الله صلی الله علیہ وسلم يقول ان خیر التابعین رجل یقال له اؤیسؓ :- (۱) اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت اؤیس قرنیؓ سے فرمایا کہ میرے لیے بخشش کی دعا کریں، تو آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے کیونکر بخشش کی دعا کروں حالانکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تابعین میں سب سے بہتر اؤیسؓ ہوں گے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ خواجہ اؤیسؓ قرنیؓ کے دل میں بحیثیت صحابی ہونے کے حضرت عمرؓ فاروقؓ کا کتنا احترام تھا، اور مذکورہ اردو عبارت تو حضرت عمرؓ فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ دونوں جلیل القدر صحابہ کی شان کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں اسی سیرت حلبیہ میں یہ ہے کہ :- وما اخرجه البیهقی عن عمر رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال سیکون فی التابعین رجل من قرن یقال له اؤیس بن عامر :- (۲) اور بیہقی نے حضرت عمرؓ سے روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تابعین میں ایک مرد ہوگا، جس کا نام اؤیس بن عامر ہوگا۔

اس روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ اؤیسؓ قرنیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود نہ تھے، واللہ اعلم۔ (ج) اور اگر سارے دانت توڑنے کی مندرجہ روایت کو تسلیم بھی کیا جائے تو خواجہ اؤیسؓ قرنیؓ نے غلبہ حال کی وجہ سے ایسا کیا۔ جس میں وہ معذور ہیں لیکن اس کو شرعی عمل اور کمال نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اگر یہ کمال محبت ہوتا تو یقیناً حضرت فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر صحابہ کرام بھی ایسا کرتے۔ (د) اور اگر آپ خواجہ اؤیسؓ کے اس فعل کو حجت سمجھتے ہیں اور اسی سے ماتم حسینؓ میں بدن پر زنجیریں اور چھریاں مارنا نیکی سمجھتے ہیں، تو پھر محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اپنے دانت کیوں نہیں توڑ دیتے۔ مصنف "فلاح الکونین" اور ان کی تاکید کرنے والے شیعہ علماء و مجتہدین کے لیے

اب لازمی ہو گیا ہے کہ وہ اپنے اپنے سارے دانت توڑ کر محبت نبوی کا ثبوت دیں، ورنہ بقول جوش ملیح آبادی یہی کہنا پڑے گا۔

مشق گریہ عیش کی تمہید ہے تیرے لیے عشرہ ماہ محرم عید ہے تیرے لیے
حضرت عثمان اور جنگ احد

شہید ہوئے اور چہرہ انور زخمی ہوا۔ اس وقت حضرت علی المرتضیٰؓ جان کی بازی لگائے سر سھیلی پر رکھے دشمنوں سے حضورؐ کو بچانے کے لیے مشرکین مکہ پر تاثر توڑ دھمکے کر رہے تھے۔ یہ ایسا مشکل وقت تھا کہ سوائے چند جانثاروں کے باقی تمام صحابہ آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے چنانچہ "مدارج النبوة" ج ۲ ص ۲۲ میں ہے :- "گروہے گریختہ و در زوایا و شباب جبل مخفی شدند و بعضی بشہر رفتند و عثمان بن عفان ازاں مجلہ بود الخ"

(۱) لیکن اس میں میرے اس سوال کا جواب تو نہیں کہ اگر دانت توڑنا عشق نبوی کا ضروری تقاضا ہے تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے کیوں اپنے دانت نہیں توڑے؟ یہاں بحث کا موضوع تو ماتم تھا لیکن جنگ احد کے تذکرے میں آپ کو حضرت عثمان ذوالنورینؓ پر طعن کرنے کا موقع مل گیا اور غلبہ عناد میں آپ نے تقیہ کی چادر بھی اتار مچھین کر اس جوش میں یہ بھی ملحوظ نہ رہا کہ حضرت عثمانؓ ہوں یا کوئی اور صحابی جو بھی اس جنگ میں میدان سے ہٹ گئے اور جن کے بھی پاؤں اکھڑ گئے اللہ تعالیٰ نے بلا استثناء سب کو معاف کر دیا۔ چنانچہ "مدارج النبوة" میں لکھا ہے کہ :- تاہم عنایت الہی ان مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئی اور سب کو معاف کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت حق جل و علیؑ جس کے ساتھ نظر عنایت و قبول رکھتا ہے، اس کو اپنی بارگاہ سے دور نہیں فرماتا اور اسے رد نہیں کرتا۔ یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کی بدولت اور آپ کے غلیل میں ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ارشاد ہے :- اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ التَّنْعِیْمِ اِنَّہُمْ لَشَیْطَانٌ مُّبِیْنٌ مَّا کَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْہُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

حَلِيمٌ“ بے شک وہ ایماندار بندے جنہوں نے دونوں گروہوں کے ملنے کے دن مُنہ پھیرا تھا اور اصل اُن کو شیطان نے نبی کے بعض حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے پھسلا یا تھا۔ بلاشبہ اللہ نے ان سب کو معاف فرمادیا، اور اللہ غفور و حلیم ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۲۰۰ مطبوعہ کواچی) اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ نے اسی آیت کا یہ ترجمہ لکھا ہے :-
 ”یقیناً تم میں سے وہ لوگ جو (اُس دن) بھاگ گئے تھے، جن دن دو گروہوں کا مقابلہ ہوا تھا سوائے اس کے نہیں ہے کہ شیطان نے بوجہ اُن کے بعض افعال کے ان کے قدم ڈمگادئے تھے اور اللہ نے ان کے قصور سے درگزر کی۔ بے شک خدا تعالیٰ بڑا بخشنے والا (اور) بردبار ہے۔“ (پارہ ۴ سورۃ ال عمران ع ۱۶) اور اس سے چند آیات پہلے بھی فرمایا :- وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اُوْرَیْقِنَا خدا نے تم سے درگزر کی۔“ (ترجمہ مقبول)

جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو معاف کر دیا ہے، جن کے قدم ڈمگائے تھے۔ تو قرآن میں معافی کے اُس صریح اعلان کے بعد بھی کیا کوئی قرآن پر ایمان رکھنے والا ان پر طعن کر سکتا ہے؟ (دب) حضرت آدم علیہ السلام تو ایک نبی تھے اور اُن سے جو بھول ہوئی تھی اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے : فَادَّٰلٰہُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْہُمَا فَاَخْرَجَہُمَا مِمَّا کَانَ فِیْہِ (پارہ اول ع ۴) :- اس کا ترجمہ آپ کے مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی یہ لکھتے ہیں ”شیطان نے اُن دونوں کو وہاں سے نکالنے کی تدبیر کی اور جس حالت میں وہ دونوں تھے، اس میں اُن نہ رہنے دیا۔“ (ترجمہ مقبول)

جہاں بھی حضرت آدم اور حوا کی اس لغزش کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، اور جناب اُحد کے سلسلہ کی مندرجہ بالا آیت میں بھی اُن کے پاؤں ڈمگانے کی نسبت شیطان کی طرف ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے یہی فِتَابَ عَلَیْہِمَا کے الفاظ سے معافی کا اعلان فرمادیا اور اصحاب کے بارے میں بھی وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْہُمْ سے معافی کا اعلان ہو گیا، اور حق تعالیٰ کا خصوصی فضل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ پر یہ ہے کہ اُن کی طرف سے استغفار

کرنے کا ذکر نہیں فرمایا، اور خود ہی اُن کی معافی کا اعلان فرمادیا۔ کیا آپ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق بھی اپنے دل میں اسی طرح کا بغض رکھتے ہیں، جس طرح ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق آپ کا حال ہے۔ عبرت! عبرت! عبرت!
 (ج) ”مدارج النبوۃ“ کی جو عبارت آپ نے درج کی ہے اس میں ایک گروہ کے متعلق تو بھاگنے کے الفاظ ہیں۔ ”گروہ گریختند“ لیکن حضرت عثمان وغیرہ کے متعلق بجائے بھاگنے کے یہ الفاظ ہیں :- ”وَبَعْضُہُمْ بَشَرٌ رَفَعُوْا عِثَانَہُمْ اِنْ اِجْمَعُوْا“ (اور بعض شہر مدینہ) میں چلے گئے اور حضرت عثمان بن عفان انہی میں سے تھے) اور یہ فرق اس لیے کیا گیا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق شیطان نے یہ خبر اڑائی کہ حضور شہید ہو گئے ہیں تو حضرت عثمان وغیرہ بعض اصحاب پر مایوسی کا غلبہ ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم کیا لڑائی کریں اور اس کی بنا پر وہ شہر میں چلے گئے، اور یہ ایک اجتہادی خطبہ ہے، نہ کہ جان کے خوف سے بھاگ جانا، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اپنی اجتہادی رائے کی بنا پر بلا اِذْنِ خداوندی اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل گئے تھے اور یہ ایک قسم کا ترکِ اولیٰ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بھاگنے سے تعبیر فرمایا :- وَاِنَّ یُّوْسُفَ لَمِنَ الدَّٰرِیْنَ اِذْ اٰتٰہُ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ (سورۃ الشّٰع ۵۷) اور یونس بے شک رسولوں میں سے تھے جبکہ وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی میں چلے گئے۔“ (ترجمہ مقبول)

فرمائیے! آپ کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے ایک پیغمبر معصوم حضرت یونس علیہ السلام کی طرف بھاگنے کی نسبت تسلیم کر لی۔ لیکن اس وجہ سے حضرت یونسؑ کی رسالت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ تو اگر بعض اصحاب کی نسبت قرآن میں تَوَكُّوْا کے الفاظ ہیں (یعنی مُنہ پھیرا) اور آیت میں کسی صحابی کا نام نہیں اور جو عبارت آپ نے پیش کی ہے اُس میں حضرت عثمان کے متعلق بھاگنے کا لفظ بھی نہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ ماتی گروہ حضرت یونس کو نبی معصوم مانتا ہے اور حضرت عثمان سے بغض رکھتا ہے۔ آخر اس میں کیا راز ہے؟ (د) مستف

”فَلَا تُكَلِّمُ الْكَافِرِينَ“ نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ چند اصحاب حضور ﷺ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باقی گئے تھے۔ لیکن ایک اور شیعہ محقق رقمطراز ہیں: ”مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر خالد بن ولید نے مع اپنے ساتھیوں کے رسولؐ پر حملہ کر دیا اور تلواروں، نیزوں اور پتھروں سے حضرت کو زخمی کیا۔ یہاں تک کہ جناب رسالتؐ پر غشی کا عالم طاری ہو گیا اور سوائے حضرت علیؑ کے تمام مسلمان مہاگ گئے۔ جناب رسالتؐ کو غشی سے افاقہ ہوا تو آپ نے حضرت علیؑ کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے علی مجھے ان دشمنوں سے بچاؤ۔ پس حضرت علیؑ نے ان مشرکین کو مار بھگایا“ (ہفت روزہ شیعہ لاہور مورخہ یکم دسمبر ۱۹۷۳ء ص ۲)۔

تو گویا ان محقق و محب موصوف کے نزدیک کوئی بھی سوائے حضرت علیؑ کے ثابت قدم نہ رہا، اور خود رسول خدا ﷺ اللہ علیہ وسلم بھی حضرت علیؑ کی وجہ سے بچ گئے۔ ان الفاظ میں کتنی تنقیص و بہتان ہے کہ: ”اے علی! مجھے ان دشمنوں سے بچاؤ“ حالانکہ سرور کائنات ﷺ اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اور علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جانثار پہلو میں ہیں جن میں حضرت علی مرتضیٰؑ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابو جہلؓ، حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت طلحہؓ اور حضرت سدرہ گئے تھے (سیرت النبی جلد اول ص ۱۷۱) اور شیعہ مجتہد علامہ طبرسی نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ: ”وذكر ابو القاسم البلخي انه لم يبق مع النبي ﷺ اللہ علیہ وسلم يوم أحد الا ثلاثة عشر نفساً، خمسة من المهاجرين وثمانية من الانصار فاما المهاجرون فعلى (ع)، و ابوبكر وطلحة و عبد الرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص (ف) (تفسير مجمع البيان، سورة ال عمران ص ۱۷۱)۔“ (اور ابو القاسم بلخی نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُحد کے دن صرف تیرہ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ پانچ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے، اور مہاجرین یہ تھے علی، ابوبکر، طلحہ، عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاصؓ)“

شیخ طبرسی نے یہاں صراحتاً حضرت ابوبکرؓ کا موجود رہنا تسلیم کر لیا ہے۔ روایات میں تعداد کے اس اختلاف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس شدتِ جنگ اور شہداء کی لاشوں میں جس کی جس پر نظر پڑی، اُس نے اُس کا نام لیا، اور گو مذکورہ ناموں میں حضرت عمر فاروقؓ کا نام نہیں ہے۔ لیکن آپ بھی یقیناً رحمۃ اللعالمین ﷺ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحقؒ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ”تعب ہے کہ اُن میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ بھی حضور اکرم ﷺ اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی موجود تھے اور ثابت قدم رہے تھے، اور جب صحابہ مجتمع ہوئے اور حضور کے قریب آئے تو انہوں نے اُن کو وہاں دیکھا اور جب ابوسفیان نے پکار کر کہا هَلْ فِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ، هَلْ فِي الْقَوْمِ ابْنِ اَبِي قَحَافَةَ، هَلْ فِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ: ”یعنی کیا مسلمانوں میں محمدؐ ہیں؟ کیا مسلمانوں میں ابوبکرؓ ہیں؟ اور کیا مسلمانوں میں عمر ابن الخطابؓ ہیں؟“ تو حضور نے فرمایا کوئی جواب نہ دو۔ بالآخر حضرت عمر ابن خطابؓ رضی اللہ تعالیٰ بے چین ہو گئے اور انہوں نے اس کا جواب دیا الخ (مدارج النبوة جلد دوم ص ۱۷۱) اور ”سیرت ابن ہشام“ میں بھی ہے کہ: ”جنگ ختم ہونے کے بعد ابوسفیان نے واپسی کا ارادہ کیا تو وہ پہاڑ پر چڑھا اور بلند آواز سے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا: ”اَنْصَحْتَ فَعَالَ وَاَنْتَ الْحَرْبِ سَجَال، يَوْمَ بَيْوَم، اُعْلُ هُبَل (اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے)،“ اے ابوسفیان! تو نے بڑا اچھا کام کیا جنگ میں اُلٹ پلٹ ہوتا ہی ہے، ایک جنگ دوسری جنگ کا بدلہ ہو جاتی ہے۔ اے ہُبَل! سر بلند ہو“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر ابن خطابؓ کو حکم دیا، عمرؓ! کھڑے ہو کر اس کا جواب دو اور کہو: ”اللہ اعلى واجل، لا سواہ، قتلانا في الجنة وقتلک في النار (اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے، ہمارے تمہارے درمیان کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں جائیں گے)۔ (سیرت ابن ہشام حصہ دوم ص ۱۷۱) اور مولانا شبلی نعمانی نے بھی حضرت عمر فاروقؓ اور ابوسفیان کا یہ سوال و جواب نقل کیا ہے۔ (سیرت النبی جلد اول ص ۱۷۱)

میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چند اصحاب کے باقی رہ جانے کی روایات آتی ہیں، وہاں عموماً اس طرف لوگوں کی توجہ نہیں جاتی کہ وہ ستر آدمی جو جنگِ احد میں شہید ہوئے، وہ بھی تو اصحاب ہی تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں اپنے بدن چھلنی کرائے اور شہادت کا اعلیٰ مقام حاصل کیا اور ان کے فضائل میں اللہ تعالیٰ نے کتنی آیات نازل فرمائیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

شجاعتِ علی کی ایک دوسری تصویر | اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مطاعن کی بوجھاڑ کرنے والے اور صرف حضرت علی

المرتضیٰ کی شجاعت اور قربانی کا تذکرہ کرنے والے جب ایک دوسرے پہلو سے خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نفوذ باللہ خلافتِ علی کے غضب کرنے والے اور ظلم و ستم کرنے والے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ تو شیر خدا کو اس قدر مظلوم اور مغلوب بنا کر پیش کرتے ہیں کہ نفوذ باللہ بے نظیر شجاعت کا تو کیا ذکر، آپ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ :-

پس وہ اشیائے اُمت گلوئے مبارک جناب امیر میں رسیان (رسی)، ڈال کر مسجد میں لگے، اور بردایت دیگر جب دردازہ پر پہنچے اور جناب فاطمہ مانع ہوئیں۔ اس وقت قنفذ نے اور بردایت دیگر عمر نے تازیانہ بازوئے جناب فاطمہ پر مارا کہ بازو جناب سیدہ کا شکستہ ہو گیا اور سوچ گیا مگر پھر بھی جناب فاطمہ نے جناب امیر سے ہاتھ نہ اٹھایا اور اُن اشیاء کو گھر میں آنے سے منع کیا یہاں تک کہ دردازہ شکم جناب فاطمہ پر گر دیا اور پسلیوں کو شکستہ کیا اور اس قدر زبردستی کہ شکم میں جناب فاطمہ کے متنا، اور حضرت رسول نے اس کا محسن نام رکھا تھا، شہید کیا، اور اُسی ساعت اس مصوم شکم میں انتقال کیا، اور جناب فاطمہ نے اُسی ضربت کے صدمہ سے وفات پائی الخ (جلد العیون حصہ اول ص ۱۵۵ مطبوعہ لکھنؤ)۔ یہ ہیں عجائباتِ تقیہ جو فاتحِ خیر، شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف منسوب ہیں۔ کیا حیدرِ کرار کی موجودگی میں کوئی شخص خاتونِ جنت کی طرف بیڑھی لگاہ سے دیکھنے کی جسارت کر سکتا ہے؟ اس پر مزید کسی تبصرہ کی حاجت نہیں۔ ع، ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

فطرتِ انسانی

(بحثِ دلیل نمبر ۱۳) :- ماتمی ٹریکٹ میں یہ لکھا تھا کہ :- ”اسلام دینِ فطرت ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد زندگی کا آغاز رونے سے کرتا ہے“ اس کے جواب میں عرض کیا گیا تھا کہ :- ”پیدائش کے بعد بچے کا رونامر دوجہ ماتم کی دلیل کیسے بن گیا۔ بچہ کس کے ماتم میں روتا ہے؟ (۲) اگر بچہ روتا ہے تو پیشاب، پاخانہ بھی کرتا ہے تو اس فطرتِ انسانی کے پیش نظر پیشاب یا پاخانہ کی مجالس بھی قائم ہونی چاہئیں۔ واہ! کیا خوب عقل ہے۔ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے)

اس کے جواب الجواب میں مصنف ”فلاحُ الکونین“ لکھتے ہیں :- ”السان پیدا ہوتے ہی روتا ہے، ہر ذہنی اور جسمانی تکلیف پر روتا ہے۔ غرضیکہ روتا ہوا آتا ہے اور روتا ہوا چلا جاتا ہے۔ روزانہ مقتضائے فطرت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند فرمایا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے :- اَفْهَمَ هَذَا الْحَدِيثَ تَعَجُّبُونَ وَتَفْضَحُونَ وَلَا تَبْكُونَ :- ”کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور دہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟“ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہنسنے سے منع فرمایا اور رونے کا حکم دیا“ (فلاحُ الکونین)۔

الجواب

(۱) اس آیت میں کفار سے خطاب ہے، چنانچہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں :- ”یعنی قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر چلے ہوئے تھا کہ خوفِ خدا سے رونے لگتے اور گھبرا کر اپنے بچاؤ کی تیاری کرتے۔ مگر تم اس کے خلاف تعجب کرتے اور ہنستے ہو، غافل اور بے فکر ہو کر کھلاڑیاں کرتے ہو“ اور شیعوں کے علامہ طبرسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :- (أَفْهَمَ هَذَا الْحَدِيثَ) یعنی بالحدیث ما تقدم من الاخبار عن الصادق (ع) وقيل معناه أَفْهَمَ هَذَا الْقُرْآنَ وَنَزُولَهُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَوْنَهُ مُعْجَزًا (تَعْجِبُونَ) أَيُّهَا الْمُشْرِكُونَ (وَتَفْضَحُونَ) اسْتَهْزَءُوا (وَلَا تَبْكُونَ) أَنْزَجَلُمْ لِمَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ (وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ) أَيْ غَافِلُونَ لَا هَوْنَ مَعْرُضُونَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُجَاهِدٍ وَقِيلَ هُوَ الذَّنَاءُ كَالْإِذَا سَمِعُوا الْقُرْآنَ عَارِضُونَ بِالْغِنَاءِ لِيُشْغِلُوا النَّاسَ عَنْ اسْتِمَاعِهِ

گی۔ اسی بنا پر میں نے یہ لکھا تھا کہ :- اگر سچہ روٹا ہے تو پیشاب ، پاخانہ بھی کرتا ہے تو اس فطرتِ انسانی کے پیش نظر پیشاب ، پاخانہ کی مجالس بھی قائم ہونی چاہئیں۔ واہ ! کیا خوب عقل ہے فرمائیے ! اس میں تشبیہ کی کیا بات ہے۔ (ب) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب یا ائمہ اور بزرگوں کے تذکرے وغیرہ اگر کسی مجلس میں ہوں تو وہ زیر بحث ہی نہیں ہے۔ بحث کا موضوع تو آپ کی ماتمی مجالس ہیں جن میں مُنہ پٹینا اور سینہ کو بی کرنا وغیرہ ہوتا ہے۔ ان افعال کو میرت و سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتیمید سے کیا تعلق ہے ، اور یہ افعال ائمہ اہل بیت نے کب کئے ہیں۔ ماتمی مجالس کا یہ مظاہرہ تو کتاب اللہ ، ارشاداتِ رسول اللہ اور اقوالِ ائمہ کے بالکل بخلاف ہے۔ جس میں آپ قوم کو مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔

فرقہ بندی (بحث دلیل نمبر ۱۴) :- ماتمی ٹریٹ میں لکھا تھا کہ :- ”سانحہ کربلا کے وقت اسلام میں کوئی فرقہ بندی نہ تھی۔ قاتلانِ امام دائرۃ اسلام سے خارج ہو چکے تھے۔ آج امام حسین کا ذکر اور اُن کی حمایت کرنا گویا امام مظلوم کا ساتھ دینا ہے“ اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ :- ماتم کرنے کو امام حسین کی حمایت سے کیا تعلق ہے؟ حُسنیتِ تو یہ ہے کہ امام حسین نے جس شریعت اور سنتِ مقدسہ کے لیے اپنی جان قربان کی تھی ، اس کی اتباع کی جائے اور اعمالِ صالحہ کو رائج کیا جائے۔ شرک و بدعت اور بُت پرستی کے مظاہر کو مٹایا جائے۔ امام عالی مقام کو دعوت دینے والے بھی کوئی ہیں اور یزیدیت کی قحط میں شہید کرنے والے غدار بھی کوئی لوگ ہیں جو ماتم امام حسینؑ نے ساری عمر نہیں کیا ، اُس کا ارتکاب حُسنیت کی حمایت ہے یا مخالفت ؟ (۲) ”اخبارِ ماتم“ ص ۹۶ میں ہے کہ سب سے پہلے شہادتِ حسین کا ماتم یزید کے گھر میں اس کی بیوی ہند نے بپا کیا تھا۔ اب یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ حُسنیت کیا ہے اور یزیدیت کیا ؟ (ہم ماتم کیوں تسلیم کرتے)۔

اس کے جوابِ الجواب میں مصنف ”فلاح الکونین“ لکھتے ہیں کہ :- بے شک حُسنیت یہی ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے جس شریعتِ مقدسہ اور سنتِ مطہرہ کو زندہ و پائندہ رکھنے کی خاطر میران

کربلا میں کم و بیش بہتر پیش بہا بلکہ عدیم المثال قربانیاں دیں ، اس پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے الخ (فلاح الکونین) تو پھر آپ قوم کو اس صحیح حُسنیت کی طرف کیوں دعوت نہیں دیتے ، ماتمیوں کی مساجد غیر آباد اور امام باڑے کیوں آباد ہیں ؟ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب نے خود بھی اہل تشیع کو تنبیہ کرتے ہوئے اس کا اقرار کیا ہے کہ :-

مساجد و میران امام باڑے آباد ”کس قدر شرم کی بات ہے کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار ، قاری قرآن بھی بہت کم ملیں گے۔ نماز باجماعت اور نماز جمعہ سے تو غرض ہی کیا ! عتباتِ عالیہ کی زیارات کو اگر شوقِ جائیں گے تو حج کو پانچ بھی نہیں۔ امام باڑوں کی عمارتیں عالیشان ہیں ، ہزاروں روپے کا شیشہ ، آلات وغیرہ موجود ہے مگر مساجد و میران پڑی ہیں“ (سعادۃ الدارین فی مقتل الحسين)

مصنف ”فلاح الکونین“ لکھتے ہیں کہ :- ”شرک و بدعت اور بُت پرستی سے اگر آپ کی مراد وہ شرک و بدعت و بُت پرستی ہے جو قبل از بعثت رسول کریم صلعم دنیا میں رائج تھی۔ قرآن بتاتا ہے کہ اس کے خلاف سب سے پہلے حضرت نوح نے آواز بلند کی“ (قرآن حکیم پ ۲۹ سورۃ نوح) دوسری آواز جو اس کے خلاف اٹھی وہ بُت شکنِ اول حضرت ابراہیم کی آواز تھی (قرآن حکیم پ ۱۰ سورۃ انبیاء) اور آخری آواز جس نے دنیا کے اکثر ممالک سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بُت پرستی اور شرک و بدعت کا خاتمہ کر دیا۔ وہ حضور پاک سرور کونین ، رسول الثقلین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی (قرآن حکیم پ ۲۰ سورۃ التجم)۔ اب ممالک اسلامیہ میں نہ کوئی مشرک باقی ہے نہ کوئی بدعتی اور نہ بُت پرست ، بالخصوص ملکِ خداداد پاکستان تو مشرکوں اور بُت پرستوں سے بالکل پاک ہو چکا ہے۔ تقسیم سے پہلے جتنے مشرک اور بُت پرست یہاں تھے وہ سب واگہ پار کر کے بحارتِ بیخچہ چکے ہیں۔ اب آپ کو شرک و بدعت اور بُت پرستی کے مظاہر کو مٹانے کی فکر میں گھل گھل کر ہاتھی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ، مگر اس کا کیا علاج کہ ساون کے اندھے کو ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا ہے۔ جو لوگ خود شرک و بدعت ایسے مُودعی اور لا علاج مرض میں مبتلا ہیں انہیں ہر ایک

اسی مرض کا مریض نظر آتا ہے۔“ (فلاح الکونین ص ۵۷)

الجواب

۱، آپ نے یہاں شرک و بت پرستی کے موضوع پر جو حقائق بیان فرمائے ہیں، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نہ شرک و بت پرستی کو سمجھتے ہیں اور نہ بدعت کو، اور نہ ہی اپنی تحریر کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پہلے تو آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ پاکستان میں کوئی مشرک وغیرہ ہے ہی نہیں اور آخر میں خود ہی اس کی ان الفاظ سے تردید کر دی کہ :- ”جو لوگ خود شرک و بدعت ایسے موذی اور لاعلاج مرض میں مبتلا ہیں“ کیونکہ اس کا تو سہی مطلب ہے کہ ایسے لوگ بھی پاکستان میں موجود ہیں جو خود شرک و بدعت میں مبتلا ہیں، لیکن دوسروں کو مشرک و بدعتی کہتے ہیں۔ تو آپ کے اپنے اقرار سے ہی پاکستان میں اہل شرک و بدعت کا وجود ثابت ہو گیا، اور اگر آپ کا یہ مطلب ہے کہ قریش مکہ کی طرح لات و سہل کے نام سے شرک و بت پرستی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ تو یہ امر زیر بحث ہی نہیں کیونکہ شرک اور بت پرستی لات و سہل کی پوجا میں منحصر نہیں۔ شرک جس شکل میں بھی ہو، شرک ہو گا اور اگر ایسے شرک کا مرتکب بلا توبہ مر گیا تو آخرت میں اس کے لیے کوئی بخشش نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ“۔ (اللہ تعالیٰ نہیں بخشنے کا اس بات کو کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے ماسوا جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ (پ ۵، سورۃ النساء ۷۰))

توحید و شرک

کلمہ طیب لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ اسلام کی بنیاد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس کی پہلی جزء میں توحید خداوندی کا اعلان ہے اور دوسری جزء میں رسالت محمدیہ کا، اور توحید کے ماننے کا واسطہ رسالت ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان فرمائی ہیں اور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان کے ماننے سے اللہ تعالیٰ پر ایمان نصیب ہوتا ہے۔ ایمان بال توحید وہی

مقبول ہے جو ایمان بال رسالت کے واسطہ سے ہو، اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ذات، صفات اور استحقاق عبادت میں وحدہ لا شریک مانا جائے۔ یعنی جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں ان میں بھی کوئی شریک حصہ دار نہیں ہے۔ اسی بنا پر وہی معبود ہے، اس کے ماسوا کسی کی بھی عبادت جائز نہیں ہے۔ وہ علیٰ نَحْوِ شَيْءٍ قَدِيدٌ ہے اس کے سوا اور کوئی ہر چیز پر قدرت نہیں رکھتا، وہ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ہے۔ اُس کے ماسوا کوئی بھی ہمیشہ ہر چیز کو جاننے والا نہیں اسی لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں توحید کا مفصل بیان ہے، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ البتہ یہاں شیعی علامہ مولوی محمد حسین کی (جو فلاح الکونین پر تقریظ لکھنے والے ہیں) بعض عبارتیں توحید کے بیان میں درج کی جاتی ہیں تاکہ شبہ و غم بھی اُن کے تحت اپنے عقیدہ کو پرکھ سکیں ۱، توحید افعالی کے بیان میں لکھتے ہیں کہ :- ”اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ افعال تکوینیہ جن پر کوئی بشر من حیث البشر ذاتی طور پر طاقت و قدرت نہیں رکھتا جیسے خلق کرنا (یعنی پیدا کرنا)، رزق دینا، مارنا اور جلانا یا مریض کو شفا دینا۔ اس قسم کے دیگر افعال تکوینیہ، ان میں خداوند عالم کا کوئی شریک نہیں۔ اس سلسلہ میں آیات و روایات حد احصاء و شمار سے متجاوز ہیں“

اس کے بعد موصوف نے چند آیات پیش کی ہیں چنانچہ نمبر ۱ میں ہے :- ”أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاكَ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكَ خُلَفَاءَ أَنْ مَرْضَىٰ مَعَ اللَّهِ“ (پ ۲۰، سورۃ النمل ۵۶) :- ”آیا وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کر لیتا ہے، جب بھی وہ عمارت کے اور تکلیف کو رفع کر دیتا ہے اور تم کو زمین کا حاکم مقرر کر دیتا ہے۔ آیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟“ (۱۰) ”وَإِذَا مَرَضْتُ فَبُهِتُوا“ (پ ۱۹، سورۃ الشعراء ۵۶) :- ”اور جب میں (حضرت ابراہیم) بیمار ہو جاتا ہوں تو دو مجھے شفا دیتا ہے“ (ترجمہ مقبول) توحید کا یہی وہ مرتبہ ہے جہاں پہنچ کر اکثر لوگ اپنے پیشواؤں کی محبت میں مبتلا ہو کر جادہ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں اور توحید صفاتی کا دامن چھوڑ کر شرک کے عمیق گڑھوں میں جا گرتے ہیں مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ۔ اسی لیے ہمارے ہادیان دین یعنی حضرات

ائمہ طاہرین نے ایسے لوگوں کے خیالات کی بڑی پرزور تردید فرمائی ہے جو ان امور میں مخلوق کو خالق کا شریک قرار دیتے ہیں۔ (احسن الفوائد فی شرح العقائد مشکا)۔

ائمہ طاہرین نفع و نقصان کے مالک نہیں (۲) اس کے بعد مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے حضرت امام رضا کی

دُعا نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ لکھا ہے :- یا اللہ! جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم رب ہیں۔ پس ہم اُس سے بیزار ہیں جیسے جناب عیسیٰ علی نبیہ وآلہ وعلیہ السلام نصاریٰ سے بیزار ہیں۔ بار بار! جو کچھ یہ لوگ گمان کرتے ہیں، تو ہمیں اُس کی معافی دے۔ (عیون اخبار الرضا)

فرقہ مفوض کا غلو اسی سلسلہ میں مولوی محمد حسین صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ :- کچھ ایسے نادان و عویدارانِ محبت بھی تھے جن کے

اندر آثارِ غلو موجود تھے، اور ائمہ اطہار کو خدا کائنات کا جذبہ چٹکیاں لے رہا تھا۔ مگر کچھ ائمہ طاہرین کی منع اکید اور لعن شدید، اور کچھ فاطمی شریعت کی حدود کا پاس و لحاظ مانع تھا اس لئے حکم کھلا طور پر تو ائمہ کی اُلوہیت کا اذعان کیا مگر در پردہ ائمہ کے حق میں اکثر اوصافِ ربوبیت کے قائل ہو گئے، اور یہودیوں کی طرح یہ عقیدہ اختراع کر لیا کہ خداوندِ عالم نے سرکارِ محمد و علی علیہما السلام کو خلق فرما کر باقی تمام عالم کی تخلیق، مارنے اور جلانے، رزق دینے اور نہ دینے اور بارش برسانے یا نہ برسانے۔ غرضیکہ تمام عالم کے نظام کو برقرار رکھنے اور تدبیرِ عالم کا اہتمام کرنے کا معاملہ انہی بزرگواروں کے سپرد کر دیا ہے۔ سابقہ عقیدہ فاسدہ کو غلو اور اس نظریہ کا سدھ کو اصطلاحِ شرع میں تقویٰ فیض کہا جاتا ہے۔ جس کے لغوی معنی سپرد کرنا ہیں جو درحقیقت غلو ہی کا ایک شعبہ ہے اور اس بدعقیدہ کے شرعی مفسد و مضار عقیدہ غلو سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اس عقیدہ کے لوگ بھی ائمہ معصومین کے زمانہ میں بکثرت موجود تھے اس لیے ائمہ طاہرین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین نے بڑے تشدد کے ساتھ اس نظریہ فاسدہ کو رد فرمایا ہے۔ چنانچہ ان احادیثِ شریفہ کا ایک شتمہ مستثنیٰ میں مذکور ہے:

اے مولوی محمد حسین صاحب کی یہ کتاب احسن النوائد رسالہ اعتقادِ رب کے متن کی شرح ہے، باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

(احسن الفوائد فی شرح العقائد)۔

ابن سبا یہودی ابن سبا یہودی بھی انہی غالی روافض میں سے ہے جو حضرت علی المرتضیٰ کو خدا مانتا تھا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں،

کہ :- بعض احمق عقیدہ مندوں نے انہیں (یعنی حضرت علی کو) حُدُودِ عبدیت و نبوت و امامت و خلافت سے بڑھا کر مرتبہ اُلوہیت تک پہنچا دیا، جیسے عبد اللہ بن سبا الخ (احسن الفوائد) توحید عبادتی کے سلسلہ میں قرآنی دلائل پیش کرنے کے بعد مولوی

بقیہ تحت المتن مشکا :- جس کے مصنف ابن بابویہ قمی ہیں جو شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں اور انہی کی تصنیف ”مَن لا یحضرہ الفقیہ“ ہے، جو مذہبِ شیعہ کی چار صحیح کتابوں میں سے ایک ہے۔ (دب) شیعہ مذہب کی رجالِ حدیث کی چار اہم کتابوں میں سے ”رجال کشتی“ سب سے قدیم کتاب ہے۔ اس میں ابن سبا یہودی کے ترجمہ (یعنی حالات) میں لکھا ہے :- عن ابی جعفر علیہ السلام ان عبد اللہ بن سبا کان یدعی النبوة ویزعم ان امیر المومنین علیہ السلام هو اللہ تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً، فبلغ ذلک امیر المومنین علیہ السلام فدعاہ و سالہ فاقرب بذلک وقال - نعم انت هو وقد کان النبی فی ردعی انتک انت اللہ وانی نبی - فقال لہ امیر المومنین علیہ السلام ویلک قد سخر منک الشیطان فارجع عن ہذا اذ کلک اُمّت و سب - فابی فجمہ و استتابہ ثلثہ ایام فلم یثب فاحرقہ بالنار۔ (۱) امام محمد باقر سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن سبا نبوت کا مدعی تھا اور اس کا گمان تھا کہ حضرت علیؑ خدا ہیں۔ یہ خبر حضرت علیؑ کو پہنچی تو آپ نے اُس کو بلال کو پوچھا، تو اُس نے اس بات کا اقرار کیا اور کہا کہ میرے دل میں اس بات کا انفاء ہوا ہے کہ آپ خدا ہیں اور میں نبی ہوں۔ تو حضرت علی المرتضیٰ نے اس سے کہا کہ تجھے شیطان ٹھٹھا کرتا ہے۔ تو اس سے توبہ کرے (تیری ماں تجھ کو روئے) ابن سبا نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے اس کو قید کر دیا اور تین دن اسے توبہ کا مطالبہ کرتے رہے، پس جب اُس نے توبہ نہ کی تو آپ نے اس کو آگ میں جلا دیا۔ (۲) یہ ملحوظ رہے کہ ”رجال کشتی“ کے مصنف چوتھی صدی ہجری میں ہوئے ہیں جنہوں نے ابن سبا کا یہ حال لکھا ہے۔ لہذا اس کے وجود کا انکار کرنا غلط ہے جیسا کہ اب شیعہ کہتے ہیں کہ ابن سبا یہودی کا وجود ثابت ہے

کوتے رہے، پس جب اُس نے توبہ نہ کی تو آپ نے اس کو آگ میں جلا دیا۔ (۲) یہ ملحوظ رہے کہ ”رجال کشتی“ کے مصنف چوتھی صدی ہجری میں ہوئے ہیں جنہوں نے ابن سبا کا یہ حال لکھا ہے۔ لہذا اس کے وجود کا انکار کرنا غلط ہے جیسا کہ اب شیعہ کہتے ہیں کہ ابن سبا یہودی کا وجود ثابت ہے

محمد حسین صاحب لکھتے ہیں: ”معلوم ہوا کہ غیر خدا کی پرستش خواہ کسی نوعیت کی ہو اور خواہ کسی نیت و ارادہ سے ہو۔ اگرچہ سجدہ تعظیمی ہی ہو وہ شرک فی العبادت ہے“ (احسن الفوائد ص ۲۹۱)

ائمہ کیلئے سجدہ تعظیمی سے منع فرمایا

”اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ کئی مرتبہ بعض لوگوں نے ائمہ طاہرین کو سجدہ تعظیمی کرنا چاہا، مگر معصومین نے شدت و سختی اُن کو اس فعل سے منع فرمایا۔ چنانچہ جناب شیخ عباس قی علیہ الرحمۃ نے ”مفاتیح الجنان“ میں بذیل زیارت ہفتم جناب امیر المومنین سجادہ کتائبہ جنت النبی موقفہ سید اجل عبد اکرم بن طاووس علیہ الرحمۃ ایک طویل روایت درج فرمائی۔ جس میں جناب حمزہ ثمالی کا مسجد کوفہ میں امام ہمام زین العابدین کی خدمت میں شرفیاب ہونا مذکور ہے کہ..... میں آپ کے پاؤں میں گر گیا (جس سے سجدہ کی شکل بن گئی)، اور چاہا کہ آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دوں مگر آنجناب نے مجھے ایسا نہ کرنے دیا اور میرے سر کو اپنے دست حق پرست سے بلند کر کے فرمایا، ایسا نہ کرو۔ سجدہ سوائے خداوند عالم کے اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب زندہ امام کو سجدہ تعظیمی روا نہیں ہے تو ان کے قبور مقدسہ کو کیونکر جائز ہو سکتا ہے“ (احسن الفوائد ص ۲۹۲)

امام رضا کے نزدیک بھی سجدہ قبر حرام ہے

عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام قال لا تسجد علی القبر و علی الصاروخ (حسن) :- فرمایا امام رضا علیہ السلام نے نہ سجدہ کر اور قبر کے اور ان کے اجزاء پر (چونا، پھرتال وغیرہ) (شافی ترجمہ فروغ کافی کتاب الصلوٰۃ) فرمائیے حضرت امام رضا تو اصلی قبر اور اُس کے اجزاء پر سجدہ کرنے سے منع فرما رہے ہیں لیکن آپ مصنوعی قبر کے سجدہ کو بھی جائز بتا رہے ہیں (فلاح الکونین ص ۵۵)

شُرک فی الطاعۃ

اصول کافی کتاب الایمان و الکفر میں ہے :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سمعته یقول امر الناس بمعرفتنا

و الرد الینا و التسليم لنا ثم قال وان صاموا و صلوا و شهدوا ان لا اله الا الله و جعلوا فی انفسهم ان لا یردوا الینا کا وہ بذلک مشرکین :- ترجمہ (راوی کہتا ہے کہ ابو عبد اللہ ربیع امام جعفر صادق) علیہ السلام نے فرمایا لوگوں کو ہماری معرفت کا حکم دیا گیا ہے اور ہمارے طرف رجوع کرنے، ہماری بات کو ماننے کا بھی۔ پھر فرمایا اگر وہ لوگ روزہ رکھیں، نماز پڑھیں اور لا اله الا الله کی گواہی دیں اور اپنے دلوں میں یہ ارادہ رکھیں کہ ہم سے رجوع نہ کریں گے تو اس سے مشرک بن جائیں گے۔ (شافی ترجمہ اصول کافی از ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امر و ہوی جلد دوم)

اس حدیث کے تحت شیعوں کے ادیب اعظم ”توضیح“ میں لکھتے ہیں کہ :- ”یہ شرک اس معنی سے ہو گا کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کو خدا نے امام بنایا ہے، لہذا ان کی اطاعت فرض ہوئی پس اگر اُن کی بجائے دوسرے کے بنائے ہوئے کو امام تسلیم کیا۔ تو گویا اس دوسرے کو خدا کا شریک بنایا“ اور مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے بھی لکھا ہے کہ :- جن لوگوں کی اطاعت خدا نے واجب نہ کی ہو ان کی اطاعت کرنا اور ان کو اپنا ہادی و رہبر قرار دینا شرک فی الطاعۃ ہے۔ چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :- امر الناس بمعرفتنا و الرد الینا الحدیث (ہدایۃ الموحدین) (احسن الفوائد فی شرح العقائد ص ۱۱۱)

لیکن یہاں اشکال یہ ہے کہ جب اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ نے تقیہ کیا، اور از رد تقیہ حضرت علی المرتضیٰ نے بھی خود حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین کی بیعت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ تو آپ کے ان ائمہ معصومین کی پیروی کی کیا صورت ہوگی۔ جس بات کو امام جعفر صادق شرک قرار دے رہے ہیں، اس کا صدور تو تو خود باللہ حضرت علی المرتضیٰ اور دوسرے ائمہ سے بھی ہو گیا، جنہوں نے تقیہ کیا تھا تو بتلائیے کہ اس اُمت میں موحّد کون ہے ؟ -

مُصَنَّف "فَلَا حِ الْكُونِيْنَ" كِي خِدْمَت ميں

مُصَنَّف "فَلَا حِ الْكُونِيْنَ" نے تويہ لکھا ہے کہ اب پاکستان

ميں كوئى مشرك نہيں رہا، سب واگہ پار چلے گئے ہيں۔ ليكن ہمارا سوال يہ ہے کہ مذکورہ عبارت ميں جو مشرك كے اقسام بيان كئے گئے ہيں، كيا پاکستان ميں كوئى فرد بھي ايسا نہيں ہے جو غير اللہ كو مالك نفع و نقصان نہ سمجھتا ہو، جو زندہ بزرگوں يا اولياء اللہ كى قبروں يا تعزير وغيرہ كو سجدہ نہ كرتا ہو۔ حقيقت تو يہ ہے کہ اعتقاداً و عملاً ان اُمور كا ارتكاب تو مائى گروہ ميں ہي سب سے زيادہ ہے۔ كيا شيعہ عوام و خواص حضرت على المرتضى كو اس معنى ميں مشكل كشتا اور حاجت روا نہيں مانتے کہ وہ ان كى تگوبنى اور دينوى مشكلات اور مصيبتیں دور كرنے والے ہيں۔ مائى لوگ تو عموماً اٹھتے بيٹھتے اسي معنى ميں ياعلى ياعلى پكارتے رہتے ہيں اور سلام مسنون كى جگہ بھي ياعلى مدد كتے ہيں، اور بعض تو نعوذ باللہ على اللہ كے الفاظ بھي پلا كتے ہيں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج كل كے اہل تشيع عموماً فرقہ مفوضہ كے عقايد كھتے ہيں جن پر حسب تفریح مولوى محمد حسين صاحب موصوف، ائمہ طاہرين نے لعنت كى ہے۔

اب دوسرے پہلو سے سمجھئے کہ مندرجہ بالا حديث اُصولِ كافى ميں جب امام جعفر صادق نے اُن سب لوگوں كو مشرك قرار ديديا۔ جو حسب زعم شيعہ ائمہ اثنا عشر يعنى بارہ اماموں كے سوا دوسروں كو امام مان كر ان كى پيروى كرتے ہيں تو اس معيار پر تو تمام مسلمانان اہل سنت والجماعت مشرك بن جائیں گے جو اگرچہ ان ائمہ اہل بيت كو بھي درجہ بدرجہ اللہ تعالى كے مقبول اور محبوب بندے اور جنتى مانتے ہيں۔ ليكن اس امت محمدية كا امام اَدَل اور حضور خاتم النبیین صلي اللہ عليه وسلم كا خليفہ اَوَّل حضرت ابو بكر صديق كو تسليم كرتے ہيں، اور نہ صرف پاکستان بلكہ مجموعى حيثيت

لے اگر كسى اہل سنت كے بزرگ نے حضرت على المرتضى كے ليے مشكل كشتا كا لفظ استعمال كيا ہے تو دينى و علمى مشكلات حل كرنے والا، كے معنى ميں نہ كہ اس معنى ميں کہ نعوذ باللہ حضرت على ہمارى دنياوى مشكلات حل كرنے والے، بيمار ياں دور كرنے والے اور رزق داد لاد ديئے والے ہيں۔ ۱۲

سے عالم اسلام ميں اہل سنت ہي كى عظيم اكثريت پائى جاتى ہے۔ تو فرمائيے! اب بھى آپ كے اس قول كى كوئى حيثيت باقى رہ جاتى ہے کہ پاکستان يا ممالك اسلاميه ميں كوئى مشرك نہيں ہے؟

يہ بے اصولى كے نغض نئے ہيں اے ذكر خدا كے واسطے كر لو تم ايك راہ پسند

سُنَّت و بدعت

آپ نے يہ بھى فرمايا کہ اب پاکستان اور ممالك اسلاميه ميں بدعت كرنے والا كوئى بھي نہيں ہے۔ جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ آپ سُنَّت و بدعت كى حقيقت سے بھي بالكل نا آشنا ہيں۔ ورنہ ايسا مضحكہ خيز دعوى نہ كرتے۔ سُنَّت كا لغوى معنى طريقہ، عادت، روش كے آتے ہيں، اور شرعى اصطلاح ميں نبى كريم رحمۃ اللعالمين، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلي اللہ عليه وآلہ وسلم كے طريقہ اور نمونہ مبارك كو سُنَّت كہا جاتا ہے، اور شرعاً بدعت اُحْدَاثِ فِى الدِّين كو كہتے ہيں يعنى نئے سمجھ كر اپنى طرف سے كوئى كام ايسا كيا جائے، جس كا شريعت اور سُنَّت ميں ثبوت نہيں ملتا (بھيا سُنَّت و بدعت كى تفصيلى تحقيق كى گنجائش نہيں ہے)۔

بہر حال سُنَّت و بدعت آپس ميں متضاد ہيں، چنانچہ حضرت على المرتضى رضى اللہ تعالى عنہ فرماتے ہيں: وَمَا اُحْدَثَتْ بِدْعَةٌ اِلَّا تَرَكَ بِهَا سُنَّةٌ فَاتَّقُوا الْبِدْعَ (نہج البلاغہ) اور كوئى بدعت نہيں ايجاد كى جاتى مگر يہ کہ اس كى وجہ سے كوئى نہ كوئى سُنَّت ترك كر دى جاتى ہے، پس تم بدعتوں سے بچو۔ مطلب يہ ہے کہ سُنَّت كى جگہ خالى ہو تو وہاں بدعت آجاتى ہے اور اہل تشيع ميں تو بدعات ہي بدعات مروج ہيں كيونكہ رسول اللہ صلي اللہ عليه وآلہ وسلم كى مقدس سُنَّت اُن كے ہاں عموماً متروك ہے۔ اگر اُن كے ہاں سُنَّت طيبہ كى اہميت ہوتى تو اپنے آپ كو اہل سُنَّت كہتے، اور اہل سُنَّت سے ضد و عناد نہ ركھتے۔ بہر حال ميں تفصيلات كو چھوڑ كر صرف اس پہلو سے عرض كى جاتى ہے کہ يہ تو تمام شيعيوں كا عقيدہ ہے کہ رمضان مبارك ميں اہل سنت جو تراويح كى نماز پڑھتے ہيں، يہ بدعت ہے اور حضرت عمر فاروق نے يہ جارى كى ہے

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب رمضان المبارک آتا ہے تو اہل سنت کی مساجد میں تراویح کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حفاظ قرآن نماز تراویح میں قرآن مجید سنتے اور سناتے ہیں۔ اہل سنت کی کوئی ہی ایسی مسجد باقی رہ جاتی ہے، جہاں نماز تراویح کا اہتمام نہ ہو، اور چونکہ قرآن مقدس رمضان المبارک میں نازل ہوا ہے، اس لیے اس ماہ مبارک میں قرآن مجید سنتے اور سناتے کی نعمت عظمیٰ اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کو ہی نصیب فرمائی ہے، اور حفاظ قرآن کا ظاہری واسطہ حق تعالیٰ نے اہل سنت کو ہی بنایا ہے۔ نہ صرف بڑے بلکہ نابالغ بچے اور بچیاں بھی قرآن کے حافظ ہیں۔ چنانچہ ہمارے مدرسہ اظہار الاسلام کے شعبہ تعلیم النساء میں بھی الحمد للہ ان چند سالوں میں ۲۰ طالبات قرآن مجید کی حافظہ بن چکی ہیں۔ جن میں اکثر نابالغ ہیں، لیکن برعکس اس کے اہل تشیع کے ہاں کتنے حافظ قرآن ہیں؟ تو اس کا جواب ان کے ہاں کچھ نہیں ہے۔

یہ امر باعث عبرت ہے کہ تلاوت و حفظ قرآن اور تعلیم و تعلم علوم دینیہ کی نعمت عظمیٰ اہل سنت کو نصیب ہے، اور اہل تشیع کے حصہ میں ماتم ہی ماتم ہے۔ جس کا شریعت و سنت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ بہر حال ہر سال رمضان المبارک میں اہل سنت کی مساجد میں پاکستان ہو یا دوسرے ممالک اسلامیہ تراویح کا سلسلہ قائم رہتا ہے جو آپ کے ہاں بدعت ہے تو کیا اب بھی آپ کامیابی دعویٰ رہے گا کہ پاکستان اور دوسرے ممالک میں کوئی اہل بدعت نہیں۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بزعیم شیعہ حضرت علی المرتضیٰ اپنے دور اقتدار میں بھی تراویح کی بدعت کو ختم نہ کر سکے اور آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس قسم کی بدعات کو ختم کروں جو خلفائے سابقین حضرت ابوبکر وغیرہ نے جاری کی ہیں مثلاً تراویح (اور محافل متعہ وغیرہ) تو میں اکیلا رہ جاؤں یا میرے ساتھ چند خاص شیعہ (خروج کافی جلد سوم، کتاب الروضہ ص ۱۰۱) اور یہ بھی ایک عجیب غریب نظریہ (بلکہ غرابیہ) ہے کہ امام برحق، شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اپنے دور خلافت میں بھی شرک و بدعت کا خاتمہ نہ کر سکے، اور شرک و بدعت اگر بالکلیہ ختم ہو جائے تو پاکستان میں، جہاں نہ کسی امام

معصوم کی حکومت ہے نہ خلیفہ اسلام کی، اور ۲۰ سال کے طویل عرصہ میں تاحال شرعی آئین نافذ ہی نہیں ہوا۔ اکثریت نماز، روزہ وغیرہ فرائض اسلامیہ سے بھی غافل ہے، اور شراب، جوا، سود وغیرہ محرمات قائم ہیں۔ گانے بجانے، لہو و لعب، کھیل تماشے، سینما، میلے زورروں پر ہیں۔ دین و مذہب کے نام پر کتنی ہی بدعات رائج ہیں۔ لیکن اہل تشیع کے محقق، مصنف صاحب ”فلاح الکونین“ کی تحقیق یہ ہے کہ پاکستان شرک و بدعت سے پاک ہو چکا ہے۔ گویا کہ یہاں بلا لگہ بصورت انسان آباد ہیں، کوئی گناہگار انسان یہاں مقیم ہی نہیں، اور غالباً اسی لیے حضرت امام ہمدی بھی اپنے ظہور کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے!

اذان میں عَلِيٌّ وَلِيُّ اللّٰہِ کہنا بدعت ہے

اپنی اذانوں میں توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ :- اَشْهَدُ اَنْ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰہِ وَوَصِيُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَخَلِيفَتُهُ بِلَا فَصْلٍ کہتے ہیں تو دراصل یہ بھی بدعت ہے۔ چنانچہ ”تحفة العوام“ کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ :- ”شہادت ولایت و خلافت حضرت امیر علیہ السلام جزو امانت اذان نہیں، بلکہ جزو ایمان ہے، اور اذان میں بدون قصد جزئیت۔ اس کلمہ کا کہنا شرعاً جائز بلکہ بعض وجوہ سے ضروری ہے“ (ص ۱۵۵ بارنہم، مطبوعہ ذل کشور لکھنؤ) لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ اصلی اذان میں نہیں تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائی تھی اور حضرت علی المرتضیٰ وغیرہ ائمہ نے بھی اسی کی تعلیم دی تھی۔ تو پھر ان الفاظ مذکورہ کو اذان میں شامل کرنے کا مجاز کون ہو سکتا ہے؟ کیا اذان میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی ضروری نہیں؟

اے مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے شیعہ اذان کی تردید میں ایک مستقل رسالہ ”الادلة الطاعنة في اذان الملاعنہ“ لکھا ہے، اس میں لکھتے ہیں کہ :- ”روافض کے پیشواؤں نے کہا کہ اذان میں خیفہ بلا فصل وغیرہ زیادت کی وجہ ایک ملعون قوم ہے :- (حاشیہ ص ۱۰۰)۔“

(۳) شیخ ابن بابویہ قمی نے اپنی کتاب ”مَنْ لَا يَحْضُرُهُ الْفَقِيه“ میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ :- عن ابي عبد الله عليه السلام انه حكى لهما الاذان فقال الله اكبر (چار مرتبہ) اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ (دو مرتبہ) اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ (دو مرتبہ) حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ (دو مرتبہ) حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ (دو مرتبہ) اللهُ اَكْبَرُ (دو مرتبہ) لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ (دو مرتبہ) - والا قامة كذلك ولا يأس ان يقال في صلاة الغداة على اثرتي على خير العمل، الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ لِلتَّقِيهِ، وقال مصنف هذا الكتاب رحمه الله هذا هو الاذان الصحيح لا يزداد فيه ولا ينقص منه، والمفوضة لعنهم الله قد وضعوا اخباراً وزادوا في الاذان، محمد وال محمد خير البرية مَرَّتَيْنِ وفي بعض رواياتهم بعد اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللهِ مَرَّتَيْنِ، ومنهم من روى بدل ذلك اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا امير المؤمنين حَقًّا مَرَّتَيْنِ ولا شك في ان عَلِيًّا وَلِيُّ اللهِ وانه امير المؤمنين حَقًّا وان محمداً وال خير البرية ولكن ذلك ليس في اصل الاذان وانما ذكرت ذلك ليعرف بهذه الزيادة المتهمة بالتفويض المدلسون انفسهم في جملتنا - (من لا يحضره الفقيه، باب الاذان والاقامة ص ۱۳۷ مطبعة طهران ۱۳۷۶ هـ) :- (امام جعفر صادق نے اپنے دو شاگردوں کو یہ اذان بتلائی اللہ اکبر چار مرتبہ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ دو مرتبہ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ دو مرتبہ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ دو دو مرتبہ - اللہ اکبر دو مرتبہ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ دو مرتبہ، اور اقامت بھی اسی طرح فرمائی، اور فرمایا کہ اگر صبح کی اذان میں حَيَّ عَلَى خَيْرِ الْعَمَلِ کے بعد دو مرتبہ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ از روئے تفسیر کہے تو کوئی تخریج نہیں، اور مصنف کتاب ابن بابویہ قمی (یعنی شیخ صدوق) فرماتے ہیں کہ یہی صحیح اذان ہے۔ اس میں کمی و بیشی نہیں کی جاسکتی، اور مفوضہ نے (اللہ کی اُن پر لعنت ہو) کئی روایات وضع کر لی ہیں، اور اذان میں انہوں نے یہ الفاظ بڑھادیئے ہیں - مُحَمَّدٌ وَآلِ مُحَمَّدٍ مَرَّتَيْنِ

اور ان کی بعض روایات میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ کے بعد یہ ہے اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللهِ دو مرتبہ، اور ان میں سے بعض نے اس کی جگہ یہ الفاظ روایت کئے ہیں اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللهِ حَقًّا ۲ مرتبہ، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؑ اللہ کے ولی ہیں اور آپؐ سچے امیر المومنین ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل خیر البریہ ہیں لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں ہیں، اور میں نے یہ اس لیے بیان کر دیا ہے تاکہ جو لوگ عقیدہ تفویض کی وجہ سے مُنْتَهَم (بدنام) ہیں اور جو دھوکہ سے ہم میں شامل ہوتے ہیں اُن کی پہچان ہو جائے) -

مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللهِ وغیرہ کے الفاظ اصل اذان میں نہیں ہیں، اور اہل سنت فجر کی اذان میں جو الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ پڑھتے ہیں، شیعہ بھی از روئے تفسیر یہ پڑھ سکتے ہیں، اور ابن بابویہ قمی نے تصریح کر دی ہے کہ اس قسم کے الفاظ شیعوں کے غالی فرقہ مفوضہ نے وضع کئے ہیں (اللہ اُن پر لعنت کرے) اور وہ کفر و فریب سے ہم میں شامل ہو جاتے ہیں“ فرمائیے! اب تو عموماً تمام اہل تشیع اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللهِ کہتے ہیں۔ بلکہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل کے الفاظ بھی اس کے ساتھ بڑھادیئے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ وہ شیعہ نہیں جو امام جعفر صادق وغیرہ ائمہ کے پیروکار تھے۔ بلکہ یہ اس فرقہ مفوضہ میں سے ہیں جن کے لیے ائمہ اہل بیت نے بدعائیں کی ہیں۔ کیا اب بھی کوئی بدعتی پاکستان میں نہیں - عبرت، عبرت، عبرت!

۱۔ یہ بھی انتہائی تعجب خیز امر ہے کہ شیعی علامہ مولوی محمد حسین صاحب نے انہی ابن بابویہ قمی یعنی صدوق کے رسالہ اعتقادیہ کی شرح ”احسن الخوائد“ لکھی ہے اور اس میں فرقہ مفوضہ کی صریح تردید بھی کی ہے۔ لیکن اذان شیعہ کے جن الفاظ کو شیخ صدوق بے اصل اور بدعت قرار دے رہے ہیں اور ان کو فرقہ مفوضہ کی بجا و تسلیم کرتے ہوئے ان پر لعنت بھی فرما رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے مفوضہ کی اس باقی اگلی صفحہ پر ملاحظہ ہو

بُت پرستی کی حقیقت

مندرجہ معروضات میں ہم نے بالاخص الزاماً و تحقیقاً، عام شرک و بدعت مروجہ پر تبصرہ کر دیا ہے۔ جو اہل فہم و

الضاف کے لیے کافی ہے۔ اب بت پرستی کی حقیقت بھی سن لیجئے۔ سورۃ نوح میں جن پانچ بتوں کا ذکر ہے کہ قوم نوح ان کی پوجا کرتی تھی، بخاری شریف میں ہے کہ اسماء رجال صالحین من قوم نوح یعنی یہ ان صالحین کے نام ہیں جو قوم نوح میں سے تھے۔ اور شیعہ مفسرین نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے چنانچہ (۱) آیت :- وَذُكِّرُوا لَا تَذْمُرُوا وَذُكِّرُوا لَا تَذْمُرُوا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (سورۃ نوح) کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ لکھا ہے :- ”اور انہوں نے یہ کہا کہ تم اپنے خداؤں کو نہ چھوڑنا اور تم نہ وڈو کو چھوڑنا نہ سواع، نہ یغوث و یعوق و نسر کو“ اس تفسیر میں لکھتے ہیں :- ”تفسیر صافی میں ہے کہ یہ نام ان لوگوں کے ہیں جو آدم اور نوح کے بیچ کے زمانے میں گزرے۔ جب یہ لوگ مر گئے تو برکت کے لیے اُن کی مورتیاں بنائی گئیں اور جب عرصہ زیادہ گزر گیا تو ان کی پوجا بھی ہونے لگی اور وہ مورتیاں عرب میں لائی گئیں۔ تفسیر قمی میں ہے کہ یہ لوگ نوح سے پہلے تھے اور موسیٰ سے تھے۔ جب مر گئے تو لوگوں کو ان کے بارے میں رنج ہوا۔

ابلیس اُن کے پاس آیا اور ان کی مورتیاں اُن کے لیے بنا دیں تاکہ اُن سے دل بٹلے اور اُنس ہو جائے۔ چنانچہ جب انس پیدا ہو گیا اور جاڑے کا موسم آیا تو ان مورتیوں کو گھروں میں رکھ لیا۔ جب وہ صدی گزر گئی اور دوسری صدی آگئی تو ابلیس ان لوگوں کے پاس پہنچا اور ان سے یہ کہا کہ یہ تمہارے معبود ہیں۔ تمہارے باپ دادا بھی ان کی پوجا کرتے تھے۔ پس وہ بھی پوجنے لگے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ آخر نوح نے ان کے لیے بددعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ تفسیر قمی میں یہ بھی لکھا ہے کہ وڈ قبیلہ بنی کلب کا بُت تھا اور یغوث بنی مراد

بقیہ ضمت المتن ص ۵۶۱۔ اذان کے خلاف پاکستان میں کوئی آواز نہیں اٹھائی۔ بلکہ اسی اذان کے سایہ میں وہ تقاریر بھی کر رہے ہیں۔ غالباً یہ بھی اُن کا تقیہ ہے۔ لیکن کیا تقیہ اور حق پرستی جمع ہو سکتے ہیں ؟

۴ اور یعوق بنی ہمدان کا اور نسر بنی حصین کا“ (ترجمہ مقبول)۔

اور شیخ طبرسی شیعہ مجتہد نے بھی لکھا ہے کہ :- ”وہذا اسماء اصنام کا نوا یعبدونہا شمر عبد متھا العرب فیما بعد عن ابن عباس وقتادہ وقیل ان ہذا اسماء قوم صالحین کا نوا میں ادم و نوح (۴) فنشأ قوم بعدہم یاخذون اخذہم فی العبادۃ الخ (تفسیر مجمع البیان) :- ”اور یہ اُن بتوں کے نام ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد ان کی اہل عرب نے عبادت کی۔ یہ ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اُن کی پوجا شروع کر دی۔“

اور شیخ طبرسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ :- ”وكان هُبل في جوف الكعبة ثمانية عشر ذراعاً عن عطاء وقتادہ والثاملی :- ”یعنی عطاء، قتادہ اور ثاملی سے مروی ہے کہ ہُبل بُت عین خانہ کعبہ میں نصب تھا، جس کا طول ۱۸ ہاتھ تھا“

اور یہ ہُبل حضرت ہابیل شہید کے نام پر بنایا ہوا تھا، جو سب سے پہلے اپنے بھائی قابیل کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ (۳) اور علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :- ”فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعت توحید اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ کعبہ میں سیکڑوں بُت تھے جن میں ہُبل بھی تھا جو بُت پرستوں کا خدائے اعظم تھا یہ انسان کی صورت کا تھا، اور یا قوتِ احمر سے بنا تھا۔ سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ میں لا کر رکھا تھا خزیمہ بن مدرکہ تھا۔ جو مضر کا پوتا اور عدنان کا پر پوتا تھا۔۔۔۔۔ جنگِ اُحد میں ابوسفیان نے اسی ہُبل کی بجائے پکاری تھی۔ وہ عین کعبہ کے اندر تھا چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو اور بُتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا۔ مکہ کے اطراف میں اور بہت سے بُتے بڑے بت تھے جن کے لیے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔ اُن میں سب سے بڑے لات، منات اور عزیٰ تھے۔ عزیٰ قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا۔۔۔۔۔ منات کا تخت گاہ مثل تھا۔ جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل اُدھر ہے۔ وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا، ازد، غسان، ادس، اور خزرج

اس کا ج کرتے تھے۔“ (سیرت النبی حصہ اول ص ۵۲۷)۔

(ج) اسی سلسلہ میں مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں: ”حرم میں نذر اور ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا، وہ محفوظ رکھا گیا۔ لیکن مجسمہ جات اور تصویریں برباد کر دی گئیں۔ ان میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کے مجسمے بھی تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی۔ جس سے لوگوں نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ میں عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہو گیا تھا۔ رنگین تصویریں جو دیواروں پر تھیں مٹانے پر بھی ان کے دُھندلے نشان رہ گئے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر باقی رہے۔“ (فتح الباری، ذکر فتح مکہ، (سیرت النبی حصہ اول ۵۲۷)۔)

(۴) اور علامہ طبرسی بھی لکھتے ہیں کہ: - وعن ابن مسعود قال، دخل النبي صلى الله عليه وسلم يوم الفتح وحول البيت ثلثمائة وستون صنماً، فجعل يطعنهما بعدد في يده ويقول جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد، جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً - وعن ابن عباس قال، لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم الى مكة اُجِى ان يدخل البيت وفيه الألهة فأمر بها، فأخرجت صورة إبراهيم واسماعيل (ع)، وفي أيديهما الأبنام فقال صلى الله عليه وسلم قاتلهم الله اما والله لقد علموا انهما لم يستقسما بهما قط - (تفسير مجمع البيان - سورة اذ جاء نصر الله والفتح) :- اور ابن مسعود سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، تو بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساڑھے تین تھنے - پس آپ اپنی پھڑی مبارک سے اُن کو ٹھوکہ مارتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے تھے :- جاء الحق یعنی حق آگیا ہے اب باطل واپس نہیں لوٹ سکتا، اور حق آنے پر باطل بھاگ گیا ہے اور باطل بھاگنے والا ہی ہے، اور ابن عباس سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تو چونکہ وہاں اُن کے معبود (تُت) تھے - اس لیے بیت اللہ شریف میں داخل ہونے سے انکار فرمادیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی وہ تصویریں خانہ کعبہ سے نکال دی گئیں، جن میں اُن دونوں پیغمبروں کے ہاتھوں میں فال کے

تیر دکھلائے گئے تھے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان بُت پرستوں کو ہلاک کرے۔ بعد ازاں لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کبھی بھی تیروں سے قسمت معلوم نہیں کی تھی۔ ۛ

مقامِ غیرت

مقامِ عبرت

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسمعیل ذبیح اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ! کی تصاویر لٹکوا دیں۔ تو کیا اب وہ تصاویر جائز ہوں گی؟ جو عموماً اہل تشیع کے ہاں دیکھی جاتی ہیں یعنی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی المرتضیٰ، حضرات حسنین اور خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراءؑ کی، جن کو مائمی لوگ پیہننے پاک کی تصویریں کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ بھی شعور نہیں ہے کہ یہ تصاویر محض بناؤنی اور فرضی ہیں، جو ان کی طرف منسوب ہیں حالانکہ اصلی تصاویر بھی شریعتِ مقدسہ میں جائز نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ فرضی تصاویر رکھی جائیں اور ان کا احترام و اکرام کیا جائے۔ کیا قریش مکہ کی تصویر پرستی اور مائمیوں کی اس تصویر پرستی میں کوئی فرق ہے؟ سوائے ناموں کے اختلاف کے۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں کے توڑنے اور تصاویر کو نکالنے کے لیے خصوصی خدمت جن کے سپرد کی تھی، وہ حضرت علی المرتضیٰ ہی تھے جن کی محبت کے نام پر یہی یہ سلسلہ آج جاری ہے۔

تفسیر پرستی

تفسیر پرستی اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتابوں سے ثابت ہے کہ قریشی گمراہ جن بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ بت اولیاء کی طرف ہی منسوب ہوتے تھے، اور جیسا کہ ترجمہ مقبول کے حاشیہ میں تفسیر فی سے نقل کیا گیا ہے کہ بزرگانِ دین کی وفات کے بعد ان کی جدائی کے رنج کی وجہ سے ہی دل بہلانے کے لیے زمانہ قدیم کے لوگوں نے پہلے ان کی تصاویر

اے جس طرح ادلیاء کی موت کے رنج و الم نے ان قوموں کو بُت پرستی میں مبتلا کیا تھا۔ اسی طرح مائیسوں کی بنیاد شہادتِ حسین کا رنج و الم ہی ہے۔ جو تعزیر اور دُعا الجناح پرستی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ❦

ہی بنائیں، اور پھر شیطان کے بہکانے سے آخر کار ان کے مجسمے بنا کر پوجنے لگے اور یہی بت پرستی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد (قریش مکہ) کے ہاں رواج پذیر ہو گئی۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد رحمتہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تین سوساٹھ بتوں کو توڑ پھوڑ کر خانہ کعبہ کو شرک پرستی سے پاک کر دیا۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی نبی اللہ یا ولی اللہ کے نام پر کسی تصویر یا مجسمہ کی عبادت و پوجا کی جائے تو وہ شرک و کفر ہی ہوتا ہے۔ اُتباع و اولیاء کی نسبت کی وجہ سے ان کی تعظیم جائز نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر تفریہ اور دُلّ دل (ذوالجناح) کے احترام و اکرام کا مسئلہ سمجھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب فرضی چیزیں ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت کرنے کے باوجود ان کی تعظیم حرام ہے۔ محبت حسین کے دعویٰ کی وجہ سے شرعاً ان کو جواز کی سند نہیں دی جاسکتی۔ قریش مکہ نے کیا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل فیج اللہ کی تصاویر اور حضرت یاسیل شہید اور اولیاء اللہ کے نام کے دوسرے مجسمے محبت کی بنا پر ہی نہیں بنائے ہوئے تھے؟ یقیناً ان کا منشاء بھی محبت ہی تھا لیکن یہ طریق محبت ناجائز تھا۔ جو شرعی اصول پر شرک قرار دیا گیا۔

فرمائیے! حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک کی جو شبیہ تفریہ کے نام سے بنائی جاتی ہے، کیا یہ اصلی قبر ہے یا مصنوعی؟ اور یہ تصویر بھی نہیں بلکہ مجسمہ ہے۔ ذوالجناح بھی فرضی ہے۔ اور یہ جو ذوالجناح کا احترام کیا جاتا ہے، کیا یہ حضرت حسینؑ کا اصلی گھوڑا ہے یا نقلی؟ ماتمیوں کے ہاں پہلے اس گھوڑے کو دُلّ دل کہا جاتا تھا، اور اب اس کا نام ذوالجناح مشہور ہو گیا ہے، اور یہ دونوں نام بھی فرضی ہیں۔ کیونکہ دُلّ دل کسی گھوڑے کا نام نہیں ہے بلکہ اُس خچر کا نام ہے جو حاکم اسکندریہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ چنانچہ ”مَجْمَعُ الْبَحَاثِ“ میں ہے: ”دُلّ دل اسْمُ بَقْلَتٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ۔ یعنی دُلّ دل حضور کے خچر کا نام ہے اور ”مُنْتَخَبُ اللَّغَاتِ“ میں ہے: ”دُلّ دل بضم ہر دو دال خاریشت بزرگ و نوعیت از جانور اں و نام استر سفید بسیار ہی باکل کہ حاکم اسکندریہ بحضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرستاد و امیر المومنین علی بن ابی طالب براں سواری شد (اور دُلّ دل دونوں دال کے پیش کے ساتھ، بڑے خچر کہتے ہیں اور

یہ جانوروں کی ایک قسم ہے اور سفید رنگ، سیاہی باکل اس خچر کا نام ہے جو حاکم اسکندریہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا، اور امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ اس پر سوار ہوا کرتے تھے) اور ذوالجناح کے متعلق خود شیعی علامہ مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اُس گھوڑے کا نام کیا تھا عام طور پر مشہور ذوالجناح ہے۔ مگر قریباً تمام قابل وثوق کتب سیر و مقاتل کی ورق گردانی کے بعد بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ اس کے رد میں بعض اہل تحقیق کے ارشادات ملے ہیں (مفسدات الدارین فی مقتل الحسین)۔“

تو تفریہ اور اُس کے متعلقات سب فرضی ہیں جو امام کر بلا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تربت کی بنیاد پر رائج ہیں اور سابقہ اُم کے مشرکین و بت پرستوں پر بھی قرآن مجید نے اس طور پر اتمام حجت کیا ہے کہ: ”إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَ آبَاءُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ (شورۃ النجم ۱۶) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی نے یہ کیا ہے: ”یہ تو نام ہی نام ہیں جو ان کے تم نے رکھ لیے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو اس کے بارے میں کوئی سند اتاری نہیں ہے“ (ترجمہ مقبول) (۲) قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم کے جواب میں قوم نے کہا: ”قَالُوا نَعْبُدُ اصْنَامًا فخلّٰ لہا غلغلین ۵ قَالَ کُلٌّ یَسْمَعُونَکُمْ اذ تدعون ۵ اَوْ یَنْفَعُونَکُمْ اَوْ یَضُرُّونَ قَالُوا بَلِ وَجَدْنَا الْاِبَاءَ نَا کَذٰلَکَ یَفْعَلُونَ ۵ (پ ۱۹۔ سورۃ الشعرا ۵۶) مولوی فرمان علی صاحب شیعی مفسر اس آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ: ”تم لوگ کس کی عبادت کرتے ہو۔ وہ بولے ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کے مجاور بن جاتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا مجھ! جب تم لوگ انہیں پکارتے ہو تو وہ تمہاری کچھ سفتے ہیں یا کچھ تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں کہنے لگے! (کہ یہ تو کچھ نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے پایا ہے“ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”ہمارے زمانہ اور ملک کے ہندو بھی ان ہی وجوہ سے مشرک اور کافر ہیں۔ اگرچہ ان کا زبانی دعویٰ یہ ہے کہ ہم ان بتوں کی پرستش نہیں کرتے۔ بلکہ جن کی یہ مورتیاں ہیں حالانکہ یہ محض غلط ہے کیونکہ وہ ان کو بنا نہ رکھتے ہیں، ان کو سلاتے ہیں، جگاتے ہیں، ان کے سلمے کھانا رکھتے ہیں، انہیں طرح طرح کے کپڑے پہناتے ہیں، ان کے سلمے ہاتھ جوڑتے اور سجدہ کرتے ہیں“

شیعہ مفسر مولوی فرمان علی صاحب نے ہندوؤں کے شرک کا جو نقشہ پیش کیا ہے، اور اس کی جو بنیائیں بتائی ہیں مصنف "فلاح الکونین" اپنے ہاں کے تعزیر اور ذوالجناح کے نقشہ سے اس کو ملا کر لکھیں اور قریش مکہ کی بت پرستی کی تصویر بھی سامنے رکھیں وہاں بھی تو اولیاء اللہ اور شہدائے کرام کے ناموں پر بت تھے لیکن تھے تو سب فرضی جن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ تو صرف نام ہیں جو تم نے مقرر کر لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اس پر کوئی دلیل نہیں آداری گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرضی چیزوں اور فرضی ناموں کی تعظیم و تکریم ہی بت پرستی کی روح ہے۔ پھر خواہ ان کی براہ راست عبادت کی جائے یا ان کی تعظیم کو اللہ کی رضا و قرب کا ذریعہ سمجھا جائے، دونوں شرک کے مظاہر ہی ہوں گے۔ چنانچہ شیعہ علامہ محمد صالح اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ بت پرستوں کو اسی بنا پر شرک قرار دیا گیا ہے کہ وہ خود اپنے اصنام کی عبادت کرتے تھے، اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے، وہ ہرگز ان کو حقیقی خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ تو ان بتوں کی عبادت کو باعث تقرب خدا قرار دیتے تھے۔ چنانچہ خلاق عالم نے ان کے اس نظریہ قاسدہ کی اس طرح ترجمانی فرمائی ہے:۔ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوا إِلَى اللَّهِ وُلُوفًا، إِنَّ اللَّهَ يَجْزِيهِمْ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (دپ ۲۳۔ سورۃ الزمر ۱۵۷)۔ اور جن لوگوں نے اس کے سوا اوروں کو اپنا کارساز بنا لیا ہے (وہ یہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کے نزدیک کر دیں۔ ضرور خدا تعالیٰ ان تمام باتوں کا جن میں وہ آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے، فیصلہ فرما دے گا۔ (احسن الفوائد ص ۱۸) کاش! شیعہ علماء و مجتہدین اپنے ماتمیوں کو تعزیر اور ذوالجناح کی تعظیم و پوجا سے سختی کے ساتھ روکتے اور ان کو شرک کی اس دلدل سے نکلانے کی کوشش کرتے۔ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی روافض کے اوام کے سلسلہ

تعزیر پرستی پر محدث دہلوی کا تبصرہ

میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔ کسی چیز کی صورت کو وہی چیز سمجھنا اور اس کا حکم دینا، اس و ہم نے بت پرستوں کی راہ بہت ماری ہے اور گمراہی میں ڈالا ہے، اور بچے کم عمر بھی اس و ہم میں بہت گرفتار ہوتے ہیں۔

گھوڑوں اور ہتھیار اور چیزوں کو جو کڑی، مٹی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں، کیسے ان سے خوش ہوتے ہیں، گویا سچ کی پانگے، اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گڑیوں کی شادی و نکاح کرتی ہیں اور کیسے خوش ہوتی ہیں اور شیعہوں میں یہ وہم بہت غلبہ کیے ہوئے ہے۔ حضرات اہلین (یعنی امام حسن و امام حسینؑ) اور حضرت امیر اور حضرت زہراؑ کی قبروں کی صورت بناتے ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ درحقیقت یہ قبریں مجمع النوا ان بزرگوں کی ہیں اور بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ بلکہ سجدوں کی نوبت پہنچتی ہے اور فاتحہ پڑھتے ہیں اور سلام و درود پہنچاتے ہیں اور اچھے اچھے چنور اور مورچیل منقش لے کر اس پاس ان کے کھڑے ہوتے ہیں مجاہدوں کی طرح اور حق شرک کا ادا کرتے ہیں۔ عقلمندوں کے نزدیک بچوں کی حرکت اور ان پر ناپا لگوں کی حرکت میں کچھ فرق نہیں ہے۔ (تحفہ اثناء عشریہ باب یازدہم)

۴۶۔ تولد و زنی تعزیر

شریعت مقدسہ میں اس بات کا کوئی وجود نہیں ہے کہ اصلی قبر کی صورت و شبیہ بنا کر اس کی تعظیم کی جائے،

یا اس کے ساتھ اصلی قبر کا معاملہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ شہدائے بدر و احد کی قبور کی شبیہیں بنا کر ان کی تعظیم نہیں کی گئی، اور نہ ہی ان کے ماتمی جلوس نکالے گئے۔ اگر اس کا کوئی جواز ہوتا، تو شیعہ خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اپنے ششماہی دور اقدار میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزار حیدر گراں کی شبیہ کے ضرور جلوس نکالتے، اور حضرت امام حسین اور شہدائے کربلا کی قبور کی شبیہیں بنا کر امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق اور دوسرے ائمہ اہل بیت نے بھی کبھی کوئی تعزیر نہیں نکالا۔ بلکہ ابن بابویہ قمی نے "مَنْ لَا يَحْفَظُ الْفَقِيه" میں یہ حدیث درج کی ہے:۔ قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ جَدَّدَ قَبْرًا أَوْ مَثَلَ مَثَلًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ:۔ امیر المومنین حضرت علی نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی قبر کو تباہ کیا یا اس نے کوئی مثال بنائی۔ تو وہ یقیناً اسلام سے خارج ہو گیا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے تو ائمہ اہل بیت کے ہاں تعزیر کیسے بنایا جاتا۔ بلکہ ۸۰۰ حج تک ہندوستان میں بھی اس تعزیر کا نام و نشان نہ ملتا، اور سب سے پہلا تعزیر جو ہمایوں بادشاہ کے دور میں ۹۶۲ھ میں بیرم خان کو بھیج کر

ہندوستان میں منگوا یا گیا، اس کا وزن ۶ سہ تو لے تھا۔ (بَعَاوَالِہُ التَّجْم لکھنؤ) اور پھر ماتمی جذبات کے تحت اس کے وزن میں اضافہ ہونا گیا، حتیٰ کہ تعزیر اپنی شکل و صورت اور وزن و مقدار میں اس حد تک پہنچ گیا جس کا مظاہرہ آجکل پاکستان میں ماتمی جلسوں کے اندر کیا جاتا ہے۔ اگر شیعہ علماء و مجتہدین اپنی احادیث صحیحہ کی روشنی میں ہی اس پر فکر کرتے رہتے تو یہاں تک ذہن نہ پہنچتی کہ انسان جو خالق کائنات کی بندگی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ محض بے جان مورتیوں یا لایققل جانوروں کی تعظیم و تکریم کرے اور بجائے خادم کے ان کو مخدوم بنا کر اپنے شرفِ انسانیت کو داغدار کرے۔

گس کو باغ میں جانے نہ دیجو! کہ ناحق خون پر دانے کا ہوگا!

ایک اور کم فہمی

رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں یہ سوال بھی تھا کہ :-
امام عالی مقام کو دعوت دینے والے بھی کوئی ہیں اور یزید کی حمایت میں شہید کرنے والے بھی کوئی ہیں۔ جو ماتم امام حسین نے ساری عمر نہیں کیا، اس کا ارتکاب حسنینیت کی حمایت ہے یا مخالفت؟ اس کے جواب الجواب میں مصنف ”فلاح الکونین“ نمبر کے تحت لکھتے ہیں :- ”واہ! کیا عقل کی بات ہے، کبھی کسی نے اپنی زندگی میں بھی ماتم کیا ہے جو حضرت امام حسینؑ ایسا کرتے!“ (فلاح الکونین)

الجواب

عقل کی بات تو کوئی عقل والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ میرے سوال کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر شہداء اور صالحین کا ماتم سنت و عبادت ہے، جیسا کہ آپ نے حضرت حمزہؓ وغیرہ کے واقعات سے استدلال کیا ہے (گو آپ کا یہ استدلال باطل ہے) تو پھر اس سنت و عبادت ماتم پر حضرت حسینؑ نے اپنی زندگی میں کیوں نہیں عمل کیا۔ حالانکہ شہدائے بدر و اُحد کے بعد شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؑ بھی ان سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت حسینؑ نے نہ شہدائے سابقین کا اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰؑ کا سال بسال ماتم منایا ہے۔ آپ تو اُردو عبارت کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ نماز، روزہ، تلاوت قرآن، نوافل وغیرہ اعمالِ صالحہ کی پیروی تو حضرت حسینؑ ساری زندگی میں کریں۔ لیکن یہ سنت ماتم آپ نے کبھی بھی ادا نہیں کی۔ جس پر آپ

اُمتِ محمدیہ سے عمل کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ کا یہ محبوب و مطلوب! ماتم رحمة للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سننِ مبارکہ میں کہیں موجود نہیں۔ یہ محض ماتمیوں کی تفریع ہے۔ !!!

یزید کی بیوی امام حسین کا ماتم کیا

(۲) میں نے ”اخبار ماتم“ کا حوالہ پیش کیا تھا کہ :- ”سب سے پہلے شہادتِ حسین کا ماتم یزید کے گھر میں یزید کی بیوی ہندہ نے بپا کیا تھا“ تو جواب الجواب میں آپ نے لکھا ہے کہ :- ”اخبار ماتم“ شیعوں کی کوئی مستند کتاب نہیں، لہذا اس کی روایت ہمارے لیے باعثِ حجت نہیں ہو سکتی اس کے برعکس سرکارِ ناصر الملّت علامہ سید ناصر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ ”ہدایاتِ ناصری“ میں فرماتے ہیں کہ ”بحاسن الاموال“ (کتاب علی علیہ الرحمۃ) میں منقول ہے! ہند زوجہ یزید عبد اللہ بن عامر بن کریر کی بیوی تھی اور یزید سے پہلے وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زوجیت میں تھی۔ اُس کا دربار یزید میں آنا تو روایات میں موجود ہے لیکن زندانِ شام میں آنا کسی معتبر روایت میں مذکور نہیں (ب) آسیہ زین فرعون مومنہ تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام، آسیہ اور فرعون کی گود میں پل کر جوان ہوئے۔ فرعون ہی کے گھر میں عبادتِ خدا کرتے رہے۔ اب نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ موسویت کیا ہے اور فرعونیت کیا ہے۔ (فلاح الکونین)

الجواب

(۱) یہ روایت صرف ”اخبار ماتم“ میں ہی نہیں آپ کی دوسری معتبر کتب میں بھی ہے۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی نے یہ روایت رُج کی ہے کہ :- ”جب مُخَدَّرَاتِ اہل بیت عصمت و طہارت اس کے محل میں داخل ہوئے عورات البرسفیان نے اپنے زیور اتار دیے اور لباسِ ماتم پہن کے آوازِ نوحہ و زاری بلند کی، اور تین روز ماتم رہا۔ ہند دختر عبد اللہ بن عامر کہ اس زمانے میں یزید کی زوجہ تھی اور پیشتر امام حسین کی مُتَد میں تھی، اس نے پردہ کا خیال نہ کیا اور گھر سے نکل کے مجلسِ یزید ملتون میں، جس وقت کہ جمع عام تھا آ کے کہا! اے یزید! تو نے سر مبارک امام حسینؑ پر فاطمہ زہراءؑ کا میرے دروازہ پر لٹکا دیا ہے۔“

یزید نے دور کے کپڑا اُس کے سر پر ڈال دیا اور کہا، گھر میں چلی جا اور گھر میں جا کر فرزندِ رسول خدا بزرگ قریش پر نوخیز زاری کر۔ ابن زیاد نے اُن کے بارہ میں جلدی کی۔ میں اُن کے قتل پر راضی نہ تھا موافقت فرماتے ہیں! یہ بات اُس ملعون نے اپنی زوجہ ہند کو سمجھانے کے لیے کہی تھی ورنہ قاتلِ امام حسین کا رہی ملعون تھا۔ (جلاء العیون اردو جلد دوم، مطبوعہ انصاف پریس لاہور)۔

مولوی محمد حسین صاحب شیعہ علامہ نے بھی تقریباً ۹ کتابوں کے حوالہ سے اس روایت کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مصنف کتاب ”مجاہد اعظم“ کے جواب میں لکھتے ہیں کہ :- یہ واقعہ قریباً قریباً مقتل کی تمام کُتُب معتبرہ وغیرہ معتبرہ میں موجود ہے۔ لہذا ”مجاہد اعظم“ کے فاضل مصنف کے صرف اس حدیث سے استدلال کی بنا پر اسے غلط نہیں قرار دیا جاسکتا۔۔۔ کسی کے قیاس میں آئے یا نہ آئے جب ایک واقعہ کُتُب معتبرہ میں موجود ہے اُسے اپنی قیاس آرائیوں کی بنا پر مسترد نہیں کیا جاسکتا۔۔۔ (سَعَادَتُ الدَّارِیْنِ فِي مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ) :-

فرمائیے! آپ کی کُتُب معتبرہ کی بنا پر یزید کی بیوی ہند کا ماتم حسین بپا کرنا ثابت ہوا یا نہ؟ بشرط تسلیم آپ نے ہند زوجہ یزید کے ماتم کی توجیہ یہ کی ہے کہ وہ دراصل مومنہ تھی چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ :- ”آسیہ زنِ فرعون مومنہ تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام! آسیہ اور فرعون کی گود میں پل کر جوان ہوئے الخ“ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک آسیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں لیکن سابقہ شرائع میں مومن عورت اور کافر مرد کا نکاح جائز تھا۔ لیکن شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتَّحِیَّہ میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب کسی مومن عورت کا کافر کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہمارا سوال یہ ہے کہ (۱) ہند نے حضرت حسینؑ کی زوجیت سے نکل کر یزید کی بیوی بننا کیوں قبول کیا؟ کیا اُس وقت یزید مومن تھا، اگر مومن نہیں تھا تو یہ نکاح ہی صحیح نہیں، چہرے کی کما حیات آپ مانیں گے؟ اور اگر پہلے مومن تھا اور حضرت حسینؑ کے قتل کے بعد وہ کافر ہوا تو پھر بھی ہند مومنہ اس کی بیوی نہیں رہ سکتی، اور دونوں کے تعلقات زوجیت حرام ہوں گے۔ تو کیا ایسی مومنہ پر آپ کو نافر ہے؟ ہاں ایک صورت آپ کے لیے نکل سکتی ہے یعنی آسیہ کو مومنہ تھی لیکن اذروئے تقیہ اپنا ایمان

مضفی رکھا اور یزید کی بیوی بن کر تقیہ کا ثواب لُٹتی رہی، اور ماتم کرنے کا ثواب جدا حاصل کیا۔ بہر حال یہ بات تو یقیناً ثابت ہو گئی کہ یزید کی بیوی نے یزید کے حکم سے ماتم بپا کیا تھا اور مولوی محمد حسین صاحب موصوف ہند کو مومنہ نہیں تسلیم کرتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :- ”اگر ہند فی الواقع اس قدر مومنہ ہوتی تو خاندانِ نبوت کے ساتھ تعلقات قطع کر کے یزید لعین جیسے زانی و خمار اور عدوِ اہل بیت اطہار کے ساتھ عقد نہ کرتی“ (سَعَادَتُ الدَّارِیْنِ) :-

یزید بھی ماتمی ہے

نہ صرف ہند نے بلکہ خود یزید نے بھی ماتم کیا تھا، چنانچہ جناب سکینہ کے مذکورہ خواب کے سلسلہ میں (کہ جس پر پہلے مقتل بحث ہو چکی ہے) یہ لکھا ہے کہ :- ”جب یزید نے یہ خواب سنا اپنے منہ پر طمانچے مار کر رونے لگا اور کہا مجھے قتل حسین سے کیا مطلب تھا۔ بروایت دیگر اس خواب کو سچ نہ جانا اور اٹھ کر چلا گیا“ (جلاء العیون جلد دوم) آپ کی معتبر کتابوں سے ہی ثابت ہو گیا کہ یزید کی بیوی اور خود یزید نے بھی امام حسین کا ماتم کیا تھا۔ لہذا جس ماتم کے اثبات میں آپ زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں، یہ یزید اور اس کی بیوی کی سنت ہے۔ مبارک ہو! ع۔

قاتل بھی ہیں مستول کا ماتم کیا کرتے

مسئلہ زیارتِ قبور

(بحثِ دلیل نمبر ۱۵) :- ماتمی ٹریکٹ میں لکھا۔

تھا کہ :- فریقین کی معتبر روایتوں میں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ، جابر بن عبد اللہ اور انس وغیرہ سے منقول ہے کہ جناب رسالتِ اکرام نے فرمایا جو شخص کر بلا میں امام حسین کی زیارت کرے دراصل لیکہ اُن کے حق کو پہنچاتا ہو تو اس پر بہشت واجب ہو جاتی ہے“ اس کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ (۱) فریقین یعنی سُنی و شیعہ کی کتابوں کا حوالہ نہیں لکھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ روایت کیسی ہے؟ (۲) امام حسینؑ کے مزار کی زیارت کرنے سے ماتم کا عبادت ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟ (۳) جو شخص امام حسین کے صبر اور نماز کی پیروی نہیں کرتا اور سنت کا تارک ہے اور بدعات کا مرتکب، وہ امام حسین کا حق پہنچانے والوں میں شامل ہی نہیں ہو سکتا۔

دھم ماتم کیوں نہیں کرتے)۔ اس کے جواب الجواب میں آپ نے لکھا ہے کہ: ”آپ نے اس روایت کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے کتب فریقین سے حوالہ طلب کیا ہے۔ اگر سنی سے آپ کی مراد دیوبندی ہیں تو پھر ایسا کرنا جوئے شیر لانہ ہے۔ کیونکہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید جو آپ کے بزرگ علماء میں سے ہیں، اپنی کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں لکھتے ہیں: جو کوئی کسی پیرو پیغمبر یا جھوٹ، پری کو یا کسی سچی قبر کو یا جھوٹی قبر کو یا کسی کے ستمان کو، یا کسی کے چکر کو یا کسی کے مکان کو، یا کسی تبرک یا نشان کو یا تابوت کو سجدہ کرے، یا رکوع کرے یا اُس کے نام کا روز رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوئے یا جانور چڑھائے، یا ایسے مکان میں دُور دُور قصد کر کے یاد مان لٹنی کرے، خلاف ڈالے یا چادر چڑھاوے، یا رخصت ہوتے وقت اُٹے پاؤں چلے، ان کی قبروں کو بوسہ دے، اس پر شامیانہ کھڑا کرے، چوکھٹ کو بوسہ دیوے، ہاتھ باندھ کر التجا کرے، مراد مانگے، مجاہدین کو بیٹھ رہے، وہاں کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرے اور اسی قسم کی باتیں کرے تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے“ (تقویۃ الایمان) :

شاہ صاحب کے اس فتویٰ میں قبر رسول کو بھی مُسْتَشْنٰی نہیں کیا گیا۔ جہاں قبر نبی اکرم کی زیارت کرنا، دعا مانگنا، بوسہ دینا شرک ہو وہاں حضرت امام حسین کے زیارات کے اس قدر ثواب کہ قبر حسین کی زیارت کرنے سے جنت ملتی ہے“ کے متعلق تلاش کرنے لے سو رہے۔ مدینہ منورہ اجنت البقیع میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاروں پر سے قبے گرائے گئے، قبریں مسمار کر دی گئیں حضرت عثمان کا قبہ گر کر قبر صاف کر دی گئی۔ کیا اب بھی آپ کو شک ہے کہ آپ کے یہاں سے قبور کی زیارت کے ثواب کے متعلق آپ کے پیش کرنے کے لیے کچھ مل جائے گا، اور اگر سنی سے مراد بریلوی ہیں تو ان کا عمل شاہد ہے کہ وہ انبیاء و اصفیاء اور اولیاء کی قبروں کی زیارت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔ آپ کے خیال میں تو کسی سچی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز نہیں، ناجائز ہی نہیں بلکہ شرک ہے۔ لیکن بریلوی حضرات تو نقلی قبروں کو بھی بوسہ دینا درست جانتے ہیں۔ امام شعبی کی کتاب کفایہ میں ہے:۔۔ ان رجلا من الاصحاب جاء الى النبي فقال يا رسول الله اني حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة والحوار المعين فامر النبي صلى الله

عليه وسلم ان يقبل رجل الام وجبهة الاب وروى عنه قال يا رسول الله ان لم يكن ابوان فقال فقبل قبرهما فقال ان لم يعلم فتبرهما قال خط خطين فاحدهما فبر الام والاخر فبر الاب فقبلها ولا تحت في يمينك :- (ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی، میں نے قسم کھائی ہے کہ جنت کے دروازے کی چوکھٹ اور حورین کو بوسہ دوں گا۔ رسول اللہ نے حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی کو چومو۔ مروی ہے کہ صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! صلعم اگر ماں باپ نہ ہوں، تو ارشاد فرمایا ان کی قبروں کو بوسہ دو۔ صحابی نے عرض کی! اگر قبریں بھی نہ ہوں تو فرمایا، دو نشان بناؤ ایک کو ماں کی قبر اور دوسرے کو باپ کی قبر فرض کرو، دونوں کو چومو اور قسم میں جھوٹے نہ بنو۔

یہ روایت کنز العباد فی شرح الاورد، خزائن الروایات، مطالب المؤمنین اور فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس مسلک میں نقلی قبروں کو بوسہ دینا جائز، اور باعثِ ثواب ہے۔ اُن کے نزدیک نواسہ رسول حضرت امام حسین کی زیارت کرنا، بوسہ دینا بڑے اُولى ثواب کا باعث ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں اہل سنت کو بلائے معنی اور نجف اشرف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں“ (فلاح الکونین)

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید پر اعتراض کا جواب (۱) آپ نے جو جوابات پیش کئے ہیں ان کا تعلق

زیارتِ قبور سے ہے، نہ کہ ماتم سے۔ جب ماتم مردِ جہ کی بحث میں عاجز اور لا جواب ہو گئے تو زیارتِ قبور کا مسئلہ چھیڑ دیا، اور اس ضمن میں دیوبندی اور بریلوی اختلاف کی بحث چھیڑ دی۔ لیکن اس میں بھی آپ کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جس طرح آپ کے ماتم کی حرمت پر تمام اہل سنت متفق ہیں۔ دیوبندی علماء ہوں یا بریلوی اسی طرح دونوں مکتب فکر کے محققین علماء کے نزدیک قبروں کو سجدہ کرنا حرام ہے جیسا کہ آئندہ عبارات سے ثابت کیا جائے گا اور حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید بھی زیارتِ قبور کے قائل ہیں۔ البتہ قبور و مزارات پر اُمور شرک و بدعت سے منع فرماتے ہیں اور ”تقویۃ الایمان“ کی جو عبارات

آپ نے پیش کی ہے اس میں بھی نفس زیارت قبور کا انکار نہیں۔ بلکہ قبور اولیاء پر شرک و بدعت کے افعال سے روکنا مقصود ہے۔ چنانچہ آپ کی پیش کردہ عبارت سے پہلے مسئلہ شرک پر بحث کرتے ہوئے مولانا شہیدؒ نے یہ لکھا ہے کہ :- تیسری بات یہ ہے کہ بعضے کام تعظیم کے اللہ نے اپنے لیے خاص کیے ہیں کہ اُن کو عبادت کہتے ہیں۔ جیسے سجدہ اور رکوع اور ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونا اور اس کے نام پر مال خرچ کرنا اور اس کے نام کا روزہ رکھنا، اور اُس کے گھر کی طرف دُور دُور سے قصد کر کے سفر کرنا اور ایسی صورت بنا کر چلنا کہ ہر کوئی جان لیوے کہ یہ لوگ اُس گھر کی زیارت کو جاتے ہیں، اور رستے میں اس مالک کا نام پکارنا اور نام مقول باتیں کرنے سے اور شکار سے بچنا اور اسی قید سے جا کر طواف کرنا۔ اور آپ کی پیش کردہ عبارت کے بعد یہ الفاظ ہیں :- اس کو اشتراک فی العبادت کہتے ہیں، یعنی اللہ کی سی تعظیم کسی چیز کی کرنی۔ پھر خواہ یوں سمجھ کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں، یا یوں سمجھ کہ ان کی اس طرح کی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے، اور اس تعظیم کی برکت سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔“ (تقویۃ الایمان، مطبع احمدی واقع کشمیری بازار لاہور)

مندرجہ بالا عبارت کے خط کشیدہ الفاظ ”یعنی اللہ کی سی تعظیم کسی کی کرنی“ سے حضرت مولانا شہید کا مقصد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک کسی مخلوق کی اللہ کی سی تعظیم کرنی اور کسی مقام و مزار کی بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی سی تعظیم کرنی جائز ہے؟ اگر اللہ کی سی تعظیم شرک نہیں تو پھر شرک کس کا نام ہے؟ آپ نے یا تو اپنی روایتی جہالت کی بنا پر ان الفاظ کا مطلب نہیں سمجھا، یا علمی خیانت کر کے ثواب حاصل کر لیا۔ (ج) مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف نفس زیارت بلکہ قبور اولیاء سے روحانی استغاضہ کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اس میں جو مفاسد ہیں اُن پر نگہ فرماتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :- ”صاحب باطن لوگوں کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف سفر کرنے سے کسی قدر فائدہ ہوتا ہے۔ مگر عام مومنوں کو اس سے اس قدر بھاری نقصان پہنچتا ہے کہ نقصان سے باہر ہے۔“ (صراطِ مستقیم) نیز لکھتے ہیں کہ :- ”چونکہ ارواح کے آثار کا فائدہ ہونا پوشیدہ امر ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ شیطان ان کی آواز یا صورت کی نقل کر کے خلاف شرع کام کا حکم کرے۔“ (ایضاً ص ۵۵) اور جب مولانا شہیدؒ موصوف بشرطِ علیائیت اولیاء اللہ کے مزارات سے روحانی

فیض حاصل ہونے کے قائل ہیں تو آپ کا اُن پر یہ ایک بہتان ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی زیارت کے قائل نہیں۔

کمالاتِ انبیاء علیہم السلام

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کمالاتِ انبیاء پر تفصیلی بحث کی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں لکھتے کہ :- ”واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کو خدائے رحمن کے حضور میں تمام انسانوں کی نسبت ایک قسم کا امتیاز ثابت ہے۔ کیونکہ وہ عنایات خداوند ذوالجلال کے منظورِ نظر ہیں، اور الطافِ ربانی سے ہر وقت مسرور و خوشحال اور بے حد انعاماتِ الہیہ سے ممتاز ہیں۔ محبوبیت کے چمن کے یاسمین اور مقبولیت کی انجن کے تخت نشین ہیں۔۔۔۔۔۔ اُن کی ہمت اور اولوالعزمی بند دروازوں کی کنجی اور اُن کی دعا بیشک مستجاب ہے۔ اُن سے محبت رکھنے والا، اللہ رب العزت کی بارگاہِ کا محبوب اور اُن سے بغض رکھنے والا اللہ کا متوب۔ اُن کی محبت درجات کی بلندی کا باعث اور اُن کا توکل وسیلہ نجات ہے، اُن کی پیروی باعث حصول عطیات اور اُن کا اتباع دافعِ بلیات ہے۔ غیبی فیوض کا منبع اور اسرارِ قدس کے خزانے ہیں۔ اُن کا وسیلہ پکڑنے والے کی ادنیٰ کوشش بدرجہ غایت مشکور اور ان کے فرمانبرداروں کا کبیرہ گناہ بہت جلد قابلِ عفو ہے۔۔۔۔۔۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اُنہی کا توسل شاہراہ ہے اور سالکانِ طریقت کے لیے اُن کی اتباع سے منازل طے کرنا نہایت آسان اور اُن کے توسل کے سوا صرف ہرزہ گری اور بے سرو سامانی ہے۔ پس وجاہت سے یہی مراد ہے جو مذکور ہوئی۔“ (منصبِ امامت) (ج) اولیاء اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ :- ”واضح ہو کہ کتاب و سنت کے براہین اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا کمالات سے انبیاء کے علاوہ دیگر مقبولانِ خدا کو بھی حصہ ملتا ہے۔“ (ایضاً منصبِ امامت) (ح) مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید اپنی تالیف ”صراطِ مستقیم“ میں شہدائے کرام کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :- ”اگر اس طرف نظر کی جائے کہ چند روز کی یہ ظاہری مصیبت اور تکلیف حضرت سید الشہداء اور باقی شہدائے کرام اور اس مشہد مقدس کے حاضرین کے مرتبے کی کمال بلندی کا باعث ہوئی ہے۔ پھر ہرگز غم و اندوہ کا مقام نہیں بلکہ خوشی اور فرحت کی جگہ ہے، اور جو لوگ اپنے زعمِ باطل

غوث الاعظم کا فتویٰ

محبوب سبحانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

اذا زار قبراً لم یُصنع سیدہ علیہ ولا یقبلہ فانہ عادة الیہود :- (غنیۃ الطالبین) :- ”جب کسی قبر کی زیارت کرے تو اس پر اپنا ہاتھ نہ رکھے، اور اس کو بوسہ نہ دے کیونکہ یہ یہودیوں کی عادت ہے“

ولا یمسح القبر ولا یمسح ولا یقبلہ فان ذلك

من عادة النصارى - (احیاء العلوم جلد ۲ ص ۴۸) :-

امام غزالی کا فتویٰ

(اور نہ ہاتھ لگائے قبر کو اور نہ اس کو چھوئے، اور نہ اس کو بوسہ دے کیونکہ یہ نصاری کی عادت ہے

حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں :- دو بوسہ دادن

قبر اور سجدہ کردن آن را در کلمہ نہادن حرام و ممنوع است و در بوسہ دادن قبر والدین روایت فقہی نقل می کنند، و صحیح آنست کہ لایجوز است - (مدارج النبوة فارسی جلد دوم) ترجمہ :- ”اور قبر کو

بوسہ دینا اور اسے سجدہ کرنا اور پیشانی رکھنا حرام اور ممنوع ہے، اور والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں فقہی روایت نقل کرتے ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے“ - (مدارج النبوة جلد دوم مترجم ص ۲۷)

اس میں عالمگیری کی مندرجہ عبارت میں والدین کی قبر کو بوسہ دینے کا بھی جواب آگیا کہ جائز نہیں ہے فرمائیے ! اصحاب فتاویٰ عالمگیری، حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، اور شیخ

عبدالحق صاحب محدث دہلوی بھی اہل سنت کے بزرگوں میں سے ہیں یا نہیں جو قبروں کو بوسہ دینے کو حرام اور یہود و نصاری کی عادت قرار دے رہے ہیں۔ تو اگر انہی اکابر اہل سنت کی تحقیق کے مطابق حضرت

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید نے قبر کو بوسہ دینا حرام لکھ دیا تو اہل سنت کی تائید کی یا مخالفت؟

آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ :- آپ کے خیال میں تو کسی سچی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز نہیں بلکہ شرک ہے لیکن بریلوی حضرات تو نقلی قبروں کو بھی بوسہ دینا درست جانتے ہیں۔ امام شعبی کی کتاب کفایہ میں

مولانا احمد رضا صاحب کا فتویٰ

آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ :- آپ کے خیال میں تو کسی سچی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز نہیں بلکہ شرک ہے لیکن بریلوی حضرات تو نقلی قبروں کو بھی بوسہ دینا درست جانتے ہیں۔ امام شعبی کی کتاب کفایہ میں

ہے انہیں کس قدر آپ نے تمسب سے کام لیا ہے۔ دیوبندی اور بریلوی کی نسبت تو اس صدی میں دیوبند اور بریلی کے دو دینی مدارس کی بنا پر مشہور ہو گئی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے بریلوی اور دیوبندی

نسبتیں کہاں تھیں اور کیونکر ہو سکتی تھیں؟ کیا امام شعبی پہلے حنفی علماء و فقہاء بھی بریلوی تھے؟ رہائشی عوام کا عمل تو خواہ وہ بریلوی علماء کے معتقد ہوں یا دیوبندی علماء کے شرعاً کوئی حجت نہیں ہے کہ اگر

کوئی سنی جاہل کسی قبر کو بوسہ دیدے یا سجدہ کرے تو آپ اس کو سنی مذہب قرار دیدیں۔ اگر آپ کو تحقیق مطلوب ہوتی تو بریلوی اکابر علماء کی تصانیف اور فتاویٰ دیکھ کر زیر بحث مسئلہ میں کوئی حکم لگاتے۔ بریلوی

مکتب فکر کے امام و پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی تو تحریر فرما رہے ہیں کہ :- ”بلاشبہ غیر مکلفہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ بھاری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر میں علماء کو اختلاف

ہے اور احوط منع ہے۔ خصوصاً مزارت طیبہ اولیائے کرام کے متعلق ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو سنی مذہب ہے۔ پھر تقبیل بیونہ متصور ہے یہ وہ ہے جس کا فتویٰ عوام کو

دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے“ (احکام شریعت حصہ سوم ص ۵۸) اور احوط منع ہے کا مطلب ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ قبر کو بوسہ دینا ممنوع اور ناجائز قرار دیا جائے۔

مولانا امجد علی صاحب فتویٰ بریلوی کا فتویٰ تبرک بوسہ دنیا بعض علماء نے بار بار کہا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ منع ہے

”اشعۃ اللمعات“ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اور قبر کا طواف تعظیمی منع ہے۔ اور اگر برکت لینے کے لیے گرد مزار پھرتا تو حرج نہیں مگر عوام منع کئے جائیں بلکہ عوام کے سامنے کیا بھی نہ جائے کہ کچھ کا کچھ سمجھیں

(بہار شریعت حصہ چہارم، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

روضہ مقدسہ کی جالی کو بھی بوسہ نہ دے

مولانا امجد علی صاحب بریلوی موصوف رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی زیارت کے متعلق لکھتے ہیں کہ :- ”خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔“ (بہار شریعت حصہ ششم)

عورتوں کیلئے زیارتِ قبور منع ہے

مولانا امجد علی صاحب بریلوی موصوف فرماتے ہیں کہ :- ”اسلم یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً

منع کی جائیں کہ انہوں کی قبور کی زیارت میں تو وہی جہزِ فزع ہے اور صالحین کی قبور پر یا تعظیم میں حد سے گذر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ - (دبہامِ شریعت حصہ چہارم ص ۱۶) اور کتاب ”لبہامِ شریعت“ حصہ چہارم پتھر ۱۶ میں حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے لکھا ہے کہ :- الحمد للہ مسائلِ صحیحہ رحیمہ حقیقہ منقحہ پر مشتمل پایا۔ آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی۔“

بزرگوں کی تصاویر ناجائز ہیں

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ :- بزرگانِ دین کی تصاویر بطور تبرک لینا کیسا ہے؟ تو ارشاد فرمایا :- ”کعبہ معظمہ میں حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل و حضرت مریم کی تصاویر ہی تھیں کہ یہ تبرک ہیں ناجائز فعل تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک سے انہیں دھویا۔“ (ملفوظات حصہ دوم ص ۸)۔ فرمائیے! بریلوی علماء کے مقتدار تو فتویٰ دے رہے ہیں کہ قبروں کو بوسہ دینا ناجائز ہے۔ اُن کو سجدہ کرنا اور اُن کا طواف کرنا حرام ہے، حتیٰ کہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی جالی کو بھی بوسہ نہ دے، اور بزرگانِ دین کی تصاویر بھی بطور تبرک رکھنا ناجائز ہے، اور آپ انہی بریلوی علماء پر بہتان تراشی کر رہے ہیں کہ اُن کے نزدیک فرضی اور مصنوعی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر آپ ایسا نہ کہتے تو فقیہ کا ثواب کیسے حاصل کرتے؟

حضرت پیر صاحب گولڑوی کا فتویٰ

حضرت پیر صاحب گولڑوی کے متعلق لکھا ہے کہ ”شخصے عرض داشت کہ مالیدن رُخسارہ و سجدہ در پیش مزاراتِ مُتبرکہ طوافِ حوالیٰ المِشال جائز است یا نہ؟ فرمودند کہ ظاہرِ شرع مجیز اہلِ مؤنسیت و ماہِ چہ طور فتویٰ دہیم، دہم باز آں شخص عرض کرد کہ شنیدم کہ از خواجہ شمس الدین سیالوی اجازتِ در ملفوظاتِ المِشال ثابت شدہ است۔ فرمودند! کہ حضرت المِشال پیر و مرشد ما بودند ما نہ حالِ شمس سیال بہ

نسبتِ شہامردان زیادہ واقف ہستیم، و باید دانست کہ ہر چہ حق تعالیٰ فرمودہ است و رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمودہ از براے ما شرع است بروے اعتقادِ محکم باید داشت (ملفوظاتِ طیبہ ص ۱۳ مطبوعہ ۱۳۔ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ) :- (ایک آدمی نے عرض کیا کہ مزاراتِ متبرکہ پر چہرہ ملنا اور اُن کو سجدہ کرنا، اور اُن کے گرد طواف کرنا جائز ہے یا نہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ ظاہرِ شریعت اِن اُمور کی اجازت نہیں دیتی۔ ہم کیونکر ان کے جواز کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ پھر اُس شخص نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی کے ملفوظات میں ان کی اجازت ثابت ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت سیالوی میرے پیر و مرشد تھے، اُن کا حال بہ نسبت تم لوگوں کے میں زیادہ جانتا ہوں، اور جانتا چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارے لیے وہی شریعت ہے۔ اس پر مضبوط اعتقاد رکھنا چاہیے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ

حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :- ”پرستش سے مراد یہ ہے کہ کسی کو سجدہ کرے یا کسی چیز کی عبادت کی نیت سے اس چیز کا طواف کرے، یا بطریقِ تقرب کے کسی کے نام کا وظیفہ کرے، یا اُس کے نام سے کوئی جائز ذبح کرے، یا اپنے کو کسی کا بندہ کہے اور جو جاہلِ مسلمان اہلِ قبور کے ساتھ ایسا کوئی امر کرے مثلاً اہلِ قبور کا سجدہ کرے تو وہ۔ فی الفور کافر ہو جائے اور اسلام سے خارج ہو جائے گا۔“ (فتاویٰ عزیزیہ مکتوب) نیز فرماتے ہیں :- جو چیزیں خالص اللہ کی قدرت میں ہیں مثلاً نر کا دینا، پانی برسانا یا بیماریوں کو دفع کرنا، یا عمر زیادہ کرنا، ایسی اور چیزیں جو خاص اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں۔ ایسی چیزوں کے لیے کسی مخلوق سے کوئی شخص التجا کرے، اور اُس شخص کی نیت یہ نہ ہو کہ وہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہدایہ مطلب حاصل ہو تو یہ حرام مطلق ہے بلکہ گنہگار ہے، اور اگر کوئی مسلمان اولیاء اللہ سے اُس ناجائز طور سے مدد چاہے یعنی ان کو قادرِ مطلق سمجھے خواہ وہ اولیاء اللہ زندہ ہوں یا وفات پائے ہوں تو وہ مسلمان سلام سے خارج ہو جائے گا۔“ (ایضاً فتاویٰ عزیزیہ) سجدہ تعظیمی، بوسہ قبر اور طوافِ قبر کے ناجائز اور حرام ہونے کے متعلق بطور نمونہ علماء و بزرگانِ اہلِ سنت کے اقوال درج کئے گئے ہیں۔ ورنہ اگر محققینِ اہلِ سنت اور فقہائے ائمہ حاشیہ اعلیٰ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

حنفیہ کی کتابوں سے عبارتیں جمع کی جائیں تو ایک کتاب بن سکتی ہے، اور اکابر علمائے دیوبند کے اقوال بھی ان اُمور مذکورہ کی حرمت میں بخوف طوالت درج نہیں کئے۔ البتہ آپ نے جو نادائق قارئین کو اس اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی ہے کہ علمائے دیوبند زیارت قبور اولیاءِ حق کی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی زیارت کے بھی قائل نہیں۔ اس کے ازالہ کے لیے چند خواجرات درج ذیل ہیں:

دُعائیں انبیاء و اولیاء کا تو سُل جائز ہے

ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:- ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے

نزدیک دعاؤں میں انبیاء و صلحاء و اولیاء و صدیقین کا تو سُل جائز ہے، اُن کی حیات میں یا بعد وفات۔ بایں طور کہ کہے یا اللہ! میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برآ رہی ہو۔ اسی جیسے اور کلمات کے الخ (ترجمہ المہند علی المہند مؤلفہ مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنوی)

فرماتے ہیں:- ہمارے نزدیک ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبرِ پیغمبر

زیارت روضہ مقدسہ کیلئے سفر جائز ہے

دہماری جان آپ پر قربان، اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب، اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے، گوشتِ رجال اور بذل جان و مال سے نصیب ہو اور سفر کے وقت آپ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہ بے متبرکہ کی بھی نیت کرے! بلکہ بہتر یہ ہے جو علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں

تحت المین ص ۱۷:- قبل ازیں شرک کی بحث میں مذہبِ شیعہ کی اصح الکتاب فردح کافی کے حوالہ سے حضرت امام رضا کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:- ”قبر کو اور اُس کے اجزاء چونہ وغیرہ کو سجدہ نہ کرو“ لہذا اہل تشیع اور اہل سنت دونوں کی کتابوں سے ثابت ہو گیا کہ قبر کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ لیکن اس کے باوجود مصنف ”فلاح الکونین“ کی عبارت دیکھئے کہ نادائق قارئین کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید اور دیوبندی علماء ہی اس کے مخالف ہیں۔ ورنہ بریلوی علماء کے نزدیک تو مسجد نبوی قبر کو پسہ دینا بھی جائز ہے۔ کیا بریلوی علماء پر ہمتانِ عظیم نہیں ہے؟

حاضر ہوگا تو مسجد نبوی کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی۔ اس صورت میں جناب رسالتِ مآبہ وسلم کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضرت کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری کمیری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا ایسا ہی عارف ملا جامی سے منقول ہے کہ انہوں نے زیارت کے لیے حج سے علیحدہ سفر کیا اور عشاق سے زیادہ ملتا ہے الخ (ترجمہ المہند علی المہند)

حیات النبی کا عقیدہ

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں کہ:- ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے۔ بلا تکلف ہو حیات مخصوص ہے آنحضرتؐ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ۔ برزخی نہ حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو الخ (ایضاً ترجمہ المہند)

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا عقیدہ

دیوبندی بزرگوں کے شیخ مولانا رشید احمد صاحب رحمہ

ہیں کہ:- ”اب جان لے کہ زیارت روضہ مطہرہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام افضل بلکہ بعض نے قریب واجب کے لکھا ہے اور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی قبر کرے، اُس کے واسطے میری شفاعت واجب ہو گئی اور فرمایا ہے کہ جو کوئی میری زیارت کو آوے آئے میں اس کو محض زیارت ہی مقصود ہو اور کوئی حاجت نہ ہو تو مجھ پر حق ہو گیا کہ میں اس کا قیام (زیارت المناک) اور زیارت روضہ مقدسہ کے آداب میں مولانا گنگوہی موصوف لکھتے ہیں کہ پاس حاضر ہو اور سر ہانے کی دیوار کے کونہ میں ہوسٹون ہے، اُس سے تین چار ہاتھ کے فاصلہ سے قبلہ کی طرف کرے کچھ بائیں طرف مائل ہو کر تاجہ شریف کے خوب جوابہ ہووے اور باادب تمام کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو۔ اور دیوار کو ہاتھ نہ لگاوے کہ محلِ آدب و ہیبت ہے اور حضرت وسلم کو محلِ شریف میں قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے، لیٹے ہوئے تصور کرے اور کہے:- السلام

رسول اللہ - السلام علیہ یا خیر خلق اللہ السلام علیہ یا حبیب اللہ - السلام علیہ یا سید ولد آدم - السلام علیہ ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الخ

اس کے بعد فرماتے ہیں :- اور پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت چاہے اور کہے - یا رسول اللہ اسألك الشفاعة وتوسل بك الى الله في ان اموت مُشْبِلًا عَلٰی مَلَتِكَ وَسُتْنِكَ - اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی شفاعت کا طلبگار ہوں اور آپ کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میں آپ کی ملت اور آپ کی سنت پر مسلمان ہونے کی حالت میں مروں اور ان الفاظ میں جس قدر چاہے زیادہ کرے، مگر ادب اور بجز کے کلمات ہوں لیکن سلف یہاں الفاظ مختصر کرنے کو جہاں تک اختصار ہو مستحسن رکھتے ہیں، اور بہت کچھ کرنا بوسے بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے نرمی عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو عرض کرے الخ (زبدۃ المناسک) -

مصنف "فلاح الکوسین" کو چاہئے کہ علم و دیانت کی روشنی میں "المہند" کی مندرجہ عبارت اور حضرت مولانا لنگوہی کے الفاظ کو پڑھیں اور سمجھیں، اور اللہ تعالیٰ کے خوف کے تحت ان علمائے دیوبند پر اپنے بہتان سے رجوع کریں۔ لیکن جو لوگ خلفائے راشدین اور اصحاب و ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے، وہ ان علماء کے متعلق کیا دیانت اختیار کریں گے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہدایت نصیب فرمائیں۔ آمین

شرح جامی کی عبارت کا مطلب

پہلے تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ) "مندوب جس کا ندبہ کیا جاتا ہے کُنت میں اُس مرحوم یا مقتول کو کہتے ہیں جس پر کوئی اس غرض سے ماتم کرے کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اُس کی موت امر عظیم ہے تاکہ لوگ اس کو معذور سمجھیں بلکہ شریکِ غم ہو جائیں" یہ ہے اصل تفریقِ ندبہ۔ ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کے غم میں روتے پیتے، ماتمی جلوس نکال کر بازاروں اور گلی کو چوں میں صرف اس لیے پھراتے ہیں کہ لوگوں کو اس امر عظیم کی عظمت کا پتہ چل جائے۔ ص ۵۵

الجواب

(۱) آپ نے ترجمہ میں بھی خیانت کی ہے چنانچہ شرح جامی کی عربی عبارت یہ ہے :- والمندوب فی اللغة مَبْتُئٌ یبکی علیہ احدٌ ولیدعہ معاسنہ لیلعل الناس ان موتہ امرٌ عظیم لیلعذروا فی البكاء ویشامروا فی التفتیح الخ :- (اور مندوب لغت میں وہ میت ہے جس پر کوئی آدمی روتا ہے اور اُس کی خوبیاں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ یہ جانیں کہ اس کی موت ایک عظیم امر ہے تاکہ وہ اس کو رونے میں معذور سمجھیں اور اس دُکھ میں وہ اس کے شریک ہو جائیں۔) عربی عبارت میں لفظ میت کا تھا جس کا معنی ہے مرنے والا۔ لیکن آپ نے اس کا ترجمہ مرحوم یا مقتول لکھا فرمائیے! یہ مرحوم اور مقتول کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ آپ نے مقتول کا لفظ اس لیے لکھا ہے تاکہ شہداء کو اس میں داخل کر سکیں اور کوئی یہ نہ کہے کہ میت تو مُردہ کو کہتے ہیں۔ جس کو یہاں مندوب کہا گیا ہے اور حضرت امام حسینؑ کو جو شہید ہونے کے زندہ ہیں پھر ان پر مندوب کی تعریف تو صادق نہیں آئے گی اور آپ کا ندبہ سارا ختم ہو جائے گا۔ کیا یہ علمی بردیانتی نہیں؟ اور آپ نے حضرت حمزہ شہید کے تذکرہ میں مولانا شبلی نعمانی کے ان الفاظ کا کہ :- "مردوں پر نوحہ جائز نہیں" یہی جواب دیا تھا کہ یہاں مُردوں پر نوحہ کرنے کی مخالفت ہے اور شہید زندہ ہیں نہ کہ مُردہ، تو یہی اعتراض اگر آپ پر مندوب کی مذکورہ تعریف کے تحت کیا جائے تو آپ کا سارا استدلال ہبائے سننوما ہو جائے گا۔ جس پر آپ ماتمی کی عمارت کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔ (ب) عربی عبارت میں صرف بُکاء کا لفظ ہے جس کا معنی صرف رونا ہے یعنی آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا۔ لیکن آپ نے اس کا ترجمہ ماتم سے کیا ہے اور یہ آپ کی دوسری علمی خیانت ہے۔ کیونکہ ماتم سے آپ کی مراد تو مُنہ پٹینا اور سینہ کو بی وغیرہ ہوتا ہے۔ صرف رونا تو ذریعہ بحث ہی نہیں۔ (ج) شرح جامی میں تو صرف لفظ مندوب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کی گئی ہے، اور اس بحث میں یہ لکھا ہے کہ حرفِ نذر علیہ یا داؤ کا استعمال کیسے ہوتا ہے۔ اس سے یہ شرعی حکم تو نہیں ثابت ہو جاتا کہ ہم بھی میت کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کریں۔ ہاں اگر آپ قرآن یا حدیث سے ندبہ کا لفظ پیش کرتے تو پھر اُس کے لغوی معنی سے آپ استدلال کر سکتے تھے۔ ورنہ محض اہل عرب کے تعامل سے تو شریعت کا حکم ثابت نہیں ہو جاتا۔ مثلاً قریش کی نمازیں اور تالیاں بجانا تھی چنانچہ قرآن مجید میں ہے :- مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا بُكَاءٌ وَتَصَدِيقَةٌ

:- (اور بیت اللہ کے پاس اُن کی نماز سولے سیٹیاں بجانے اور تالیباں بچانے کے اور کچھ بھی نہ تھی) (ترجمہ مقبول) مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :-
تفسیر مجمع البیان میں روایت کی گئی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد الحرام میں نماز پڑھتے تو قبیلہ عبدالدار کے دو آدمی آنحضرت کے دائیں کھڑے ہو کر سیٹیاں بجانے لگتے اور دو آنحضرت کے بائیں کھڑے ہو کر تالیباں بچانے اور مقصود یہ تھا کہ آنحضرت کی نماز کو باطل کریں اور شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے :- قال ابن عباس کانت قریش یطوفون بالبيت عرفاء یصفرون ویصفقون وصلاتهم معناه دعاء هتتم اى یقیمون المکاء والتصدیه مکان الدعاء والتسبیح۔
تفسیر مجمع البیان پارہ ۹ آخری رکوع :- یعنی حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے کہ قریش بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ شور مچاتے اور تالیباں بجاتے تھے اور اُن کی صلوٰۃ کا مطلب اُن کی دعا ہے، یعنی دعا اور تسبیح کی جگہ انہوں نے سیٹیاں اور تالیباں مقرر کر لی ہیں :-

فرمائیے! قرآن مجید نے مشرکین مکہ کی سیٹیوں اور تالیوں کو بھی اُن کی صلوٰۃ (نماز) فرمایا ہے تو کیا آپ اس سے یہ استدلال کریں گے کہ ہم بھی نماز تالیوں اور سیٹیوں کی صورت میں قائم کریں۔ ہرگز نہیں بلکہ ہماری صلوٰۃ (نماز) وہ ہوگی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ (صحیح) اگر کسی کی موت امر عظیم ہو اور اس کی تشہیر و اشاعت کا یہی طریقہ ہو کہ ماتمی جلوس نکالے جائیں۔ تو کیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات امر عظیم نہیں ہے، بلکہ سب سے عظیم امر ہے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اسی طرح کے ماتمی جلوس نکالنے چاہئیں یا آپ ایسے جلوس نکالا کرتے ہیں جس میں نعوذ باللہ ہائے محمد! ہائے محمد! بکا رہا جاتا ہو؟ غلامہ جواب یہ ہے کہ میت کے ساتھ اسی حد تک معاملہ جائز ہوگا جس کی شریعت میں اجازت ہو اور اس کی صراحتاً مخالفت ہو جائے وہ منوع اور حرام ہوگا۔ جیسا کہ آپ کے ملزم مروجہ کا حکم ہے۔

نوحہ حرام ہے
مولانا امجد علی صاحب رضوی بریلوی فرماتے ہیں :- نوحہ، یعنی میت کے اوصاف مبالغہ کے ساتھ بیان کر کے آواز سے رونا جس کو یمن کہتے ہیں بالاجماع حرام ہے۔ یمنی وادیلوا مصیبتا کہ کے چلنا وغیرہ (جوہرہ) مسئلہ :- گریبان بچا کرنا، منہ زنی، بال

کھولنا۔ سر پر خاک ڈالنا۔ سینہ کوٹنا۔ ران پر ہاتھ مارنا، یہ سب جاہلیت کے کام ہیں اور حرام (جہاں شریعت حصہ چہارم) ۱۶۹ (نیر مولانا بوصوف لکھتے ہیں :- آواز سے رونا منع ہے اور تو اس کی مخالفت نہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکا کر فرمایا (جوہرہ) اس مقام پر بعض احادیث جو نوحہ وغیرہ کے بارے میں وارد ہیں ذکر کی بنور دیکھیں اور اپنے یہاں کی عورتوں کو سنائیں کہ یہ بلا ہندوستان کی اکثر عورتوں میں بڑے پائی جاتی ہے۔ حدیث بخاری مسلم، عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- جو منہ پر طمانچے مارے اور گریبان بچاڑے اور جاہلیت کا پکارنا کرے نوحہ میں سے نہیں (جہاں شریعت حصہ چہارم) آپ مائیں یا نہ مائیں لیکن ان توالجات ہو جاتا ہے کہ بریلوی علامہ بھی دیوبندی علماء کی طرح آپ کے پسندیدہ نوحہ اور ماتم کو حرام آپ لکھتے ہیں کہ :- وہ لوگ جو ذکر حسین

ایک دوسرے طعن کا جواب

نقش کو مٹانا اور عظمت حسین کو گھٹانا چاہتے ہیں۔۔۔ امام غزالی کا فتویٰ۔ و یحرم غبرہ روایۃ مقتل الحسن والحسین وحکایاتہ :- واعظ پر ذکر شہادت حسن اور صواعق محررقہ ص ۱۱۱۔ رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ۔ محرم میں ذکر حسین کرنا اگرچہ بردا پر کی وجہ سے حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم ص ۱۱۱)۔

الجواب

آپ نے صواعق محررقہ کی جو عبارت فتویٰ امام غزالی کے تحت اس کے بعد کی حسب ذیل عبارت چھوڑ دی ہے :- وما جز من التشاجر والتخاصم فانه یهیج علی بغض الصحابة والطعن فیہم وہم اعلام ائمة الدین عنہم روایۃ دخیل تلقینا من الاسمة وراية فالطاعن فیہم مطعون طاء ودينه قال ابن الصلاح والنورى الصحابة کلہم عدول وکان للنبی صلی اللہ علیہ وساربعة عشر الف صحابی عند مؤنہ صلی اللہ علیہ وسلم والشران والاخبار مصرحاً

وجہ لہم و ساجری بینہم معامل لا یتحمل ذکھا هذا الكتاب - انتہی ملخصاً :- اور صحابہ کے مابین جھگڑے اور مخالفت کے واقعات بھی واعظ پر بیان کرنے منع ہیں کیونکہ یہ ذریعہ بتاتا ہے صحابہ سے بغض رکھنے اور ان پر طعن کرنے کا۔ حالانکہ وہ دین کے نشانات ہیں، ان سے ائمہ دین نے روایتیں لی ہیں اور ہم نے دین کو ان ائمہ سے سمجھا ہے۔ پس صحابہ پر طعن کرنے والا خود ملعون ہے جو اپنی ذات اور اپنے دین پر طعن کرتا ہے۔ ابن صلاح اور ندوی (شارح مسلم) نے فرمایا ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے اور قرآن اور احادیث ان کی عدالت اور ان کی جلالت پر تصریح کرتی ہیں، اور ان کا آپس میں جو جھگڑا ہوا ہے ان کے اپنے اپنے مواقع اور وجوہ ہیں کہ اس کتاب میں ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ عبارت درج کرنے کے بعد ابن حجر کی مصنف صواحت محرقہ "لکھتے ہیں کہ :- وما ذکر من حرومة رواية قتل الحسين وما بعدھا لا ینافی ما ذکرنا فی هذا الكتاب لان هذا لبيان الحق الذي يعجب اعتقاداً من جلالة الصحابة وبرائتهم من كل نفس بخلاف ما يفعله الوعاظ الجهملة فانهم ياقوت بالآخبار الكاذبة الموضوعة ونحوها ولا يثبتون المحامل والعق الذي يجب اعتقاداً فيوتون العامة في بغض الصحابة وتفقيصهم بخلاف ما ذكرنا فانه لغاية اجلهم وتزويهمهم" اور یہ جو ذکر کیا ہے کہ حضرت حسین کے قتل اور بعد کے واقعات کا بیان کرنا حرام ہے تو اس کے خلاف نہیں ہے جو ہم نے اپنی اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ یہ بیان حق ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے، جس میں صحابہ کرام کی جلالت شان اور ہر عیب سے ان کا بری دیا گیا ہو، ہونا پایا جاتا ہے۔ برعکس اس کے کہ جو جاہل واعظوں کا کام ہے کہ وہ جھوٹی اور موضوع روایات پیش کرتے ہیں اور ان کے صحیح محامل اور وجوہ، اور جس حق کا اعتقاد ضروری ہے وہ بیان نہیں کر سکتے۔ پس وہ عوام کو صحابہ کی تنقیص اور ان کے بغض میں مبتلا کر دیتے ہیں مثلاً ہمارے بیان کے کہ ہم نے صحابہ کرام کی شان بیان کر دی ہے اور ان کا محبوب سے پاک ہونا ثابت کر دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی وغیرہ علماء نے ایسے واعظوں کے لیے حضرت امام حسین کی شہادت کے واقعات اور صحابہ کرام کے باہمی نزاعات کا بیان کرنا اس لیے ممنوع قرار دیا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھا

نہیں سکتے اس وجہ سے عوام کے اندر صحابہ کرام کا بغض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ہر بات ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا اور پھر عام مجتہدوں میں سمجھانا بھی مشکل ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا اختلاف

مثلاً قرآن مجید میں سامری کے ہکاتے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

قوم (بنی اسرائیل) کی گئو سالہ پرستی کا واقعہ مذکور ہے، اور اس سلسلے میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا اختلاف و نزاع اس حد تک مذکور ہے کہ :- اخذ برأس أخيه يجره اليه - (حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی حضرت ہارون کے سر کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اس پر حضرت ہارون نے کہا :- يا ابن أم لا تأخذ بلحيتي ولا برأسي - (اے میری ماں کے بیٹے! آپ میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑیں)۔ اگر ان آیتوں کا ترجمہ اور ذکر عام مجمع میں بیان کیا جائے تو کیا عوام اس شبہ میں نہیں پڑ سکتے کہ نبی ہو کر یہ دونوں آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں؟ ان میں ایک ہی مہیا ہو سکتا ہے، نفوذ باللہ! حالانکہ دونوں معصوم پیغمبر ہیں۔ بے شک ان کے اختلاف کی ظاہری صورت تو یہی ہے لیکن ان کا منشاء دین ہی ہے، انسانیت اور دنیوی اغراض کا اس میں دخل نہیں ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب عوام کے سامنے یہ بیان کیا جائے کہ ایک طرف حضرت علی المرتضیٰ تھے اور دوسری طرف اُم المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہ اور ان کی آپس میں جھگڑیں ہوئیں۔ تو اگر کسی کے ذہن میں یہ آئے کہ قرآن کے حکم کے مطابق تو حضرت عائشہ صدیقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور تمام مومنوں کی ماں ہیں اور حضرت علیؑ کی بھی ایمانی اور روحانی ماں ہیں تو حضرت علیؑ نے باوجود بلند دینی مقام رکھنے کے اپنی ماں کے ساتھ کیوں جنگ کی۔ تو کیا حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق نفوذ باللہ وہ کسی بغض میں مبتلا نہیں ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ ان جنگوں کی وجہ سے ایک گروہ خارجیوں کا پیدا ہوا جو الیاذ باللہ حضرت علیؑ کو مومن بھی نہیں سمجھتے تھے اور گو حضرت معاویہؓ کا درجہ حضرت علی المرتضیٰ سے کم ہے۔ لیکن یہ واقعات عوام کے سامنے آئیں کہ حضرت معاویہؓ کی حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ ہوئی اور آخر کار اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ فریقین کی طرف سے ثالث چنے جائیں اور وہ جو فیصلہ کریں حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ اس کو تسلیم کریں گے تو ایک شخص کے دل میں

شبه واقع ہوتا ہے کہ اگر حضرت علی برحق خلیفہ تھے اور حضرت معاویہ باغی تھے تو حضرت علی المرتضیٰ کو باغیوں کے ساتھ آخر دم تک جنگ کرنی چاہیے تھی، نہ یہ کہ باغی گروہ کو اپنے مساوی حیثیت دیدیں۔ جس فریق کا مساوی درجہ خلیفہ برحق تسلیم کرے تو اس فریق کو دین کا مخالف اور دشمن کیسے قرار دے سکتے ہیں اور اسی بنا پر اس واقعہ متحکم (یعنی دونوں طرف سے ثالث اور حکم مانتے) کے بعد کئی آدمی حضرت علیؑ کے مخالف ہو گئے تھے، اور پھر حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد چھ ماہ تک حضرت امام حسنؑ آپ کے جانشین رہے اور پھر حضرت معاویہ سے مصالحت کر کے ان کی خلافت تسلیم کر لی، اور سالانہ وظیفہ لیتے رہے۔ تو کیا فرماتے ہیں مصنف "فلاح الکواکب" کہ اگر حضرت معاویہ نعوذ باللہ ایسے ہی تھے جیسا کہ اہل تشیع کا اعتقاد ہے۔ تو جن کو وہ دوسرا امام معصوم مانتے ہیں یعنی امام حسن۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کی خلافت کیوں تسلیم کر لی؟ یہ ایسے نازک واقعات ہیں جن کو سن کر حقائق سے نا آشنا لوگ صحابہ سے بدظن ہو سکتے ہیں خواہ حضرت علی المرتضیٰ سے ہوں جیسا کہ خوارج یا ائمہ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ سے ہوں جیسا کہ روافض، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اگر کوئی فرقہ اور گروہ مناجرات صحابہ (یعنی ان کے باہمی جھگڑوں) میں صحیح اور عادلانہ موقف پر قائم رہا ہے تو وہ اہل سنت والجماعت ہیں کیونکہ یہ ہر ہر صحابیؓ کو واجب الاحترام مانتے ہیں۔

کسی صحابی نے بھی نفسانیت، ذاتی اور دنیوی مفاد کے لیے جھگڑا نہیں کیا کیونکہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے اُن کے نفوس پاک ہو چکے تھے اور اُن کو اخلاصِ نیت کا اعلیٰ مقام نصیب ہوا تھا۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوصِ نیت کے بارے میں شہادت دی ہے: "يُبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا" (سورۃ الفتح)۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور سنگت میں رہنے والے اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی چاہتے ہیں" دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "يُرِيدُونَ وَجْهَهُ"۔ "وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے طالب ہیں" تو اللہ تعالیٰ کی اس شہادت کے بعد کسی مومن کو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کی صفائی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ لیکن باوجود خلوصِ نیت کے رائے اور طریق کار میں غلطی ہو سکتی ہے، اس لیے اہل سنت کا اس بارے میں یہ موقف ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے اس معاملہ میں خطا ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا منشا یہ نہ ہو کہ نفسانیت نہ ہو خطا کہا جائے گا۔

صحابہ کے جھگڑوں میں امام غزالیؒ کی تحقیق چنانچہ فرماتے

الناس بعد النبي صلى الله عليه وسلم ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم
وان يعين الظن بجميع الصحابة ديتني عليهم كما اتيني الله عز وجل و
سلم الخ :- "بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت سے افضل حضرت
پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ سے اچھا گمان رکھ
جس طرح ان کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی ہے"
معاویہ و علی رضی اللہ عنہما کان منبئاً علی الاجتهاد لا منازعة من معاویہ
رضی اللہ عنہ ان للتسلیم قتلة عثمان مع كثرة عشائهم واختلافهم في
امر الامامة في بدايتها فرأى التأخير اصبوب وظن معاویة ان تاخير امرهم و
الاغراء بالائمة ويعرضن الدماء للسفك وقد قال الفاضل العلماء كل وجهته
المصيب واحد - ولم يذهب الى تخطئة علي و تحصيل اصلاً - راجعاً الى
:- "اور جو کچھ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان اختلاف ہوا وہ اجتہاد پر مبنی تھا
سے حضرت علیؓ کی امامت (خلافت) میں کوئی نزاع نہ تھا۔ حضرت علیؓ کا خیال یہ تھا کہ
کی کثرت ہے اور وہ لشکر میں بے حیلے ہوئے ہیں اس لیے اُن سے قصاص لینا ابتدا
میں اضطراب کا باعث ہو جائے گا۔ اس لیے آپ نے تاخیر کرنے کو زیادہ صحیح سمجھا
یہ تھا کہ قاتلین کے بارے میں تاخیر کرنا باوجود اس کے کہ ان کا جرم عظیم ہے خلفاء کے
اور نو نیزی کا سبب بن جائیگا، اور اگر عمر غلام نے فرمایا ہے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح
کہ اجتہاد کرنے والوں میں صرف ایک کا قول صحیح ہوتا ہے اور کوئی اہل تحقیق اس طرف

بارے میں خطا پر تھے۔

حضرت محمد الف ثانی کا ارشاد

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ :- در ان مشاہرات و محاربات کہ در خلافت امیر واقع شدہ بود حق بجانب حضرت امیر بودہ است رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مخالفان او غلطی بودند بخطائے اجتہادی کہ مجال ملامت و طعن ندارد و تفسیق خود چہ گنجائش دارد کہ صحابہ ہمہ عدول اند و روایات ہمہ مقبول و مرویات موافقان امیر و مخالفین امیر ہر دو در صدق و وثوق برابر اند و علت مشابہت و محاربتہ جرح احدی نہ شدہ است۔ پس ہمہ را دوست باید داشت کہ دوستی ایشان بدوستی پیغمبر است علیہ و علیہم الصلوٰات و التسلیات کہ فرمودہ من احبہم فحببتہم و از بغض و دشمنی ایشان اجتناب باید نمود کہ بغض ایشان بغض آل سرور است علیہ و علیہم الصلوٰات و التحیات کہ فرمودہ من ابغضہم فبغضی ابغضہم در تعظیم و توقیر آل بزرگواران تعظیم و توقیر آل خیر البشر است و علیہ و علیہم السلام (مکتوبات جلد ثالث ص ۷۸) :- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں جو بھڑکے اور لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں حق حضرت امیر (علی المرتضیٰ) کی طرف تھا اور آپ کے مخالف خطا کرنے والے تھے مگر یہ ان کی اجتہادی خطا تھی کہ جس میں طعن و ملامت کی مجال نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ ان کی طرف فسق کی نسبت کی جائے کیونکہ صحابہ سب عادل ہیں اور ان کی روایات تمام مقبول ہیں اور صدق و ثقاہت میں حضرت علی کے موافقین و مخالفین کی روایات برابر ہیں اور باہمی جنگ و جدل کی وجہ سے وہ مجروح نہیں ہو سکتے۔ پس سب کو دوست رکھنا چاہیے کہ ان کی دوستی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کی وجہ سے ہے کیونکہ حضور نے خود فرمایا ہے جس نے میرے صحابہ کے ساتھ محبت کی اس نے میری محبت کی ہے سے کی، اور ان کے بغض و عناد سے بچنا چاہیے کیونکہ ان سے بغض رکھنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے میرے صحابہ کے ساتھ بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ ان حضرات صحابہ کی تعظیم و عزت دراصل حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و عزت ہے۔ یہ ہے اکابر اہل سنت و الجماعت کا صحیح اور معتدل موقف جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام کی عظمت دینی محفوظ رہتی ہے۔ لیکن اس موقف حق سے اگر کوئی شخص لپٹے

دہم و گمان کی بنا پر ہٹ جائے تو چہرہ افراط و تفریط سے بچ نہیں سکتا۔ خوارج اور روافض کی بنیاد یہی لفظ تفریط ہی ہے۔

حضرت علی پر تنقید مودودی

اس دور کے ایک اور فلسفی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی چونکہ اپنی عقل ناقص سے شرعی اصول و عقائد کو حل کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمان ذوالنورین کی بھی خوب تنقیص کی اور بالخصوص حضرت امیر معاویہ کی تو صریح توہین کے مرتکب ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ حضرت علی المرتضیٰ کی پوزیشن کی بھی پورے طور پر صفائی نہ کر سکے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :- حضرت علی نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا۔ البتہ ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمان کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ جنگ جمل تک وہ ان لوگوں سے بیزار تھے۔ بادل ناخواستہ ان کو برداشت کر رہے تھے اور ان پر گرفت کھینے کے لیے موقع کے منظر تھے..... پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو ان کے اور حضرت طلحہ و زبیر کے درمیان ہوئی اس میں حضرت طلحہ نے ان پر الزام لگایا کہ آپ خون عثمان کے ذمہ دار ہیں اور انہوں نے جواب میں فرمایا لعن اللہ قتلہ عثمان :- (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت) لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمان کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک دے دیے۔ دراصل مالک قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے حضرت علی کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا چارہ نہیں۔!!! (خلافت و مملوکیّت) لیکن اگر حضرت علی المرتضیٰ کے ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفہ برحق ہونے کے مقام کو

اے حضرت محمد بن ابی بکر نے اگرچہ پہلے مخالفت حضرت عثمان میں حصہ لیا تھا۔ لیکن وہ قتل عثمان سے بری ہیں اور بعد میں انہوں نے توبہ و مذمت کا بھی اظہار کیا جیسا کہ البدایہ کے حوالہ سے یہ بات پتہ ثابت کی جا چکی ہے۔ ۱۲

ملفوظ نہ رکھا جائے اور جس ذہنیت کے تحت روافض حضرت امیر معاویہؓ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ صحابہ کرام کو طعن و ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ اُسی کے تحت حضرت علی المرتضیٰ پر تنقید کی جائے تو جس امر کو مؤدوہی صاحب نے صرف ایک غلط کام قرار دیا ہے۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ کی شخصیت کو مجروح کرنے کا بہت بڑا موجب بن سکتا ہے۔ کیونکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت علیؓ کے نزدیک قاتلانِ عثمانؓ ملعون و مردود ہیں جیسا کہ آپ نے حضرت طلحہ سے فرمایا ہے تو پھر بجائے اس کے کہ حسبِ وعدہ خلیفہ برحق حضرت عثمانؓ ذوالنورین کے قاتلوں سے قصاص لیں اور اُن کی قوت و شوکت کو توڑنے کی کوشش کریں۔ اُن کو گورنری جیسے بڑے بڑے مناصب ملکی عطا فرما رہے ہیں، یہ کیا پالیسی ہے؟۔ اس سے تو بظاہر اس شبہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ حضرت عثمانؓ قتل میں آپ کا بھی ہاتھ تھا، اور اسی طرح کے وجوہات کی بنا پر خوارج حضرت علیؓ کے بدترین مخالف بن گئے تھے اور آج بھی اس ذہن کے لوگ موجود ہیں۔ لہذا مسلک اہل سنت و الجماعت کے مطابق یہی کہا جائے گا کہ اصحابِ رسول اور خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تسلیم کر لینے کے بعد اُن کے کام کی ظاہری سطح کے پیشِ نظر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔ جو کچھ انہوں نے کیا دین کے لیے کیا اور رضائے الہی کے حصول کے لیے کیا۔ سوائے اجتہادی خطا کے اُن کی طرف کسی امر کو منسوب کرنا اپنے ایمان کی بربادی کا موجب بن سکتا ہے۔ کیونکہ ان سب صحابہ پر اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضو اعنہ۔

شیعی موقف

شیعی موقف کے تحت تو حضرت علی المرتضیٰ کی کوئی عظمت باقی ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ بقول اُن کے اگر آپ امام معصوم اور خلیفہ بلا فصل تھے اور منیاب اللہ اُن کی خلافت منصوص ہو چکی تھی۔ تو پھر خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے جنگ کیوں نہیں کی اور ان کی خلافت کو ۴۳ سال تک کیوں قبول کیا، اور اُن ہی کی اقتداء میں کیوں نمازیں پڑھتے رہے۔ مذہبِ شیعہ کی موجودہ اذان و نماز پر بھی عمل نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ اپنے دورِ خلافت میں بھی انہی حضراتِ خلفائے ثلاثہ کے نظام کی پیروی کی، اور شیعہ مذہب کو نافذ نہ کرسکے لیکن دوسرے پہلو سے اپنی ماں اور تمام اُمّتِ مسلمہ کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ سے جنگ کرنے سے بھی،

اجتناب نہ کیا اور حضرت امیر معاویہؓ سے بھی مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ جنگِ جمل اور شہید ہوئے۔ اگر آپ نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں تقیہ کیا تھا اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا، اور دین اسلام کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا تو اس کے بارے میں بھی تقیہ جیسی عبادت پر ہی عمل فرمانے تو اس قدر شدید خونریزی باوجود اختصار کی کوشش ہے۔ بہر حال اگر امام غزالی

ذکر امام حسینؓ کی نوعیت

فرماتے کہ امام حسینؓ کی شہادت کا ذکر نہ کرو، تو ایک وجہ اہل تشیع کے۔ مہتی۔ لیکن اگر انہوں نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ صحابہ کرام کی باہمی جنگوں کا بھی کرنا چاہیے، تو اس کا مبنی حضرت حسینؓ کی عدم محبت نہیں ہے بلکہ اس میں یہ حال کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے عوام بعض صحابہ سے بدظن ہو جائیں گے۔ المرتضیٰ کے متعلق ہی پیدا ہو جائے، جیسا کہ خوارج کو پیدا ہوئی یا حضرت عائشہؓ معاویہؓ سے بدظن ہو جائیں جیسا کہ روافض کے دلوں میں ان حضرات سے بغض و کین ہے کہ کسی اللہ کے مقبول و محبوب بندے کا ذکر خیر وہی صحیح اور جائز ہے جو نہ ہو، اور اگر خلافِ شرع امور اس کے ساتھ شامل ہو جائیں تو ذکرِ حسینؓ تو کیا نہ ہو جائے مثلاً نماز بھی ذکر اللہ کی ایک جامع اور اعلیٰ صورت ہی ہے۔ لیکن نماز تجاوز کیا جائے تو وہ نماز عبادت کی بجائے گناہ بن جائے گی۔ اسی طرح ہر عملِ حنہ نام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیح فضائل بیان کے جائیں اور مقصدِ شہادت کا صحیح تذکرہ کیا جائے، اور کسی دن کے تعین کو ضروری نہ سمجھا جائے تو نہیں ہوسکتا۔ لیکن عموماً تذکرہ حسینؓ میں جھوٹی اور موضوع روایات بیان کی جاتی ہیں۔ اس سبب کو اس طرح افسانوی طرز پر اختراع کیا ہے، کہ داستانِ الف لیلا ذکرین بہرِ تمجید، ثناء، اقدار، اوصی کی نسبت سے بیان کرتے ہیں کہ رادی یہ کتاب ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ تاریخ طبری کے نوشتے آج کل پائے جاتے ہیں اور جو طبری مترجم شائع ہو رہی ہے، وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ بہ حال تاہم بحی افسوس سے صرف نظر کرتے ہوئے ہمارا ایمان و عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب ارشاد نبوی جو ان جنت کے سردار ہیں۔ اس لیے ایسی عظیم دینی شخصیت کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے غزوہ بدر محض ذاتی اور دنیاوی اقتدار کی خاطر بیزید کے اقتدار کو چیلنج کیا تھا (جیسا کہ نوارج کا نظریہ ہے) اور جس راہ کو آپ نے حق سمجھا اس پر ثابت قدم رہ کر اپنی اپنی اور اپنے اعزہ کی جانیں بخوش قربان کر دیں اور جنت کے مکین بن گئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

بنائے دوزخ سے بڑا کون غلطین خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت
مستف "فلاح الکونین" نے دیوبندی علماء کے
مفتدا، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گندھڑی کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ، محرم میں ذکر حسین کرنا اہل
برایات صحیح ہو و افض کی وجہ سے حرم سے (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ ص ۳۱۱)

الجواب (۱) جو فتویٰ آپ نے نقل کیا ہے اس کی پوری عبارت حسب ذیل ہے :-
محرم میں ذکر شہادتِ حسینؑ کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو، سبیلِ رگاہ، شریعت
پلانا یا چندہ سبیل اور شہرت میں دنیا یا دودھ پلانا سب درست اور تشبہ و انش کی وجہ سے حرام ہیں
(فتاویٰ رشیدیہ کامل محبوب ص ۱۱۱) (ب) سوال :- غم کرنا امام حسینؑ کا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟
جواب :- غم اس وقت محتاج آپ شہید ہونے۔ تمام عمر غم کرنا کسی کے واسطے ضرر میں حلال نہیں فقہ
واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۱) (ج) غم کی مجلس تو کسی واسطے درست نہیں حکماء نے
کا اور غم کے رفع کرنے کا ہے۔ تقریب اور تسلیہ اسی لیے کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف غم پیدا کرنا خود شہادت
ہوگا اور شہادتِ حسینؑ کا ذکر جمع کر کے سولے اس کے کہ مشاہدہ و انش کی بھی ہے اور تشبہ ان کا
حرام ہے۔ لہذا عقد مجلس غم کسی کا درست نہیں۔ واللہ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۱) مندرجہ فتویٰ

سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی کا مذکورہ شریعت کے تحفظ پر مبنی ہے نہ کہ امام حسین کی عدم
محبت پر، کیونکہ جو طبعی غم کسی بزرگ کی موت یا قتل پر ہوتا ہے وہ آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ "غم اس وقت
محتاج آپ شہید ہونے" لیکن غم دوسری عمر لکھنا اور بڑھانا چاہو کہ شرعاً ممنوع ہے کیونکہ مصیبت
کو صبر اور تسلی دینے کا حکم شریعت ہے۔ یہ ہے جس کو تقریریت کہتے ہیں نہ کہ غم بڑھانے کا۔ لیکن برعکس اس
کے ماننے لوگ جو امام حسین کی نبائت نہ مانتے ہیں، وہ غم کے اظہار اور اُس کی ترویج و اشاعت کے
لیے کرتے ہیں۔ لہذا اس مقصد کے لیے مجلس حسین کا انعقاد ہی شرعاً ممنوع ہے، خواہ اس میں شہادتِ حسین
کے صحیح واقعات ہی بیان کیے جائیں۔ تو اس ممانعت کا معنی ذکر حسین نہیں بلکہ مجلس غم کا انعقاد ہے، اور نہ
صرف امام حسین بلکہ کسی بزرگ و شہید کا ذکر بطور غم منانے کے جائز نہیں، اور یہی مسئلہ اس کتاب میں بھی
زیر بحث ہے کیونکہ آج تک مصنف "فلاح الکونین" یہ نہیں ثابت کر سکے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم نے جن اعزہ اور شہداء کی وفات سے وقتی تاثر میں گریہ فرمایا۔ پھر سال بسال اس کے لیے مجلس گریہ
دیکھنا منع فرمایا۔

مولانا امجد علی صاحب بریلوی کا فتویٰ | اسی بناء پر مولانا امجد علی صاحب نے فتویٰ
درا لوی نے فرمایا ہے کہ :- تقریریت کیلئے
اکثر صورتیں رشتہ دار جمع ہوتی ہیں اور روتی پٹیتی اور نوحہ کرتی ہیں۔ انہیں کھانا نہ دیا جائے کہ گناہ پرورد
دینا ہے۔ (بہار شریعت جلد ۱ ص ۱۹) اور اسی وجہ سے مولانا گنگوہی موصوف نے فرمایا ہے کہ ایسی
خلاف شرع غم کی مجالس کے لیے چندہ جمع کرنا، سبیل لگانا اور شہرت پلانا بھی منع ہے کیونکہ یہ بھی ان کو گناہ
پرورد دینا ہے۔

مجالس غم میں شہرت و چائے | اور یہ بھی عجیب و غریب غم ہے کہ سردیوں میں چائے
کے دَوَر چلتے ہیں، اور گرمیوں میں مانگی لوگ خوب ٹھنڈ
شہرت اور سوڈا واٹر کی مزیدار بوتلیں نوش فرماتے ہیں، اور مجالس میں بیان یہ کرتے ہیں کہ ان دنوں میں امام
حسینؑ اور آپ کے بچوں پر تیرید یوں نے پانی بند کر دیا تھا، اور انہوں نے سخت پیاس کی حالت میں جام شہادت

کابدترین دشمن تھا۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمت کا فرعون فرمایا ہے تو کیا آپ نے یزید کی طرح کبھی ابوجہل پر لعنتیں ڈالی ہیں۔ اگر نہیں تو پھر آپ بھی رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ثابت ہوئے۔ عبرت! عبرت! عبرت!

(۲) لعنت کی گردان کوئی شرعی وظیفہ نہیں ہے جس کو محبت و عداوت کا معیار قرار دیا جائے، اول لعنت کا لغوی معنی طرد و رحمت ہے اور اللہ کی لعنت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی رحمت سے دُور کر دیا۔ ابلیس بھی راندہ درگاہ ہے اور ملعون لیکن کیا آپ نے کبھی ابلیس کے خلاف بھی لعنت کا وظیفہ پڑھا ہے ہرگز نہیں۔ کیا اس کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ آپ ابلیس کے عیب ہیں؟ اور حضرت آدمؑ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں؟ آخر کسی اُصول پر بات ہونی چاہیے! کیا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں صرف یزیدی ملعون ہے اور کوئی نہیں؟

(۳) اہل سنت کی احادیث میں ہے کوئی مومن کُفَّار نہیں ہوتا چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمن ليس ملحدًا :- (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کُفَّار (یعنی زیادہ لعنتیں ڈالنے والا) نہیں ہوتا، اور یہی مطلب ہے ان الفاظ کا جو آپ نے امام ابن صلاح وغیرہ ائمہ کے حوالہ سے لکھے ہیں :- ”یزید پر سب اور لعنت کرنا مومنین کی شان نہیں“ تو ان ائمہ اہل سنت نے یہ ایک ضابطہ سمجھایا ہے کیونکہ اگر یزید پر لعنت کرنا ایمان کی نشانی ہو تو جن کا قطعی کفر قرآن سے ثابت ہے مثلاً شیطان، فرعون، ابولہب وغیرہ تو ان پر بھی مومنین کے لیے لعنت کا درود ضروری ہونا چاہیے اور جو ان کفار پر لعنت کا وظیفہ نہ پڑھے اُس کو مومن نہیں سمجھنا چاہیے۔

(۴) مسئلہ لعن کے متعلق امام غزالی فرماتے ہیں کہ :- وَاللَّعْنُ عِبَارَةٌ عَنِ الطُّرْدِ وَالْإِبْعَادِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَذَلِكَ غَيْرُ جَائِزٍ إِلَّا عَلَى مَنْ أَلْفَصَ بِصِفَةٍ تَبْعِدُهُ مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ الْكُفْرُ وَالظُّلْمُ بَانَ يَقُولُ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ وَالْكَافِرِينَ... وَالصَّفَاةُ الْمُقْتَضِيَةُ لِلْعَنْ ثَلَاثَةٌ الْكُفْرُ وَالْبِدْعَةُ وَالْفُسْقُ - (احیاء العلوم جلد سوم) :- ”اور لعنت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ سے دُور کرنا اور ہٹانا، اور یہ جائز نہیں ہے مگر اس شخص پر جس میں کوئی ایسی (بُری) صفت پائی جائے جو اس کو اللہ تعالیٰ سے دُور کر دے اور وہ کفر اور ظلم ہے۔ بایں طو کوئی

کہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں اور کافروں پر..... اور جو صفات کسی پر لعنت کا تقاضا کرتی ہیں تین ہیں، کفر، بدعت اور فسق۔ امام غزالی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان تین صفات کی وجہ سے ان لوگوں پر لعنت کی بددعا کر سکتا ہے۔ جن میں یہ صفات پائی جائیں مثلاً یہ الفاظ کہ کافروں پر لعنت وغیرہ لیکن اس کا مقصد بھی کوئی لعنت کا دُور کرنا نہیں ہے بلکہ ایک جواز کی صورت ہے۔ (ب) اسی بحث میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں :- الثالثة اللعن للشخص المعين وهذا فيه خطر كقولك زيدا لعنه الله وهو كافر او فاسق او مبتدع. والتفصيل فيه ان كل شخص ثبتت لعنته شرعاً فتجوز لعنته كقولك فرعون لعنه الله وابوجہل لعنه الله لانه قد ثبت ان هؤلاء ما اتوا على الكفر وعوت ذلك شرعاً۔ اما شخص بعينه في زماننا كقولك زيدا لعنه الله وهو يهودي مثلاً فهذا فيه خطر۔ و على الجملة ففي لعن الاشخاص خطر فليجتنب ولا خطر في السكوت عن لعن ابليس مثلاً فضلاً عن غيره :- ”(تیسری بات کسی شخص معین پر لعنت کرنا ہے اور اس میں خطر ہے مثلاً تو یہ کہے کہ زید پر اللہ کی لعنت ہو اور وہ کافر ہے یا فاسق یا بدعتی، اور اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ ہر وہ شخص کہ جس پر شرعاً لعنت ثابت ہو چکی ہو تو اس پر لعنت جائز ہے۔ مثلاً تو کہے کہ فرعون پر اللہ کی لعنت اور ابوجہل پر اللہ کی لعنت کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ (یعنی فرعون اور ابوجہل) کفر پر مرتے ہیں اور شرعاً یہ مشہور ہے۔ لیکن ہمارے زمانہ میں کسی شخص معین پر لعنت کرنا مثلاً تو یہ کہے کہ زید پر اللہ کی لعنت اور مثلاً وہ یہودی ہے تو اس میں خطرہ ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا مقرب ہونے کی حالت میں اس کی موت واقع ہو تو پھر اس کے ملعون ہونے پر کس طرح حکم لگایا جاسکتا ہے۔۔۔ اور اس کے لعنت نہ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ اشخاص (معینہ) پر لعن کرنے میں خطرہ ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور اگر ابلیس پر بھی لعنت نہ کرنے اور خاموش رہے تو اس میں بھی کوئی خطرہ نہیں ہے، چہ جائیکہ ابلیس کے ماسوا کسی پر لعنت نہ کرنے میں خطرہ ہو۔ :- (احیاء العلوم)

فرمائیے! یہ کیسا ہی عدل و تقویٰ پر مبنی نظریہ ہے کہ اس زمانے کے کسی شخص معین پر لعنت نہ کرنی ہی بہتر ہے، اور اس میں کوئی حرج اور خطرہ بھی نہیں ہے۔ اسی بنا پر یزید پر لعنت کرنے میں بھی احتیاط ملحوظ رکھی گئی

ہے چنانچہ اس کے بعد امام غزالیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں :- فان قيل هل يجوز لعن يزيد لانه قاتل الحسين او امر به قلنا هذا الميثبت اصله فلا يجوز ان يقال انه قتله او امر به ما لم يثبت فضلاً عن اللعنة لانه لا يجوز نسبة مسلم الى كبري من غير تحقيق لعدم يجوز ان يقال قتل ابن ملجم علياً وقتل ابو لوؤ عمير رضي الله عنهما فان ذلك ثبت متواتراً :- پس اگر یہ کہا جائے کہ کیا یزید پر لعنت جائز ہے کیونکہ وہ حضرت حسینؑ کا قاتل ہے یا اُس نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اصلاً ثابت نہیں ہے اس لیے جب تک یہ (قطعی طور پر) ثابت نہ ہو اس کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ آپ کا قاتل ہے یا اسے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے، یہ جائز نہ ہے کیونکہ بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم نے حضرت علیؑ کو قتل کیا اور ابو لوؤ نے حضرت عمرؓ کو قتل کیا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت چکا ہے۔ یہاں یہ ملحوظ ہے کہ گویا ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کا قاتل ابن ملجم خارجی ہے اور حضرت عمر فاروق کا قاتل ابو لوؤ فیروز مجوسی ہے۔ لیکن پھر بھی اہل سنت کا یہ معمول نہیں ہے کہ ابن ملجم اور ابو لوؤ کو پرعینت بھیجتے ہوئے کہا اس کی یہ مطلب ہے کہ اہل سنت کو حضرت فاروقؓ سے یا حضرت علی المرتضیٰ سے محبت نہیں ہے؛ جیسا کہ مائمی لوگ یزید پر لعنت نہ کرنے سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نوز باللہ اہل سنت کو حضرت حسینؑ سے محبت نہیں ہے۔ (د) اس کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ :- فان قيل فهل يجوز ان يقال لعن الله اولادهم يقتلهم لعنه الله قلنا الصواب ان يقال قاتل الحسين ان مات قبل التوبة لعنه الله لانه يحتفل ان يموت بعد التوبة فان وحشياً قاتل حمزة عثم رسول الله صلى الله عليه وسلم قتله وهو كافر ثم تاب عن الكفر والقتل جميعاً :- پس اگر یہ کہا جائے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ قاتل حسینؑ پر اللہ کی لعنت ہو یا آپ کے قتل کا حکم دینے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ قاتل حسین اگر توبہ سے پہلے مر گیا ہے تو اُس پر اللہ کی لعنت کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ توبہ کے بعد مرا ہو۔ مثلاً وحشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے اور اُس نے آپ کو کافر ہونے کی حالت میں قتل کیا تھا۔ پھر اُس نے کفر اور قسطنصل دونوں سے توبہ کر لی تھی۔

فرمائیے ! اب تو بات بالکل صاف ہو گئی کہ یہ کہنا جائز ہے کہ اگر امام حسینؑ کے قاتل نے توبہ نہیں کی تو اس پر لعنت۔ تو امام غزالیؒ کے نزدیک امام حسینؑ کے قاتل کا بغیر توبہ کے مرجانا اُس کے ملعون ہونے

کا ثبوت ہے تو اس سے امام غزالیؒ کی حضرت امام حسینؑ سے دینی محبت ثابت ہوتی ہے یا عدوت اصل مسئلہ تو قاتل حسینؑ کا ہے اور اس کے متعلق امام غزالیؒ نے وضاحت فرمادی ہے۔

مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ تکفیر و لعن یزید کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :- بعض ائمہ نے جو یزید کی نسبت کفر سے کف لسان کیا ہے وہ احتیاط ہے۔ کیونکہ حسینؑ کے قتل کو حلال جانا کفر ہے مگر یہ امر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا متحقق نہیں، لہذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بیشک تھا۔ (ب) نیز لکھتے ہیں :- پس جب تک کسی کافر پر مرنا متحقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہیے کہ اپنے اوپر عود لعنت اندیشہ ہے لہذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جس کو محقق اخبار سے اور قرآن سے معلوم ہو گیا کہ وہ افعال سے راضی اور خوش تھا، اُن کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدوں توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یونسی ہے اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا۔ اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحق مقایض تھا اور ثابت ہوایا نہ ہوا؛ تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدین تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ پس جواز لعن وعدم لعن کا مدار تادمیخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے نہ واجب، نہ سنت نہ مستحب محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹) حضرت گنگوہیؒ نے بھی یہاں اہل سنت کے اصول پر اس مسئلہ کے دونوں پہلو فرمادیے ہیں کہ جس کے نزدیک جواز ثابت ہوا اُس کے مطابق اس نے لعن کے جواز یا عدم جواز کا حکم بتایا، اور بہر حال لعن نہ کرنے میں ہی احتیاط ہے۔

مولانا بریلوی کا فتویٰ

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی یزید کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :- (مسئلہ) کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت اس مسئلہ میں کہ از روئے فرمان اللہ و رسول! یزید بخشتا جائے گا یا نہیں؟ مینوا لرحموا۔

(الجواب) یزید پید کے بارے میں ائمہ اہل سنت کے تین قول ہیں امام احمد وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں تو ہرگز بخشش نہ ہوگی اور امام غزالی وغیرہ مسلمان کہتے ہیں تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہے اور ہمارے امام ربیع بن امام اعظم ابو حنیفہؒ سکوت فرماتے ہیں کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر۔ لہذا یہاں بھی سکوت کریں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احکام شریعت حصہ دوم، مسئلہ نمبر ۱۸)

مولانا امجد علی صاحب بریلوی کا ارشاد

لغت کرنے میں علمائے اہل سنت کے تین قول ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک سکوت یعنی ہم اسے فاسق ناجبر کہنے کے سوا کافر کہیں نہ مسلمان۔ (بہار شریعت حصہ چہارم)

مقام امیر معاویہؓ مولانا بریلوی کے قلم سے

لیکن یزید فاسق ہو یا کافر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یزید کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زبان طعن و راز کی جائے۔ چنانچہ بریلوی علماء کے مقتدا و پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے حضرت معاویہؓ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے۔ تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کا ذبح ہیں ارشاد الہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ اللہ عزوجل نے اسی آیت میں (یعنی دُکلاً وَعَدَا اللّٰهُ الْحُسْنٰی :- دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے مصلحتی کا وعدہ فرمایا اس کا منہ بھی بند فرمادیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مصلحتی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمادیا :- وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ :- اور اللہ تعالیٰ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے۔) بایں ہمہ میں تم سے مصلحتی کا وعدہ فرمایا اس کے بعد جو کوئی بے اپنا سر کھائے خود جہنم جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں :- وَمَنْ يَكُونُ يَطْعَنُ فِي مَعَارِيَةِ فِذَاكَ مِنْ كَلَابِ الْبُهَادِيَةِ :- جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی گتوں سے ایک کتا ہے۔ (احکام شریعت حصہ

ادل ص ۵۵)۔

امیر معاویہؓ خلیفہ راشد تھے

کسی نے سوال کیا کہ خلافت راشدہ کس کس کی خلافت تھی تو حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے فرمایا کہ :- ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولیٰ علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت راشدہ تھی اور اب سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت راشدہ ہوگی۔ البغویط ۱۶۔ (خلفائے راشدین اور امیر معاویہؓ ص ۲۲، ناشر دار الاشاعت اہل سنت پکی بازار بنارس کینٹ)۔

صحابہ کو بُرا کہنے والے کے پیچھے نماز حرام ہے

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ علی حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ صحابہ کرام مثل امیر معاویہ و عمر و بن العاص و ابو موسیٰ اشعری و غیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُرا کہتے ہیں۔ اُن کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمہ مکروہ ہے۔ کہ انہیں امام بنا نا حرام اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جہنمی پڑھی ہوں، سب کا پھیرنا واجب۔ (احکام شریعت جلد اول) (ایضاً کتاب خلفائے راشدین اور امیر معاویہ مطبوعہ بنارس)۔

کیا یزید امام حسینؓ کے قتل پر راضی تھا

یزید امام حسینؓ کے قتل پر راضی تھا یا نہ؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ہم یہاں وہ روایات درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت حسین کے قتل پر نہایت ناپسندیدگی کا اظہار کیا چنانچہ (۱) تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ جب زحر بن قیس نے یزید کو فتح کی خبر سنائی تو تو :- اس خبر کے سننے سے یزید کی آنکھیں پُر اشک ہو گئیں۔ بولا ! میں تم لوگوں سے بغیر قتل حسین کے بھی راضی ہو جاتا۔ اللہ کی لعنت ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر ہو۔ اللہ کی قسم اگر میں اس کی جگہ پر ہوتا تو میں حسین سے درگزر کر جاتا۔ اللہ تعالیٰ حسینؓ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ یزید یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور زحر کو کچھ صلہ نہ دیا۔ (تاریخ ابن خلدون مترجم) (۲) جب ان لوگوں نے روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو یزید نے

علی بن حسین (یعنی امام زین العابدین) کو بلا بھیجا اور اُن سے کہا خدا میرے جان پر لعنت کرے۔ واللہ اگر حسین میرے پاس آتے جس بات کے مجھ سے وہ خواستگار ہوتے، وہی میں کرتا ان کے ہلاک ہونے سے جس طرح بن پڑتا میں بچا لیتا۔ اگرچہ اس میں میری اولاد میں سے کوئی تلف ہو جاتا لیکن خدا کو یہی منظور تھا جو تم نے دیکھا۔ تمہیں جس بات کی ضرورت ہو مجھے خبر کرنا، میرے پاس لکھ کر بھیج دینا۔ پھر یزید نے سب کو کپڑے دیے اور اس بدرقہ سے ان لوگوں کے باب میں تاکید کر دی، (تاریخ طبری مترجم حصہ چہارم) (ب) یہ بھی لکھا ہے کہ :- اس کے بعد یزید نے کسی کو بھیج کر اہل حرم سے پوچھا کہ کیا کیا چیزیں ان کی لوٹ لی گئیں اور جس بی بی نے جو کچھ بتایا اس کا المضاعف (یعنی دگنا) یزید نے دیا۔ سکینہ کما کرتی تھیں میں نے کسی کافر کو یزید سے بڑھ کر اچھا نہیں دیکھا، (النفط الطبری) (۳) مؤرخ ابن خلدون نے بھی لکھا ہے کہ :- پھر جس وقت اہل بیت امام مدینہ کی جانب روانہ ہونے لگے تو لغمان ابن بشیر نے یزید کے حکم سے ایک نہایت متدین، با ایمان شخص کو مع چند سواروں کے ہمراہ کر دیا اور بار برداری و اسباب جس قدر لوٹ لیا گیا تھا اس سے دگنا دے کر رخصت کیا، اور امام زین العابدین سے یہ بھی کہا کہ :- اے صاحبزادے! جو تم کو آئندہ ضرورتیں پیش آئیں مجھے لکھنا، پھر محافظین کی طرف متوجہ ہو کر لوٹا، دیکھو ان لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ غرض یزید سے امام زین العابدین رخصت ہو کر مع اپنے اہل بیت منزل بمنزل سفر کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ محافظین اس وجہ سے نہیں کہ یزید کا حکم تھا بلکہ بخیر الی قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عزت و احترام و آرام سے لائے۔ کسی قسم کی تکلیف اشتاء راہ میں نہ ہونے پائی۔ جہاں پر قیام پذیر ہوتے تھے چوکیداروں کی طرح سے محافظت و نگہبانی کرتے تھے، (تاریخ ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۲ مطبوعہ لٹینس اکیڈمی کراچی) (۴) ان تاریخی کتب کے علاوہ مذہب شیعہ کی مستند کتابوں میں بھی اسی طرح کی روایات مذکور ہیں۔ چنانچہ شیعوں کے رئیس المجتہدین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: بعد ازاں امام زین العابدین کو طلب کر کے بخیر الی رفق تثنیع کہا کہ ابن مرجانہ پر خدا لعنت کرے۔ اگر میں اس کی جگہ نہ تو امام حسین جو کچھ مجھ سے طلب کرتے ہیں اُن کو دیتا اور ان کے قتل پر راضی نہ ہوتا۔ آپ ہمیشہ مجھ کو خط لکھا کریں

اور جو حاجت ہو وہ مجھ سے طلب فرمائیں کہ میں بجا لاؤں گا بعد ازاں جس شخص کو ان کی رفاقت و نگہبانی پر مقرر کیا تھا اس کو طلب کر کے حضرت کی رعایت کے بارے میں اس سے بہت کچھ کہتا رہا۔ (رجال العلین جلد دوم ص ۲۵ مطبوعہ شیعہ جہول بک ایجنسی انصاف پریس لاہور)۔ مندرجہ بالا روایات سے قویہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر راضی نہ تھا اور اس نے امام زین العابدین وغیرہ خاندان نبوت سے حسن سلوک کیا۔ واللہ اعلم، انہی تاریخی روایات کی بنا پر علمائے اہل سنت کے ایک گروہ نے یزید کی تکفیر یا اس کے مستحق لعن ہونے میں توقف کیا ہے جیسا کہ دیوبندی علماء میں سے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور بریلوی علماء میں سے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے اقوال قبل انہی نقل کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت معاویہ کی یزید کو وصیت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کو جو وصیتیں کی تھیں ان میں یہ بھی فرمایا کہ :- حسین بن علی ایک سیدی سادی طبیعت کے آدمی ہیں مگر اہل عراق ان کو خرورج کرنے پر ضرور تیار کر لیں گے پس اگر یہ تم پر خرورج کریں اور تم کو ان پر کامیابی حاصل ہو تو درگزر کرنا، اُن کا بہت بڑا حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فوائسے ہیں، (تاریخ ابن خلدون مترجم ص ۶) (۲) اور تاریخ طبری میں بھی یہی وصیت لکھی ہے :- اور حسین بن علی کو عراق کے لوگ جب تک خرورج پر آمادہ نہ کریں گے ہرگز نہ چھوڑے۔ اگر تجھ پر خرورج کریں اور تو اُن پر قابو پا جائے تو درگزر کرنا، اُن کو قربت قریبہ حاصل ہے اور بہت بڑا حق رکھتے ہیں۔ (ص ۱۱) (۳) اور شیعی محدث علامہ باقر مجلسی نے بھی حضرت معاویہ کی اس وصیت کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :- لیکن امام حسین پس ان کی نسبت قرابت کا حال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے تجھے معلوم ہے کہ وہ یادہ اتق حضرت رسول کے ہیں اور ان کے گوشت و خون سے پرورش ہوئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بیشک اہل عراق ان کو بلائیں گے اور یارسی و نفرت نہ کریں گے بلکہ ان کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ لازم ہے اگر ان پر تو ظفر پائے، اُن کے حق حرمت کو چھینا اور ان کی منزلت و قرابت جو رسول خدا سے ہے اس کو یاد کرنا اور ان کی باتوں پر ان کو مؤاخذہ نہ کرنا اور جو وبالطیں نے اس مدت میں اُن سے حکم کیے ہیں اُن کو

قطع نہ کرنا اور ہرگز ہرگز ان کو کوئی صدمہ و ضرر نہ پہنچانا“ مؤلف فرماتے ہیں کہ غرض اس کی ان نصیحتوں سے حفظ ملک و بادشاہی یزید تھی۔ اس لیے کہ جانتا تھا کہ بعد شہادت امام حسینؑ سلطنت میں تزلزل ہوگا اور جلاء العیون مترجم ص ۱۲۹-۱۳۰ مطبوعہ انصاف پریس لاہور، گو مؤلف مذکور یعنی عملاً مجلسی نے یہاں بدظنی کی بنا پر اپنا نوٹ لکھ دیا ہے لیکن اس بات کا نوٹ کار نہیں کر سکے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کو امام حسینؑ کے بارے میں یہ وصیت کی تھی۔

امام زین العابدینؑ نے یزید کی بیعت کی

اہل سنت علماء تودوسری وجوہات کی بنا پر یزید کی تکفیر و لعن میں احتیاط و توقف کرتے ہیں لیکن اہل تشیع کیونکر یزید کو ملعون قرار دے سکتے ہیں۔ جبکہ ان کی مستند کتب حدیث سے ثابت ہے کہ خود حضرت امام زین العابدینؑ نے یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ فرورہ کافی میں ہے:-
ثم ارسل الی علی بن الحسین علیہما السلام فقال له مثل مقاتلة للقرشی فقال له علی بن الحسین علیہما السلام اُرایت ان لمر اقرک اَلِیْسَ تَقْتُلِیْ کَمَا قَتَلْتَ الرَّجُلَ بِالْاَمْسِ فَقَالَ لَهُ یَزِیدُ لَعَنَهُ اللّٰهُ بَلٰی۔ فَقَالَ لَهُ عَلٰی بْنُ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ قَدْ اَقْرَرْتُ بِكَ بِمَا سَأَلْتُ اَنَا عَبْدًا مُّکْرًا لَّكَ فَاِنْ شِئْتَ فَاُمْسِکْ وَاِنْ شِئْتَ فَیَبِغْ فَقَالَ لَهُ یَزِیدُ لَعَنَهُ اللّٰهُ اَوَّلٰی لَکَ حَقَّتْ دَعْوَتُکَ وَلَسْتُ یَنْقُصُکَ ذَلٰکَ مِنْ شَرَفِکَ۔ (جلد ۳ کتاب الرضخہ)۔ پھر یزید نے امام زین العابدینؑ کے پاس آدمی بھیجا اور اُن کو وہی بات کہی جو ایک قریشی مرد کو کہی تھی۔ تو امام زین العابدینؑ نے اس سے کہا کہ بتاؤ اگر میں تیری (خلافت و بیعت) کا اقرار نہ کروں تو کیا مجھ کو بھی قتل کر دے گا۔ جیسا کہ تو نے کل اس مرد کو کیا ہے تو یزید نے کہا کہ ہاں۔ پس امام زین العابدینؑ نے یزید سے کہا کہ تو جو چاہتا ہے میں تیرے لیے اس کا اقرار کرتا ہوں۔ میں تو تیرا محبور غلام ہوں۔ اگر تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور اگر تو چاہے تو بیچ دے۔ پس آپ کو یزید نے کہا کہ تو نے اچھا کیا اپنا خون بھی بچا لیا اور اس بات نے تیری شان کچھ کم بھی نہیں کی، اور شیعوں کے علامہ باقر مجلسی نے بھی لکھا ہے:- ”اور کچھ لوگوں کو بھیج کر حضرت علی بن الحسین (امام زین العابدینؑ) کو طلب کیا اور وہی کہا جو اس مرد کو کہا تھا۔ حضرت نے فرمایا اگر میں اقرار نہ کروں اس وقت تو مجھے قتل کرے گا

جس طرح اس مرد کو قتل کیا۔ یزید نے کہا ہاں! حضرت نے فرمایا جو کچھ تو نے کمائیں نے اقرار کیا۔ یزید نے کہا تو نے اپنی جان کی حفاظت کی اور تمہارے شرف و بزرگی سے کچھ کم نہ ہوا“ مؤلف فرماتے ہیں کہ یزید کا بعد شہادت امام حسینؑ کے مدینہ میں آنا مخالف تواریخ مشہور ہے۔ مگر یہ ہو سکتا ہے کہ رادیوں کو اشتباہ ہوا ہو اور مسلم بن عقبہ نے اس ملعون کی طرف سے آگے بیعت لی ہو۔ (جلاء العیون مترجم ص ۱۲۶ جلد دوم مطبوعہ لاہور) علامہ باقر مجلسی اس واقعہ بیعت کا انکار نہیں کر سکے صرف اتنی تاویل کی ہے کہ ممکن ہے کہ مسلم بن عقبہ نے یہ بیعت یزید کے لیے لی ہو۔ بہر حال امام زین العابدینؑ کا یزید سے بیعت کر لینا تو ثابت ہو گیا خواہ بالواسطہ ہی ہو۔ یہی عجیب نظریہ ہے کہ جس کی بیعت امام حسینؑ قبول نہ کریں اور اپنے اور اعزہ کی جانیں قربان کر دیں اور مستورات کو اس مصیبت میں مبتلا کرنا قبول کر لیں۔ انہیں کے جانشین حضرت زین العابدینؑ جو شیعوں کے نزدیک پوتھے امام معصوم ہیں۔ جان بچانے کے لیے اسی یزید سے بیعت کر لیں اور اس کو خلیفہ مان لیں جو اہل تشیع کے نزدیک اتنا ملعون ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس پر لعنتوں کا ورد نہ کرے تو وہ بھی اُن کی نگاہ میں دشمن حسین قرار دیا جاتا ہے۔ کیا یہی وہ امامت مفصومہ ہے جو مائتہ گروہ مسلمان سے منوانا چاہتا ہے؟ اگر امام زین العابدینؑ کے تفتیہ کرنے سے اُن کی امامت معصومیت میں فرق نہیں پڑا تو پھر اگر امام حسینؑ بھی اسی تفتیہ پر عمل کر لیتے تو کیا نقص لازم آتا تھا۔ اعزہ و احباب کی جانیں بھی بچ جاتیں اور عظمتِ امام میں بھی کچھ فرق نہ پڑتا۔

(ب) جلاء العیون کی مندرجہ روایت کے حاشیہ میں کوثر زیدی بھریلوی صاحب فرماتے ہیں کہ:- ”یہ روایت بالکل غلط ہے امام زین العابدینؑ کا بھی اپنے والد امام حسینؑ کے بعد وہی مرتبہ اسلام ہے جو امام حسینؑ کا تھا۔ اگر امام زین العابدینؑ یزید کی یا مسلم بن عقبہ کی بیعت کرتے تو امام حسینؑ کیوں سرکڑاتے؟ اس نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوثر زیدی صاحب یا نیم سنی ہیں کہ امام موصوف سے اس قسم کی کمزوری کا صدور تسلیم نہیں کر سکتے اور یا وہ شیعوں کے مسئلہ تفتیہ سے ناواقف ہیں، اور روایت غلط ہونا بھی محض بلا دلیل ہے! جب ان کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی اس کو صحیح مان رہے ہیں تو اُن کے مقابلے میں کوثر زیدی صاحب کی تحقیق کی کیا حیثیت ہے اور غالباً کوثر صاحب اصول کافی کے اس آسمانی وصیت نامہ سے بھی ناواقف ہیں کہ

کے اعمال کے بار میں اس کو سپنا دیتے ہیں۔ اس موتی کی قدر و قیمت قیامت کے بازار میں لوگوں پر عیاں ہوگی۔ (ج) علامہ ابن حجر عسقلانی اہل حدیث کے مشہور و معروف محدث اپنی کتاب ”إصابة في أحوال الصحابة“ جلد اول ص ۲۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں :- قال ما من عبد يكي يوم حسب ولدى الحسين الا كانت يوم القيمة مع ادلى العزم من الوصل - وقال البكاء يوم عاشوراء يوم فقام يوم القيمة - ”فرمایا جو شخص میرے فرزند حسینؑ پر بروز عاشوراء روتے گا۔ خدا اس کو قیامت کے دن ادلی العزم انبیاء کے ساتھ بہشت میں لکھے گا اور یہ بھی فرمایا، عاشوراء کے دن بروز قیامت عز و جہ روزِ بکاء“ بعض علماء نے تو اپنی کتابوں میں ایک مستقل باب قرار دے کر ایسی احادیث کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن میں حضرت امام حسینؑ پر رونے کا ثواب دار ہے جیسے ”وسيلة النجاة“ اور ”ينابيع العودة“ وغیرہ (۲۰) جب ماتم کا معنی ہی رونا پٹینا ہے تو پھر قریب یا غیر موجب ماتم کے اثبات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (۲۱) (فلاح المکونین) :-

الجواب

(۱) آپ نے ”وسيلة النجاة“ سے تواتر سے مسند احمد بن حنبل کی جو روایت لکھی ہے وہ باوجود تلاش کے مسند احمد بن حنبل میں نہیں مل سکی اور نہ ہی آپ نے اس قول کے قائل نام بتایا ہے اور نہ راوی کا صحیح نشان دینے کو کوشش کی ہے (۲) جب تک اس روایت کی صحت ثابت نہ ہو اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں ضعیف احادیث بہت ہیں چنانچہ (۱) علامہ قاری علی حقی لکھتے ہیں :- ”والحق ان فيه احادیث شذوہ ضعیفة وبعضها اشد في الضعف من بعض حتى ان ابن الجوزي قد ادخل كثير منساني موضوعات في بعضها بعضهم وفي ساوھا شيخ الاسلام ابن حجر عسقلانی وحقق نقی الوضوع عن جميع احادیثہ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۲۳) :- (اور میں یہ ہے کہ مسند احمد میں بہت احادیث ضعیف ہیں اور بعض ان میں سے بعض سے زیادہ ضعیف ہیں۔ حتیٰ کہ ابن جوزی نے ان میں سے بہت سی روایات کو اپنی موضوعات میں درج کیا ہے۔ لیکن بعض محدثین نے اس کی بعض روایات کے موضوع ہونے پر گرفت کی ہے، اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے ان سب روایات کے موضوع ہونے پر گرفت کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کی احادیث میں کوئی حدیث بھی موضوع نہیں ہے۔ لیکن ان روایات کے موضوع نہ ہونے

سے ان کے ضعیف ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ (ب) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :- ”در مسند احمد ضعافات بسیار اند۔“ یعنی مسند امام احمد بن حنبل میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں۔ (عجالة نافعة) (۳) اس روایت کے ناقابل اعتبار ہونے کی ایک یہ علامت بھی ہے کہ اس میں صرف ایک قطرہ آشوبہا نے پرچت کی بشارت دی گئی ہے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ موضوع احادیث کی علامت میں سے ایک یہ علامت بھی بیان فرماتے ہیں کہ :- ”بر عمل قلیل ثواب حج وعمرہ ذکر نماید۔ یعنی کسی روایت میں محتوطے عمل پر حج وعمرہ کا ثواب مذکور ہو تو وہ موضوع ہوگی :- (عجالة نافعة ص ۱۸۷) (۴) کسی مصیبت پر وقتی تاثر کے تحت رو پڑنا چونکہ غیر اختیاری ہوتا ہے اس لیے یہ جز سے لیکن مصیبت پر رونا شریعت میں کوئی عبادت نہیں ہے۔ کہ اس پرچت واجب ہو جائے۔ مصیبت امام حسینؑ پر رونے کے فضائل میں من گھڑت روایات کا بعض کتابوں میں جو انبار لگا ہوا ہے یہ سب مقام صبر و شہادت کی عظمت کو ذائل کرنے کے لیے ایک سازش ہے۔ ورنہ اگر کسی مصیبت پر رونا موجب جنت ہوتا تو رحمت اللعالمین، خاتم النبیین، امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جنت اُحد میں دندان مبارک شہید ہونے کی مصیبت پر رونے کی فضیلت اور اس پرچت کے واجب ہونے کی بشارت دی جاتی۔ بدر اور اُحد کے شہداء کی مصیبت پر رونے کے فضائل میں بھی احادیث وارد ہوتیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشانی مبارک جنگ اُحد میں زخمی ہوئی اور خون جاری ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اطہر کے خون کا ایک قطرہ رُوئے زمین کے تمام شہیدوں کے لبوں سے زیادہ شان رکھتا ہے۔ لیکن اس مصیبت پر رونے دھونے کے متعلق کوئی فضیلت نہیں بیان کی گئی۔

اگر اللہ تعالیٰ کو مصائب پر رونا رونا لانا مطلوب ہوتا تو قرآن عظیم میں سب سے پہلے یہ حکم دیا جاتا۔ لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے مومنین کو شہداء اُحد کے صدمہ کے بعد یہ فرمایا کہ لَا تَحْزَنُوا (تم غم نہ کھاؤ) جب غم جاری رکھنے کی ہی نہی فرمادی تو آپ کے ماتمی سلسلہ کی کہاں گنجائش رہ گئی۔ علاوہ ان ماتم کا معنی آپ جو سینا لکھتے ہیں یہ آپ کی جہالت یا تلبیس ہے۔ جس کی تردید کر دی گئی ہے۔

”مقصد شہادت“ از شاعر اسلام ابوالاثر حفیظ جاندھری

شہید اک مقصد اعلیٰ کی خاطر دے کے قربانی
نویذ زندہ گزلاتے ہیں بہر نوع انسانی
شہید احسان فرماتے ہیں فرزند ان آدم پر
ہو اُن کا نویذ امن برساتا ہے عالم پر
دظاہر خاک میں ملتی نظر آتی ہے خاک اُن کی
مگر ہے زندہ و پائندہ ہر دم جان پاک اُن کی

ہمیشہ احترام اُن کا فروغ اک ہیئت ہے
مگر یہ پیٹنا رونا تو رسم جاہلیت ہے

(۵) آپ نے ”روضۃ الشہداء“ سے ملاحظہ فرمائیں کاشفی کی جو عبارت پیش کی ہے تو یہ بھی کوئی شرعی حجت نہیں ہے اور قبل ازیں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ ملا صاحب مذکور اہل تشیع میں سے ہیں۔ لیکن بادیوں اس کے اسی ”روضۃ الشہداء“ میں آیت وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ کے تحت آپ کے ماتم کے خلاف یہ لکھا ہے ہیں :- و بشارت دہ صبر کنندگان را کہ دریں بلیات طریقہ شکیبائی پیش آرند و رسوم جزع و فرج و شکایت فروگذارند :- ”یعنی اے اللہ کے رسول! آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں جو کہ مصیبتوں میں صبر کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور جزع و فرج کی رسموں اور شکایت کو چھوڑ دیتے ہیں“ فرمائیے! اس میں آپ کے مروجہ ماتم کی تردید ہے یا تائید؟

(۶) آپ نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ”الاصحابہ فی تميز الصحابة“ جلد اول کے حوالہ سے جو روایت

اصحابہ کا غلط حوالہ

درج کی ہے وہ اس میں حضرت امام حسینؑ کے تذکرہ میں نہیں پائی جاتی۔ ہمارے پاس ”الاصحابہ“ مطبوعہ مصر اور بیروت دونوں موجود ہیں لیکن ان میں اس روایت کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پھر آپ نے یہ غلط حوالہ کیوں پیش کر دیا؟ (ب) آپ نے علامہ ابن حجر عسقلانی کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں :- ”اہل حدیث کے مشہور و معروف محدث“ تو اگر آپ کی مراد اہل حدیث ہونے سے یہ ہے کہ وہ حدیث نبویؐ کو تسلیم کرنے والے ہیں تو صحیح ہے۔ لیکن اگر آپ کی مراد اس سے وہ علماء ہیں جو کسی امام مجتہد کی فروعی و اجتہادی مسائل میں تقلید نہیں کرتے تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔ چنانچہ کتاب الاصابہ کے ٹائٹل پر اُن کے نام کے ساتھ ”عسقلانی الشافعی“ لکھا ہوا ہے۔

یزید کا رونا اور ماتم کرنا (۷) آپ نے جو روایات پیش کی ہیں اُن میں بھی صرف آتشو بہانے کا ذکر ہے۔ نہ کہ ماتم مروجہ یعنی منہ پیٹنے اور

صینہ کو پی کرنے کا۔ اس لیے ان روایات سے آپ کا دعویٰ ماتم کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا اور اگر مصیبت حسینؑ پر آتشو بہانے اور ماتم کرنے سے ضرور جنت مل سکتی ہے تو یہ عبادت تو یزید کو بھی نصیب ہو چکی ہے پھر آپ اس کو کیوں جہنمی سمجھتے ہیں چنانچہ (۱) جناب سکینہ کے مذکورہ زیر بحث خواب کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ :- جب یزید نے یہ خواب سنا اپنے منہ پر ٹانچے مار کے رونے لگا اور کہنے لگا مجھے قتل حسین سے کیا مطلب تھا الخ (جلد العیون علامہ باقر مجلسی جلد دوم مطبوعہ لاہور)۔

(ب) یزید نے نہ صرف یہ کہ خود ماتم کیا بلکہ مستورات اہل بیت کو بھی ماتم حسین کی اجازت دے دی اور اس کے لیے مکان خالی کر دیا چنانچہ علامہ باقر مجلسی مذکورہ خواب کے سلسلہ میں جناب سکینہ کا خواب لکھتے ہیں کہ :- جب اس نے میرا خواب سنا اس کا تم دائودہ زیادہ ہوا اور مرجھا کے کچھ جواب نہ دیا صبح کو اہل بیت رسالت کو طلب کر کے اُن کو شام میں رہنے یا مدینہ کی طرف جانے کا اختیار دیا انہوں نے کہا اول ہم کو امام مظلوم کا ماتم برپا کرنے کی اجازت دے۔ اُس نے کہا جو تمہیں منظور ہو وہ کرو، اور ایک مکان اہل بیت کو دیا۔ اہل بیت نے جامہ ہائے سیاہ پہنے۔ اور ایک شام میں جس قدر قریش دینی ہاشم تھے، ماتم و گریہ و زاری و تقریر و سوگواری میں اُن کے شریک ہوئے اور سات روز تک آنحضرت پر رنج و زاری کی۔ (جلد العیون جلد دوم ص ۲۵)۔

فرمائیے! جب امام حسینؑ کی مصیبت پر ایک قطرہ آتشو بہانے سے آپ کے نزدیک جنت واجب ہو جاتی ہے تو پھر یزید تو روتا بھی رہا اور اس نے ماتم بھی کیا۔ بلکہ سات روز تک جو عباس ماتم اس کی اجازت سے برپا رہیں اور ان میں جتنا رونا دھونا ہوتا رہا، اس کا ثواب بھی اس کو ملنا چاہیے تو کیا اس کے بادیو بھی آپ یزید کے جنتی ہونے میں شبہ کر سکتے ہیں۔ آج اگر کوئی بھکاری اُبرت لے کر

ما تم بپا کرتا ہے تو ماتمیوں کے نزدیک وہ بھی جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔ تو پھر نزدیک کیونکر جنت سے محروم رہ سکتا ہے جبکہ اس نے اہل بیت کو ماتم کی کھلی اجازت دے کر ان پر یہ عظیم احسان کیا ہے، اور آج اپنی مجالس ماتم کی پیروی میں ہر جگہ ماتمی لوگ مجالس برپا کر رہے ہیں۔ تو پھر یہ فرق کیوں ہے کہ ماتمی مجالس کا بانی تو جہنم میں جائے اور صدیوں بعد کے ماتمی لوگ جنت کا ٹکٹ لے جائیں۔ (ب) اور اگر یہ فرمائیں کہ نزدیک کا ماتم اور اس کی طرف سے مجالس ماتم کی اجازت دینا محبت حسین پر مبنی نہیں بلکہ یہ اس کی سیاسی چال تھی۔ اور دکھلا دے کہ بے اُس نے خود بھی ماتم کیا، اُس کی بیوی بھی ننگے سر ماتم کرتی ہوئی اُس کے دربار میں آئی اور مستورات اہل بیت کو بھی اس نے ماتمی مجالس کے انعقاد کی اجازت دے دی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل ناقابل اعتبار ہے۔ کیونکہ اتنے بڑے ذی اقتدار جابر و ظالم سلطان کو حضرت حسین کے اس تذکرہ عظیم الشان مظاہرے کی کیا ضرورت تھی۔ جبکہ وہ امام حسین اور آپ کے اعزہ کو بے رحمی سے قتل کر اچکا تھا تو مستورات اہل بیت کی اس کو کیا پرواہ ہو سکتی تھی، اور اگر آپ کا یہی یقین ہے کہ اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف تھا۔ بظاہر اس نے ماتم کا مظاہرہ کیا لیکن دل سے وہ اس کے خلاف تھا، تو پھر ہم کہتے ہیں کہ یہی تو وہ تفسیر ہے جو آپ کے نزدیک ایک عظیم عبادت ہے۔ جس میں دین کے فوٹے پائے جاتے ہیں تو اس وجہ سے بھی وہ آپ ہی کا ہم مذہب ثابت ہوا۔ عبرت! عبرت! (۸) اگر یہ روایت صحیح ہوتی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ”جو شخص میرے فرزند حسین پر بدو عاشر اے روئے گا، خدا اس کو قیامت کے دن اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ بہشت میں رکھے گا۔“ (فلاح الکونین ص ۶۱)۔

تو بعد رسالت میں ہی عاشر اے کے دن امام حسین کی آنے والی مصیبت کے تحت مجالس گریہ ماتم بپا کی جاتیں پھر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسن مجتبیٰ بلکہ حضرت فاطمہ الزہراء بھی ہر سال اس دن ماتمی مجالس کا اہتمام کرتیں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں کیا گیا تو کیا مذکورہ فضائل صرف آج کل کے ماتمیوں کے نصیب میں تھے اور وہ حضرات ان سے محروم رہ گئے، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود یہ ارشاد سنے تھے۔ کیا عاشر اے کے دن رو کر ان کو جنت حاصل کرنے کی حاجت نہ تھی۔ یہ بھی عجیب قسمت ہے

کہ جن حضرات ائمہ کی طرف اس قسم کی روایات منسوب کی جاتی ہیں، اُن کی مبارک زندگیوں میں تو اس ماتم مرقومہ کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ اُن کے لمحات حیات تو اسلامی فرائض نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ اور تلاوت و تعلیم قرآن، اتباع سنت، تحفظ حد و شریعت اور تبلیغ و اشاعت دین میں گزرے ہیں، اور الحمد للہ ان اعمال صالحہ میں ان حضرات کی پیروی اہل سنت کے بزرگوں کو نصیب ہے، اور مدحیان جنت اہل بیت میں مذکورہ اعمال صالحہ تو عموماً مفقود ہیں۔ البتہ منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا وغیرہ ماتمی افعال ان کے نامہ اعمال میں زیادہ ہیں جن سے ان ائمہ کبار کا دامن پاک ہے، اور تعجب ہے کہ قرآن مقدس میں سر نماز، حج و زکوٰۃ، ذکر اللہ، تعلیم و تبلیغ دین اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ فرائض و احکام شریعت اور دیگر اعمال صالحہ کا ذکر تو جابجا ملتا ہے لیکن ماتم کا لفظ تک مذکور نہیں اور اگر لُجرا کا ذکر ملتا ہے تو نہ تحزن و نہ لا تحزن و ان کی ہی بھی اس میں مذکور ہے۔ لیکن پھر بھی یاد لوگوں کے نزدیک حسیلی مشن کی بنیاد ماتم ہی ہے اور ان کی تحریر و تقریر کا سارا ذرا اسی پر خرج ہو رہا ہے کہ ماتم کرنا ہی جنت کی کنجی ہے اور جو مسلمان اُن کے ایجاد کردہ ماتم کی پیروی نہیں کرتا وہ جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے

یہ اپنی اپنی قسمت ہے شکایت کیوں لگے کیا؟ کسی کا بخت ہے ماتم کسی کا صبر و قرآں ہے

”ینابیع المودت“ کا مصنف شیعہ ہے؟

بحث دلیل مضبوہ ۱۔ ماتمی ٹریکٹ میں لکھا تھا کہ: ”حضرت امام حسین کا غم تو وہ

غم ہے جس پر انسان تو کجا جن و ملک، چرند و پرند، آسمان و درخت سب نے گریہ کیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آسمان حضرت امام حسین پر چالیس دن تک روتا رہا۔“ (ینابیع المودت از علامہ شیعہ سلیمان حنفی قدس سرہ مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۳۹) ثابت ہوا کہ مرثیہ پڑھنا، رونا اور ماتم کرنا انبیاء کی سنت اور سیرت اصحاب رسول اکرم ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ (۱) ”ینابیع المودت“ حنفیوں کی کوئی مستند کتاب نہیں۔ پھر قرآن و حدیث کے صریح ارشادات کے خلاف ایسی روایتیں کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہیں (۲) اس عبارت میں منہ پیٹنے اور سینہ کوٹی کا کوئی ذکر تک نہیں۔ (۳) کیا فرشتوں کی فطرت بھی رونا اور ماتم کرنا ہے، الصیاد باللہ۔ (۴) کیا ہر سال زمین و آسمان ماتم کرتے ہیں؟ (۵) ہم ماتم

کیوں نہیں کرتے صلا۔

اس کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکوسین" لکھتے ہیں: "دا، بقول آپ کے "ینابیع المودت" حنفیوں کی کوئی مستند کتاب نہیں، چلے نہ سہی۔ اگر آپ علامہ شیخ سلیمان مفتی اعظم قسطنطنیہ جیسے معتبر عالم کی لکھی ہوئی کتاب کو مستند نہیں سمجھتے، نہ سمجھیں۔ بوقت ضرورت اپنی کتاب سے منکر ہو جانا آپ کا اور آپ کے علماء کا پُرانا شیوہ ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی مصنف "تحفۃ اثنا عشریہ" کے معتبر عالم ہونے اور اُن کی لکھی ہوئی کتابوں کے مستند ہونے کا اقرار تو آپ کو بھی ہوگا۔ چنانچہ شہادت حسین پر زمین و آسمان کے رونے کا ثبوت ہم شاہ صاحب موصوف کی کتاب "سیر الشہادۃ" سے دلیل نمبر ۳ کے جواب الجواب میں پیش کر چکے ہیں۔ شاہ صاحب کے علاوہ ان قدر قی آثار کا ظہور پذیر ہونا جن کو زمین و آسمان کا رونا ہما گیا ہے۔ علامہ ابن اثیر جزیری، علامہ ابن حجر، ابن سعد اور سبط ابن جوزی وغیرہم علماء اہل سنت نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ آپ کس کا انکار کریں گے اور کس کو جھٹلائیں گے؟" (فلاح الکوسین ص ۲۱۷)

الجواب

بحث دلیل نمبر ۳ کے تحت آپ کی پیش کردہ روایات کا جواب گزر چکا ہے، جس میں سبط ابن جوزی کا شیعہ ہونا ثابت کیا گیا ہے، اور حافظ ابن کثیر محدث کی تحقیق، اُن کی تفسیر اور اُن کی کتاب "البدایہ والنہایہ" سے نقل کردی گئی ہے کہ اُن میں سے اکثر روایات وضعی اور من گھڑت ہیں، اور "صواعق محرقة" میں علامہ ابن حجر مکی نے اس قسم کی جو روایات درج کی ہیں وہ بھی سبط ابن جوزی وغیرہ کے حوالہ سے ہیں اور ان کتابوں سے منقول ہیں، جن میں رطب و یابس اور صحیح و غلط ہر قسم کی روایات درج ہیں۔ لہذا ان روایات کو کسی شرعی مسئلہ پر بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً جبکہ آپ کے مروجہ ماتم کے سلسلہ ہر وہ کتاب جو کسی سنی عالم کی طرف منسوب ہو حجت نہیں ہو سکتی، جو بات مذہب اہل سنت کے اصول و قواعد کے خلاف ہوگی وہ قابل قبول نہیں خواہ وہ کسی کتاب میں ہو اور اس کا لکھنے والا کوئی سنی عالم ہی ہو اور "ینابیع المودت" تو اہل سنت کی کوئی مستند کتاب ہے ہی نہیں۔ ۱۲

خلافت کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصوص موجود ہیں۔ جن کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اسی کتاب میں حرمات ماتم کے دلائل کی بحث میں آنے والی ہے۔ (ب) اور جن علماء نے اس قسم کی روایات کو درج کیا ہے، ان کے نزدیک بھی مندرجہ واقعات سے آپ کا ماتم ثابت نہیں ہوتا بلکہ مستقل شرعی دلائل کی بنا پر وہ بھی اس ماتم کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے "صواعق محرقة" میں ہی یہ فرمایا ہے کہ: "اعلم ان ما أصیب به الحسین رضی اللہ عنہ فی یوم عاشوراء کما سیأتی بسط قصۃ انما هو الشہادۃ الدالۃ علی مزید خطوتہ و مرفعة درجۃ عند اللہ و العاقبۃ بدرجات اہل بیتہ الطاہرین فمن ذکر ذلک الیوم مصابہ لم یبغ ان یشغل إلا بالاسترجاع امتثالاً للامر و احراز المارتبۃ تعالیٰ علیہ بقولہ أولئک علیہم صلوات من ربہم و رحمۃ و أولئک هم المبتدون ولا یشغل ذلک الیوم الا بذلک و نحوه من عظام الطاعات کالصوم و ایاء شرایع ان یشغلہ ببدع المرافضۃ و نحوہم من النذب و النیاحۃ و الحزن اذ لیس ذلک من اخلاق المؤمنین و الا لکان یوم وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی بذلک و احرى اوبدع الناصب المتعصبین علی اہل البیت و الجہال المقابلیں الفاسد بالفاسد و البدعۃ بالبدعۃ و الشر بالشر من اظہار غایۃ الفرح و السرور و اتخاذہ عیداً و اظہار الزینۃ فیہ کالخضاب و الادکتعال و لبس جدید الثیاب و توسیع النفقات و طبخ الاطعمۃ و الجوب الخارجۃ عن العادات و اعتقادہم ان ذلک من السنۃ و المعتاد و السنۃ ترک ذلک کلہ فانہ لم یرد فی ذلک شیء ليعتمد علیہ ولا اثر صحیح یرجع الیہ۔" (صواعق محرقة) "جان لو کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عاشوراء کے دن جو مصیبت پہنچی ہے جس کا مفصل قصہ عنقریب آنے والا ہے۔ وہ آپ کی ایسی شہادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے مقام کی زیادتی اور درجہ کی بلندی پر دلالت کرتی ہے اور اس کی وجہ سے آپ کو اہل بیت طاہرین کے درجات پر فائز ہونا نصیب ہوا ہے۔ پس جو شخص اس دن آپ کی مصیبت شہادت بیان کرے اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی میں سوائے اللہ و ائمتہ الیہ راجعون کہنے کے اور کوئی فعل نہ کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے جن عنایات اور رحمتوں کے ملنے کا

ذکر فرمایا ہے ان کو حاصل کرے، اور اس دن وہ اسی قسم کی دوسری بڑی عبادتوں مثلاً روزہ وغیرہ میں مشغول رہے اور اپنے آپ کو وہ رافضیوں کی بدعتوں کے ارتکاب سے بچائے رکھے مثلاً ندبہ، نوحر اور غم کرنا۔ کیونکہ یہ باتیں مومنین کے اخلاق میں سے نہیں ہیں۔ اگر یہ اُمور جائز ہوتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن ان کے لیے زیادہ لائق اور زیادہ مناسب تھا، اور رافضیوں کی بدعتوں کا ارتکاب بھی نہ کرے جو اہل بیت پر تعصب رکھتے ہیں اور ان جاہلوں کی طرح بھی نہ کرے جو ایک خرابی کا مقابلہ دوسری خرابی سے اور بدعت کا مقابلہ بدعت سے اور برائی کا مقابلہ برائی سے کرتے ہیں۔ مثلاً انتہائی خوشی کا اظہار کرنا اور اس دن کو عید بنانا اور اس میں زینت کا اظہار کرنا مثل عادت کے خلاف خضاب لگانے اور سرمہ ڈالنے اور نئے کپڑے پہننے اور زیادہ خرچ کرنے اور طرح طرح کے کھانے پکانے کے۔ بوجہ ان کے اس اعتقاد کے کہ یہ کام اس دن میں سنت ہیں، حالانکہ معمول اور سنت تو ان کاموں کا نہ کرنا ہے۔ کیونکہ ان کے لیے کوئی قابل اعتماد حدیث اور صحیح اثر ثابت نہیں ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے۔

یوم عاشوراء کے بارے میں چونکہ افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ رافضی اس دن غم اور نوحر و ماتم کرنا ضروری سمجھتے ہیں اس لیے ان خلاف شرع اُمور سے بھی بچنا چاہیے، اور رافضی جو حضرت امام حسینؑ و دیگر ائمہ اہل بیت سے بغض رکھنے کی وجہ سے ایسے اُمور بجالاتے ہیں۔ جن میں ان حضرات کی تقفیں پائی جاتی ہے، اس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے اور جاہل لوگ جو عاشوراء کے دن کو خوشی اور عید کا دن سمجھ کر مناتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں تو ان کے رواج کو بھی چھوڑ دینا چاہیے، اور بجائے اُن ناجائز اُمور کے صابرین کی طرح اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھے اور روزہ وغیرہ عبادات میں مشغول رہے۔ یہ ہے وہ طریقہ جو افراط و تفریط سے محفوظ ہے۔ اور جبکہ علامہ ابن حجرؒ کی یہ تفسیر فرما رہے ہیں کہ عاشوراء کے دن کو رافضیوں کی طرح بطور غم کے بھی نہیں منانا چاہیے تو پھر مفت ”فلاح الکوسین“ کو ”صواعق معرقہ“ کی مندرجہ روایات سے مروّجہ ماتم کے اثبات میں کیا نائدہ پہنچا ہے جبکہ ماتم کی بنیاد ہی انہوں نے ختم کر دی اور نوحر اور ندبہ کو بھی ناجائز قرار دے دیا۔ (۲) ”ینابیع المودّت“ کے مصنف علامہ شیخ سلیمان بھی سنی اور حنفی نہیں بلکہ شیعہ ہیں۔ ”ینابیع المودّة“ عربی مطبوعہ نجات اشرف، اور ”ینابیع المودّة“ مترجم اردو مطبوعہ

شیعہ جنرل بکٹ ایجنسی انصاف پریس لاہور، دونوں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس کتاب میں محمود شیعہ عقائد کا ہی بیان ہے مثلاً لکھا ہے کہ (۱) موفق ابن احمد نے حدیث وصیت برائے علیؑ کو بریدہ کی ادایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہر نبی کا وہی اور وارث ہوتا ہے، میرے وہی اور میرے وارث علیؑ ہیں۔ (ینابیع المودّت اردو ص ۱۳) فرمائیے حضرت علیؑ کا وہی رسول ہونا جس کا وہ اذان میں اعلان کرتے ہیں، سنیوں کا عقیدہ ہے یا شیعہوں کا؟ (۲) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اے علیؑ! میرے بعد فضیلت تیرے لیے ہے۔ تیرے بعد ان ائمہ کے لیے ہے جو تیرے فرزند کی اولاد میں سے ہوں گے۔ (ص ۱۴) یہ بھی شیعہوں کا عقیدہ ہے کیونکہ اہل سنت کے عقیدہ میں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امتوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ (۳) اس میں لکھا ہے کہ ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق تین شخص ہیں۔ (۱) حبیب نجات۔ یہ وہ مومن ہیں جنہوں نے کہا تھا اے میری قوم رسولؐ کی تابعداری کرو۔ (۲) حزقیل۔ مومن آل فرعون جس نے کہا تھا کہ تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ (۳) علی بن ابی طالب ہیں، آپ اُن سے افضل ہیں۔ (ص ۱۹) یہ بھی عقیدہ شیعہ کے مطابق ہے کیونکہ اہل سنت کے عقیدہ میں حضرت ابوبکرؓ نہ صرف صدیق ہیں بلکہ صدیق اکبر ہیں یعنی امتوں میں سب صدیقیوں سے افضل ہیں۔

تو فرمائیے! اس کتاب ”ینابیع المودّة“ کے مصنف کو ہم سنی حنفی کہیے مان لیں۔ البتہ ایسے حنفی ضرور ہیں جیسا کہ آپ کے قاضی نور اللہ شومستری نے ”مجالس المؤمنین“ میں لکھا ہے کہ ہمارے شیعہ علماء حنفی و شافعی بن کر کام کرتے رہے ہیں اور اگر شیخ سلیمان موصوف فی الواقع سنی اور حنفی ہیں تو پھر ”ینابیع المودّة“ اُن کی تصنیف نہیں بلکہ اس کا مصنف کوئی اور شیعہ عالم ہے اور اذرا دے تلخیص اس کو شیخ سلیمان قندوزی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی

رحمہ اللہ اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤی فرماتے ہیں:- بہت سے شیعہ عمر مہر سنی بنے رہے اور ان میں سے بعض کا تتبع مرتے وقت ظاہر ہوا اور بعض کا مرنے کے وقت بھی ظاہر نہ ہوا۔ سوا ان کے چند مخصوص لوگوں کے، کوئی ان کے تشیع سے واقف نہ نہ ہو سکا۔ (النجم لکھنؤ ماہ صفر ۱۲۵۲ھ)

نے "تحفۃ اثناعشریہ" میں اہل تشیع کے کارناموں میں اس امر کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ خود کتاب لکھ کر کسی عالم اہل سنت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ بہر حال چونکہ "ینابیع المودۃ" شیعہ عقائد پر مشتمل ہے اس لیے اہل تشیع کو اس کتاب سے خاص دلچسپی ہے۔ چنانچہ اب شیعہ جنرل بک ایجنسی لندن پر لیں لاہور نے بھی اسی بنا پر اس کو طبع کرایا ہے ورنہ اگر "ینابیع المودۃ" عقائد اہل سنت پر مشتمل ہو تو شیعوں کو اس پر سرمایہ لگانے اور اس کی اشاعت کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ (۲) کتاب "سراشہادین" کے متعلق بھی پہلے عرض کر دیا ہے کہ یہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی طرف منسوب ہے اور اس میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو مصنف "تحفۃ اثناعشریہ" یعنی حضرت شاہ صاحب موصوف کے واضح مسلک کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر نظر رکھنے والے علمائے اہل سنت نے اس کو حضرت شاہ صاحب کی تصنیف تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "النجم" لکھنؤ کے ایک مضمون میں حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب کانپوری ایک معترض شیعہ کے جواب میں فرماتے ہیں: "اور آپ نے یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ حسب ارشاد شاہ صاحب امام حسین علیہ السلام کی شہادت رسول اللہ کی شہادت تھی، یہ محض غلط ہے حضرت شاہ صاحب نے کہیں ایسا نہیں لکھا۔ سُبْحَانَكَ هَذَا أَجَبَتَانِ عَظِيمَتَانِ" کے متعلق میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ کتاب شاہ صاحب کی تصانیف میں سے نہیں ہے۔ یہ بھی حضرات شیعہ کا اُن پر احسان ہے کہ ایک کتاب خود ہی تالیف کر کے حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دی جس سے اہل سنت کے بعض علماء بھی دھوکہ کھا گئے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت شاہ صاحب وہی بزرگ ہیں جنہوں نے "تحفۃ اثناعشریہ" جیسی جامع کتاب رد مذہب شیعہ میں تصنیف فرمائی۔ جس کا کوئی منقول جواب آج تک فرقہ شیعہ سے نہ ہوسکا اور نہ انتشار اللہ ہو سکے گا۔ پھر حضرت شاہ صاحب سے کیونکر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ "سراشہادین" جیسی کتاب تالیف فرمائیں گے۔ جس میں مذہب شیعہ کے عقائد کی تائید ہوتی ہے۔" (النجم المجلد ماہ صفر ۱۳۵۲ھ) اور شیعوں کو اس کتاب "سراشہادین" سے اتنی دلچسپی ہے کہ ادارہ علوم اسلام اصفری ساکن

کلاں لاہور کی طرف سے اپریل ۱۹۷۱ء میں اس کو طبع کرایا گیا ہے، جو ہمارے پاس موجود ہے۔ جواب نمبر ۲ میں تو مصنف نے اپنا ماتمی فلسفہ ہی بیان کیا ہے کہ: "جہاں رونے کی شدت ہوگی وہاں مٹہ پٹینا اور سینہ کو بی لاڈ لانا ہوگی" اس من گھڑت فلسفہ کی پہلے کئی مرتبہ تردید کی جا چکی ہے۔ اگر مٹہ پٹینا اور سینہ کو لاڈ لانا شرعاً کوئی نیکی اور عبادت ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور اہل بیت عظام سے اس کا ثبوت ملتا۔ لیکن آپ سوائے اپنے اختراعی ماتمی فلسفہ کے بیان کے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں پیش کر سکے اور جن واقعات میں کسی مصیبت پر وقتی تاثر کے تحت حزن یا گناہ کا ثبوت ملتا ہے وہ زیر بحث ہی نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی اختلاف ہے، اور اگر دل میں غم ہو اور آنکھوں سے آنسو آجائیں تو اسے آپ کا ماتم کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟

جواب نمبر ۳ میں آپ نے لکھا ہے کہ: "کیا فرشتوں کی فطرت میں بھی ماتم کرنا اور رونا ہے؟ اس پر آپ کا العیاذ باللہ کہنا تو یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ کوئی بڑا ہی کلمہ کفر ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اپنے غوث الاکرم محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (جن کو تمام اہل سنت والجماعت پیر و سنگر اور پیران پیر کہتے ہیں) کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا وہ بھی ایسا کلمہ کفر زبان سے نکال سکتے ہیں؟ حضرت موصوف نے اپنی مشہور و معروف کتاب "غنیۃ الطالبین" کے ص ۱۱ پر تحریر فرمایا ہے: "ہبط علی قبر الحسنین بن علی یوم اصیب سبعون الف ملک یمکون علیہ الی یوم القیامۃ"۔ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر پر روز عاشوراء ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے جو قیامت تک حضرت پر دیا کریں گے۔ فرمائیے! ملائکہ کی فطرت میں رونا ہے یا نہیں؟" (فتاویٰ الکوسین)

الجواب

(۱) آپ کا یہ سمجھنا جہالت پر مبنی ہے کہ العیاذ باللہ کلمہ کفر پر بولا جاتا کیونکہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا، اور یہ ہر چھوٹی یا بڑی غریبا یا بُرائی سے بچنے کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: "قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا ذُقِبَ۔ اس کا ترجمہ آپ کے مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی یہ لکھتے ہیں: "تم کہہ دو کہ میں سپید صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس چیز کی شر سے جس کو اُس

نے پیدا کیا اور اندھیری رات کی شر سے جبکہ وہ اچھا جائے۔ (ترجمہ مقبول) فرمائیے! یہاں ہر قسم کی شر اور نقصان وہ چیز سے بچنے کے لیے تعوذ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ بندہ عاجز و محتاج ہے اور ہر شر سے بچنے کے لیے اپنے رب کی پناہ میں ہی اس کو امن حاصل ہو سکتا ہے کیا آپ کے نزدیک شر اور برائی صرف کفر ہی ہے اور سب خیر و بھلائی ہی ہے؟ (۲) اس روایت کی سند یہ لکھی ہے :- واخبرنا ابو نصر عن والده باسنادہ عن ابی السامۃ عن جعفر بن محمد بن جعفر بن محمد نے یہ بتایا ہے کہ ستر ہزار فرشتے حضرت حسینؑ کی قبر پر آسمان سے اترے ہیں۔ تو فرمائیے!! آسمانوں سے فرشتوں کے نازل ہونے کی خبر تو صرف وحی کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو پھر اس خبر کا ذریعہ کیا ہے اور شیعہ مذہب کی مستند کتاب ”منہج البلاغۃ“ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آسمانی خبروں کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کے وقت حضرت علی المرتضیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ :- بابی انت و اُمتی لقد انقطع بموتک ما لم ینقطع بموت غیرک من النبوة والانباء و اخبار السماء :- (اے رسول خدا) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی وفات سے نبوت اور وحی اور آسمانی خبروں کا سلسلہ ختم ہو گیا جو کسی اور کی موت سے ختم نہیں ہوا۔ تو حضرت علیؑ کے اس ارشاد کی روشنی میں بھی آسمان سے فرشتوں کے نازل ہونے کی خبر غلط ثابت ہوتی ہے۔ لہذا یہ روایت وضعی اور من گھڑت ہے جو بعد میں ”غنیۃ الطالبین“ میں کسی نے شامل کر دی ہے۔ کیونکہ غوث الاعظم حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مقدس بزرگ کوئی ایسی روایت خود درج نہیں کر سکتے جو عقائد اہل سنت کے صراحتاً خلاف ہو، اور حسب حوالہ ”منہج البلاغۃ“ حضرت علیؑ کے ارشاد کے بھی یہ خلاف ہے، اور اس قسم کے تصریحات اکابر اہل سنت کی تصانیف میں بکثرت کئے گئے ہیں جن میں کتاب ”غنیۃ الطالبین“ بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب فرارودیؒ نے اپنی کتاب ”میرام الکلام فی عقائد الاسلام“ ص ۵۷ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت سید عبد القادر جیلانی کی کتاب ”غنیۃ الطالبین“ میں بہت سی موضوع روایات بکثرت شامل کر دی گئی ہیں۔ (۲) اور اس

روایت کے الحاقی ہونے کا یہ بھی ایک قوی قرینہ ہے کہ اس کے بعد ہی دوسرے باب میں پیران پیر حضرت سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے عاشورار کے دن کو بطور غم منانے کی تردید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :- دلوجاز ان یتخذ یوم موته یوم مصیبة لکان یوم الاثنين ادلی بذالک اذ قبض اللہ تعالیٰ نبیہ محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فیہ وکذلک ابو بکر صدیق قبض فیہ وھو ماروی ہشام بن عروفا عن عائشۃ قالت قال ابو بکر لی ائی یوم توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ قلت یوم الاثنين قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ انی ارجو ان اموت فیہ فمات فیہ وفقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفقد ابی بکر رضی اللہ عنہ اعظم من فقد غیرھما۔ (غنیۃ الطالبین عربی مطبوعہ لاہور)۔ یعنی اگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کے دن کو مصیبت کا دن منانا جائز ہوتا تو پیر کا دن اس کے لیے زیادہ مناسب تھا۔ جبکہ اس دن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہے اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بھی اسی دن وفات ہوئی ہے اور ہشام ابن عروہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس دن ہوئی تھی، تو میں نے عرض کیا کہ پیر کے دن، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میری وفات بھی اسی دن ہوگی۔ پس حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات بھی اسی دن ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات باقی سب کی وفات سے بڑا حادثہ ہے۔ لہذا جب پیر کے دن کو غم اور مصیبت کا دن نہیں منایا گیا تو عاشورار کو غم اور مصیبت کا دن منانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟)۔

جب حضرت غوث الاعظم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دن کو بطور غم منانا جائز ہی نہیں سمجھتے تو اس قسم کی روایت کو آپ کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔ جس میں قیامت تک فرشتوں کے رونے کا ذکر ہے اور جس کا ثبوت بھی بغیر اللہ تعالیٰ کی وحی کے نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ روایت یقیناً من گھڑت ہے اور اخبار نے بعد میں ”غنیۃ الطالبین“ میں شامل کر دی ہے۔ (۳) میں نے لکھا تھا کہ کیا فرشتوں کی فطرت میں رونا اور ماتم کرنا ہے الحیاذ باللہ؟ تو اس کا جواب ابھی آپ کے ذمہ باقی ہے اور ہرگز

وہاں فرشتوں کی فطرت میں رونا اور ماتم کرنا ہے الحیاذ باللہ؟ تو اس کا جواب ابھی آپ کے ذمہ باقی ہے اور ہرگز

آپ کسی قطعی دلیل سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر فرشتوں کا رونا اور ماتم کرنا ثابت نہیں کر سکتے، اور میاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ماتم سے مراد وہی ماتم ہے جس کا آپ مظاہرہ کرتے ہیں یعنی منہ پٹنا اور سینہ کو ٹٹنا وغیرہ اور اگر فرشتے بھی ماتمیوں کی طرح پھریوں سے ماتم کریں تو خدا جانے ان کے نوری بدنوں کا کیا حال ہوتا ہوگا؟ یہ آپ ہی بتا سکتے ہیں۔ (۳) اور اگر آپ کے نزدیک اس قسم کی روایتیں! صحیح ہیں تو پھر یہ قیامت تک رونے والے فرشتے وہی ہوں گے جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد کو بروقت نہ پہنچ سکے اور اب وہ اپنے اس تصور پر دروہے ہوں گے چنانچہ (۱) اصول کافی کتابت میں ہے :- پس حضرت جہاد کے لئے لٹکے، ملائکہ نے ان کی نصرت کی خواہش اللہ سے کی۔ خدا نے اجازت دیدی اور اس کے بعد وہ جنگ کی آمادگی کے لیے کچھ دیر ٹھہرے۔ یہاں تک کہ حضرت شہید ہو گئے تب نازل ہوئے۔ ملائکہ نے کہا پروردگار اس میں کیا مصلحت تھی تو نے ہمیں اترنے کا حکم دیا اور نصرت کی اجازت دی لیکن جب ہم اترے تو تو نے اُن کی روح قبض کر لی۔ خدا نے وحی کی کہ اب تم ان کی قبر پر رہو یہاں تک کہ تم ان کا خروج دیکھو (اشارہ ہے خروج حضرت حجت یعنی حضرت مہدی کی طرف) پس تم ان کی مدد کرو اور اس پر گریہ کرو اور جو خدمت تم نہ کر سکے اس پر میں نے تم کو مخصوص کیا اُس کی نصرت اور بقا کیلئے پس ملائکہ محرومی نصرت پر روئے۔ اب جب رجعت میں وہ خروج کریں گے تو وہ مدد کریں گے (مشافہی ترجمہ اصول کافی جلد اول صفحہ ۳۲۲)۔

(ب) اہل تشیع کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی نے بھی یہ روایت لکھی ہے کہ :- چار ہزار فرشتے آسمان سے نصرت حسین کے لیے زمین پر آئے اور جب زمین پر پہنچے تو حضرت شہید ہو چکے تھے۔ اب فرشتے سر بر ہنہ ہمیشہ گرد آؤ قبر امام حسین کے پاس ہیں تا وقتیکہ حضرت قائم (یعنی حضرت مہدی) ظاہر ہوں۔ یہ وہ فرشتے یا وہ ان امام حسین سے ہوں گے (جلد العیون مترجم جلد دوم صفحہ ۸۷ مطبعہ شیعہ جعفری بک ایجنسی انصاف پرنس لاہور) ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ (۱) فرشتوں کا حضرت حسین کی قبر پر رونا ان کے اپنے اس تصور کی وجہ سے ہے کہ وہ آپ کی مدد نہ کر سکے، نہ کہ شہادت حسین کے عمر کی وجہ سے اللہ (ب) علامہ باقر مجلسی نے تو ملائکہ کا سر بر ہنہ اور گرد آؤ ہونا بھی بیان کر دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان فرشتوں کا لٹکے

سر ہونا کس وحی سے معلوم ہوا ہے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حسب ارشاد حضرت علی المرتضیٰ آسمان کی خبروں کا ملنا منقطع ہو چکا ہے اور سلسلہ وحی بھی ختم ہے اور مصنف "خلاص الکونین" یہ بھی بتائیں کہ فرشتوں کا لباس کیسا ہوتا ہے اور ان کے سر پر ٹکڑی ہوتی ہے یا ٹوپی جو انہوں نے شہادت حسین کے بعد اتار دی ہے، اور فرشتے تہ بند باندھتے ہیں یا شلوار پہنتے ہیں اور ان کا نوری وجود خاکی لود کیسے ہو جاتا ہے (ج) ان روایات سے معلوم ہوا کہ فرشتے معصوم نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ان سے ہو جاتی ہے تو اس بنا پر تو آئندہ بھی یہ خطرہ لاحق ہو سکتا ہے کہ فرشتے جنگ کی تیاری میں ہی وقت ضائع کر دیں اور امام حسین اور حضرت مہدی کی مدد نہ کر سکیں۔ تو پھر اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ البتہ باللہ! اپنے خود ساختہ ماتم کے ثبوت کے لیے کیسی کیسی عجیب و غریب روایتیں گھڑی گئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے مقرب ملائکہ کی صریح توہین پائی جاتی ہے اور جو تصریحات قرآنی کے خلاف ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ :- لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۵ (پ ۲۸ سورۃ التحریم ۱۷) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر یہ لکھتے ہیں :- "جو خدا تعالیٰ کی کسی بات میں جس کا وہ ان کو حکم دیتا ہے، نافرمانی نہیں کرتے اور جس بات کا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہی بجالاتے ہیں" (ترجمہ مقبول)

اگر امام حسین کی مدد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا تھا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس میں کوتاہی کریں۔ اور روایت میں یہ وجہ جو لکھی ہوئی ہے کہ وہ جنگ کی تیاری کے لیے کچھ دیر ٹھہر گئے تھے تو معلوم نہیں انہوں نے کہاں سے اور کس قسم کے ہتھیار لینے تھے کہ وہ جلدی نہ حاصل کر سکے لاجول ملائکہ اللہ (۵) فروع کافی کی روایت میں ہے :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ما من نبی ولا وصی نبی یبقی فی الارض الاثر من ثلاثۃ ائیم حتی یرفع روحہ وعظمہ ورسمہ الی السماء وانما یبقی مواضع اثنا عشر من قریب :- (امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب کوئی نبی اور وصی نبی مر جاتا ہے تو تین دن سے زیادہ روئے زمین پر نہیں رہتا۔ ان کی روح ان کی ہڈیوں اور گوشت کو آسمان کی طرف اٹھا لیا جاتا ہے، ان کے آثار باقی رہتے ہیں اور انہیں دُور سے سلام پہنچتا ہے اور اپنے آثار

میں قریب سے سن لیتے ہیں۔ (شافی ترجمہ فروغ کافی کتاب الحج جلد اول حصہ دوم) اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم مبارک بھی تین دن کے بعد قبر میں نہیں رہا جو گا اور آسمان پر اس کو لے گئے ہوں گے۔ پھر تعجب ہے کہ فرشتے بجائے اس کے کہ امام حسین کے پاس جا کر آسمانوں پر ان کا ماتم کریں زمین پر کیٹوں پھڑکے ہیں۔ انسانوں میں سے مانتی لوگ تو آسمان پر اور جنت میں جا ہی نہیں سکتے اس لیے زمین پر ہی ماتم کرتے ہیں اور امام حسین کی قبر کے آثار ہی کی زیارت کر لیتے ہیں لیکن فرشتوں کے لیے کیا مجبور ہی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آسمانوں پر تو ماتم منوع ہو اور وہ زمین پر ہی ضد کر کے بیٹھے ہوئے ہوں۔ آخر یہ مہمہ کیسے حل ہو گا؟

ماتمی ٹریکٹ میں دیل نمبر ۱۸ کے تحت صرف یہ دو شعر لکھے تھے

بحث دلیل نمبر ۱۸

اے منکر غم گرچہ میرے پیر نہ ہوتے مسمار محل دین کے تعمیر نہ ہوتے
حسینؑ کی قربانی سے زندہ ہے یہ اسلام مٹ جاتا اگر دنیا میں شیر نہ ہوتے
اس کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ :- (۱) ان اشعار میں تو دعویٰ ہے نہ کہ دلیل (۲) اس کو ماتم سے کیا تعلق (۳) کیا دین کے محل میں رحمتہ تعلیمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ماتم کی اینٹ بھی لگائی ہے؟ یا دین کا محل نماز، روزہ، صبر و روزہ جیسے اعمال صلوٰۃ سے تعمیر کیا گیا ہے؟ (۴) ہم مانتے کیوں نہیں کرتے؟۔ اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں (۱) اشعار میں بے شک دعویٰ ہے لیکن دعویٰ بے دلیل نہیں۔ مفکر اعظم، شاعر مشرق علامہ اقبال کی زبان سے سینے سے

بہر حق در خاک و خون غلطیہ راست پس بنائے لا الہ گردیدہ است
نقشِ لا الہ بر صحرانِ نوشت سطرِ عنوانِ نجات ما! نوشت
تاریخِ ما از زخمِ اش لوزانِ بُنود تازہ از تکبیرِ او ایمانِ بُنود

اے صبا! اے پیکِ دورِ افتادگان!!

اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او مرسات!!

(۲) حسین کی قربانی نے اسلام کو زندہ کیا۔ ماتم نے اس قربانی کو آج تک زندہ رکھا۔ ذکر حسین اور ماتم کا چوٹی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں ذکر حسین ہو گا وہاں لازماً ماتم بھی ہو گا۔ (۳) دین کا وہ محل جن کو سرکارِ رحمتہ تعلیمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی بنیادیں تو بنی اُمیہ کے قیصر و کسریٰ نے متزلزل کر دی تھیں اور وہ محل قریب باہندام ہو چکا تھا۔ یہ حسین کی قربانی تھی جس نے اس کو مرتے ہوئے محل دین کو سہارا دیا۔ اپنے اور اپنے اعزہ و اقارب اور یار و انصار کے خون سے اس کو مضبوط کیا۔ اسی لئے تو سلطانِ ہند، فخر الاولیاء حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا

شاہ ہست حسین! بادشاہ ہست حسین
دین ہست حسین! دین پناہ ہست حسین
سرداد نہ داد دست در دست یرید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

کوتاہ نظروں، شہرہ چشموں کو چھوڑیے! س

انسانیت کے نام پہ کیا کر گئے حسین ہر دور کے بلند خیالوں سے پوچھ لو

گو یا حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی منہدم اسلام کی تعمیر کی بنیادی اینٹ تھی اور ماتم ہر سال اس قربانی کی یاد تازہ کرتا ہے۔ (فلاح الکونین ۶۳، ۶۵)

الجواب

(۱) ماتمی ٹریکٹ میں دلیل نمبر ۱۸ کے تحت جو دو شعر لکھے گئے ہیں ان کے

پہلے مصرعے میں گرچہ کا لفظ غلط استعمال ہوا ہے، اور دوسرے شعر کے

پہلے مصرعے کا وزن بھی صحیح نہیں، کسی شاعر سے دریافت کر لیں۔ (ب) ان شعروں کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ امام حسین نے دین کے مسمار شدہ محل کی تعمیر اپنی قربانی سے کی، اور اگر حسین نہ ہوتے تو اسلام مٹ جاتا یعنی آپ نے اسلام کو بچا لیا۔ تو اگر آپ کا یہی قلبی یقین ہے تو یہ مقام مسرت ہے نہ کہ مقام رنج و الم۔ پھر آپ کو اللہ کے دین کا محل تعمیر ہونے سے کیوں دکھ پہنچا ہے، محل دین کے تعمیر ہونے کی خبر سے تو ان دشمنوں کو رنج و الم پہنچتا تھا جو اس دین کی بربادی کے خواہاں تھے۔ کیا آپ بھی انہیں لوگوں میں شامل ہیں جو یہ نہیں چاہتے کہ پرچم حق بلند ہو، اور اللہ کا دین محفوظ ہو جائے۔ اس وجہ سے قیامت تک ان کے گھروں میں صفحہ ماتم بچھ گئی ہے۔ (۲) یہاں تو آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ امام حسینؑ نے دین کے محل کو

سہارا دیا اور دین محفوظ ہو گیا۔ لیکن شیعوں کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی امام زین العابدین کے رونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ :- امام زین العابدین اپنے پدر بزرگوار کو اوروں سے بہتر اور فوائد وجودان بزرگوار اور مفاسد عدم وجود اس امام اختیار کے اوروں سے زیادہ جانتے تھے اور معلوم تھا کہ وہ اپنے زمانہ میں محبوب ترین خلق خدا تھے۔ ان کے قتل سے ایک عالم کی گمراہی متصور ہے دین خدا ضائع ہوا، حضرت رسول کی سنت ضائع ہوئی۔ بنی اُمیہ کی بدعتیں ظاہر ہوئیں اس سبب سے گریہ کرتے تھے اور حقوڑے خور سے صاف ظاہر ہے کہ یہ گریہ خدا کی طرف راجع ہے (جللاء العیون جلد دوم صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ انصاف پریس لاہور)۔

تو فرمائیے! آپ کی بات صحیح ہے کہ امام حسین کی قربانی سے اسلام زندہ ہوا یا علامہ باقر مجلسی کی تحقیق صحیح ہے کہ امام حسین کی شہادت سے دین خدا ضائع ہوا اور حضرت رسول کریم کی سنت ضائع ہوئی؟ نیز امام زین العابدین کی کثرت بکار کی وجہ علامہ مجلسی یہ لکھتے ہیں :- ہو سکتا ہے کہ حضرت کا گریہ محبت و خوف حق تعالیٰ سے ہو (صفحہ ۲۵۵) (د) ہم نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے عمل کی تفسیر میں کیا کوئی ماتم کی اینٹ بھی لگائی تھی؟ لیکن اس کا مصنف ”فلاح الکونین“ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ (۲) امام الما دلیا حضرت سید معین الدین جشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے جو اشعار لکھے ہیں۔ وہ اندوئے تحقیق حضرت کے ثابت نہیں ہوتے۔ چنانچہ دیوان حضرت خواجہ معین الدین جشتی رحمۃ اللہ علیہ کا جو ”اللہ والے کی قومی دکان رحیم پور“ نے چھپوایا ہے، ہمارے پاس موجود ہے اس میں یہ اشعار موجود نہیں ہیں۔ (د) ان اشعار سے آپ کا ماتم تو کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا، پھر آپ کو زیارت مسئلہ میں ان سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ (ج) پہلے شکر کا دوسرا مصرعہ :- دین است حسین دین پاد است حسین شرعی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت حسین خود دین نہیں ہیں بلکہ وہ دین کو ملنے والے ہیں۔ دین اور حسین دو جدا جدا چیزیں ہیں نہ کہ ایک۔ (د) حضرت سید معین الدین جشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے بزرگ ہیں نہ کہ ماتمیوں کے، آپ قطب الاقطاب ہیں۔ آپ سے فیض پا کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اور پھر حضرت فرید الدین گنج شکر نے، اور آپ سے فیض پا کر حضرت ہوکر حضرت نظام الدین اولیا دہلوی

اور حضرت خواجہ علاؤ الدین صابر کلیری (کلیر شریف) نے ایک عالم کو روحانی فیوضات سے مشرف کیا۔ ان حضرات نے مذہب اہل سنت والجماعت کا نور بھیلایا۔ سنت و شریعت کے ہمیشہ پاسبان رہے، ان کے ذریعہ عوام کو خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ اور تمام صحابہ کرام، اہل بیت عظام، ازواج مطہرات کی عقیدت و محبت نصیب ہوئی۔ شیعیت اور ماتم سے ان اولیاء اللہ کو کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور یہ خصوصیت مذہب اہل سنت کو ہی نصیب ہوئی ہے کہ حقیقی و قادری نسبت کے اولیاء اللہ ہوں یا نقشبندی و سروردی نسبت کے تمام اہل سنت ہی ہوئے ہیں، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ (۳) آپ نے علامہ اقبال مرحوم کے جو اشعار پیش کئے ہیں ان سے بھی آپ کا ماتم ثابت نہیں ہوتا۔ اقبال مرحوم سنی تھے، خلفائے راشدین کو ماننے والے، چار یاں کی حقانیت کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے۔ کیا کبھی علامہ اقبال نے ماتم کیا تھا؟ پھر آپ کو ان اشعار سے کیا فائدہ؟ ان اشعار میں تو شاعر اسلام اقبال مرحوم نے یہی بتایا ہے کہ حضرت حسینؑ نے صحرا پر لا اللہ کا نقش لکھا یعنی توحید کا پرچم بلند کیا۔ لیکن آپ سبائے توحید کے ماتم کا علم بلند کرتے ہیں۔ ماتمی لوگ ذوالجناح کو بو سے دیتے ہیں اور شرک و بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کیا یہ مظاہر ماتم اس لئے ہیں کہ توحید و سنت کے نور کو معاذ اللہ ماتم کی آندھیوں سے بجھا دیا جائے لیکن یاد رکھئے :-

خلف علیجات

لور خدا ہے کفر کی مسرت پہ نندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

آپ اپنے ماتمی کردار کا حضرت حسینؑ کی حیات مقدسہ سے کچھ تو تعلق ثابت کریں۔ (د) بے شک حضرت حسینؑ نے لا اللہ یعنی توحید کا نقش لکھا لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر شہید اپنے خون سے لا اللہ کا نقش ہی ثبت کرتا ہے۔ کیا شہدائے بدر و احد نے لا اللہ کے نقوش نہیں لکھے تھے۔ جن غازیان اسلام اور مجاہدین فی سبیل اللہ نے بدر و احد وغیرہ غزوات میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کے جانبیں قربان کیں، اور جن اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اعزازی طور پر آسمان سے فرشتے نازل کئے گئے تھے، اور انہوں نے باذن خداوندی کفار کو قتل بھی کیا تھا۔ (وہ ایسے فرشتے نہیں تھے جو کہ بلا میں لیٹ سپنج) اور کیا خلافت فاروقی کے زمانہ میں جنگ یرموک اور جنگ قادسیہ کے شہر لانے

توحید کے انمٹ نقوش نہیں چھوڑے تھے؟ کیا ان سب شہداء کرام کا دین اسلام کی تعمیر میں کوئی حصہ نہیں ہے؟ یقیناً اُن کا حصہ ہے بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین حق کو غالب کرنے والے ہیں وہ ایسے مجاہدین اسلام ہیں جنہوں نے براہ راست محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہو کر طاغوتی اور ابلیسی حملاتِ اقتدار کو مسمار کر دیا، اور نہ صرف صحراؤں بلکہ دریاؤں پر بھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا نقش قائم کر دیا۔

ان نقوش توحید و سنت اور ان فتوحاتِ اسلامی کا نقشہ شاعر اسلام حضرت اقبال ہی

کی زبان سے سن لیجئے :-

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی اہل چین، چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے، یونانی بھی اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پر تیرے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی بسائی کس نے؟
تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دی اذائیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جیتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی
ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے پاؤں شیردوں کے بھی میدان سے اٹھ جاتے تھے
تجربہ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بھٹایا ہم نے
ذریعہ خیر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا دے خیبر کس نے شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توڑے مخلوق خدا دندوں کے پکیر کس نے کاٹ کر رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے
کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدہ، ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو؟
کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی اور تیرے لیے زحمت کشں پیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہانگیر، جہاندار ہوئی کس کی تکبیر سے دنیا تری آباد ہوئی
کس کی ہیبت سے صغم سمے ہوئے رہتے تھے
مُنہ کے بل کر کے ھُوَ اللہُ اَحَدُ کہتے تھے

(شکوۃ اقبال)

فرمائیے! شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کن مجاہدوں اور غازیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ قیصر کا شہر
کس نے فتح کیا تھا؟ اور ایراں کا آتش کدہ کس نے ٹھنڈا کیا؟ یزدگرد شاہ ایراں کو کس نے شکست دی اور
شاہ ایراں کسری کی بیٹی شہر بانو کس کے دور خلافت میں لونڈی بن کر آئی اور امام حسین کی زوجیت کا شرف
حاصل کیا اور اس سے امام زین العابدین پیدا ہوئے۔ فرمائیے افریقہ کے صحراؤں اور یورپ کے کلیساؤں
میں کس کی خلافت میں اذائیں دی گئیں؟ بیت المقدس کو کس نے فتح کیا؟ کیا اقبال مرحوم نے ان شعراء
میں فاتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ کے علاوہ عظمتِ خلافتِ صدیقی، سطوتِ خلافتِ فاروقی اور شوکتِ خلافتِ
عثمانی کو خراج تحسین پیش نہیں کیا؟ کیا سیف اللہ حضرت خالد کی تلوار نے إِلَّا اللہ کے نقوش صفحہ دہر پر
نہیں کیے تھے؟ کیا بنو امیہ کو مطعون کر کے اسلام کی اس عظیم الشان تاریخ کو مٹایا اور بھلایا جاسکتا ہے
اگر آپ کے نزدیک نفوذِ بالادھ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین
کے دور خلافت میں دین کا عمل مسمار ہو رہا تھا، اور آپ کا عقیدہ یہی ہے تو فرمائیے شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ
نے خلفائے ثلاثہ کے اس چوبیس سالہ دور میں اپنی قربانی دے کر محلی دین کو مسمار کیوں نہ دیا، اور پھر بنو
امیہ کے امیر معاویہ کے دور میں اگر دین کے عمل کو مسمار کیا جا رہا تھا تو حضرت حسین نے قربانی دے کر اس

کی کیوں حفاظت نہ کی۔ بلکہ برعکس اس کے دین کا محل مسمار کرنے والوں کا وظیفہ خور بن کر تقریباً بیس سال اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کیوں ضائع کر دیئے۔ کیا تقیہ کا نام لے کر ان عقائد پر پردہ ڈالا جاسکتا ہے آپ کے اس ماتم کی بنیاد شہادتِ حسین کی عظمت نہیں بلکہ ماتم کے شور و شین میں صبر و شہادت کے مرتبہ کو عوام کی نظروں میں کم کرنا اور خلفائے راشدین کی قربانیوں اور فتوحاتِ صحابہ کی شاندار اسلامی تاریخ کو نظر انداز کرنا مقصود ہے۔ یہ ماتمی تحریک جہادِ نبوی صلی اللہ کے خلاف ایک سازش ہے جو محبتِ حسین کے نام پر چلائی گئی ہے اور عوام کے جذبات سے کھیل کر اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن انشاء اللہ! وہ وقت آنے والا ہے کہ باطل کے تاریک پردے ہٹ جائیں گے اور نورِ حق جلوہ گر ہو جائے گا۔ (ج) غالباً آپ نے اقبال مرحوم کے اس شعر سے اپنا ماتم ہی مراد لیا ہو گا کہ :-

اے صبا! اے پیکِ دُور اُفتادگان! اشکِ ماہِ رخسارِ پاکِ اُردسان!

لیکن اگر اقبالؒ کا مقصد اس سے ماتمی ذہنیت کے مطابق رنج و الم کا اظہار ہوتا تو وہ امام حسینؑ کی قربانی پر فخر نہ کرتا۔ اس لیے اس کے تحفہ اشک کا تعلق آپ کے ماتم سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا باعث ایک قسم کا وہ سُرد و فربہ جو عظمتِ حسین کے تحت شاعر کے قلب میں جاگزیں ہے، اور مسرت و افتخار کے موقع پر بھی رقیق القلب انسان کی آنکھیں اشکبار ہو جایا کرتی ہیں۔

غزوۂ تبوک میں صدیق و فاروقؓ کا ایثار

(از شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ)

اک دن رسولِ پاکؐ نے اصحاب سے کہا
دیں مالِ راہِ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
ارشادِ سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اسٹے
اس روزان کے پاس تھے دہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدمِ میرا ہوا
لائے غرض کہ مالِ رسولِ امین کے پاس
ایثار کی ہے دستِ نگرِ ابستدائے کار
پوچھا حضورِ سرورِ عالم نے اے عمرؓ!
اے وہ کہ جوشِ حق سے تیرے دل کو یہ قرار

رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مُسلم ہے اپنے خویش و اقارب کے حق گذار
کی عرضِ نصرتِ مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملتِ بیضیہ ہے نثار

اتنے میں وہ رفیقِ نبوتؐ بھی آگیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا و شہرت
ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہوا اعتبار
ملکِ یمین و درہم و دینار و درخت و جن
اسپِ قمرؓ و شتر و فطر و حمار
بولے حضور! چاہیے منکرِ عیال بھی
کنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدہ مردِ انجمِ فردغِ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار

پروانے کو چراغ ہے بیل کو پھول بس

صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس (بانگِ درا)

غازیانِ جنگِ بدر

(از شاعر اسلام ابوالخیر حفیظ جالندھری)

نہتے تھے غلامانِ نبی تعداد میں کم تھے
مگر اللہ دے تھے، مگر مردانِ عالم تھے
یہ بے سامان لڑے کچھ اس طرح سامانِ والوں
کہ اُن کے ہاتھ رکے تھے نہ خود دس نہ ڈھالوں
ابو بکرؓ اپنے بیٹے پر بڑھے تیغِ علم کر کے
جو آیارہ میں سر رکھ دیا اس کا قلم کر کے
عمر فاروقؓ نے بھی ہاتھ جس مفرور پر ڈالا
پچھاڑا اور چھاتی پر چڑھے اور قتل کر ڈالا
جو اترتے تھے مدعیانِ نام و ننگ ہو ہو کر
علیؓ کی ضربتوں سے رہ گئے چورنگ ہو ہو کر
بہادر بود جانہ شیر کی صورت جھپٹے تھے!
عدو اللہ کو بے قتل کر ڈالے نہ ہٹے تھے!
غلامانِ محمدؐ میں کسی سے کم نہ محنت کوئی
نخیف اور بھوکے پیاسے تھے مگر میدم نہ تھا کوئی
لڑے اس طرح حق کی راہ میں سینہ سپر ہو کر
کہ اکثر حملہ آور رہ گئے زہرِ زہر ہو کر!

زبان تکبیر میں مشغول، باز و قتل دشمن میں
نیزوں ہوتا تھا اک اک زخم پر پیروں پہنوں
ثبات و صبر تھا فوق یقیں کی کار سازی سے
تھے ورنہ تین تین اُلجے ہوئے ایک ایک غازی سے

سرکارِ مدینہ کی دعا

نظر آتے تھے مردانِ خدا کُل تین سو تیرہ
نہتے تین سو تیرہ لکھ پتے تھے عنبریت کے
کھڑے تھے اس طرح اس شکرِ کذاب کے آگے
صحابہ کو جو دیکھا محو ذوقِ جانِ سپاری میں
طبیعت پر وہی کیفیتِ رقت ہوئی طاری
وہ جس کے کھر قبولیت مراد میں مانگنے آئے
بہت نازک تھیں یہ باہم نیاز و ناز کی گھڑیاں
قریب سجدہ صدیقِ محرابِ شک بارسی تھے !
ابنی یہ ترے بندے ہیں تیری راہ میں حاضر
ترے پیغام کی آیات ہیں اُن کی زبانوں پر
اگر اختیار نے ان کو جہاں سے محو کر ڈالا
ابنی اب وہ عہدِ سِلۃ المہراج پورا کر
محمد سے جو وعدہ ہو چکا ہے آج پورا کر

کفار کی شکست

جبار جابر سے کفار پر گھبرا گئے کافر
جبر ہی تھی خاک آنکھوں میں سبائی کچھ نہ دیتا تھا
ہوا کا رخ بدلتے ہی ہزیمت کھا گئے کافر
سوا اللہ اکبر کے سُنائی کچھ نہ دیتا تھا

سراسیمہ ہر اسان، بدحواس و منتشر بھاگے
ہو اجب منتشر جمعیتِ باطل کا شیرازہ
اتار اجاچکا تھا دستِ حق سے تاجِ باطل کا
وہ باطل چھٹ گیا آخر وہ لشکر کٹ گیا آخر
یہ اس سے دس قدم آگے وہ اس سے دس قدم آگے
کیا شیطان نے اللہ کی قدرت کا اندازہ
سر میدانِ تعاقب ہو رہا تھا آج باطل کا
مستحقِ وقت آیا زورِ باطل گھٹ گیا آخر
غور و ناز تھا جس قوتِ ناپاک کے اوپر
دہ قوتِ ہر طرف بکھری ہوئی تھی خاک کے اوپر
مسلط تھا زبردستوں پر خوف اب زبردستوں کا
خدا والے تعاقب کر رہے تھے خود پرستوں کا

(شاہنامہ اسلام جلد دوم)

کیا ماتمیوں میں غازیانِ بدر کے نقوشِ شہادت و جہاد کو بھی کوئی محفوظ رکھنے والا پایا جاتا ہے اور
کیا مجاہدینِ بدر کا تعمیرِ دین میں کوئی حصہ نہیں۔ عبرت! عبرت! عبرت!

بحث دلیل نمبر ۱۹

ماتمی ٹرمیکٹ میں مندرجہ ۱۸ دلائل کے جوابات اور پھر مصنف صاحب
”فلاح الکوکین“ کی طرف سے ان کے جوابات الجواب مذکورہ
ذیل بحث نمبروں میں پورا ابطال کر دیا گیا ہے۔ میرے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے
جواب میں تلہ گنگ سے ملک غلام عباس صاحب بی۔ اے نے ایک معمولی سا اشتہار بنام ”کھلی چٹھی
بنام مظہر حسین مولوی چودھویں صدی“ شائع کیا تھا۔ جس کے جواب الجواب میں ایک ٹرمیکٹ بعنوان
”ملک غلام عباس بی۔ اے کی ماتمی کھلی چٹھی کا جواب اور چار لاکھ روپیہ انعام“ شائع کیا گیا تھا جو رسالہ
”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے دوسرے ایڈیشن میں شائع کر دیا گیا۔ ملک صاحب موصوف کی اس
کھلی چٹھی میں قرآن مجید کی آیت فصحت و جہا سے بھی استدلال کیا گیا تھا جس کا جواب دے دیا گیا
تھا۔ اب اس کے جواب الجواب میں مصنف ”فلاح الکوکین“ نے بھی اس پر بحث کی ہے۔ اس لئے
دلائل مذکورہ کی بحث کے ساتھ ہی یہاں دلیل نمبر ۱۹ کے تحت مذکورہ آیت پر بحث لکھ دی گئی ہے تاکہ
قارئینِ کرام کو ماتمی دلائل اور اُن کے جوابات پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی رہے۔

آیت فَصَلَتْ وَجْهَهَا كَامَطْلَب | پوری آیت یہ ہے :- وَبَشِّرُوهُ بِبَلَاءِ عَلِيمٍ
فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَلَّتْ وَجْهَهَا

وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ (پارہ ۲۶ - سورۃ الذاریات ۲۶) :- ”اور فرشتوں نے ان کو (حضرت ابراہیم کو) ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا۔ اسنے میں اُن کی بی بی بولتی آئیں، پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اَوّل تو) بڑھیا پھر بانجھ۔“ (ترجمہ مولانا جلال الدین) اس آیت کے تحت ملک صاحب موصوف نے لکھا تھا :- ”در ترجمہ“ پس آئی بیوی ابراہیم کی چلاتی ہوئی اور اس نے اپنا منہ پیٹ لیا۔“ بی بی سارہ نے جو اپنا منہ پیٹا محرومی اولاد اور حیرت کی وجہ سے تھا۔ لیکن سید الشہداء کا واقعہ زیادہ حیرت انگیز ہے۔ اس کا جواب رسالہ ”ہم ماتم کیوں سنہیں کوتے“ کے ضمیر میں یہ دیا گیا تھا کہ (د) ملک صاحب! اگر اس آیت کی وجہ سے مصیبت کے وقت منہ پیٹنا عبادت ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام جعفر صادق اس سے کیوں منع فرماتے؟ (دب) فَصَلَّتْ وَجْهَهَا کا معنی یہ ہے کہ بی بی سارہ نے اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور یہ اس موقعہ کا ذکر ہے کہ جب حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم کو بیٹا پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ تو اگر ماتمی لوگ بی بی سارہ کی سنت ادا کرنا چاہتے ہیں تو اپنے بیٹوں کی بیدارش کے موقعہ پر مجلس ماتم بپا کیا کریں۔ (ج) قرآن مجید سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بی بی سارہ نے بیٹا پیدا ہونے کی بشارت سنی، تو چونکہ آپ بہت بوڑھی ہو چکی تھیں اس لیے آپ نے تعجب کی بنا پر دفعتاً اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور یہ ایک وقتی تاثر تھا جس کے جواب میں فرشتہ نے کہا :- اَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَةُ اللَّهِ وَكَانَتْ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْبَيْتِ۔ (پارہ ۱۲ - ص ۶۷ - سورۃ ہود) :- ”کیا تو اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہے؟ اے ابراہیم کے گھروالی تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں) اس کو ملک صاحب کے ماتم سے کیا تعلق؟ کیا بی بی سارہ نے پھر ہر سال اس دن ماتم کی مجلس ماتم کی یا ایک سے زیادہ بار منہ پر ہاتھ مارا۔ ایک آیت ہاتھ مارنے سے تو ماتم ثابت نہیں ہوتا۔ (د) اگر تعجب کی بنا پر بی بی سارہ کی سنت ادا کرنی ہے تو پھر تعجب اور حیرت کے موقعہ پر بھی مجلس ماتم بپا کیا کریں، کیا خوب سمجھ ہے (ص ۱۳) اس کے جواب الجواب میں مصنف ”تکلاخ الکوکین“ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا بیٹا ہونا بھی

کوئی تعجب کی بات ہے جس کے لیے آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماتم کرنے والوں سے ایسے موقعہ پر مجلس ماتم بپا کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس کو تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جناب سارہ نے حیرت و استعجاب کے عالم میں یہ کہہ کر منہ پر ہاتھ مارا کہ میں بانجھ عورت، میرا شوہر بوڑھا لیکن قرآن حکیم کی رو سے یہ امر اس قدر تعجب خیز نہیں جتنا کہ حیرت و استعجاب میں غرق کر دینے والا واقعہ اصحاب کھف ہے، نیز اصحاب کھف کے واقعہ سے اور زیادہ تعجب میں ڈالنے والا سانحہ کربلا ہے۔ جس کے تعجب خیز ہونے کی تصدیق حضرت امام حسین کے کئے ہوئے سرنے کی۔“ اس کے بعد وہ روایات درج کی ہیں جن میں یہ تذکرہ ہے کہ امام حسین کے کئے ہوئے سرنے سورہ کھف کی آیات تلاوت کیں اور پھر لکھا ہے کہ اس قدر تعجب خیز امر پر جو اصحاب کھف درقیم سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے، روئیں اور سیدہ پٹنیں تو آپ ہی بتائیں اس سے اسلام کے کس رکن کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ جس کے لیے آپ اس قدر پریشان ہیں اور ماتم حسین کو بند کرانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔“ (تکلاخ الکوکین)

الجواب

آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سارہ نے تعجب کی بنا پر منہ پیٹا تھا اور امام حسین کا سانحہ چونکہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے اس لیے اس منہ پیٹنا جاتا ہے وغیرہ۔ تو اس پر ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر ماتم کی بنیاد تعجب ہی ہے تو پھر آپ سورہ کھف کی آیات تلاوت کرتے وقت یا اصحاب کھف کا واقعہ یاد کر کے کیوں ماتم نہیں کرتے۔ جبکہ آپ خود یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ اصحاب کھف کا واقعہ، حضرت سارہ کے واقعہ سے زیادہ عجیب ہے۔ یہ بھی کیا تعجب خیز بات نہیں کہ قرآن کے بیان کردہ تعجب انگیز واقعہ پر تو ماتم آپ نہ کریں، اور وضعی روایات کی بنا پر (کہ حضرت حسین کے کئے ہوئے سرنے سورہ کھف کی آیات تلاوت کیں) آپ کا ماتم حسین کبھی ختم ہی نہ ہونے پائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلکے ماتم تعجب نہیں کوئی اور امر ہے۔ (۲) اگر بالفرض کئے ہوئے سرنے تلاوت کی ہے تو یہ ایک خارق عادت واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظہور ہوا اور ہر خارق عادت واقعہ جو قادر مطلق کی قدرت سے ظہور پذیر ہوتا ہے، تعجب خیز ہی ہوتا ہے۔ تو پھر آپ کو ہر خارق عادت معجزہ یا کرامت پر بھی ماتم کی مجلس بپا کرنی چاہیے مثلاً قرآن حکیم سے ثابت

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اڑوہا بن گیا اور آپ کے عصا مارنے سے دریا میں بارہ خشک لائے پیدا ہو گئے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باذن اللہ مردے زندہ کئے، اور سورۃ القمر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ مذکور ہے کہ چاند چھٹ گیا، اور قرآن و حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ معراج بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم مبارک کے ساتھ آسمانوں پر بلکہ مقام قاف قوسین پر تشریف لے گئے اور قرآن کریم خود ایک عجیب و غریب علمی معجزہ ہے کہ آج تک کوئی مخلوق اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کا بھی مقابلہ نہ کر سکی اور نہ کبھی قرآن کے اس چیلنج کا جواب دے سکے گی کہ: **فَأَنذِرْ بِسُورَةِ قَمَرٍ مِّثْلِهِ**۔ کیا یہ سب معجزات تعجب خیز نہیں جو قرآن سے ثابت ہیں اور صرف امام حسین کا شہید ہونا اور آپ کے مر مبارک کا تلادت کو ناہی عجیب ہے اور اگر آپ تعجب خیز امر کی وجہ سے ماتم کرتے ہیں تو اس بنا پر تو مائیدوں کو چلبلیے کہ وہ ہر معجزہ کا ماتم کریں اور اولیاء اللہ کی ہر کرامت پر صفت ماتم بچالیں۔ کیا حضرت مریم کے حجرے میں بے موسمی پھلوں کا موجود ہونا تعجب خیز امر نہیں ہے؟ اور کیا حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں حضرت یحییٰ جیسا فرزند کا عطا ہونا بھی تعجب خیز نہیں ہے، اور کیا حضرت زکریا نے یا آپ کی زوجہ کرمہ نے یا آپ کی اولاد نے بھی اس پر کبھی ماتم کیا ہے؟ اپنے ماتم کی مجوزہ بنیاد پر قائم رہ کر کیا آپ ان سوالات کا جواب دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

خشت اول چوں نہد معمار کج تاثیرتایے رود دیو اس کج

(۳) حضرت سارہ کا تعجب کی بنا پر اپنے منہ پر ہاتھ مارنا اس کو عورت میں ماتم نہیں کتے۔ عموماً یہ عورتوں کی عادت ہے کہ تعجب کے موقع پر اس طرح کیا کرتی ہیں۔

تفاسیر اہل سنت

چنانچہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی تفاسیر سے یہ امر ثابت ہے۔ (۱) امام رازی زکوریہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

لہ چنانچہ قرآن مجید میں جنات کا یہ قول مذکور ہے: **إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهُدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ**۔ (سُورَةُ الْحَجِّ)۔ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے، سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے۔ (مولانا مہاتوی) اور مولوی مقبول احمد شیعی مفسر لکھتے ہیں: **وہ بے شک ہم نے ایک عجیب کتاب سنی**۔

۱۔ کہا جوت عادتۃ النساء حیث یسعی شیئاً من احوالہن یشعن صیحة معتادۃ لہن عند الاستیاء والاعتجاب..... **وَصَلَّتْ الْوَجْهَ الْيَضَامَنَ عَادَتَهُنَّ**۔ (تفسیر کبیر)۔ جیسا کہ یہ عورتوں کی عادت جاری ہے کہ جب وہ اپنے حالات میں سے کوئی بات سنتی ہیں تو وہ چلائی ہیں اور یہ ان کی بوقت حیا اور تعجب عام عادت ہے۔۔۔۔ اور منہ پر ہاتھ مارنا بھی ان کی عام عادت ہے۔ (۲) حضرت قاضی شامی اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: **قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَطَمَتْ وَجْهَهَا بِعَيْنِ جَمْعَتْ اصَابِعَهَا فَضْرِبَتْ وَجْهَهَا كَمَا هُوَ عَادَةُ النِّسَاءِ عِنْدَ التَّعَجُّبِ إِذَا انْكَرْنَ شَيْئًا وَقِيلَ وَجِدَتْ حَرَارَةَ دَمِ الْخِيضِ فَلَطَمَتْ وَجْهَهَا مِنَ الْخِيَاءِ**۔ (حضرت عبداللہ بن عباس نے **فَضْرَبَتْ وَجْهَهَا** کا منی کیا ہے **لَطَمَتْ وَجْهَهَا** یعنی اپنی انگلیوں کو جمع کیا اور پھر اپنے منہ پر مارا جیسا کہ یہ تعجب کے موقع پر عورتوں کی عادت ہے۔ جب سارہ کسی بات کو اوپری (عجیب) سمجھتی ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بی بی سارہ نے حیض کے خون کی حرارت محسوس کی اور حیا کی وجہ سے اپنے منہ پر ہاتھ مارا) (تفسیر مظہری)

(۳) علامہ آلوسی لکھتے ہیں: **قَالَ مُجَاهِدٌ ضْرِبَتْ بِيَدِهَا عَلَى جَبْهَتِهَا وَقَالَتْ يَا رَيْلَتَا وَقِيلَ إِنَّمَا وَجِدَتْ حَرَارَةَ الدَّمِ فَلَطَمَتْ وَجْهَهَا مِنَ الْخِيَاءِ وَقِيلَ إِنَّمَا لَطَمَتْ تَعَجُّبًا وَهُوَ فِعْلُ النِّسَاءِ إِذَا تَعَجَّبْنَ مِنْ شَيْءٍ**۔ (روح المعانی)۔ (مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت سارہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر مارا اور کہا **يَا رَيْلَتَا**، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے خون کی حرارت محسوس کی۔ پس حیا کی وجہ سے اپنے چہرہ پر ہاتھ مارا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے تعجب کی وجہ سے ہاتھ مارا، اور یہ عورتوں کا عام فعل ہے جب وہ کسی بات پر تعجب کرتی ہیں)

اسی طرح دیگر تفاسیر اہل سنت میں بھی لکھا ہے اور مندرجہ بعض اقوال سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے حیا و شرم کی وجہ سے چہرہ پر ہاتھ مارا۔ بہر حال تعجب کی بنا پر ہوا یا حیا کی وجہ سے منہ یا منہ پر ہاتھ مارنا عورتوں کی عام عادت بیان کی گئی ہے اور آج کل بھی وہ عموماً ایسا ہی کرتی ہیں۔ تو فرمائیے جب کوئی عورت تعجب یا حیا کے موقع پر اپنے منہ پر ہاتھ مارتی ہے تو کیا اس کو عورتنا پسینا اور ماتم کہا جاتا ہے ہرگز نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ عورتوں کا چہرہ پر ہاتھ مارنا کسی بہت بڑے تعجب انگیز امر

پر ہی ہو بلکہ عام طور پر کوئی بات بھی ان کو ادب پر (عجیب) لگے تو ایسا کیا کرتی ہیں۔ لہذا اگر آپ اس آیت سے معروف پٹینا اور ماتم ہی مراد لینے پر مصر ہیں تو آپ کو چاہیے کہ تعجب کی باتوں پر اور حیا و شرم کے موقع پر بھی ماتم کیا کریں۔ صرف امام حسین کے سانحہ کربلا کے ساتھ اس کو مختص کیوں کیا جاتا ہے؟ علاوہ ازیں حضرت سارہ نے تو عورت ہونے کی وجہ سے عورتوں کی عام مردوبہ عادت کے مطابق منہ پر ہاتھ مارا تھا۔ تو اگر مردان ماتم عورتوں کی عادت و جبلت کی پیروی کو ہی مردانہ بلکہ مؤمنانہ کمال سمجھتے ہیں تو یہ ان کو مبارک ہو۔ ع۔ ادا اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی۔

تفاسیر شیعہ

گو فَصَلَتْ وَجْهَهَا كاترجمہ شیعہ مترجمین مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی اور مولوی فرمان علی صاحب نے منہ پٹینا ہی کیا ہے، لیکن اس کا جو مطلب متقدمین شیعہ نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔ (۱) قدیم شیعہ مفسر شیخ قمی فَصَلَتْ وَجْهَهَا کا معنی لکھتے ہیں :- ای غَطَّةٌ بِمَا بَشَرَهَا جِبْرِئِيلُ (ع) باسحق (ع) یعنی حضرت سارہ نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا بوجہ اس کے جو حضرت جبرئیل نے آپ کو حضرت اسحق کی بشارت دی تھی۔) فرمائیے! شیخ قمی نے تو ماتم کے درخت کی جڑ ہی کاٹ دی، لہذا ماتمیوں پر لازم ہے کہ وہ اس آیت کے تحت تعجب یا ماتم کے وقت اپنے چہروں کو چھپا لیا کریں (۲) آپ کے شیخ طبرسی بھی یہی معنی لکھتے ہیں :- ای غَطَّةٌ بِمَا بَشَرَهَا جِبْرِئِيلُ (ع) باسحق (ع) یعنی آپ نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اس وجہ سے کہ آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت اسحق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی۔) یہ ہے وہ حق جو چھپانے سے چھپتا نہیں اور مٹانے سے مٹتا نہیں۔ مذکورہ آیت کی بنا پر آپ نے جو ماتم کا فلسفہ بیان کیا ہے اور تعجب خیز روایات کے شواہد پیش کیے ہیں۔ آپ کے قدیم مفسرین نے اس ساری بنیاد کا ہی خاتمہ کر دیا۔ علاوہ ازیں آپ نے جو یہ جواب دیا ہے کہ، قاضی صاحب! ہوش کی دوا کریں، بیٹا پیدا ہونا بھی، کوئی تعجب کی بات ہے الخ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سارہ کو بیٹے کی پیدائش کی ہی تو بشارت دی گئی تھی جس پر دُکُورُہُ لِعُلَامِ عَلِيمٍ کے الفاظ قرآنی دلالت کرتے ہیں۔ یہ جراثیم بات ہے کہ اس بشارت فرزند کے وقت آپ کو اپنے بانجھ ہونے کی وجہ سے تعجب بھی لاحق ہو گیا، اور میرا مطلب یہی تھا کہ اگر آپ

حضرت سارہ کی سنت کے تحت ماتم کرتے ہیں تو پھر پوری سنت کی پیروی تو یونہی ہو سکتی ہے کہ بچوں کی پیدائش پر بھی ماتم کی مجلس بپا کیا کریں۔ کیا قطرہ سے بچہ کا پیدا ہو جانا آپ کے لیے تعجب خیز امر نہیں؟ آپ نے نمبر ۳ کے تحت لکھا ہے کہ :- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نبی یا رسول یا کسی اوصیا یا اولیاء کا ایک مرتبہ کیا ہوا عمل سنت بن جاتا ہے اور آنے والی نسلیں ہر سال اور ہر مقام پر اس کی یاد گار مناتی ہیں۔ چنانچہ ابراہیم خلیل اللہ کی قربانی اس کی بین دلیل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے منی کے میدان میں صرف ایک دُنبہ ذبح کیا۔ مسلمان آج تک دنیا کے ہر ملک اور ہر مقام پر حضرت اسمعیل ذبیح اللہ کی اس قربانی کی یاد منانے کے لیے لاکھوں جانور ذبح کرتے ہیں۔ یونہی جناب سارہ نے اگرچہ ایک ہی مرتبہ منہ پر ہاتھ مارا لیکن اللہ تعالیٰ نے جناب سارہ کے اس عمل کو قرآن مجید میں صاف بتا دیا، ایسا کرنا گناہ نہیں۔ نیز نمونہ دینے یا مثال قائم کرنے کے واسطے کسی عمل کو بار بار دہرایا نہیں جاتا۔ جناب سارہ نے خواہ ایک ہاتھ یا دونوں، ایک ہی مرتبہ مارا یا متعدد بار اس عمل کو پٹینا ہی کہا جائے گا۔ مانیں یا نہ مانیں یہ آپ کی مرضی۔ (فلاح الکونین)

الجواب

(۱) قربانی پر ماتم کو قیاس کرنا آپ کی نری جہالت ہے یا تلبیس و فریب۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے فرزند حضرت اسمعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو لٹا کر ذبح کرنا تو سورۃ الصافات میں صراحتاً مذکور ہے (گو اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت ذبح ہونے میں مانع ہو گئی) اور سورۃ الحجۃ میں سالۃ امتوں کے لیے قربانی کا حکم بھی موجود ہے :- وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسَكًا لِّئَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَآرَئِهِمْ مِمَّنْ بَهِيمَاتِ الْآعْصَامِ :- ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کرنا اس غرض کے لیے مقرر کیا تھا کہ وہ ان (مخصوص) چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمایا تھے (ترجمہ مولانا جلال دہلوی) اور پھر اسی سورۃ میں نہ صرف یہ کہ اس اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے قربانی دینے کا حکم دیا گیا۔ بلکہ قربانی کے لیے ادنیٰ کو ذبح کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے :- وَالْبَدَنَ جَعَلْنَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرَ اللَّهُ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ نَّاذِرًا لِّكُلِّ أَهْلٍ اِسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَاتٍ فَاذْأَجِبَتْ جَنُوبَهَا فَاكْرَأُوا مَعَهَا الْقَائِمَ وَالْمَعْرُوفَ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ :- اور قربانی کے

اونٹ اور گائے اور اسی طرح بھیڑ اور کبھی کو بھی) ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے ان (جانوروں) میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں۔ سو تم ان پر کھڑے کر کے (ذبح کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو پس جب وہ کسی (کوٹ کے بل گر پڑیں) اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو اور ہم نے ان (جانوروں) کو اس طرح تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم (اس تغیر پر اللہ کا شکر ادا کرو) (پ ۱۷- سورۃ الحجج ۵)۔

قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے تحت محتاج مٹنی میں قربانیاں کرتے ہیں اور دوسرے مقامات پر بھی حکم نبوی اور سنت نبوی کے مطابق مسلمان ہر سال ان ایام میں قربانی کا حکم بجالاتے ہیں اور یہ شریعت کے واضح احکام کے تحت قربانی کا سلسلہ قائم ہے۔ اس لیے اس پر ماتم کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ماتم کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ماتم خود کسی شہید کا کیا ہے۔ نہ ہی اس کا حکم دیا ہے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے آپ نے جو استدلال کیا ہے اس کا مفصل ابطال پہلے کیا چکا ہے اور نہ ہی ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کسی کا یہ ماتم کیا ہے جو آپ کرتے ہیں اور نہ ہی ہر سال کسی کا بھی غم ہی منایا ہے۔ (۲) آپ کا نفس جس کام کو چاہے وہ شرعاً درست نہیں بن جاتا بلکہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ہر سنت کی پیروی بھی ہمارے لیے نہیں ہے۔ جب تک کہ شریعت محمدیہ سے اس کا ثبوت نہ مل جائے کیونکہ سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں (۳) حضرت سارہ کے عمل کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے اور آپ کے شیعہ مفسرین شیخ قمی اور شیخ طبرسی یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ انہوں نے ایک بار بھی منہ پر لٹکا مارا تھا۔ کیونکہ وہ فَصَلْتَ وَحَبَّطْنَا کا یہ معنی کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنا منہ ڈھانپ لیا تھا اور جو مفسرین یہ معنی کرتے ہیں کہ حضرت سارہ نے منہ پر لٹکا مارا تھا تو وہ بھی ماتم مراد نہیں لیتے بلکہ خود توں کی عام عادت کے ماتحت تعجب سے منہ پر لٹکا رکھنا ہی مراد لیتے ہیں، اولاً خواتین اب بھی ایسے مواقع پر ایسا ہی کرتی ہیں اور کوئی اس کو ماتم نہیں سمجھتا اور تعجب ہے کہ نہ لغوی معنی میں یہ ماتم ہے اور نہ عرفی معنی میں۔ تو آپ خواہ مخواہ ایسے دیکھ استدلال پیش کر کے کیوں اپنی جہالت کا مزید

ثبوت دیتے ہیں۔ آپ تو ایسے ڈوبے والے ہیں جن کو تنگے کا سہارا بھی نصیب نہیں ہے۔

آیت لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْعِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۝

بحث دلیل نمبر ۲

مصنف ”فلاح الکونین“ نے مندرجہ بالا آیت سے بھی اپنے ماتم کا استدلال کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ :- شیعہ ہر ماتم کے حواز کے مدعی نہیں لیکن حضرت امام حسین کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً قائل ہیں کیونکہ آپ مظلوم ہیں، اور قرآن حکیم مظلوم کے لیے جزع فزع کی اجازت دیتا ہے :- قَالَ اللَّهُ تَعَالَى، لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْعِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۝ (پ ۶ سورۃ النساء آیت ۱۳۸) :- ”اللہ تعالیٰ بری بات کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں اور خوب جانتے ہیں“ یعنی مظلوم اگر اپنے ظالم کی نسبت حکایت و شکایت کریں گے تو وہ گناہ نہیں“ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

تعریف قول سُوء

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ قول سُوء کیا ہے جس کے کہنے کی اجازت مظلوم کو ہے۔ الجزع القول السيئ اراد به تجويز الجزع الممنوع :- ”قول سُوء سے مراد جزع ممنوع ہے جو مظلوم کے لیے جائز ہے“ فرمائیے قاضی صاحب امام علیہ السلام کا فتویٰ اپنے جَدِ نادر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم کے واسطے ہے یا فام لوگوں پر جزع فزع کے لیے۔ ایسی ضعیف روایات کا سہارا لے کر ماتم حسین کو روکنے اور ذکر حسین کو بند کرانے کی کوششیں کبھی کامیاب نہ ہوں گی“ (فلاح الکونین ص ۳۱) اور اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :- ”آیت مجیدہ مظلوم کو یہ حق ادا کر رہی ہے کہ ظلم و ستم جو اس پر روا رکھے گئے ان کو بیان کرے اور ظالم کی شکایت کرے۔ ہمارا اگر یہ و ماتم کا مقصد امام مظلوم کی حمایت اور کربلا کے سانحہ عظیم کو دنیا کے سامنے آشکارا کرنا ہے۔ جس سے بڑھ کر وحشت و بربریت، ظلم و ستم، عداوت و شقاوت کی روئے زمین پر اور کوئی مثال نہیں۔ اب بتائیں اس سے زیادہ قرآن کریم سے مرثیہ خوانی اور سینہ زنی کا کیا حواز ہو سکتا ہے؟ (ص ۱۲)۔

الجواب

(۱) آیت میں مظلوم کو صرف زبان سے ظالم کی شکایت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ **مِنَ الْحَقُولِ** کو ملحوظ رکھیں چنانچہ مولوی... مقبول احمد شعبی مفسر نے بھی یہ ترجمہ کیا ہے: ”اللہ لفظوں میں کھول کر بدی بیان کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جو ستایا گیا ہو“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں صرف یہ ہے کہ مظلوم کے لیے اجازت ہے کہ وہ ظالم کی شکایت بیان کرے، لیکن یہ کوئی نیکی اور عبادت بھی نہیں ہے کہ مظلوم ایسا ہی کرے بلکہ بہتر یہ ہے کہ مظلوم ظالم کو معاف کر دے۔ چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا: **وَإِنْ تُبْذُلُوا خَيْرًا لَّأَوْتَقُوا** **أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءِ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا** حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے: ”اور ہر چند ایسی شکایت جائز تو ہے لیکن“ اگر نیک کام علانیہ کر دیا اس کو خفیہ کر دے جس میں معاف کرنا بھی آگیا یا (بالخصوص) کسی رکی، برائی کو معاف کر دو (تو زیادہ الفضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (بھی) بڑے معاف کرنے والے ہیں (باوجودیکہ) پوری قدرت والے ہیں“ (کہ اپنے مجرموں سے ہر طرح انتقام لے سکتے ہیں مگر پھر بھی اکثر معاف ہی کر دیتے ہیں۔ پس اگر تم ایسا کرو تو اڈل تو تخلق باخلق النبی ہے پھر تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرنے کی اُمید ہوگی۔ (تفسیر میان القرآن)

تفاسیر شیعہ

(۲) مولوی مقبول احمد صاحب، آیت: **أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءِ** کا ترجمہ لکھتے ہیں: ”اگر تم کسی نیکی کا اظہار کر دو گے یا اس کو چھپاؤ گے یا کسی برائی سے درگزر کر دو گے تو اللہ بھی بڑا درگزر کرنے والا ہے، قدرت رکھنے والا ہے“ شیخ طبرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: **معناه** **أَوْ تَصْفَحُوا عَمَّا سَاءَ إِلَيْكُمْ مَعَ الْقَدَرِ عَلَى الْإِنْتِقَامِ مِنْهُ فَلَا تَجْعَلُوا لَهُ بِالْسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ الَّذِي أَذْنَتْ لَكُمْ فِي أَنْ تَجْعَلُوا بِهِ**۔ (تفسیر مجمع البیان) ”اس کا معنی یہ ہے کہ یا تو تم اس کو معاف کر دو جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے۔ باوجود اس کے کہ تم اس سے انتقام لینے پر طاقت رکھتے ہو پس تم اس کی برائی (اور ظلم) کا اعلان نہ کرو، جس کے اعلان کی آپ نے تم کو اجازت دی ہے“ اس سے بھی ثابت ہوا کہ انتقام نہ لینا اور ظالم کی شکایت نہ کرنا ہی بہتر ہے (۳) مولوی مقبول احمد صاحب موصوف اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: تفسیر مجمع البیان میں

جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مدد طلب کرنے میں کسی کو بُرا سمجھا کہا جائے الا جس شخص پر ظلم کیا گیا ہو اس کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ ظالم کے برخلاف اتنی مدد مانگے جتنی مدد دینی دین میں جائز ہے اور اس مدد مانگنے میں اگر وہ ظالم کی برائیاں بیان کرے تو کوئی حرج نہیں۔ طلب نصرت کی نظیر دوسری جگہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے: **وَأَنْتَصِرُوا** **مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمْتُمْ**۔ (بعد اس کے کہ اُن پر ظلم کیا گیا، انہوں نے مدد مانگی) مجمع البیان کے حوالہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظالم کی شکایت کرنے کا مقصد لوگوں سے مدد طلب کرنا ہے تاکہ ظالم سے انتقام لیا جائے ہم پوچھتے ہیں کہ ظالم کی شکایت کرنے اور اس کی برائی لوگوں کو بتانے کا مقصد تو یہ تھا کہ ظالم سے انتقام لیا جائے اور مظلوم کی مدد کی جائے۔ لیکن اب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل تو موجود ہی نہیں تو ان سے بدلہ لینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے، اور اگر آپ یہ کہیں کہ ہم نے قاتلان حسین کے حامیوں سے انتقام لینا ہے تو فرمائیے! پاکستان میں قاتلان حسین کے حامی کون لوگ ہیں، اور اگر آپ کے نزدیک ایسے لوگ موجود ہیں تو ان سے آپ جنگ کر کے حضرت حسین کا انتقام کیوں نہیں لیتے۔ کیا ظالم کو انتقام لینے کا طریقہ شریعت نے یہ سکھا یا ہے کہ بجائے اس کا مقابلہ کرنے کے خود ہی اپنے منہ پر بٹانچے مارو اور اپنے ہی بدن کو ہولناں کر دو۔ اس سے تو ظالم کا مقصد ہی پورا ہوتا ہے کہ اس نے جس کو زرد و کوب کرنا تھا اُس نے خود ہی وہ کام کر دیا۔ کیا ظالم سے انتقام لینے کا یہ طریقہ بھی سنت سے ثابت ہے؟ اور کیا انتقام کا یہ طریقہ معقول بھی ہے؟

الَّذِينَ ظَلَمُوا

مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں: تفسیر فی میں مضمون مندرجہ بالا کے قریب قریب ہے اور

ایک اور حدیث اس کی تفسیر میں یہ وارد ہے کہ فرمایا اگر تمہارے پاس کوئی شخص آکر یہ کہے کہ تم میں کوئی خیر و خوبی نہیں تو اس کی اس بات پر خاموش نہ رہو بلکہ اس کو جھٹلاؤ کیونکہ اس نے تم پر ظلم کیا۔ نیز لکھتے ہیں: تفسیر ”مجمع البیان“ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر عہد کسی

کے یہاں آکر اترے اور وہ اس کی ٹھیک ٹھیک مہمانی نہ کرے تو اس کے ذمہ کچھ نرابی نہیں ہے کہ اگر میزبان کی اس بدسلوکی کا ذکر زبان پر لائے (ترجمہ مقبول) مذکورہ دونوں مثالوں سے آیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن مصنف ”فلاح الکونین“ کے نزدیک اگر قول سُور کا مطلب ماتم کرنا ہی ہے تو پھر اس کا تو یہ تقاضا ہو گا کہ اگر کوئی کسی شخص کو کہے کہ تجھ میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے تو وہ جواب میں ماتم شروع کر دے اور کوئی میزبان اپنے مہمان سے اچھا سلوک نہ کرے تو وہ اس کے دروازے پر مجلس ماتم بپا کر کے اپنا سینہ کوٹنے لگ جائے، اور اگر لوگ پوچھیں کہ یہ کیسا ماتم ہے؟ تو جواب میں کہے کہ قرآن حکیم کا یہی حکم ہے اور تم بھی میرے ساتھ اس نیک عمل میں شریک ہو جاؤ، یہ ماتمی نہایت آپ لکھتے ہیں کہ :- اب بتائیں اس سے زیادہ قرآن حکیم سے مرثیہ خوانی اور سینہ نہ نی کا اور کیا جواز ہو سکتا ہے؟ (ص ۱۱۱)

جہالت ہی جہالت

(ک) ان آیات میں نہ تو روانے کا کوئی لفظ ہے، نہ سینہ کو بی کا اور نہ مرثیہ کا۔ پھر آپ کا دعویٰ ماتم کیسے ثابت ہو گیا؟ آیت میں تو صرف ظالم کی زبان سے شکایت کرنے اور اس کی برائی ظاہر کرنے کی اجازت ہے اور یہ بھی کوئی، خوبی نہیں کہ اس کو مستقل مشن قرار دیا جائے۔ یعنی جس بات کی اجازت ہے وہ بھی وقتی ہے اور بضرورت اس پر عمل کیا جاسکتا ہے (منہ پٹینا اور سینہ کوٹنا تو اس میں مذکور ہی نہیں) اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ مرثیہ کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ مرثیہ اس کو کہتے ہیں کہ نظم یا نثر میں میت کی خوبیاں بیان کی جائیں اور آیت میں تو ظالم کی برائی بیان کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن آپ نے اس کے خلاف یہ سمجھ لیا کہ آیت میں مظلوم کی خوبیاں بیان کرنے کی اجازت ہے۔

یہ بات کی خدا کی قسم لا جواب کی پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی اور آپ نے یہ بھی نہ سمجھا کہ جس بات کی اجازت ہے وہ فی نفسہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے صرف مظلوم کے لیے مباح ہے کیا آپ کے نزدیک میت کی صحیح تعریف کرنی بھی ناپسندیدہ ہے جو شرعی حدود کے مطابق ہو، اور صحیح تعریف تو ہر میت کی بیان کی جاسکتی ہے۔ اس میں مظلوم، غیر مظلوم کا

کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر آپ کے نزدیک مرثیہ کا معنی میت پر رونا ہے تو اس کا آیت میں کوئی ذکر نہیں اور عام طور پر مرثیہ کے لفظ سے ماتمی لوگ اور ناواقف عوام تو یہی مطلب سمجھتے ہیں جس کا منظر ماتمی مجالس میں ذکرین پیش کرتے ہیں، اور غالباً آپ نے بھی مرثیہ کا جواز آیت سے اس لیے لکھا ہے کہ ماتمی گروہ یہی سمجھے کہ یہ سب کچھ قرآن سے ثابت ہے، العیاذ باللہ! اور یہ بھی فرمائیں کہ مرثیہ خوان ذکرین کے ساتھ ساتھ جو سوز خوان حضرات اپنا پارٹ ادا کرتے ہیں، یہ کس کی سنت ہے؟ (ب) اور اگر آپ کے نزدیک اس آیت سے جزع فرع کا ثبوت نکلتا ہے، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ :- ”قول سُور سے مراد جزع فرع ممنوع ہے جو مظلوم کے لیے جائز ہے“ تو پھر یہ تو ہر مظلوم کے لیے جائز ہو گا کیونکہ آیت کے الفاظ إِلَّا مِنْ ظُلْمٍ میں تقسیم ہے۔ پھر امام جعفر صادق سے منقول آپ کا یہ ضابطہ بالکل غلط ثابت ہو کہ سوائے امام حسین کے اور کسی پر جزع فرع کرنا قبیح ہے۔ اب اگر آپ اس ضابطہ کو صحیح مانتے ہیں تو پھر آیت سے جزع فرع کی عام اجازت ثابت نہیں ہو سکتی اور اگر آیت سے مراد آپ جزع فرع کی عام اجازت لیتے ہیں تو پھر مذکورہ ضابطہ باطل ہو گیا۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ باقی رہا جزع کا مفہوم اور مطلب تو انشاء اللہ حرمت ماتم کے دلائل اور فروع کافی کی روایات کی بحث میں وہ مذکور ہو گا۔ ماتمی ٹرکیٹ اور ”فلاح الکونین“ میں جن آیات سے ماتم مروجہ کا ثبوت پیش کیا گیا تھا۔ ان کی نمبر وار بحث ختم ہو چکی ہے لہذا اس کے بعد حرمت ماتم کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔ قارئین حضرات بغور اس بحث کا مطالعہ فرمائیں۔

مروجہ ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کے دلائل

ماتمی ٹرکیٹ کے مندرجہ دلائل ماتم کا نمبر وار جواب دینے کے بعد رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کہتے“ میں ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے پر ۱۸ دلائل پیش کیے گئے تھے جن میں قرآن مجید کی ۹ آیات اور مذہب شیعہ کی ۹ روایات سے استدلال کیا گیا تھا جن کا جواب دینے کی مصنف ”فلاح الکونین“ نے لاحاصل کوشش کی ہے اور جن آیات سے حرمت ماتم مروجہ پر ہم نے استدلال کیا تھا وہ یہ ہیں۔

آیات حرمتِ ماتم (آیت نمبر ۱) قرآن مجید میں فرمایا :- **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** (سورۃ بقرہ ۱۵۰)

اے ایمان والو! مدد حاصل کرو تم سمیت صبر اور نماز کے بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ (آیت نمبر ۲) **وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ** (پارہ ۲) :- ”اور مسلمان وہ ہیں جو سختی تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔“ اس آیت سے ثابت ہوا کہ صبر کرنے والے ہی سچے اور متقی ہیں۔ یہ کسی جگہ نہیں فرمایا کہ صبر چھوڑنے والے اور سینہ کو بی سچے اور جنتی ہیں یا ماتم کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔ (آیت نمبر ۳) **وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَدُودًا بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ أُولَئِكَ لَهُمْ عِزِّي الدَّارِ** (پارہ ۱۳- سورۃ الرعد رکوع ۳) ”اور جن لوگوں نے اپنے رب کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہم نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کیا اور وہ بھلائی سے برائی کو ہٹاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے آخرت کا گھر اور بہشت ہے۔“ اس آیت میں نماز پڑھنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے نہ کہ ماتم کرنے والوں کو۔ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے)

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- قاضی صاحب نے ماتم کے حرام ہونے کی دلیل میں پارہ ۲ سورۃ البقرہ کی آیت پیش کی ہے۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے :- ”اے مسلمانو! قوت پکڑو ثابت رہنے سے اور نماز سے۔“ بے شک اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے۔“ شاہ صاحب موصوف نے صبر کا ترجمہ ثابت رہنا کیا ہے۔ درحقیقت یہاں صبر کے معنی سوائے ثبات اور استقامت کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ اگلی آیت میں **لَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ إِنَّا قَاتَلْنَاهُ** ان لوگوں کے لیے جو جنگ کرتے ہوئے شہید ہو جائیں۔ معلوم ہوا کہ آیت مجیدہ میدان جنگ میں لڑنے والوں کو صبر اختیار کرنے یعنی قدموں میں ثبات اور استقامت پیدا کرنے کی تلقین فرما

رہی ہے نہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماتم کرنے سے منع فرما رہی ہے۔ فرمایا گریہ اور ماتم صبر کے منافی ہے یا میدان جنگ (جہاد) سے فرار صبر کے خلاف ہے۔ (۲) دوسری آیت شریفہ جو ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنائی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس طرح کیا ہے :- ”جو لوگ مستقل رہنے والے ہیں تنگ دستی، بیماری اور قتال میں یہی لوگ سچے اور متقی (کے جاسکتے) ہیں“ مولانا تھانوی کے بعد شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے :- ”جو ٹھہرنے والے ہیں سختی اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے وہی سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے“ یہاں بھی شاہ صاحب کا ترجمہ ہی حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے۔ دراصل آیت کا مدعا بھی یہی ہے کہ لڑائی (جہاد) میں جتنی سختی ہو، جنگ میں جتنی تکلیف ہو، میدان قتال میں ٹھہرے رہو، ڈٹے رہو اور بنیانِ موصول بنے رہو۔ اس آیت مجیدہ میں بھی صبر سے مراد میدان جنگ میں ثابت قدم رہنا ہے اور جنگ (جہاد) سے فرار ہونا صبر کو چھوڑ دینا ہے۔ آپ کی پیش کردہ اس آیت سے بھی کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ماتم کرنا ترک صبر ہے لہذا اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ نہیں۔ اس کے برعکس آیت قویہ بتا رہی ہے کہ صبر کو ترک کرنے والے وہ ہیں جو رسول اللہ صلعم کو نزعۂ اعداء میں تنہا چھوڑ دیں اور جان بچانے کے لیے جہاد سے پیٹھ پھیر کر مپاڑ پر جا پڑیں۔ حقیقت میں یہی لوگ تارکِ صبر ہوئے، سچائی سے دور ہوئے، جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا

ماتم کرنا صبر سے دور ہونے کی دلیل نہیں لہذا سید الشہداء علیہ السلام کے ماتمی انتشار اللہ سچے اور صحتی ہیں اور یقیناً اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (۳) پارہ ۱۳ سورۃ الرعد رکوع ۳، آیت ۲۲۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی :- ”اور وہ جو ثابت رہے چاہتے تو توبہ اپنے رب کی اور کھڑی رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے دینیہ میں سے چھپے اور کھلے اور کرتے ہیں بلی کے مقابلے میں بھلائی، ان لوگوں کو ہے پھیل گھر“ ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی :- ”یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے رب کی رضا مندی کے جو یاں رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دی ہے اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں اس

جہان میں نیک انجام اُن کے لیے ہے۔ اگر ان مختلف تراجم پر تعصب اور تنگ نظری کو بالائے طاق رکھ کر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کا مروجہ یا غیر مروجہ ماتم سے کسی طرح کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ لہذا کھینچ تان کر اس آیت مجیدہ کو ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنانا عکاس فریقین کے نزدیک حرام ہے، صرف حرام ہی نہیں بلکہ بے حد گمراہ کن بھی ہے۔ حضرت نعمت اللہ ولی اپنی مشہور و معروف پیشگوئی میں فرماتے ہیں۔

دو کس بنام احمد گمراہ کنند بے حد سازند اذ دل خود تفسیر فی القرآن

حاشیہ میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: ”ابو بکر ابن مردویہ جو اہل سنت کے ایک حلیل القدر عالم ہیں وہ کہتے ہیں یہ آیت امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے“ (فلاح الکونین، ۶۹۵۶)

الجواب

(۱) آپ نے جو کچھ جواب الجواب میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) مذکورہ تینوں آیات میں شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی اور مولانا اثر علی صاحب تھانوی کے ترجمہ کے تحت صبر کا معنی ثابت قدم رہنا ہے، اور صابرین وہ ہیں جو مصائب اور میدان جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ (۲) آپ کا ماتم صبر کے خلاف نہیں۔ (۳) اللہ تعالیٰ ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مدارِ بحث

آپ کے مروجہ ماتم میں جزع و فزع کرنا، مُنہ پٹنا، سینہ کو ٹٹا وغیرہ افعال پائے جاتے ہیں اور آپ ان افعال کو اور جزع کرنے کو صبر کے خلاف نہیں سمجھتے اور خصوصیت سے آپ نے جزع کے خلاف صبر نہ ہونے پر یوں استدلال کیا ہے کہ: ”حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود جزع کرنے کے صبر جمیل کے درجہ میں رہے“ (ص ۱۷۱) لہذا اب مدارِ بحث صرف یہی امر رہ جاتا ہے کہ جزع کرنا صبر کے خلاف ہے یا نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جزع صبر کے خلاف نہیں تو آپ کا ماتم میں جزع کرنا جائز قرار دیا جاسکتا ہے اور یہ فیصلہ لفظ صبر اور لفظ جزع کے معنی کی تحقیق پر ہی ہے، اس لیے صبر اور جزع کا معنی بیان کیا جاتا ہے۔

صبر کا لغوی معنی

عربی لغت میں صبر بمعنی روکنے کے آتا ہے (۱) قاموس میں ہے: ”صبر حبسہ یعنی اس کو روک لیا (۲) امام لغت علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ”الصبر ألا مساک فی ضیق“۔ یعنی صبر تنگی و مصیبت میں روک لینے کو کہتے ہیں۔ يقال صبرت الدابة حبستها بلا علف“۔ میں نے جانور کو بغیر چارہ کے روک رکھا“ اسی لغوی معنی کی بنا پر علامہ راغب صبر کی یہ تفسیر کرتے ہیں: ”الصبر حبس النفس علی ما یقتضیہ العقل والشرع او عما یقتضیان حبسها عنه“۔ جس بات کا تقاضا عقل یا شریعت کریں اس پر نفس کو روک رکھنا یا حبس سے روکنے کا تقاضا عقل اور شرع دونوں کریں اس سے روک لینا (۳) المتجدد میں ہے: ”الصبر التجلّد وعدم الشکوی من المذنبی“۔ صبر کہتے ہیں مضبوط رہنے کو اور مصیبت کے الم (دکھ) کی وجہ سے شکایت نہ کرنے کو اور آپ نے بھی لکھا ہے: ”صبر کے معنی ہیں کف النفس عما لا ینبغی یعنی نفس سے وہ امور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں“ (۴) شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی اور مولانا اشرف صاحب تھانوی نے اسی معنی کی بنا پر مندرجہ آیات میں صابرین کا ترجمہ: ”ٹھہرنے والے، مستقل رہنے والے“ ثابت رہنے والے کیا ہے۔

جزع کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ”واصل الجزع قطع الحبل من نصفه“۔ اور اصلی معنی جزع کا یہ ہے کہ رسی کو اس کے نصف میں سے کاٹ دیا جائے“ (۲) قاموس میں ہے: ”جزع الارض و الوادی قطعہ“۔ یعنی اس نے زمین اور وادی کو قطع کیا“ اسی لغوی معنی کی بنا پر جزع بقراری اور پریشانی کے اظہار کو کہتے ہیں، کیونکہ جزع آدمی کو سکون و اطمینان سے قطع (جدا) کر لیتا ہے چنانچہ (۳) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ”والجزع هو حزن یصرف الانسان عما ہو بصدده و یقطعہ عنه“۔ اور جزع وہ غم ہے جو انسان کو اس کام کو مٹاتا ہے اور جدا کرتا ہے جس میں وہ مشغول ہے“ (۴) اسی لغوی معنی کی بنا پر منتهی الاسباب میں لکھا ہے: ”جزع ناشکیبائی ضد صبر یعنی جزع بے صبری ہے۔ (۵) غیاث اللغات میں ہے: ”جزع۔ ناشکیبائی۔ یعنی جزع کا معنی بے صبری ہے۔

(۶) المنجد میں جَزَع کا معنی لکھا ہے :- لم يصبر عليه :- اس پر اس نے صبر نہ کیا، چونکہ صبر کا لغوی معنی روک رکھنا آتا ہے اور جَزَع کا معنی قطع کرنا اور جدا کرنا آتا ہے اس لیے جَزَع بمقارری اور پریشانی کو کہتے ہیں اور صبر برقرار رہنے اور پریشانی نہ کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ دونوں حالتیں یعنی قرار اور بمقارری ضدین ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی مخالف ہیں نہ کہ مطابق و موافق۔ چنانچہ قاموس میں ہے :- والصبر لنقيض الجزع :- اور صبر جزع کی نقیض ہے۔ (۲) منتهی الارب میں ہے :- الصبر شكيبائي نقیض جزع :- صبر جزع کی نقیض ہے۔ وجزع ناشكيبائي ضد صبر :- اور جزع بے صبری کو کہتے ہیں جو صبر کی ضد ہے (۳) غياث اللغات میں ہے :- جزع، ناشكيبائي :- جزع بے صبری کو کہتے ہیں (۴) علامہ اصفہانی لکھتے ہیں :- فان كان حبس النفس لمصيبة شتى صبرا وايضا ذاك الجزع :- اور اگر کسی مصیبت میں نفس کو روک رکھا جائے تو اس کا نام صبر ہے اور جزع اس کی ضد ہے :-

نقیض اور ضد کا مفہوم | دو چیزیں معنی میں ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو ان کو ضدین اور نقیضین کہا جاتا ہے اور ان دونوں میں بھی کچھ فرق ہے۔ ضدین وہ دو امر ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے لیکن دونوں اٹھ سکتے ہیں مثلاً سیاہ اور سفید۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک چیز سیاہ بھی ہے اور سفید بھی، کیونکہ یا تو وہ چیز سیاہ ہوگی یا سفید لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ سیاہ بھی نہ ہو اور سفید بھی نہ ہو بلکہ سبز یا سرخ ہو (ب) اور نقیضین ان دو چیزوں کو کہتے ہیں جو ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتیں۔ ان دونوں میں سے ایک کا رہنا ضروری ہوتا ہے مثلاً صابر اور غیر صابر۔ عاقل اور غیر عاقل۔ عالم اور غیر عالم، کہ ان میں سے ایک حالت اور وصف کا ہونا ضروری ہے۔ اگر بے صبری کرنے والا ہے تو اس کو صابر نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صابر بھی نہیں اور غیر صابر بھی نہیں۔ اسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک آدمی عاقل بھی نہیں اور غیر عاقل بھی نہیں یا عالم بھی نہیں اور غیر عالم بھی نہیں۔ یعنی جس جہت سے کسی کا ایک وصف ان میں سے بیان ہوگا اس جہت سے نہ یہ دونوں وصف جمع ہو سکتے ہیں نہ دونوں اٹھ سکتے

ہیں، اسی طرح صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف حالتیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ کتب لغت میں صبر اور جزع کو آپس میں ضدین یا نقیضین کہا گیا ہے۔ لہذا جہاں صبر ہوگا وہاں جزع نہیں ہوگا اور جہاں جزع ہوگا وہاں صبر نہیں پایا جائے گا۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک آدمی برقرار بھی ہے اور بے قرار بھی ہے۔ بلکہ یا وہ برقرار ہوگا یا بے قرار، یا صبر کرنے والا ہوگا یا جزع کرنے والا، اور مصنف صاحب ”تکلا ح الکوکین“ کی یہ کتنی بڑی جمالت ہے کہ وہ صبر اور جزع کا معنی نہ سمجھتے ہوئے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ جزع اور ماتم صبر کے خلاف نہیں، اور جو ماتم اور جزع کرنے والا ہے وہ صابر بھی ہے اس لیے اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ حالانکہ صبر اور جزع کے مذکورہ مفہوم کے تحت یہ لازم آتا ہے کہ حسب آیات قرآنیہ اِنَّ اللہَ مَعَ الصَّابِرِینَ ۵۔ جب اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ تو یقیناً جزع اور ماتم کرنے والوں کے ساتھ نہیں ہے۔ کیونکہ جزع بے صبری کو کہتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو اور بے صبری کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو

از روئے قرآن جزع صبر کے خلاف ہے! | نہ صرف یہ کہ کتب لغت سے صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف اور ضد ثابت ہوتے ہیں بلکہ قرآن مجید سے بھی ان دونوں کے مفہوم کا متضاد اور مخالف ہونا ثابت ہے چنانچہ سورۃ ابراہیم کے رکوع نمبر ۳ میں فرمایا کہ جہنمی لوگ دوزخ میں یہ بات کہیں گے :- سَوَاءٌ عَلَيْنَا اَجَعْنَا اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِصٍ۔ اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی (شبی مفسر) نے یہ لکھا ہے :- ”مگر ہمارے لیے تو کوئی چھٹکارا ہی نہیں ہے“ اس آیت سے صراحتاً ثابت ہوا کہ جزع (ردنا پینا) کریں، ہمارے لیے تو کوئی چھٹکارا ہی نہیں ہے۔ اس آیت سے صراحتاً ثابت ہوا کہ جزع (ردنا پینا) اور صبر (سکوت اختیار کرنا) دونوں جدا جدا حالتیں ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں، اور جہنمیان کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے روکیں اور پٹیں ہی کیا ہے لہذا جو آپ کے ماتم کی ابتدائی حالت ہے وہ بھی صبر کے خلاف ہے۔ (۲) مولوی فرمان علی صاحب شبلی کا ترجمہ یہ ہے :- ہم خواہ بمقارری کریں، خواہ صبر کریں (دونوں) ہمارے لیے برابر ہیں۔ (کیونکہ خدا کے) ہمیں تو اب

چھکارا نہیں“ (۳) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں: ”(د اور اب تو) ہم سب کے حق میں (دونوں صورتیں) برابر ہیں۔ خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں، ہمارے لیے بچنے کی کوئی صورت نہیں“ (۴) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں: ”اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بیقاری کریں یا صبر کریں، ہم کو نہیں خلاصی“ یہاں حضرت شاہ صاحب نے بھی جزع کا معنی بیقاری کیا ہے جو صبر کے مقابلہ میں آیا ہے اور صبر کا معنی شاہ صاحب موصوف دوسری آیات میں ٹھہرنے اور ثابت رہنے کا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے بھی ان کا ترجمہ پیش کیا ہے تو کیا آپ کے نزدیک ثابت و قرار اور بے قراری (یعنی صبر اور جزع) ایک ہی چیز ہے؟ ہرگز نہیں۔ جو آدمی ثابت اور برقرار ہوگا اس کو بیقار نہیں کہہ سکتے اور جو بیقار ہو، اُس کو برقرار نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں! مانتیوں کی منطق میں برقرار اور بیقار اور ثابت اور غیر ثابت، مستقل اور غیر مستقل کا اگر ایک ہی مفہوم و مطلب ہے تو ان کی یہ مفاہمت اور جہالت ہے جس کا عقل و علم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے (۵) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”اور مصیبت بھی ایسی جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ نہ صبر کرنے اور خاموش رہنے سے کچھ فائدہ، نہ گھبرانے اور چلانے سے کچھ حاصل“ (۶) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی اس کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں: ”ہم پر ایک سا ہے چاہے بیقاری کریں یا صبر سے رہیں، ہمیں کہیں پناہ نہیں۔“ (۷) مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”گفاریں گے اب خلاصی کی کوئی راہ نہیں۔ نہ کافروں کے لیے شفاعت، آذر و میں اور فریاد کریں۔ پانچ سو برس فریاد و زاری کریں گے اور کچھ کام نہ آئے گی تو کہیں گے کہ اب صبر کر کے دیکھو شاید اس سے کچھ کام نکلے۔ پانچ سو برس صبر کریں گے، وہ بھی کام نہ آئے گا تو کہیں گے: ”أَجْزَعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّخْرِجٍ“ (۸) شیعہ مجتہد شیخ طبرسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”یعنی ان الصبر والجزع سبباً مثلان لیس لنا مخرجاً ولا مهرب من عذاب الله۔“ (تفسیر مجمع البیان) یعنی صبر اور جزع دونوں ہمارے لیے برابر ہیں۔ ہمارے لیے کوئی خلاص اور بھگانے کی جگہ نہیں ہے۔ اسی آیت کے تحت شیخ طبرسی موصوف لکھتے ہیں: ”الجزع انزعاج النفس بورد ما یغتم ولفیضہ

الصبر: ”اور جزع کہتے ہیں بوجہ غمناک خبر آنے کے دل کا بیقار ہو جانا اور اُس کی نفیض صبر ہے“ یہاں علامہ طبرسی نے بھی صبر اور جزع کا آپس میں نفیض و مخالفت ہونا بیان کر دیا ہے۔ تو جب قرآن مجید کی مندرجہ آیت اور شیعہ مفسرین کی تفسیر سے یہ ثابت ہو گیا کہ جزع اور صبر ایک چیز نہیں ہیں، بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی نفیض اور ضد ہیں۔ یعنی انسان میں یا صبر کی حالت پائی جائے گی، یا جزع کی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جزع (اور ماتم) کرنے والے کو صبر بھی کہا جائے۔ کیونکہ جو صابر ہوگا وہ جزع نہیں کرے گا اور جو جزع کرے گا وہ صابر نہیں رہے گا۔ اب قارئین حضرات خود ہی اذیتوں کے انصاف فیصلہ فرمائیں کہ مذکورہ قرآنی آیت اور شیعہ مفسرین کی تشریحات کے بعد کیا ماتم کرنے والے صابرین میں شامل ہو سکتے ہیں؟ اور جب قرآن کی متعدد آیات میں صبر کا حکم دیا گیا ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ماتم اور جزع حرام ہیں، اور ماتمی کردہ کا عقیدہ اور عمل قرآن مجید کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ ماتم مردوجہ کا حرام ہونا (یعنی جزع فزع وغیرہ) قرآن حکیم کی نص سے ثابت ہو گیا۔ اب اس کے مقابلہ میں ”فکدح الکوکین“ کے ماتمی مصنف کا یہ لکھنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ: ”ماتم کرنا صبر سے دور ہونے کی دلیل نہیں“ (ص ۶۸)۔

جہالت ہی جہالت

مصنف ”فکدح الکوکین“ لکھتے ہیں کہ: ”المران مختلف تراجم پر تفسیر اور تنگ نظری کو بالائے طاق رکھ کر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کا مردوجہ یا غیر مردوجہ ماتم سے کسی طرح کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ لہذا کھینچ تان کر اس آیت مجیدہ کو ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنانا علمائے فریقین کے نزدیک حرام ہے۔ صرف حرام ہی نہیں بلکہ بے حد گمراہ کن بھی ہے۔“ (ص ۶۹)

الجواب

جب صبر کا معنی ہی جزع نہ کرنا ہے اور جزع کا معنی ہی بے صبری کرنا ہے جیسا کہ ”منتہی الادب“ میں لکھا ہے: ”جزع۔ ناشکیائی ضد صبر۔ یعنی جزع بے صبری کو کہتے ہیں جو صبر کی ضد ہے، اور آپ کے شیخ طبرسی نے بھی اپنی تفسیر میں یہ لکھ دیا ہے کہ جزع کی نفیض صبر ہے، اور سورۃ ابراہیم کی مذکورہ آیت ”أَجْزَعْنَا أَمْ صَبَرْنَا“ میں

بھی جزع اور صبر کو مقابلہ میں استعمال فرمایا ہے۔ تو پھر لفظ صبر سے ماتم اور جزع کا حرام ہونا قرآنی نص سے ثابت ہو گیا۔ ہمیں اس میں کچھ تان کی ضرورت ہی نہیں پڑتی البتہ صبر کے لفظ سے آپ کا ماتم و جزع کو حرام نہ سمجھنا اور صبر اور ماتم میں مطابقت پیدا کرنے کو کوشش کرنا درحقیقت انتہائی گمراہ کن ہے اور قرآن کے مدلول کا صریح انکار ہے۔ صبر اور جزع میں نہ تو نسبت مساوات کی پائی جاتی ہے اور نہ ہی ان میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے بلکہ ان دونوں میں منافات کی نسبت ہے۔ اس لیے اہل لغت اور اصحاب تفسیر نے صبر اور جزع دونوں کو آپس میں ضدین یا تقضیین لکھا ہے اور ان دونوں اصطلاحوں کی تشریح پہلے گند چکی ہے۔

دوسری آیت جو صبر سے ماتم کی دلیل میں پیش کی گئی تھی یہ ہے:-

آیت دوم کی تفسیر

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَحِينَ الْمَالِ الْأَمْثَلِ الَّذِينَ صَدَقُوا

داو لک ہم المتقون (پارہ ۲ سورۃ البقرہ، کوع ۲۲، مولوی قبول احمد صاحب شیعہ منسٹر نے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے:- ”اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کی سختی کے وقت صبر کرنے والے ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عہدِ سچ بولا اور یہی متقی ہیں“ ہم نے صبر اور جزع کے مفہوم کے متعلق کتب لغت اور تفاسیر اہل سنت، اور اہل تشیع سے جو تحقیق پہلے بیان کی ہے اس کے بعد قرآنی آیات صبر میں سے کسی آیت کی تشریح و تفسیر کی زیر بحث مسئلہ میں ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ صبر کا لفظ جہاں بھی مذکور ہے وہاں جزع و ماتم کی نفی لازم آتی ہے۔ کیونکہ جزع اور صبر دونوں کا مفہوم ایک دوسرے کے خلاف ہے لیکن ماتمی مصنف صاحب کی کم علمی اور ہٹ دھرمی اور عوام کی نادانیت کی بنا پر اس آیت کی مزید تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ کسی پہلو سے باطل کو کوئی گنجائش نہ مل سکے۔ اس آیت کی تفسیر سے پہلے صبر کا جامع مفہوم پیش کیا جاتا ہے جس کو سمجھ لینے کے بعد مخالفین کے شبہات کا بالکل ازالہ ہو جاتا ہے۔

امام لغت علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:- فالصبر لفظ عام

ورجما خولفت بین اسماء بحسب اختلاف مواقعہ فنان

کان حبس النفس لمصيبة سستی صبراً لاخیر ولفظ الجزع وان کان فی معارضة سستی شجاعة

ويفضاه الحبين وان كان في نائبة مضجعة سستی رجب الصدماء ولفضاه الضجر وان كان في امساك الكلام سستی كتماناً ولفضاه المذال وقد سستی الله تعالى كل ذلك صبراً دنبة عليه بقوله والصابرين في البأساء والضراء، والصابرين على ما اصابهم والصابرين والصابرات انفس صبراً عام لفظ ہے اور بسا اوقات اس کے مواقع کے اختلاف کی وجہ سے اس (یعنی صبر) کے ناموں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی مصیبت کے وقت نفس کو روک رکھنا ہے تو سوائے صبر کے اس کا کوئی اور نام نہیں ہوتا اور اس کی ضد جزع ہے، اور اگر لڑائی میں (نفس کو روکنا) ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد جبن (یعنی بزدلی) ہے، اور اگر کسی تنگی میں ڈالنے والے حادثہ میں ہو تو اس کا نام سینہ کی کشادگی ہے اور اس کی ضد ضمیر (یعنی تنگدلی) ہے، اور اگر کلام کے روکنے میں ہو تو اس کا نام کتمان ہے اور اس کی ضد مذال ہے (یعنی بات ظاہر کر دینا) اور اللہ تعالیٰ نے ان سب حالتوں کو صبر کا نام دیا ہے اور اپنے ارشاد والصابرين في البأساء والضراء وغيره آیات میں آگاہ کیا ہے۔

لفظ صبر کی اس تشریح سے ثابت ہوا کہ صبر بمعنی نفس کو روک رکھنا ہر جگہ پایا جاتا ہے خواہ بجائے صبر کے اس حالت کا کوئی اور نام ذکر کیا جائے مثلاً شجاعت، تو جس طرح شجاعت کی ضد بزدلی ہے اسی طرح صبر کی ضد جزع و ماتم ہے۔ جس طرح بزدل آدمی کو شجاع نہیں کہہ سکتے اور شجاع کو بزدل نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح صابر کو ماتمی نہیں کہہ سکتے اور ماتمی کو صابر نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ماتمی مصنف کا اگر یہ فلسفہ تسلیم کیا جائے کہ ماتمی بھی صابر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بزدل کو بھی بہادر کہا جائے۔ اگر اس طرح اس فلسفہ کو وسیع کیا جائے تو کیا کسی لفظ کا حقیقی مفہوم محفوظ رہ سکتا ہے۔ پھر تو ماتمی مصنف یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اہل شرک اور بت پرست دونوں اہل توحید ہیں اور اہل سنت اور اہل تشیع دونوں، ایک ہیں بلکہ اہل عقل اور بے عقل، اہل علم اور بے علم، اہل ایمان اور بے ایمان، اہل عدل اور ظالم سب کا ایک ہی مفہوم و مطلب ہے۔ (۲) امام رازمی صبر کے متعلق فرماتے ہیں:- ثم اعلم ان الصبر ضربان احدهما بدنی كتحمل المشاق بالميدان والشبات عليه وهو اما بالفعل كتداعی الاعمال الشاقة او بالاحتمال كالصبر على الضرب الشديد والالام العظيم والثاني هو الصبر النفساني

وهو منع النفس عن مقتضيات الشهوة ومشتبهات الطبع ثم هذا الضرب ان كان صبراً
عن شهوة البطن والفرج سبب عفة وان كان على احتمال مكروه اختلفت اساميها عند الناس
باختلاف المكروه الذي عليه الصبر فان كان في مصيبة اقتصر عليه باسم الصبر وبضاده حالة
تسمى الجزع والهلج وهو اطلاق داعي الهوى في رفع الصلوة وضرب الخد وشنق الجيب و
غيرها وان كان في حال الغنى يسمى ضبط النفس وبضاده حالة تسمى البطوان وان كان في حرب
مقاتلة يسمى شجاعة وبضاده الحبن وان كان في كظم الغيظ والغضب يسمى حكمة وبضاده
النزق وان كان في نائمة من نواب الزمان مضجرة سبب سعة الصدر وبضاده الضجر و
الندم وضيق الصدر - وان كان في اخفاء كلام يسمى كتمان النفس ويسمى صاحبه كتموا وان
كان عن فضول العيش سبب زهداً وبضاده العرص وان كان على قدر يسير من المال سبب
بالقناعة وبضاده الشراء - وقد جمع الله تعالى اقسام ذلك وسمى الكل صبراً فقال والصابرين
في البأساء اى المصيبة والضراء اى الفقر وحسن البأس اى المحاربة اولئك الذين
صمدقوا اولئك هم المتقون - قال القفال رحمه الله ليس الصبر ان لا يعبد الانسان المر
المكروه ولا ان لا يكون ذلك لان ذلك غير ممكن - انما الصبر هو تحمل النفس على ترك اطلبها
الجزع فاذا كظم الحزن وكف النفس عن ابرار انما كان صاحبه صابراً وان ظهر دمع عين
او تغير لون قال عليه السلام الصبر عند الصدمة الاولى وهو كذلك لان من ظهر منه في الابتداء
مالا ليعد معه من الصابرين ثم صبر فذلك ليس سبب سلوا وهو مما لا بد منه - (تفسير كبير باب ۲)
ترجمہ :- پھر جان لو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک بدنی صبر ہے جیسا کہ بدنی مشقتوں کا اٹھانا اور اس پر
ثابت رہنا اور وہ یا تو کام کرنے سے ہوتا ہے جیسا کہ مشقت والے کام کرنا، یا برداشت کرنے سے
جیسا کہ سخت ضرب اور بڑے درد الم پر صبر کرنا اور دوسری قسم صبر کی نفسانی ہے اور وہ یہ ہے
کہ نفس کو نفسانی تقاضوں اور طبعی خواہشات سے روک لینا اور پھر اس دوسری قسم میں نفس کو
پیٹ اور فرج (شرنگاہ) کی شہرت سے روکنا ہے تو اس کو عفت کہتے ہیں اور اگر کسی ناپسندیدہ اور

تکلیف دہ امر کو برداشت کرنا ہے، تو جس ناپسندیدہ امر پر صبر کرنا ہے اس کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں
کے ہاں اس کے مختلف نام ہیں۔ اگر مصیبت میں نفس کو روک رکھنا ہے تو اس کا نام صرف صبر ہی ہے
اور اس کے خلاف جو حالت ہے اس کو جزع اور هلج کہتے ہیں (یعنی بے قراری اور پشیمانی) اور جزع
یہ ہے کہ خواہش نفس کو آزاد چھوڑ دیا جائے، چیخنے چلانے میں اور منہ پھینکنے میں اور گریبان بھاڑنے وغیرہ
افعال میں اور اگر جنگ و قتال میں نفس کو روک رکھنا ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد
حبن (بزدلی) ہے۔ اور اگر خفا (دولت مندی) کی حالت میں نفس کو روک رکھا جائے تو اس کو ضبط نفس
کہتے ہیں اور اس کی ضد بطر ہے (یعنی اترانا اور ٹھکر کرنا) اور اگر یہ لڑائی اور جنگ میں ہے تو اس کو شجاعت
کہتے ہیں اور اس کی ضد بزدلی ہے، اور اگر یہ غصے اور غضب کے روکنے میں ہے تو اس کو حلم کہتے ہیں اور
اس کی ضد نزاق ہے یعنی گالی دینا، اور اگر یہ حوادثِ زمانہ کے کسی تنگی دینے والے حادثہ میں میں ہے
تو اس کو سبب کی کشادگی کہتے ہیں اور اس کی ضد فحرج - نرم اور ضیق صدر ہے یعنی تنگ دلی، اور اگر یہ بات
کے چھپانے میں ہے تو اس کا نام کتمان ہے اور بات چھپانے والے کو کتموم کہتے ہیں، اور اگر یہ عیش
پرستی سے روکنے میں ہے تو اس کو زہد کہتے ہیں اور اس کی ضد حرص ہے، اور اگر خورے مال پر نفس کو
روک رکھنا ہے تو اس کو قناعت کہتے ہیں اور اس کی ضد شرہ ہے یعنی لالچ، اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب
قسمیں جمع کر دی ہیں اور سب کا نام صبر رکھا ہے اور فرمایا :- والصّابرين فی البأساء :- اور صبر
کرنے والے ہیں مصیبت میں اور فقر (محتاجی) میں اور لڑائی کے وقت، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی لوگ
مستحق ہیں۔ فقال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر اس کو نہیں کہتے کہ انسان کسی تکلیف دہ امر کا دکھ نہ
محسوس کرے اور نہ یہ ہے کہ اس کو ناپسند نہ کرے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اور بے شک صبر یہ ہے کہ وہ

لے اس میں تصریح ہے کہ اگر کسی مصیبت میں چیخنا چلانا، منہ پٹینا اور گریبان بھاڑنا وغیرہ افعال پائے
جائیں تو یہ جزع ہے جو صبر کے خلاف ہے اور یہی افعال مروجہ ماتم میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ماتم جس
کو ماتمی مصنف صبر کے خلاف نہیں سمجھتا، یقیناً صبر کے خلاف ہے۔ واللہ الہادی۔

نفس کو بزرع (مقرراری اور پریشانی) کے نہ ظاہر کرنے پر مجبور کرے۔ پس جب اس نے غم کو ضبط کیا اور اس کے آثار ظاہر کرنے سے نفس کو روک لیا تو ایسا کرنے والا صابر ہوگا، اگرچہ اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے یا اس کے (چہرے کا) رنگ بدل جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صبر ابتداء صدمہ میں ہوتا ہے اور وہ اسی طرح ہے کیونکہ اگر اس آدمی سے ابتداء میں ایسا کام ظاہر ہو کہ جس کی وجہ سے وہ صابرین میں شمار نہیں ہو سکتا (یعنی ابتداء میں بزرع فرغ اور مردوجہ ماتم کرے) اور پھر صبر کرے (یعنی پھر ایسا نہ کرے) تو اس کو تسلی کہتے ہیں کیونکہ بعد میں تو ضرور تسلی ہو جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ صبر کے لفظ میں نفس کو روک رکھنے اور قابو کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔ البتہ مختلف پہلوؤں سے اس کے نام مختلف ہو جاتے ہیں مثلاً جنگ و جدال میں شجاعت کا ظہور انسان کے نفس پر کنٹرول کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس صبر کا نام شجاعت ہے اور اگر جنگ کے موقع پر صبر نہ کر سکے تو اس کو بزدلی کہتے ہیں اور خصوصیت سے صبر کا اطلاق مصیبت میں نفس کو قابو میں رکھنے اور بزرع اور بے قراری کا اظہار نہ کرنے پر ہوتا ہے اور اس کا سوائے صبر کے اور کوئی نام نہیں۔ لیکن اس حقیقت کے خلاف مصنف "فلاح الکونین" کا عقیدہ یہ ہے کہ بزرع (یعنی اظہار بے قراری) بھی صبر میں داخل ہے۔ یہ ان کی کتنی بڑی کم فہمی ہے کہ قرآنی مفهوم (یعنی صبر و بزرع کا آپس میں متضاد ہونا) اور آیت اُجْبِرْنَا أَمْ مَبْرُؤْنَا کے صریح مدلول کے خلاف حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کے ادعا پر ایک عقیدہ ماتم کا اختراع کر رہے ہیں اور غلط تفسیر قرآن کا الزام ہم پر عائد کرتے ہوئے حضرت نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی کا مندرجہ شعر ہم پر چسپاں کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس کا مصداق وہ خود ہیں علاوہ ازیں شعر کا دوسرا مصرع بھی وزن شعری کے لحاظ سے غلط لکھا ہے۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ سدا اند
در جہل مرکب ابد اللہ ہر مجاہد
کیا مصنف "فلاح الکونین" کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے مفسرین نے قرآنی آیات کی

کیسی کسی عجیب و غریب تفسیریں بیان کی ہیں مثلاً (۱) شیخ قمی جو بزرع شیعہ امام حسن عسکری سے فیض پانے والے ہیں اور ان کی تفسیر شیعہ مذہب کی قدیم ترین تفسیر ہے اور کافی کے مؤلف شیخ یعقوب کلینی نے بھی ان سے روایتیں لی ہیں۔ سورۃ بقرہ کی پہلی آیت ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ط کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال الکتاب علی (ع) لا شک فیہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ الکتاب سے مراد حضرت علی ہیں، جن میں کوئی شک نہیں ہے (تفسیر قمی) حالانکہ یہاں الکتاب سے مراد قرآن ہے اور اس سے حضرت علی مراد لینا قرآن مجید کی صریح معنوی تحریف ہے (۲) مولوی مقبول احمد دہلوی آیت کا ترجمہ تو یہ لکھتے ہیں :- "یہ کتاب ایسی ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں" (ترجمہ مقبول) لیکن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- "تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ اس سے مراد علی بن ابی طالب ہیں" (۳) قرآن مجید میں حضرت آدم اور حضرت حوا کے متعلق فرمایا :- لَا تَفْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ۔ اس کا ترجمہ مولوی مقبول صاحب لکھتے ہیں :- "اس درخت کے پاس نہ جانا" (ترجمہ مقبول) اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- "الشجرۃ، محمد و آل محمد کے علم کا درخت مراد ہے" (ترجمہ مقبول)

(۲) قرآن مجید پارہ ۴ سورہ آل عمران میں غزوہ بدر کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے :- وَكَفَدَ نَصْرُكُمْ بِاللّٰهِ مُبْدِرًا وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ط اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ لکھا ہے :- "بے شک اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی تھی جبکہ تم حقیر تھے" اور اس کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں :- تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس حال میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود تھے، وہ لوگ ہرگز ذلیل نہ تھے بلکہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی وَاَنْتُمْ ضَعْفَاء۔ تفسیر عیاشی میں انہی حضرت سے منقول ہے کہ ابو بصیر نے یہ آیت آنحضرت کے سامنے پڑھی تو آنحضرت نے فرمایا کہ کٹھن جانتا ہے اس طرح نازل نہیں فرمایا ہے بلکہ وہ یوں نازل ہوئی ہے وَاَنْتُمْ قَلِيلٌ۔ (ترجمہ مقبول ناشران ادتخار بک ڈپو کوشن نگر لاہور)۔ اور شیعوں کے شیخ قمی نے یہ لکھا ہے :- فَتَال

ابو عبد اللہ علیہ السلام ما کانوا اذلة وفیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وامنما نزل
ولقد نصرکم مبداً وانتہ ضعفاء :- امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان میں موجود تھے۔ تو وہ ذلیل نہیں تھے۔ بے شک آیت اس طرح نازل ہوئی تھی :- وانتہ
ضعفاء۔ (تفسیر قمی جلد اول ص ۱۲۲) مفسرین شیعہ مولوی مقبول احمد اور شیخ قمی وغیرہ نے تصریح
کر دی ہے کہ موجودہ قرآن مجید میں جو اَنْتُمْ اذِلَّةُ کے الفاظ ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ
نہیں ہیں بلکہ منجانب اللہ تو اَنْتُمْ ضَعْفَاءُ یا اَنْتُمْ قَلِيلٌ کے الفاظ نازل ہوئے تھے۔ تو
اس سے شیعوں کا عقیدہ تحریف قرآن واضح ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید میں لفظی تحریف کے بھی قائل
ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نعوذ باللہ قرآن کے الفاظ میں بھی تبدیلی کر دی گئی ہے
لہذا ان کا موجودہ قرآن پر کیسے ایمان ہو سکتا ہے جس میں اَنْتُمْ اذِلَّةُ کے ہی الفاظ لکھے ہیں کیونکہ
اگر ایک آیت میں تبدیلی ہو جائے تو سارا قرآن غیر قابل اعتماد رہ جاتا ہے۔ اس قسم کے عقیدہ والے لوگ
اگر زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس قرآن پر ایمان ہے تو یہ اُن کا تفسیر ہے۔ (دب) یہ بھی واضح ہو کہ اذِلَّةُ
جمع ذلیل کی ہے اور لفظ ذلیل عربی زبان میں اس معنی میں نہیں مستعمل ہوتا جس معنی میں ہماری
اُردو یا پنجابی زبان میں استعمال ہوتا ہے بلکہ عربی زبان میں ذیل کا معنی کمزور ہونا آتا ہے اور عالم اسباب
میں تعداد اور وسائل جنگ کی بنا پر غزوہ بدر میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کی جنگی
طاقت کے مقابلہ میں کمزور ہی تھے اور صرف اسی آیت میں نہیں بلکہ اذِلَّةُ کا لفظ دوسری جگہ بھی مذکور
ہے، فرمایا :- کَاٰیٰتِہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِّنْ یَّرْتَدُّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہِمْ فَسُوْتَ یَاٰیٰتِی اللّٰہُ لَعَلَّہُمْ یَعْبُوْہُمْ وَ
یُجْسِدُوْہُ اِذِلَّةٌ عَلٰی الْکٰفِرِیْنَ اَعِزَّةٌ عَلٰی الْکٰفِرِیْنَ۔ (پ ۶- سورۃ المائدہ ۸۴) اس کا ترجمہ
مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ لکھا ہے :- اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھر
جائے گا (تو خدا کا کچھ نقصان نہیں) خدا عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا، جن کو وہ دوست رکھتا ہے
اور اس کو وہ دوست رکھتے ہیں۔ مومنوں کے لیے وہ رحمدل ہیں (اور) کافروں کے لیے سخت کا ترجمہ
(مقبول) اور شیعہ مترجم مولوی امداد حسین صاحب کاظمی اذِلَّةُ کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں :- وہ مومنوں پر نرم

دل ہوں گے، توجب شیعہ مترجمین اس آیت میں اذِلَّةُ کا ترجمہ رحمدل اور نرم دل لکھ رہے ہیں
توجب بدر کے سلسلہ میں اذِلَّةُ کے مطلب میں کیا الجھن پیش آگئی کہ تحریف قرآن کا قائل ہونا پڑا۔ ع
کچھ بہانہ چاہیے انکار کرنے کے لیے۔ (ج) کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرآن میں لفظی تبدیلی (تحریف) کا عقیدہ امام
جعفر صادق کا تھا العیاذ باللہ۔ یہ ان ائمہ عظام پر صریح ہتھانات ہیں ورنہ وہ اس قسم کے عقائد باطلہ
سے بالکل پاک تھے اور وہ اپنے اپنے دور میں اہل سنت والجماعت کے مذہبی اور روحانی پیشوا اور
بزرگ تھے۔ اس قسم کی خلاف کتاب وسنت باتیں ان حضرات کی طرف اسی طرح غلط منسوب کر دی
گئی ہیں جس طرح نصاریٰ نے اپنے مشرکانہ عقائد تثلیث وغیرہ کو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام
کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

آیت نمبر ۳

تیسری آیت جس سے حرمت ماتم پر استدلال کیا گیا تھا یہ ہے :- وَالَّذِیْنَ
صَبَرُوْا ابْتِغَاءَ وَجْہِ رَبِّہُمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰہُمْ
سِرًّا وَعَلٰنِیۃً وَّاٰیٰتِ مَرْحُوْمٍ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةِ اُولٰٓئِکَ لَہُمْ عَقْبٌ ذَاوَار۔ (پارہ ۱۳- سورۃ النور
ع ۳) مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ نے یہ ترجمہ لکھا ہے :- جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی خوشنودی
حاصل کرنے کے لیے صبر کیا اور نماز پڑھی، اور جو کچھ تم نے ان کو دیا تھا اس میں سے چھپا کر اور ظاہر
طور پر (راہ خدا میں) خرچ کیا اور بدی کا بدلہ نیکی سے کرتے رہے، عاقبت کا ٹھکانہ انہیں کے لیے ہے۔
(ترجمہ مقبول)۔ مصنف ”فلاح الکومکین“ کہتے ہیں کہ اس آیت کا ماتم مروجہ یا غیر مروجہ سے
کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ ان کی کم فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ صبر وا کا لفظ مطلق ہے اور اس کے تحت
صبر کی وہ تمام قسمیں آجاتی ہیں جن کی تفصیل امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر سے نقل کی جا چکی ہے
یعنی وہ لوگ مصیبت میں بھی صبر کرنے والے ہیں اور جنگ و قتال کے وقت بھی اور فقر و فاقہ وغیرہ کے
احوال میں بھی۔ توجب حسب لغت و تفسیر قرآن جزء کرنا صبر کے خلاف ہے تو صابرین کی صفات
کے بیان میں ماتم مروجہ کا تعلق کیوں نہیں ہوگا؟ اگر صابرین اللہ کے ہاں فضیلت والے ہیں تو یقیناً ماتمی
لوگ جن کا فعل ماتم صبر کے خلاف ہے، اللہ کے ہاں بے وقار ہوں گے۔ علاوہ ازیں آپ نے جو یہ لکھا ہے

کہ اس آیت سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کے سوا اور کوئی صحابی اس آیت کا مصداق نہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ اس آیت میں صابرین کی ایک جماعت مراد ہے جن میں حضرت علیؓ بھی ہیں، اور یہ بھی فرمائی کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی جو صفت اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے، کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ اس صفت میں حضرت علیؓ سے افضل نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو سارا مال دربار رسالت میں پیش کر دیا تھا۔ جس کے متعلق شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ یہ کہہ چکے ہیں۔

پروانے کو چراغ ہے بھلے کو بھول بس صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تو اتنی واضح حقیقت ہے کہ کوئی دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ (۱) غزوہ تبوک میں حضرت عثمان نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار اشرفیاں رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے تھے۔ (۲) اوائل ہجرت میں مدینہ منورہ میں ایک میٹھا کٹواں جس کا نام ”رُؤْمَہ“ تھا، خرید کر اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ (۳) مسجد نبوی کے ساتھ ملحقہ زمین تقریباً پچیس ہزار روپیہ کی خرید کر مسجد میں شامل کر دی وغیرہ وغیرہ کیا مصنف ”فلاح الکواکب“ بتا سکتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ نے غزوہ تبوک یا دوسرے مواقع پر کتنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا؟

جنگِ اُحد اور صحابیہ

مصنف ”فلاح الکواکب“ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طعنہ زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”آپ کی پیش کردہ

اس آیت سے بھی کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ماتم کرنا ترک صبر ہے لہذا اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ نہیں۔ اس کے برعکس آیت تو یہ بتا رہی ہے کہ صبر کو ترک کرنے والے وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرغہ اعدا میں تنہا چھوڑ دیں اور جان بچانے کے لیے جہاد سے ہٹے پھیر کر پہاڑ پر جا چڑھیں۔ حقیقت میں یہی لوگ تارکِ صبر ہوئے، سچائی سے دور ہوئے، جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا“ (فلاح الکواکب ص ۶۸) :

الجواب

یہ پہلے ثابت کر دیا گیا ہے کہ ماتم کرنا ترک صبر ہے کیونکہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے۔ جزع اور ماتم کرنے والے کو کسی حیثیت سے بھی صابر نہیں

کہہ سکتے۔ (۲) جنگِ اُحد میں میدان سے ہٹ جانے اور بھاگ جانے کا آپ جو الزام صحابہ کرام پر رضی اللہ عنہم پر لگا رہے ہیں اس کا تفصیلی جواب دلیل نمبر ۱۲ کے تحت دے دیا ہے، اور سب سے بڑی بات اہل ایمان والوں کے لیے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں فرمایا: ”وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ“ اور یقیناً خدا نے تم سے درگزر کی“ (ترجمہ مقبول) اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا: ”وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ“ اور اللہ نے ان کے قصور سے درگزر کی“ (ترجمہ مقبول سورۃ آل عمران ح ۱۶) تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قصور معاف کر دیا ہے تو اس کے بعد جو ان کو مطلق کرتا ہے وہ صرف ان کا دشمن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس قرآن عظیم کا منکر ہے جس میں ان کی معافی کا اعلان فرمایا گیا ہے، اور یہی وہ حضرت عثمان ذوالنورین ہیں جن کی برحق خلافت کو حضرت علیؓ نے بارہ سال تک تسلیم کیے رکھا۔ فرمائیے کیا آپ حضرت علی المرتضیٰ کے اس طرز عمل سے خوش ہیں؟

حضرت علی المرتضیٰ کا صبر

ہم اہل سنت و الجماعت چونکہ دیگر خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور اندواج مطہرات صلی اللہ علیہ وسلم کی

تحت کی طرح حضرت علی المرتضیٰ، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبت کو بھی اپنے ایمان کی جزء مانتے ہیں۔ اس لیے روافض کے مطاعن کے سلسلہ میں ہمیں ان حضرات اہل بیت کی عظمت شان کو ملحوظ و ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دینا پڑتا ہے ورنہ اگر روافض کے عقائد و نظریات کو دیکھا جائے تو نفوذِ بالہ حضرت علی المرتضیٰ کی کوئی دینی حیثیت باقی نہیں رہتی بلکہ ایک فرضی علی کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ جس کی اصلی علیؓ کی حقیقی تصویر سے کوئی مناسبت و مشابہت نہیں پائی جاتی۔ ہم الزامات کہتے ہیں کہ جو صحابہ میدانِ جنگ سے ہٹ گئے تھے ان کو تو علامُ الفیوب اور رحیم و کریم خدا نے معاف کر دیا لیکن روافض جو حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ (۱) وہ اللہ کی دی ہوئی خلافت کو حاصل نہ کر سکے اور چوبیس سال تک

دہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی سے اپنی خلافت واپس نہ لے سکے، بلکہ انہوں نے تقیہ ان خلفاء سے بیعت بھی کی اور ان کی اقتدار میں نمازیں بھی پڑھتے رہے۔ (۲) حضرت فاطمہ الزہراء کا مذکر بھی چھین لیا گیا اور وہ بے بس ہو گئے تھے کہ نفوذ باللہ ان کے سامنے حضرت خاتون جنت کا بازو توڑا گیا، اُن کا عمل گرایا گیا۔ بلکہ حضرت علیؑ کے گلے میں رسی ڈال کر اصحاب ان کو حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے لیے مسجد میں لے گئے۔ (ملاحظہ ہو خلاۃ العیون اردو مطبوعہ لکھنؤ) کیا صابریں کی یہی شان ہوتی ہے۔ کیا حضرت علی المرتضیٰؑ کی یہی حقیقی تصویر ہے، اور کیا ایسے کمزور شخص کو کوئی آسہ اللہ (اللہ کا شیر) تسلیم کر سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؑ کرم اللہ وجہہ اگر صاحب کمالات و فضائل اور خلیفہ راشد مانے جاسکتے ہیں تو صرف مذہب اہل سنت کے عقیدہ کی بنا پر، ورنہ خارجی تو حضرت علی المرتضیٰؑ کے کھلے دشمن ہیں اور آپ کو مومن بھی نہیں سمجھتے، اور لافنی بظاہر عتبات ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جن امور کو اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ بھی دشمنی ہی ہے مگر بصورت محبت اور یہ زیادہ خطرناک نظریہ ہے۔

احادیث شیعہ کی رو سے بھی جہز صبر کے خلاف ہے

اہل تشیع دونوں کی تفاسیر سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ جہز کرنا صبر کے خلاف ہے اور ماتم کی ابتداء جہز کرنا ہی ہے۔ کیونکہ جہز کہتے ہیں دل کی بقراری اور پریشانی کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا۔ لہذا شیعوں کا ماتم مرد جہ صبر کے خلاف ہے لیکن مزید اتمام محبت کے لیے ہم شیعہ مذہب کی کتب حدیث سے بھی یہ ثابت کرتے ہیں کہ جہز اور صبر دو متضاد حالتیں ہیں، اور جہز کرنا لقیباً صبر کے خلاف ہے۔ (۱) شیعہ مذہب کی کتب اصول اربعہ میں سے سب سے زیادہ صحیح کتاب فروع کافی میں ہے:۔ عن جابر قال قلت لابی جعفر یرحمک اللہ ما الصبر الجمیل قال صبرٌ لیس فیہ شکوک

الی الناس۔۔۔ اس کا ترجمہ اہل تشیع کے ادیب اعظم یہ لکھتے ہیں:۔ جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا صبر جمیل کیا ہے، فرمایا! وہ صبر ہے جس میں لوگوں کی طرف شکایت نہ ہو، (دشانی ترجمہ خود)

امام محمد باقر کے قول سے بھی ثابت ہو گیا کہ اگر غم کی لوگوں کے سامنے شکایت کی جائے تو یہ صبر جمیل کے خلاف ہے۔ لیکن امام موصوف کے خلاف مصنف "فلاح الکوتین" کا یہ مذہب ہے کہ جہز فروع کرتا بلکہ اس کے جلوس نکالنا بھی صبر کے خلاف نہیں۔ (۲) فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ میں ہے کہ امام حسینؑ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے کہا کہ:۔ فعنیک بالصبر فان الخیر فی الصبر والصبر من الکرم ودع الجزع فان الجزع لا یغنیک:۔ پس آپ صبر کو اپنے اوپر لازم کریں کیونکہ صبر میں بھلائی ہے اور صبر جو انفرادی سے ہے اور جہز کو چھوڑے رکھنا کیونکہ جہز آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جہز صبر کے خلاف ہے کیونکہ امام حسینؑ صبر اختیار کرنے اور جہز کو چھوڑنے کی نصیحت کر رہے ہیں۔ لہذا مصنف "فلاح الکوتین" کا نظریہ امام حسینؑ کے خلاف ہے۔ (۳) اصول کافی میں ایک طویل حدیث ہے جس کا ترجمہ ادیب اعظم یہ لکھتے ہیں:۔ فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا، میں نے دنیا میں اپنے بندوں کے درمیان قرض حسنہ کو جاری کیا ہے پس جس نے مجھے قرض حسنہ دیا یعنی مستحق بندوں کو دیا تو میں اُس کے بدلہ میں دس سے لے کر سات سو تک دوں گا، بلکہ اس سے بھی کمیں زیادہ، اور جس نے مجھے قرض نہ دیا تو میں اپنے انعام کو اس سے کچھ کم کر دوں گا۔

اگر اس نے اس پر صبر کیا تو اس کو تین ایسی فضیلت دوں گا کہ اگر ان میں سے ایک اپنے ملائکہ کو دے دوں تو وہ میرے اس عطیہ کو پسند کریں پھر حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا اللہ وانا اللہ راجعون:۔ اُن لوگوں پر جب کوئی مصیبت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا درود اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تو اس کے لیے ہے جو تھوڑی سی کمی پر صبر کرے اور جو بڑے بڑے مصائب پر صبر کرنے والے ہیں، اُن کے اجر کا کیا ٹھکانہ ہے؟ (دشانی ترجمہ اصول کافی جلد ۲ ص ۱۱۱)۔ اس حدیث کے عربی الفاظ:۔ وصبراً عطیۃ ثلاث خصال کا ترجمہ علامہ خلیل

قرظی نے صافی ترجمہ اصول کافی میں یہ کیا ہے :- پس صبر کرد و جزع نہ کرد اصلاً۔ (پس اس نے صبر کیا اور جزع بالکل نہ کیا) اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جزع صبر کے خلاف ہے اور اس حدیث میں بھی آیت شریفہ وَكَثِيرَ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ سے ہی یہ ثابت کیا گیا ہے کہ صبر کرنے والوں کے لیے تین فضیلتیں ہیں اور صبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بالکل جزع نہ کیا جائے اور اسی آیت سے میں نے یہ استدلال کیا ہے کہ جزع صبر کے خلاف ہے جس کے جواب میں مصنف صاحب "کناح الکوسین" یہ فرما رہے ہیں کہ میاں صبر سے مراد جنگ میں ثابت قدم رہنا ہے اور یہ کہ تم کو صبر سے دور ہونے کی دلیل نہیں۔ لیکن اب اپنے علامہ خلیل قرظی شارح اصول کافی کا کیا جواب دیں گے جو فرما رہے ہیں کہ :- صبر کرد و جزع نہ کرد اصلاً۔ (ب) مندرجہ حدیث کے الفاظ :- من افوضی منہا خروفاً کا ترجمہ ادیب اعظم صاحب نے یہ لکھا ہے :- "جس نے مجھے قرض حسنہ دیا"

لیکن علامہ قرظی کی تحقیق یہ ہے کہ یہاں حرف فاء ہے نہ کہ قاف، اور جن نسخوں میں قاف ہے یہ کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے ہے اور افرضی فاء کے ساتھ ہو تو علامہ قرظی اس کا معنی کرتے ہیں :- الافواض، دادن کسے را چیزے یعنی افراض کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز دینا، واصل آں واکردن راہ آشنائی میان خود و دیگرے است۔ (اور اس کا اصلی معنی ہے اپنے اور کسی دوسرے کے درمیان دوستی کی راہ کا کھول دینا) لہذا ان کی تحقیق پر ادیب اعظم کا ترجمہ مل نظر ہے واللہ اعلم (ہم) فروغ کافی میں ہے :- قال ابو عبد الله عليه السلام يا حمص ان من صبر صبر قليلاً وان من جزع جزع قليلاً ثم قال عليك بالصبر في جميع امورك۔ اس کا ترجمہ ادیب اعظم یہ لکھتے ہیں :- "فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے اے حمص (راوی) جس نے صبر کیا تو اس نے مختوری مدت صبر کیا لیکن اس کا اجر باقی رہنے والا ہے اور جس نے بیتابی کا اظہار کیا تو اس کی بیتابی تو مختوری دیر رہی لیکن اس کی شرمندگی دیر پا ہے۔ پھر فرمایا صبر کو اپنے لیے لازم قرار دے اپنے تمام امور میں" (شافی ترجمہ فروغ کافی) اس حدیث میں بھی جزع کا لفظ صبر کے مقابلہ میں ہے۔ اور ادیب اعظم نے جزع کا ترجمہ بیتابی کے اظہار کرنے کا کیا ہے۔ تو امام جعفر صادق کے قول سے

بھی ثابت ہو گیا کہ جزع اور ماتم صبر کے خلاف ہے۔ (۵) فروغ کافی کی ایک حدیث کا ترجمہ یہ ہے :- فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے کہ رسول اللہ اپنے ایک صحابی کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ مرنے کے قریب تھا اور فرمایا اے ملک الموت! میرا یہ صحابی مومن ہے۔ اس نے کہا اے محمد! بشارت ہو کہ میں ہر مومن کے ساتھ تری کرتا ہوں اور جان لو اے محمد! جب میں اولاد آدم میں سے کسی کی روح قبض کرتا ہوں تو گھر والے جزع فرع کرتے ہیں۔ میں ان کے گھر کے ایک گوشہ میں جاتا ہوں اور کہتا ہوں یہ روٹا پٹینا کیسا؟ خدا کی قسم میں اس کی موت کے وقت سے پہلے نہیں آیا اور نہ میں نے اس کے گناہوں کی وجہ سے قبض روح کیا ہے۔ اگر تم چپ رہو گے اور صبر کرو گے تو جزا پاؤ گے اور اگر بے قراری کا اظہار کرو گے تو گنہگار ہو گے۔ (شافی ترجمہ فروغ کافی ص ۱۱۱)

اس روایت کے آخری جملہ کے عربی الفاظ یہ ہیں :- وان تتجن عواتاً شوا۔ (اور اگر تم جزع کرو گے تو گنہگار ہو گے) یہاں بھی جزع صبر کے مقابلہ میں ہے اور جزع کا ترجمہ ادیب اعظم نے بے قراری کے اظہار کرنے کا کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ جزع اور ماتم یعنی بے قراری کا اظہار کیا جائے تو صبر کے خلاف ہے اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔ لہذا ماتم مردوجہ حرام اور ممنوع ثابت ہوا (۶) فروغ کافی میں ہے امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب ملک الموت قبض روح کے لیے آتا ہے تو وہ مومن سے کہتا ہے یا ولی اللہ لا تتجن :- "اے خدا کے دوست بے چین نہ ہو، ڈر مت" (شافی ترجمہ فروغ کافی) اس حدیث سے بھی صراحتاً ثابت ہوا کہ ملک الموت جزع کرنے سے منع کرتا ہے لیکن مصنف "کناح الکوسین" نے تو بہر حال جزع فرع کرنے کو سنت اور عبادت تسلیم کرنا ہی ہے کیونکہ یہ ان کے نفس کا شدید تقاضا ہے۔ آخر اس ضد اور کم فہمی کا کیا علاج ہے؟ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ چھ احادیث جن سے ہم نے جزع اور ماتم کا خلاف صبر ہونا ثابت کیا ہے۔ ان کی سند میں سہل بن زیاد راوی نہیں ہے جس کی بنا پر مصنف موصوف کافی کی احادیث کو ضعیف کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

روایات کافی کی بحث

ماقم کے ناجائز اور حرام ہونے پر ہم نے رسالہ ”ہم ماتم کیوں منہیں کرتے“ میں شیعہ مذہب کی ۹ عدد روایات سے استدلال کیا تھا۔ جن میں روایت نمبر ۱ کے تحت یہ لکھا تھا کہ :- اُصول کافی ماتمیوں کے نزدیک وہ مستند کتاب ہے جس کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام نے اس کتاب کے متعلق فرمایا :- ہذا کافی لشیعتنا۔ (یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے) اس میں یہ روایت ہے :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال الصبر من الایمان بمنزلة الرأس من الجسد فاذا ذهب الرأس ذهب الجسد كذلك اذا ذهب الصبر ذهب الایمان۔ (ماقم کافی جلد اول، کتاب الکفر والایمان)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہے جیسا کہ جسم کے لیے سر۔ جب سر نہ رہے تو جسم نہیں رہتا اسی طرح جب صبر نہ رہے تو ایمان نہیں رہتا (ص ۲۷) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- اُصول کافی کے مستند ہونے سے ہم انکار نہیں کرتے جیسا کہ آپ نے دلیل نمبر ۱ کے جواب میں ”ینابیح المودت“ کو حقیوں کی مستند کتاب تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ لیکن ہذا کافی لشیعتنا جو کافی کے - صحیحہ و ساری - پر لکھا ہوا ہے۔ اس کو امام آخر الزمان علیہ السلام کا فرمان ماننے کے لیے تیار نہیں کیونکہ یہ فقرہ مطبع نوکشتور لکھنؤ کی مطبوعہ کتاب پر کارپردازان مطبع نے کتاب کو اور زیادہ پرکشش بنانے کے لیے لکھ دیا ہے۔ حالانکہ دوسرے مطابع کی طبع شدہ کتابوں پر یہ فقرہ جو فرمان امام سے منسوب کیا گیا ہے کہیں نظر نہیں آتا بلکہ صاحب ”روضات الجنات“ نے اس کی تردید کی ہے لیکن ہم اس پر بھی مصر نہیں کہ اس کی تمام احادیث و روایات مستند اور صحیح ہیں جیسا کہ آپ بخاری و مسلم وغیرہ کو مانتے ہیں۔ قالوا اما اصح المکتب بعد کتاب اللہ کما فی رسالۃ ملحقۃ بسنن الترمذی وجعلوا رواۃ اہلنا ارجح من علی کل سوائہ کا نوا مرجحۃ او قدمیۃ او خارجیۃ :- کہتے ہیں یہ دونوں کتابیں (بخاری و مسلم) سب کتب کے بعد کتاب اللہ زیادہ صحیح ہیں اور ہر دو کتب مذکورہ کے رواۃ کو اگرچہ وہ مرجح، قدریہ یا خارجیہ سے ہی

ہوں، سب پر ترجیح دیتے ہیں، یہ روایت بطریق ضعیف ہے۔ مرآۃ العقول شرح کافی ص ۱۰۳۔ الثانی ضعیف علی المشہور۔ (ملاحح الکوکین ص ۱۰۳) ہذا کافی لشیعتنا کا حوالہ :-

الجواب

(۱) آپ کی یہ تاویل کافی نہیں ہے کہ مطبع نوکشتور والوں نے ہذا کافی لشیعتنا کے الفاظ لکھ دیے ہیں۔ ہمارے پاس اُصول کافی کا جو نسخہ ہے وہ ۱۳۰۲ھ کا چھپا ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج سے قریباً ۹۱ سال پہلے یہ کتاب اُصول کافی لکھنؤ میں طبع ہوئی تھی جو ہندوستان میں شیعوں کا اہم مرکز تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ مطبع والوں نے یہ جملہ کہاں سے لیا ہے اور پھر کس بنا پر انہوں نے اس کو حضرت امام مہدی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ کیا لکھنؤ کے شیعہ مجتہدین نے کتاب کی تصحیح نہیں کی تھی؟ یقیناً انہوں نے تصحیح کی ہوگی پھر انہوں نے کیوں اتنی غلط نسبت کو حذف نہ کیا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کے شیعہ مجتہدین ہذا کافی لشیعتنا کو امام فائز (حضرت مہدی) کا قول ہی سمجھتے ہوں گے۔ (۲) اس فقرہ کا ذمہ دار صرف اہل مطبع کو ٹھہرانا یہ آپ کی تنبیس ہے کیونکہ اسی اُصول کافی کے خاتمۃ الطبع میں اس کے مصنف شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے ترجمہ (یعنی حالات) میں یہ لکھا ہے کہ :- وقد اتفق تصنیفہ فی الغیبۃ الصغریٰ بین اظهر السفراء فی مدۃ عشرين سنة کما صرح بہ النجاشی و یقال ان هذا الکتاب عرض علی القاسم علیہ السلام فاستحسنہ :- اور حسن اتفاق سے آپ کی یہ تصنیف بیس سال کے عرصہ میں حضرت مہدی کے سفیروں کے سامنے مکمل ہوئی ہے جیسا کہ نجاشی نے اس کی تصریح کی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ کتاب حضرت قائم یعنی مہدی علیہ السلام پر پیش کی گئی اور آپ نے اس کو پسند فرمایا :- اُصول کافی ص ۱۱۱۔

یہاں یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ اس کتاب کی تصحیح کرنے والے اور طبع کرانے والے مولوی سید محمد علی صاحب لکھنؤ ایک شیعہ فاضل ہیں اور انہوں نے یہ ترجمہ خود نہیں لکھا بلکہ کتاب شیعہ ”شدور العقیان فی تراجم الاعیان“ سے نقل کیا ہے اور اس کا ذکر صافی شرح کافی (مصنفہ علامہ خلیل قزوینی) کی تفریط میں ان الفاظ میں موجود ہے :- چنانچہ ترجمہ خود مصنف علیہ الرحمۃ و آؤ اُصول کافی

از شذور العقیان فی تراجم الاعیان مرسوم گشته من شاء الاطلاع علیہا فلیرجع الیہما رجوع خود مصنف
یعنی شیخ کلینی کا ترجمہ اصول کافی کے آخر میں شذور العقیان فی تراجم الاعیان سے لکھا ہوا ہے۔ جو
اس سے واقف ہونا چاہیے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔ (۲) اصول کافی مطبوعہ مکتبۃ الصدوق
طهران ۱۳۸۱ھ کے مقدمہ میں لکھا ہے :- و یعتقد بعض العلماء انہ عرض علی القائم صلوات
اللہ علیہ فاستحسنہ وقال "کاف لشیعتنا" اور بعض علماء کا یہ اعتقاد ہے کہ کتاب کافی حضرت مہدی
علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ نے اس کو پسند کیا اور فرمایا یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی
ہے۔ (۳) علامہ خلیل قزوینی نے الصافی شرح اصول کافی ص ۱ میں لکھا ہے :- از روئے احتیاط تمام
آں را در بابت سال تصنیف کردہ و در اں زمان غیبت صغریٰ صاحب الزمان علیہ و علی آباءہ صلوات اللہ
الرحمن کہ شخصت ونہ سال بودہ و در اں زمان مومنان عرض مطلب می کردند بتوسط سفراء یعنی آردگان
از آنحضرت و ایشان چہاں کس بودہ اند۔ بتغریب ایشان و کلائے بسیار بودہ اند کہ اموال از شیعیانامیہ
می گرفتہ اند و می رسانیدہ اند و محمد بن یعقوب در بندا نزدیک سفراء بودہ و در سال فوت آخر سفراء
ابو الحسن علی بن محمد السمری رحمہ اللہ تعالیٰ کہ سال سہ صد و بست و نہ ہجری باشد فوت شدہ یا یکہ سال
قبل ازاں۔ پس تو ازانہ بود کہ ایں کتاب مبارک بنظر اصلاح آں حجت خدائے تعالیٰ رسید باشد واللہ اعلم
:- شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے اس کتاب کافی کو از روئے احتیاط بیس سال میں مکمل کیا ہے حضرت مہدی
کے غیبت صغریٰ کے زمانہ میں جو انہتر واں (۶۹) سال ہے اور اس زمانہ میں مومنین سفیروں کے

اے اس سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ بعض علمائے شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ کافی حضرت مہدی کی
خدمت میں پیش کی گئی ہے۔ لیکن اس کے خلاف شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امر دہلوی
تجائب عارفانہ کے طور پر فرماتے ہیں :- یہ قول کہ حضرت حجت نے اس کتاب کے متعلق فرمایا ہذا کماوت
لشیعتنا۔ (یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے) صحیح نہیں۔ ہمارے کسی عالم نے ایسا نہیں کہا۔ (شافی ترجمہ
اصول کافی) اے شیعوں کے عقیدہ میں غیبت صغریٰ وہ زمانہ ہے (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

ذریعہ اپنا مطلب عرض کیا کرتے تھے اور وہ چار سفیر تھے جو حضرت مہدی سے خبریں لاتے تھے اور ان
کی ترغیب سے اور بھی بہت دکار تھے جو شیعوں سے مال لے کر آپ تک پہنچاتے تھے اور محمد بن یعقوب
کلینی بغداد میں ان سفیروں کے قریب رہتے تھے اور جس سال میں آخری سفیر ابو الحسن علی بن محمد السمری
نے وفات پائی ہے یعنی ۳۲۹ھ میں اسی سال شیخ محمد بن یعقوب کلینی کی وفات ہوئی ہے یا ان سے
ایک سال پہلے۔ پس ہو سکتا ہے کہ یہ مبارک کتاب اس حجت خدا تعالیٰ یعنی حضرت مہدی کی اصلاحی
نظر میں پہنچائی گئی ہو۔ اور غالب قریب بھی یہی ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ہو
اور آپ نے اس کے متعلق ہذا کاف لشیعتنا کے الفاظ فرمائے ہوں۔ کیونکہ حسب حسب زعم شیعہ
سفیروں کے ذریعہ ان کے اموال حضرت موصوف کی خدمت میں پہنچائے جاتے تھے تو کوئی وجہ نہیں
کہ جو کتاب احادیث ائمہ پر مشتمل ہو اور جس پر مذہب شیعہ کا دار و مدار ہو وہ آپ تک نہ پہنچائی جائے
جبکہ کافی کے مصنف بغداد میں ان سفیروں کے قریب ہی رہتے تھے اور بیس سال تک یہ کتاب لکھتے
رہے۔ ان حالات میں اگر شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے حضرت امام مہدی کی خدمت میں یہ کتاب پیش
نہیں کی تو اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اس کی اصلاح ہی نہیں چاہتے تھے یا ان کو حضرت مہدی کے
وجود کا یقین و اعتقاد ہی نہ تھا، اور اگر بالفرض ان سے حضرت کی خدمت میں کتاب پہنچانے میں کوتاہی

بغنیۃ تحت الماتن :- جس میں سفیروں کے ذریعہ حضرت مہدی کے احوال و ارشادات معلوم ہوتے رہتے تھے
اور وہ چار سفیر یہ ہیں۔ (۱) پہلے سفیر ابو عمر و عثمان بن سعید ہیں۔ (۲) دوسرے سفیر ان کے بیٹے جعفر محمد بن عثمان
ہیں۔ (۳) تیسرے سفیر ابو القاسم حسین بن روح ہیں متوفی شعبان ۳۳۸ھ۔ (۴) اور چوتھے سفیر علی بن محمد ہیں
جن کا ذکر الصافی شرح کافی کی مندرجہ عبارت میں ہے اور ان کو خاتم السفراء کہتے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد
آج تک اور ان کے ظہور تک غیبت کبریٰ کا زمانہ ہے۔ جس میں حضرت مہدی سے شیعوں کا کوئی رابطہ نہیں رہا
لیکن جمہور اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امام مہدی پیدا نہیں ہوئے، قریب قیامت میں پیدا ہوں گے اور
آپ کے ذریعہ اس وقت اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ہو گئی تھی تو پھر حضرت مہدی پر لازم تھا کہ وہ خود ہی یہ کتاب منکولایتے۔ کیونکہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ ہر بات اور ہر حال جانتے ہیں اور بالخصوص شیعوں کے ناموں کا رجسٹر ناموں کے پاس ہوتا ہے۔ لہذا شیعہ علماء یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ حضرت مہدی کو الکافی اور اس کے مصنف شیخ کلینی کا علم ہی نہ تھا، اور جب آپ کو علم تھا تو پھر یا تو آپ نے اس لیے یہ کتاب اپنے پاس نہیں منگوائی کہ اس میں تمام احادیث اُن کے نزدیک صحیح تھیں، اور آپ کو کتاب اپنے پاس طلب کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ حسب عقیدہ شیعہ وہ اپنی جگہ سے ہی سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں اور اگر الکافی میں نصف سے زائد احادیث ضعیف تھیں، جیسا کہ متاخرین شیعہ کا گمان ہے اور باوجود علم رکھنے کے حضرت مہدی نے اس کتاب کی اصلاح نہیں فرمائی۔ تو پھر اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ امام غائب کو مذہب اہل تشیع سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی اور نہ شیعوں کی گمراہی کا احساس تھا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مہدی شیعوں کے احوال سے تو فائدہ اٹھاتے رہیں اور خود اُن کو دینی نفع نہ پہنچائیں اور ان کو ورطہ ضلالت میں یونہی رہنے دیں، اور اگر الیاء ہی ہے تو پھر اُن کو امام زمانہ تسلیم کرنے سے اُمت کو کیا فائدہ؟ اور اب تو صدیاں گزر چکی ہیں ان کے ساتھ اُمت کا کوئی رابطہ ہی نہیں رہا۔ شیعہ علماء و مجتہدین دعائیں کرتے رہتے ہیں لیکن خدا جانے آپ کا ظہور کس کو نصیب ہوتا ہے۔

سم اسم شیعہ لیے ہوئے تھے تو امام مہدی ظاہر ہو گئے

خدا دیشاں بسی عدد و سیزہ کس بابیت اجتماعی رسد، امام ظاہر می شود۔ (صافی شرح اصول کافی، کتاب الحجۃ حصہ سوم ص ۳۷)۔ اور منقول ہے کہ جب اُن کی (یعنی شیعہ حضرات کی) تعداد اجتماعی طور پر ۳۱۳ ہو جائے گی تو امام صاحب ظاہر ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تک اہل تشیع کی تعداد ۳۱۳ تک نہیں پہنچی ورنہ امام غائب ضرور ظاہر ہو جاتے تو پھر مصنف "فلاح الکوتیین" نے شیعوں کی ترقی کے جو گیت گائے ہیں، یہ سب غلط ہے، اور اکثر مدعیان شیعیت دراصل شیعہ نہیں ہیں محض محبت اہل بیت کے نام پر عوام کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔ واللہ اعلم (۳) ابو علی محمد بن اسمعیل نے

بھی اپنی کتاب "منتہی المقال" مطبوعہ طہران میں مصنف کافی شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ :- الکافی الذی لم یصنف مثله، عرض علی القاسم صلوات اللہ علیہ فاستحسنہ :- کتاب کافی ایسی کتاب ہے جس کی مثل کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی اور وہ حضرت مہدی کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اور آپ نے اس کو پسند فرمایا تھا :- (۵) مرزا باقر اصفہانی نے بھی اپنی کتاب "رکوعات الجنات" میں کتاب "مبنة المعتقد" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :- حکى اخيه عرض عليه فقال: كاذب لشيعتنا :- بیان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب آپ پر پیش کی گئی تھی تو آپ نے فرمایا یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے :-

(۶) "فلاح الکوتیین" پر تقریظ لکھنے والے مولوی محمد حسین صاحب (جن کے نام کے ساتھ سلطان المتکلمین، رئیس المحدثین اور مجتہد وغیرہ القاب لکھے گئے ہیں) الشافی ترجمہ اصول کافی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :- یہ کتاب حضرت صاحب العصر والزمان عجل اللہ فرجه کی غیبت صغریٰ اور کُوابِ البہ کی موجودگی میں لکھی گئی ہے لہذا اگرچہ عند التحقيق اس کتاب کا امام العصر کی بارگاہ میں پیش ہونا اور انتخاب کا یہ فرمانا کہ :- "الکافی کاذب لشيعتنا" پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا۔ مگر اس کا انتخاب کے مخصوص و کلام کی موجودگی میں لکھا جانا اور اس حقیقت کا مسلم ہونا کہ یہ کتاب تمام ملت جعفریہ کی دینی فلاح و سہبود اور اُن کی رشد و ہدایت کے لیے لکھی جا رہی ہے جو زمانہ غیبت میں ان کی توجہ کا مرکز بنے گی۔ مگر اس کے باوجود اس کی رد میں نہ ناحیہ مقدسہ سے کسی توثیق مبارک کا صادر ہونا اور نہ وکلائے امام کا رد کنا، لو کنا اس سے کم از کم ان کی تائید و رضائے سکوتی تو ضرور ہو جاتی ہے اور یہی امر اس کتاب کی وثاقت و جلالت کی قطعی دلیل ہے۔ (کذا) استدلال الصلوة المجلسی فی المراتب جلد اول ص ۷۷ :- انہی حقائق کی بنا پر سید جلیل سید بن طاووس علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ فتصانیف هذا الشيخ محمد بن یعقوب و مراد آیاتہ فی زمن الوکلاء المذکورین دیجد طریقاً الی منقولاته :- شیخ جلیل محمد بن یعقوب کی تصانیف و روایات کا وکلائے امام علیہ السلام کے دور میں ہونا، ان کے منقولات کی تحقیق و وثاقت کی طرف ایک راستہ کھول دیتا ہے :- انہی خصوصیات کی بنا پر بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ابتداء اسلام سے آج تک فن احادیث میں اصول کافی کے پایہ کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ (مقدمہ شافی شرح اصول کافی ص ۵) :-

بہر حال اعتقادات شیعہ کی بنا پر یہی بات راجح ہو سکتی ہے کہ کتاب الکافی حضرت ہمدی کی محدث میں پیش کی گئی اور آپ نے اس کو ہذا کا فتیٰ لشدیحتنا (یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے) کی سند عطا فرمائی ہے اور خود مولوی محمد حسین صاحب نے بھی حضرت امام غائب کی رضائے سکوتی تسلیم کر لی ہے یعنی اس کتاب کے متعلق حضرت امام کا کچھ نہ فرمانا بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ کی اس کو تائید و تصدیق حاصل ہے اور اس کی مندرجہ تمام احادیث مذہب شیعہ کی رو سے صحیح ہیں۔

کافی کی روایات کی تعداد

مولوی محمد حسین صاحب شیعہ علامہ، مقدمہ نشانی ترجمہ اصول کافی ص ۵۰ میں لکھتے ہیں کہ: "کافی کی سولہ ہزار ایک سو نودس

(۱۶۱۹۹) احادیث میں صرف پانچ ہزار بہتر (۵۰۷۲) صحیح ہیں۔ باقی ایک سو چوبیس (۱۴۲) حسن اور ایک ہزار ایک سو سولہ (۱۱۱۶) موثق اور تین سو دو (۳۰۲) قوی اور نو ہزار چار سو پچاس (۹۴۵۰) ضعیف ہیں۔" دبحوالہ قصص العلماء جلد اول ص ۱۸ اور یہ بھی عجیب انکشاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس کتاب حدیث میں نصف سے زیادہ احادیث ضعیف ہوں اور صحیح احادیث صرف ۵۰۷۲ ہوں اس کو تمام مکتب حدیث اور شیعوں کی اصول اربعہ میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند کتاب کس بنا پر قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب موصوف کا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ: "ابتداءً اسلام سے آج تک فن حدیث میں اصول کافی کے پایہ کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی" ہم کہتے ہیں کہ بے شک اسلامی تاریخ میں کسی ایسی اصح ترین کتاب حدیث کا وجود نہیں ملتا جس میں نصف سے زائد احادیث ضعیف ہوں اور ہر تیسرا حدیث صحیح ہوں۔ یہ ایک عجیب ترین علمی نظریہ ہے جو شیعہ مذہب کے خصائص میں سے ہے اور جب آپ کے نزدیک کافی کی صحیح احادیث صرف ۵۰۷۲ ہیں تو پھر اس ثقلی و ثنائی کا کیا مطلب جو آپ نے لکھا ہے کہ: "کافی کی احادیث جو کہ سولہ ہزار ایک سو نودس (۱۶۱۹۹) ہیں۔" زقصص العلماء جلد دوم ص ۱۸۔ فوائد رضویہ جلد ۷ ص ۲۷ مجموعی طور پر برادران اسلامی کی بخاری و مسلم کے تمام صحاح ستہ کی احادیث سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ احادیث بخاری و مسلم کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) ہے اور اگر احادیث مکرر کو حذف کر دیا جائے تو باقی صرف چار ہزار احادیث رہ جاتی ہیں۔" (مقدمہ ابن الصلاح،

نہایتہ الدرامیۃ ص ۲۲۵۔ کشف الظنون جلد ۳ ص ۵۴۳، ۵۴۴) مولوی محمد حسین صاحب کی یہ تحقیق بالکل غلط ہے کہ بخاری و مسلم دونوں کی احادیث کی مجموعی تعداد (۷۲۷۵) ہے کیونکہ یہ تعداد تو صرف صحیح بخاری کی حدیثوں کی ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "و مبلغ ما اورافی ہذا الکتاب مع التکرار سبعة آلاف ومائتان وخمس وسبعون حدیثاً وبعد حذف التکرار اربعۃ الاف" اور امام بخاری نے اس کتاب میں جو احادیث درج کی ہیں ان کی تعداد مکرر احادیث کے ساتھ ۷۲۷۵ ہے اور اگر مکرر حدیثوں کو حذف کیا جائے تو کل تعداد چار ہزار ہے۔" یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ حقیقاً مکرر حدیث صرف ایک ہے۔ یعنی ایسی روایت جس کی سند اور متن میں کسی قسم کا تغیر نہ ہو اور وہ ایک ہی طریقہ پر ہو، صرف ایک روایت ہے ورنہ کچھ نہ کچھ تغیر ضرور کیا گیا ہے۔ لہذا کافی کو عددی پہلو سے بھی صحیح بخاری پر فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی اور جب کہ نصف سے زیادہ احادیث کافی میں ضعیف ہیں تو اس کو تعلیمیاً بھی حدیث کی صحیح کتاب نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی یہ دعویٰ ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ کافی جیسی کوئی کتاب فن حدیث میں اب تک تصنیف نہیں ہوئی۔

رفع تعارض

مولوی محمد حسین صاحب نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کافی کی سولہ ہزار ایک سو نودس (۱۶۱۹۹) احادیث میں سے نو ہزار چار سو پچاس حدیثیں ضعیف ہیں، اور یہ بھی ملتے ہیں کہ کافی کو حضرت امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے اور یہ بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ: "حضرت شیخ کلینی نے مقدمہ کافی میں یہ ادعا کیا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں تمام اخبار و آثار صحیحہ جمع فرمائے ہیں۔ چنانچہ ان کے عین الفاظ یہ ہیں۔ (مقدمہ اصول کافی) انک تعب اذا یكون عندک کتاب کافی یجمع من جمیع فنون علوم الدین ما یمکن فیہ المتعلم ویخرج الیہ المسترشد ویأخذ منه من یرید علم الدین والعمل بہ بالآثار الصحیحة عن الصادق علیہم السلام والسنن القائمة التي علیہا العمل" حالانکہ ان دونوں باتوں میں صریح تضاد پایا جاتا ہے کہ خود مصنف شیخ کلینی کے نزدیک تو کافی کی تمام احادیث صحیح ہوں اور متاخرین علماء شیعہ اس میں سے نصف سے زائد احادیث کو ضعیف قرار دیں، تو اس تعارض کو رفع کرنے اور دونوں کو حل

میں تطبیق دینے کے لیے مولوی محمد حسین صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ :- اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض متقدمین و متأخرین کی اصطلاح سے عدم واقفیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ورنہ حقیقت حال سے واقف کار جانتے ہیں کہ مؤلف علام کی فرمائش بھی صحیح ہے اور مذکورہ بالا تقسیم بھی درست ہے کہ حدیث صحیح کے بارہ میں متقدمین و متأخرین کی اصطلاح علیحدہ علیحدہ ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اعتراض پیدا ہوا ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت و گنجائش تفصیل یہ ہے کہ ہر خبر دو حال سے خالی نہیں یا متواتر یا واحد یعنی اگر کسی خبر کو ہر طبقہ میں اس قدر جماعت کثیر نقل کرے جس کا کذب و افتراء پر اتفاق کرنا عا دۃً محال ہو تو اس خبر کو متواتر کہا جاتا ہے، اور جو خبر ایسی نہ ہو وہ خبر واحد کہلاتی ہے۔ دھندلیۃ المحدثین ص ۳۵ - نہایت الدراہیہ -

اب اس خبر واحد کی متقدمین کے نزدیک صرف دو ہی قسمیں تھیں، صحیح اور غیر صحیح۔ وہ خبر صحیح ہر اس حدیث کو کہتے تھے جس کے ساتھ کچھ ایسے قرائن و اخلیہ و خارجیہ ہوں جن کی بنا پر اس پر اعتماد و وثوق کیا جاسکے۔ ائمہ اطہار کے قریب الہد ہونے کی وجہ سے متقدمین کے پاس ایسے قرائن کثرت تھے کہ جو حدیث اس طرح محفوف بالقرائن نہیں ہوتی تھی وہ اسے غیر صحیح سمجھتے تھے۔ چنانچہ محدث جلیل شیخ علی الہیروج الاسلام فرماتے ہیں (ہدایۃ المحدثین ص ۳۲) نزدیک ماہر صحیح اطلاق می شد براں حدیثیکہ معتقد بود با سنجہ اقتضای کرد اعتقاد الیثبات براں۔ یہاں بخوف طوالت ان قرائن کا تذکرہ نہیں کیا جاسکتا اور متأخرین کے نزدیک (اور اس اصطلاح کے بانی سید جلیل احمد بن طاووس متوفی ۹۷۰ھ استاد حضرت علامہ علی یا بقول بعض علماء خود ملامہ حلی قدس سرہ ہیں) خبر واحد کے متعدد اقسام ہیں۔ بعض اقسام کا تعلق راویان اخبار کے صفات و اطوار سے ہے اور بعض کا متن اخبار سے اور بعض کا ربط راویوں کے مذکور و محذوف ہونے سے ہے نیز ان کے نزدیک صحیح کا میزان و معیار اور ہے۔ ہم یہاں خبر واحد کے صرف ان بعض اہم انواع و اقسام کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق راویان اخبار کے عقائد و اعمال کے ساتھ ہے اور یہ بتا رہے ہیں پانچ قسمیں ہیں۔ حدیث صحیح (ہدایۃ المحدثین از ۳۵ تا ۳۷ - نہایت الدراہیہ)

اصطلاح متأخرین میں حدیث صحیح اس کو کہا جاتا ہے جس کا سلسلہ سند معصوم تک منتهی ہوتا ہو اور ہر طبقہ میں اس کے راوی اثنائ عشری اور عادل ہوں (مقدمہ شافی شرح اصول ص ۱)

ہمارے سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن احادیث کو متقدمین محدثین شیعہ صحیح کہتے ہیں ان کو متأخرین شیعہ کیونکر غیر صحیح کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ ان کو ائمہ کے زمانہ کا قریب بھی نصیب نہیں اور ان کی تحقیق کے ذرائع بہر حال متقدمین کے مقابلہ میں کمزور اور ناقابل اعتبار ہو سکتے ہیں۔ قرائن داخلہ و خارجہ کا علم جو متقدمین کو ہو سکتا ہے وہ متأخرین کو نہیں ہو سکتا اس لیے شیعہ علماء کے لیے بغیر متقدمین کی تحقیق پر اعتماد کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے اور پھر الکافی کی احادیث کو حضرت امام غائب کی رضائے سکوتی کا حاصل ہونا اتنی بڑی حجت ہے کہ اس کے مقابلہ میں متأخرین شیعہ کی تحقیق و تنقید کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور خواہ کیسی ہی آپ تاویل و توجیہ پیش کریں الکافی کی صحیح احادیث میں سے نصف سے زیادہ احادیث کو ضعیف قرار دینا اس کی وثاقت و جلالت شان کو بخروج کرنا ہے اور اس کے بعد الکافی کی یہ تقریر لغو ہو جاتی ہے کہ :- محدث جلیل ملا حسن فیض کاشانی وافی میں قیصر آذ ہیں :- الکافی اشرفہا و اوثقہا و اجمعہا لاشتمالہ علی الاصول من بینہا و خلوہ من الفضول و شینہا الخ۔ تمام کتب اربعہ میں سے اشرف و اوثق و اتم و اجمع کافی ہے کیونکہ یہ علاوہ فروع کے اصول پر بھی مشتمل ہے اور فصول اور باعث عریب باتوں سے خالی ہے (مقدمہ شافی ترجمہ اصول کافی ص ۵)۔

(۲) مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے جو خبر متواتر کی تقریر لکھی ہے کہ :- ”اگر کسی خبر کو ہر طبقہ میں اس قدر جماعت کثیر نقل کرے جس کے کذب و افتراء پر اتفاق کرنا عا دۃً محال ہو تو اس خبر کو متواتر کہا جاتا ہے“ تو اس تقریر کی بنا پر تو شیعہ مذہب کی کوئی حدیث بھی متواتر نہیں ہو سکتی کیونکہ حسب اعتقاد شیعہ ائمہ سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں ہو ہی نہیں سکتے، چنانچہ :-

بعد وفات رسول صرف تین چار مومن رہ گئے۔ (۱) فروع کافی جلد سوم کتاب الزوہ ص ۱۱ میں ہے عن ابی جعفر علیہ

السَّلام قَالَ كَانَ النَّاسُ أَهْلَ رِدْوَةٍ لِعَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ إِلَّا ثَلَاثَةً فَقُلْتُ وَمَنْ الثَّلَاثَةُ
 قَالُوا مُقْتَدِرُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ وَالْأَسْوَدُ وَالْجَعْفَرِيُّ وَاسْمُ الْفَارِسِيِّ رَحِمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَبَرَكَاتُهُ - (رامام
 محمد باقر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے تھے سوائے ان تین کے، مقداد، ابوذر
 غفاری، اور سلمان فارسی رحمۃ اللہ علیہم وبراہ کاتہ) ۲، شیعوں کے علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: "اور جب سید
 اوصیاء دفن سردار انبیاء سے فارغ ہوئے اور بے وفائی اصحاب اور کفر و نفاق ان لوگوں کا مشاہدہ کیا انگلیں
 ہوئے۔ جب رات ہوئی جناب امیر حسنینؑ کو اپنے ہمراہ لے کر ایک گھر میں مساجد و انصار کے تشریف لائے
 اور ان کو عقوبات الہی سے ڈرایا اور وصیت رسول خدا کو جو بمقام غدیر فرمائی تھی، پڑھ کر سنایا اور ان سے
 نصرت و یاری چاہی مگر سولے چوبیس آدمیوں کے اس گروہ نے شرم سے کسی نے قبول نہ کیا اور جب صبح ہوئی
 چار آدمیوں سے زیادہ بیعت جناب امیر پر قائم نہ تھے۔ اسی طرح تین رات تک ہر شب جناب امیر ان،
 لوگوں کو دعوت بیعت فرماتے اور ان سے طلب یاری کرتے تھے مگر بغیر چار آدمیوں کے اور بروایت دیگر
 تین آدمیوں کے سوا اور کسی نے بیعت قبول نہ کی" (جلاء العیون جلد اول مطبوعہ لکھنؤ)

(۳) شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن امر و ہوی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ:- اب امیر المؤمنین علیہ السلام
 سے احادیث کو نقل کرنے والی اصحاب رسول میں چند ہستیاں رہ گئیں۔ جن میں جناب سلمان، ابوذر، عمار بن
 یاسر، مقداد اور حذیفہ یمانی وغیرہ پیش پیش تھے۔ لیکن سطوت حکومت کے غل غپاڑہ میں ان بے چاروں
 کی سنتا کون تھا۔ جب حضرت علیؑ کی حکومت کا زمانہ آیا تو ان احادیث کی نشر و اشاعت پر یوں اوس پڑی کہ
 امیر معاویہ کی دیرینہ عداوت رنگ لائی۔ سازشوں کے جال بچھے، حضرت علیؑ کے خلاف وہ پردہ پیگندے ہوئے کہ
 خدا کی پناہ۔ خلافت کا سارا زمانہ حضرت علیؑ کو باطل کوششوں سے لڑتے گذر گیا۔ اس پر بھی چین نہ آیا تو حدیث
 سازی کی ایک ایسی کسکال قائم ہوئی جس میں صبح سے شام تک سینکڑوں حدیث رسولؐ ڈھلنے لگیں منبر پر اٹھ کر
 نے بیان کرنے کا بیڑا اٹھایا اور مکاتب و مدارس میں ملاؤں نے موضوع احادیث کا درس دینا شروع کیا
 مقررے ہی عرصہ میں ڈھیر لگ گئے الخ و بیجاہ شتافی ترجمہ فروغ کافی جلد اول ص ۷۷ حسب تصریح علما
 شیعہ نعوذ باللہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تین چار اصحاب ہی مومن رہ گئے تھے تو

میر خلتائے اربعہ کے تین سالہ دور میں اہل اسلام نے احکام شریعت پر کس طرح عمل کیا ہو گا جب کہ
 احادیث نبویہ کی اشاعت ہی کے ذرائع بند کر دیئے گئے تھے، اور جو احادیث دوسرے صحابہ کرام سے
 اہل اسلام نے سنی تھیں اور ان کا سلسلہ عالم اسلام میں پھیلا تو ان پر تو شیعہ علماء کو اعتماد نہیں ہے جیسا
 کہ ادیب اعظم صاحب موصوف اس کے متعلق یوں بیان فرما رہے ہیں کہ:- حدیث سازی کی ایک کسکال
 قائم ہوئی، تو اللہ کے دین اور قرآنی احکام و اعمال کا تحفظ اس دور میں تو ہو ہی نہیں سکا میر آج ہوسلمان
 کے پاس دین ہے اس پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے۔

سب مہاجرین و انصار جنتی ہیں

قرآن مجید میں ہے:- وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ الَّذِينَ هُمْ
 الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
 بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
 ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (پ ۱۱-۱۶) مولانا اشرف علی صاحب مٹھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے:-
 اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ اُمت میں) جتنے
 اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں۔ اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے (یعنی اللہ سے)
 راضی ہوئے اور اُس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں
 جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔ یہ آیت نص قطعی ہے۔
 مہاجرین و انصار سب کے جنتی ہونے میں، پھر ان کے تابعداروں کے جنتی ہونے میں اور مہاجرین میں
 بھی سب سے بڑا درجہ اصحاب میں سے حضرت ابوبکر صدیق کا ہے۔ جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
 نے بحکم خداوندی شب بھرت میں اپنے ہمراہ لیا اور پھر تین دن صدیق اکبر نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ
 وسلم کی معیت میں غار ثور میں گزارے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کو صاحب رسول
 فرمایا۔ سورۃ توبہ میں ہے:- اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخُنْ اِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم اپنے صاحب (یعنی رفیق و یارِ غار) سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کریں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔
 اور بالخصوص افضل المہاجرین کی پیروی کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور جنت کی بشارت

دیدی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفہ برحق تسلیم کر لیا اور زندگی اُن کی پیروی میں گذاری اور کسی طرح کی مخالفت بھی نہ کی۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذو النورین بھی سابقین اور مہاجرین صحابہ میں سے ہیں اور ان کی خلافت راشدہ کو بھی حضرت علی المرتضیٰ نے برضا و رغبت تسلیم کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے دور خلافت میں بھی حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی خلافت کے برحق ہونے پر ان مہاجرین و انصار کی بیعت سے ہی استدلال کیا تھا۔ چنانچہ ”منہج البلاغۃ“ میں ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا:۔ ائندہ بايعني القوم الذين بايعوا ابا بكر وعمر وعثمان علي ما بايعوهم عليه فلم يكن للمشاهدين بختاروا لا للغائب ان يردوا واما الشورى للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل فسموه اماما كانت ذلت لله رضي۔ (۳۱۵ مطبوعہ طہران) ”جے شک میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابو بکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی اور اسی امر پر کی ہے جس پر اُن سے کی تھی۔ پس جو شخص حاضر ہے اس کو اس کے خلاف کوئی اختیار نہیں ہے اور جو موجود نہیں اس کے لیے رد کرنا جائز نہیں ہے، اور تحقیق مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے۔ پس اگر وہ کسی ایک شخص پر اتفاق کر لیں اور اس کو امام قرار دیدیں تو یہ اللہ کی رضا کے مطابق ہی ہوگا۔“

جن مہاجرین و انصار کو اللہ تعالیٰ نے جتنی فرمایا ہے اور ان سے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے انہی کو انتخاب خلیفہ کا حق حضرت علیؓ دے رہے ہیں اور جس کو وہ امام و خلیفہ تجویز کر لیں اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی علامت قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اعلان خداوندی اور ارشاد مرقضوی کے خلاف علماء و مجتہدین شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نفوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سولے تین چار کے باقی مہاجرین و انصار العیاذ باللہ مرتد ہو گئے تھے اور کسی نے بھی حضرت علیؓ کی مدد نہ کی۔ باوجود اس کے کہ آپ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بھی سامنے لے کر ان مہاجرین و انصار صحابہ کے در بدر پھرتے رہے۔ کیا اس عقیدے کے بعد قرآن عظیم پر ایمان باقی رہ جاتا ہے؟

عہد امام حسنؓ

ادیب اعظم صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔ ”یہی صورت امام حسن علیہ السلام کو پیش آئی، دمشق حکومت زور و زردنوں طاقتوں سے کام لیکر ان احادیث کی روک تھام کر رہی تھی جن کے ناقل امام حسن علیہ السلام تھے۔ سازشوں کے ہر طرف چال بچھے ہوئے تھے۔ منبروں پر حضرت علی علیہ السلام پرست و شتم کی بوجھاڑ ہو رہی تھی۔ بنو امیہ کے متشدانہ انداز نے شیعوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔ حکومت کا شہر چاٹنے والے مجھو کے بھیڑیوں کی طرح شیعوں کا خون پی رہے تھے۔ ایسی خوفناک حالت میں شیعہ احادیث کی تدوین کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

عہد امام حسینؓ اور حدیث

نیز لکھتے ہیں:۔ ”امام حسن علیہ السلام کے بعد جب امام حسین علیہ السلام کا دور امامت آیا تو وہ پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک بن گیا۔ جس کی انتہا واقعہ کربلا پر ہوئی۔ ایسے آغشتہ کفر و دیرین ترویج و تفریق و تعلیم احادیث کا کیا ذکر؟“

عہد امام زین العابدینؓ

لکھتے ہیں:۔ ”چوتھا دور امام زین العابدینؓ کا تھا و اللہ کر بلا کے بعد اہل بیت رسولؐ کا رہا سہارا و حافی و قار بھی دنیا پرستوں اور بنو امیہ کے نمک خواروں کی نظر میں ختم ہو گیا تھا۔ صدیوں جس گھر میں وحی آتی تھی اب وہ دیران تھا۔۔۔۔۔ اب درس حدیث کون سنے اور کون دے۔ کیا وہ پیکرِ حزن و ملال، مجسمہ حیرت و یاس جو بہتر (۲۷) کا سو گوار ہے، جس کے دل و جگر پر ہزار زخم ہیں اب اس قابل ہے کہ مسجد رسولؐ میں بیٹھ کر لوگوں کو بھولی ہوئی حدیثیں یاد دلائے۔ کیا ظالم حکومت اس بات کی اجازت اسے دے گی؟ حاشا و کلا، ثم حاشا و کلا۔ (دیباچہ شافی ص ۸۷) فرمائیے! جب حضرت علی المرتضیٰ سے لے کر امام زین العابدینؓ کے زمانہ تک درس و اشاعت حدیث کا کوئی انتظام ہی نہ ہو سکا اور یہ ائمہ کرام تبلیغ حق بھی کر سکے۔ تو اتنے طویل عرصہ میں عاتقہ المسلمین ارشادات و اعمال رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہے اور ادھر اصلی اور مکمل قرآن کو حضرت علیؓ نے غصہ میں آ کر بالکل ہی غائب کر دیا تھا اور قسم کھالی تھی کہ تم

اس قرآن کو حضرت مہدی کے ظہور تک ہرگز نہ دیکھ سکے (اصول کافی، جلد ۱ العیون) کتاب اللہ یوں غائب ہوئی اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تدریس و اشاعت بھی نہ ہو سکی۔ تو دین و شریعت کو کون سمجھتا اور کون عمل کرتا، امت کے پاس نہ علم رہا اور نہ عمل۔ تو بارہ اماموں میں سے پہلے چار ائمہ معصومین حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت زین العابدین سے اُمت کو کیا دینی فائدہ پہنچا اور اُن کو اللہ تعالیٰ نے کس فائدہ کے لیے معصوم امام بنا کر بھیجا اور اُمت پر اُن کی امامت و خلافت کا تسلیم کرنا لازم قرار دیا۔ جو نہ قرآن کی حفاظت کر سکیں اور نہ حدیث و سنت کی اور نہ اپنی خلافت کا تحفظ کر سکیں نہ امامت کا بلکہ جو ان کے حقوق غصب کرنے والے تھے بظاہر اُن کی اطاعت میں ہی اپنی زندگیاں گزار دیں۔ حتیٰ کہ حضرت حسین نے اگر مزید کے مقابلہ میں اپنی اور اپنے اعزہ کی جانیں قربان کیں تو آپ کے جانشین نے اپنی جان بچانے کے لیے اُسی یزید کی بیعت کر لی جیسا کہ مذہب شیعہ کی مستند کتابوں سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔

دور امام محمد باقر و امام جعفر صادق

امام زین العابدین تک اشاعت حدیث کا انتظام نہ ہونے اور ائمہ حضرات کا اس بارے میں لاچار و مجبور ہونے کا اقرار کرنے کے بعد علمائے شیعہ نے ائمہ کی تاریخ کا ایک دوسرا رخ پیش کر دیا کہ ان دونوں اماموں کے ذریعہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشر و اشاعت کا اللہ تعالیٰ نے انتظام کر لیا اور اس طرح دین خداوندی کو یا کہ محفوظ ہو گیا۔ چنانچہ شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امر وہابی لکھتے ہیں :- پانچواں دور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کا تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کی تعلیم کو ناقیامت رکھنا منظور تھا، لہذا اس نے یہ بندوبست کیا کہ اہل بیت سے عناد رکھنے والوں کو باہم دست و گریباں کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ بنو امیہ کے ایوان حکومت میں زلزلہ آ رہا تھا اور بنی عباس اپنی حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ حصول اقتدار کی جلد و جہد میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پگڑی سنبھالنی دشوار تھی لہذا اعدائے اہل بیت کی تلوار کچھ دنوں کے لیے نیام میں چلی گئی اور اپنی فکر نے فریقین کو امین ہما میں سے غافل

کر دیا۔ ہمارے دونوں اماموں کو اس وقفہ میں اتنا موقع مل گیا کہ مسجد رسول میں درس کا آغاز کر دیا۔ لوگ موضوع احادیث سنت سنت اُلتا گئے تھے۔ قرآن کے صحیح مفہوم کا پتہ نہ چلا سکتے تھے مسائل فقہیہ اپنی اصل سے ہٹ کر کچھ سے کچھ ہو گئے تھے۔ لوگوں کی ترستی ہوئی نگاہیں امام محمد باقر علیہ السلام پر پڑیں اور جوق در جوق لوگ اس مقدس درس میں شریک ہونے کے لیے دُور دُور سے آئے گئے۔ قلمدان کھل گئے اور امام کی زبان سے احادیث صحیحہ سن سن کر ضبطِ تحریر میں لانے لگے۔ یہ احادیث کھنے والے چار ہزار سے زائد اہل فضل و کمال تھے۔ اسلامی حکومت کا کوئی شہر، کوئی قصبہ ایسا نہ رہا جہاں کے لوگ اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم نہ رہے ہوں۔ انتہا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ جیسے لوگ بھی اس درس میں شریک ہوئے۔ جس کو حتیٰ احادیث لکھنے کا موقع مل گیا وہ لکھ کر لے گیا اور اپنی بستی کے مومنین کو جا کر سنائیں۔ اس دور میں چار سو کتابوں میں احادیث جمع ہوئیں جو اُصول الربیعہ مائۃ کلماتی ہیں۔ ان چار سو کتابوں میں جو احادیث جمع ہوئیں وہ پراگندہ تھیں۔ نہ کوئی ترتیب تھی نہ تقسیم ابواب۔ جو حدیث جس وقت سن لی تھی، لکھ دی تھی۔ سب سے پہلے جس نے بقید ابواب احادیث کو جمع کیا وہ صاحب کتابی جناب ابو جعفر یعقوب کلینی علیہ الرحمۃ تھے۔ انہی چار سو کتابوں کی جستجو میں وہ بیس برس سرگرداں رہے۔ کافی میں زیادہ تر احادیث وہی ہیں جن کا سلسلہ روایت یا تو امام محمد باقر علیہ السلام تک پہنچتا ہے یا امام جعفر صادق علیہ السلام تک۔ ابو جعفر علیہ السلام سے مراد امام محمد باقر علیہ السلام اور ابو عبد اللہ سے امام جعفر صادق ہیں۔

مندرجہ بیان سے تو یہ امید بندھتی تھی
وہ چار سو حدیث کی کتابیں بھی برباد ہو گئیں
 کہ جب امام محمد باقر کے درس میں چار چار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے، اور حکومت کی طرف سے کوئی روک ٹوک بھی نہیں تھی، اور چار سو حدیث کی کتابیں بھی تیار ہو گئیں تو احادیث نبویہ اور علوم دینیہ محفوظ ہو گئے ہونگے اور سابقہ زمانوں کی کمی پوری ہو گئی لیکن ح۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ پھر ان احادیث کی نشر و اشاعت پر آدس پڑ گئی اور ساری محنت برباد ہو گئی۔ چنانچہ ادیب اعظم لکھتے ہیں :- اگر یہ چار سو کتابیں ظالموں کی دستبرد

سے محفوظ رہیں تو کتنا بڑا علمی سرمایہ ہوتا۔ مگر جن بے درد ناحق شناسوں نے معصوموں کے گمے پر چھڑی بھری وہ ان کی احادیث کے ذخیروں کو کہاں چھوڑنے والے تھے۔ چنانچہ جہاں کہیں شیعوں کا قتل عام ہوا۔ ان کے مال و اسباب کے ساتھ ان کے کتب خانے بھی مچھونک دیئے گئے۔ سب سے زیادہ کتابیں بغداد میں بالخصوص محلہ کرخ میں تھیں وہ سب نذر آتش ہو گئیں۔ تو گویا علم حدیث کا جو چراغ ان ائمہ نے جلایا تھا وہ بھی بجھ گیا۔ جب احادیث کا سارا ذخیرہ ہی تباہ ہو گیا تو شیعہ مذہب ہی گویا کہ غائب ہو گیا۔

سے مازیاراں چشم یاری داشتیم خود غلط بود آنچه ما پنداشتیم
ادیب اعظم صاحب لکھتے ہیں: ”اس کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا دور حکومت آیا تو وہی جان و مال و آبرو کے خطرے ساتھ لایا۔ اب عباسی سلطنت کی جڑیں مضبوط ہو چکی تھیں لہذا آل رسول کی دبی آگ بھڑک اٹھی۔ جس کے نتیجے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پندرہ سال سے زیادہ قید رہے“ (شانی توجہ فروع کافی ص ۹)

آپ کے بعد امام رضا علیہ السلام کو کچھ وقت ایسا مل گیا کہ آپ نے لوگوں سے احادیث کو بیان فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے دور امامت میں تدوین حدیث کا کام پھر از سر نو شروع ہوا۔ آپ کی احادیث کا ایک مجموعہ ”عیون اخبار الرضا“ ہے۔ زمانہ کی ناسازگاری اور شیعوں کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ائمہ کی صورت دیکھنے اور ان کی زبان سے حدیث رسول سننے کو ترس گئے تھے“ (ص ۹)

یہ ہے مذہب شیعہ کی اشاعت و تدوین حدیث کی وہ تاریخ
جس کا ان کے ادیب اعظم خود اقرار کر رہے ہیں۔ مذکورہ حالات سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ احادیث نبویہ ان ائمہ کرام کے سینوں میں ہی رہیں، اور اگر وہ کتابوں میں کبھی جمع کی گئیں تو پھر وہ بھی برباد ہو گئیں، اور اگر خواص نے ائمہ سے کچھ احادیث حاصل بھی کیں تو وہ بھی تقیہ کی نذر ہو گئیں۔ چنانچہ ادیب اعظم صاحب لکھتے ہیں: ”غور کرو کیسے نازک دور تحبان

اہل بیت پر گز رہے ہیں وہ نہ تو آزادانہ طور پر اپنے ائمہ سے مل سکتے تھے نہ ان کی زبان سے احادیث سن سکتے تھے اور نہ ان سے سنی ہوئی احادیث کو بالا اعلان نقل کر سکتے تھے۔ بلکہ کافی میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں کہ ان کو بیان کر کے امام نے تاکید فرمائی ہے، کہ چونکہ یہ عقائد عامہ کے خلاف ہیں لہذا ان کو بیان نہ کریں ورنہ ان کی جانبیں خطرہ میں پڑ جائیں گی اور ہمارے لیے مصیبت ہوگی۔ اگر بضرورت کوئی نقل کرتا بھی تو یہ کہہ کر قال الرجل (ایک شخص نے بیان کیا) یا کسی صحابی امام کا نام لے کر بیان کرنا کہ میں نے فلاں سے سنا ہے کیونکہ امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہما السلام کا نام لے کر کوئی حدیث بیان کرنا جرم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث ان حضرات کی کنیت سے منقول ہیں یعنی خال ابو جعفر (مراد امام محمد باقر علیہ السلام) قال ابو عبد اللہ (مراد امام جعفر صادق) قال رجل صالح (مراد امام موسیٰ کاظم) قال ابو الحسن (یعنی امام رضا علیہ السلام) چونکہ عام لوگ کنیت سے ناواقف تھے لہذا راوی خطروں سے محفوظ رہتے تھے۔ (ص ۸)

دور امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری
کوئی دور ایسا نہ آیا کہ کسی امام سے

سن کر تدوین احادیث کا کام کیا جاتا، کیونکہ امام محمد تقی اور امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہم السلام کی زندگیاں یا تو قید میں گذریں یا ان کے دروازوں پر پہرے رہے یا حکومتوں کے جاسوس ان کے اور ان کے شیعوں کے پیچھے گئے رہے۔ جو لوگ جان پر کھیل کر ان تک پہنچ جاتے وہ کچھ فیض پالیتے۔ مثلاً مذکورہ بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ راوی ائمہ کرام کا نام تک بھی نہیں لے سکتا تھا یا ان کی کنیت ذکر کرنا تمقا، اور یا صرف یہ کہہ دیتا تھا کہ قال الرجل یعنی ایک آدمی نے یہ کہا ہے۔ تو جب جان کے خوف کا یہ حال ہے تو پھر ایسی روایات کے سننے والوں کو کیسے یقین آتا ہوگا کہ یہ حدیث کسی امام معصوم نے بیان کی ہے، اور یہ حجت ہے اور واجب العمل، اور پھر عقیدہ تقیہ کی نحوست بھی ساتھ لگی ہوئی ہے۔ یعنی یہ کیسے یقین آسکتا ہے کہ یہ بات کسی امام نے ہی فرمائی۔ خواہ ان کی کنیت کبھی ذکر کر دیا جائے۔ کیونکہ ہر حدیث میں راوی کے متعلق یہ احتمال ہے کہ وہ از روئے تقیہ یہ حدیث امام کی طرف منسوب کر رہا ہو۔ لہذا اگر

کسی پہلو سے اس روایت کی صحت کا گمان بھی ہو سکتا تھا تو تقیہ کی بنا پر وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

ایک مسئلہ کے تین مختلف جواب

اصول کافی میں ہے :- زرارہ بن اعین سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے میں

نے ایک مسئلہ پوچھا، حضرت نے اس کا جواب دیا، پھر ایک اور شخص آیا اور یہی مسئلہ پوچھا آپ نے میرے جواب کے علاوہ جواب دیا، پھر ایک اور شخص آیا اس کو میرے جواب سے علیحدہ جواب دیا اور دوسرے کے جواب سے بھی الگ۔ جب وہ دونوں آدمی چلے گئے تو میں نے کہا یا ابن رسول اللہ! یہ دونوں عراقی آپ کے پرانے شیعوں میں سے ہیں۔ ان سوالوں کے جواب آپ نے الگ الگ کیوں دیئے۔ فرمایا اے زرارہ یہی بہتر ہے ہمارے اور تمہارے لیے۔ اگر تم ایک ہی امر پر جمع ہو جاؤ تو مخالفت تم کو اپنی مجلس سے نکال دیں گے۔ (شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول ص ۳۷)

امام کا خلاف حق بات کہنا۔ (۲) سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول من عرف انما لا نقول الا حقا فليكنف بنا يعلم فان سمع منا خلاف ما يعلم فليعلم ان ذلك دفاع منعه۔ ترجمہ :- میں نے ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام کو فرماتے سنا جو شخص یہ جانتا ہے کہ ہم نہیں کہتے مگر حق، تو اس کو چاہیے کہ اکتفا کرے اس پر جو ہم سے جانا ہے، اور ہم سے کوئی بات ایسی سنی جو حکم خدا کے خلاف ہو تو سمجھ لے کہ ہم نے تم سے دشمنوں کے ضرر کا دفع چاہا ہے۔ یعنی بصورت تقیہ اس کو بیان کیا ہے۔ (شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول ص ۳۷)۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق ایک ہی مسئلہ کے تین مختلف اور متعارض جواب اپنے شیعوں کو بھی دیتے تھے اور عمداً اپنی زبان سے خلاف حق بات بھی کہتے تھے تاکہ ان کے شیعہ محفوظ رہیں۔ لیجئے! جن دو اماموں یعنی امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کے متعلق ادیب اعظم نے یہ لکھا ہے کہ مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے درس حدیث بھی شروع ہو گئے اور امام محمد باقر کے درس میں چار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے اور آپ سے مروی احادیث کی چار سو کتابیں دن بھی کر لی گئی تھیں۔ ان کی روایت و بیان مسئلہ کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے شیعوں کو بھی خلاف حق بات بتلاتے

تھے تو پھر جمع عام میں انہوں نے جو احادیث تقریباً چار ہزار آدمیوں کے سامنے بیان کی اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ امام موصوف نے یہ صحیح بیان کی ہیں اور تقیہ پر عمل نہیں فرمایا۔ چنانچہ صاحب موصوف انگافی کی احادیث کے متعلق خود یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ :- ایسی احادیث امام نے اپنے شیعوں سے بیان کی ہیں یعنی ان کی عملی صورت اگرچہ مشکوک و مستعداات شائبہ امام نے وہ اس لیے تعلیم کی کہ ان کے پیرو دشمنوں کے ضرر سے محفوظ رہیں اور ایسا ان کو اپنے عقیدے کے خلاف عمل کرتے دیکھ کر ان کو قتل کر دیں اور امام کو بھی مصائب کا۔ بعض ایسی ہیں کہ ایک سائل کو بحفاظت تقیہ امام نے کوئی جواب دیا ہے اور غلطی ٹل جانے کے لکھ بھیجا ہے۔ بعض اوقات مجلس امام میں حکومت کے جاسوس بھی آجاتے تھے۔ اس کے سوال کا جواب بالا جمال دیا جاتا تھا۔ بعض احادیث سے بے واضح ہوتا ہے کہ زرارہ لفظ کی نماز جماعت میں شرکت کی اجازت دی ہے۔

ایسی احادیث بھی ہیں کہ دشمنوں کے خوف سے امام نے سائل کو ہدایت کی۔ کونشر نہ کرے الخ دیکھنا شافی ترجمہ فروغ کافی جلد اول ص ۳۷ کیا ان تشریحات بھی کسی صاحب عقل کو مذہب شیعہ کی کسی حدیث پر اعتماد ہو سکتا ہے؟ اور کیا ایسے دین کے پیشوا اور رہنما تسلیم کر سکتا ہے جن کی تصویر ادیب اعظم نے پیش کی ہے۔ کیا ہیں جن کو شیعہ مذہب میں انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل مانا جاتا ہے اور جن کے لئے بغیر کوئی آدمی مومن نہیں بن سکتا۔ پھر اگر گیارہ اماموں نے کوئی کسر باقی رکھی تھی غائب نے پوری کردی کہ صدیوں سے غائب ہیں۔ اُمت سے کسی طرح کا کوئی تعلق و غواہت کی وادیوں میں بھٹک رہی ہے لیکن امام زمان اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ پورے ہوں تو آپ اُمت کے سامنے آئیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ خلفائے ثلاثہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین کو یوں مطمئن و مجروح کیا گیا کہ انہوں علی المرتضیٰ اور حضرت فاطمہ الزہراء کا حق غصب کیا اور ان پر بے پناہ مظالم کئے، اور

حضرت مہدی امام غائب تک کے ائمہ کو تقیہ باز اور ہر مشکل وقت پر جان بچانے والے اور دین حق کو بچانے والے ثابت کیا گیا۔ تو فرمائیے! اسلام کے پاس اب کونسی ایسی مایہ ناز ہستی باقی رہ جاتی ہے جس کو محبوب رب العالمین، رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل جانشین تسلیم کیا جائے اور جس کی بے داغ جامع شخصیت کی اطاعت کی طرف امت کو دعوت دی جائے نہ اس لیے اسلام پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور نہ ایسے ائمہ اسلام جن کے متعلق ماحمی فرقہ کے نظریات مندرجہ بالا روایات و عبارات میں مذکور ہیں۔ ع۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چاروں طرف سے

صحیح بخاری اور کافی کا موازنہ

ہیں کہ :- ہم اس پر بھی مصر نہیں کہ اس کی تمام احادیث و رواۃ مستند اور صحیح ہیں جیسا کہ آپ بخاری و غیرہ کو مانتے ہیں۔ قالوا ہما اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کما فی رسالۃ ملحقۃ لبسن الترمذی وجعلوا رواہما ارجحین علی کل سواء کا نو امرجۃ او قدیمیۃ او خارجیۃ۔ ”کہتے ہیں دونوں کتابیں بخاری اور مسلم سب کتب سے بعد کتاب اللہ زیادہ صحیح ہیں اور ہر دو کتب مذکورہ کے رواۃ کو اگرچہ وہ مرجح یا قدریہ یا خارجیہ سے ہی ہوں، سب پر ترجیح دیتے ہیں“ (صفحہ ۷)

الجواب

ہوئی اور خود شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے نزدیک بھی کافی کی ساری احادیث صحیح ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب شیعہ علامہ نے بھی اس کے حق میں امام غائب کی رضائے سکوتی کا اعتراف کر لیا ہے لہذا اس پہلو سے شیعوں کے لیے کافی کی تمام احادیث حجت ہیں۔ البتہ اگر دوسرے پہلو سے تنقید کی جائے کہ ائمہ کبار خلاف حق باتیں خود اپنے شیعوں سے بھی بیان فرمادیتے تھے، اور ایک مسئلہ کے متعارض جواب دیتے تھے اور ایسا کرنا تقیہ پر مبنی تھا اور تقیہ خود ایک بڑی عبادت ہے کہ مذہب شیعہ کے ائمہ اسے تقیہ پر مشتمل ہیں تو الکافی ہو یا ”سنن لا یحضرہ الفقہ“، تہذیب ہو یا استبصار مذہب شیعہ کی کسی حدیث کی صحت پر انکار

نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے برعکس صحیح بخاری کا پایہ بہت بلند ہے اس کی تمام احادیث امام بخاری کے اپنے معیار پر صحیح ہیں، اور بعض محدثین نے صحیح بخاری کی چند روایات پر تنقید بھی کی ہے اور ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور بعض دوسرے محدثین نے اس کا جواب بھی دیا ہے، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور اگر کچھ روایات قابل جرح ہو سکتی ہیں تو وہ بھی گنتی کی چند ہی ہوں گی۔ یہ نہیں کہ کافی کی طرح نصف سے زائد احادیث اس میں ضعیف ہوں اور آپ نے ہویہ الزام لگایا ہے کہ صحیح بخاری میں بعض راوی مرجمہ قدریہ اور خارجیہ بھی ہیں تو یہ بھی امر واقع ہے کہ صحیح بخاری میں بعض راوی شیعہ بھی ہیں مثلاً عبد اللہ بن موسیٰ، ابن عینیہ، اور عبد الرزاق وغیرہ، اور اس قسم کے راویوں پر اعتماد ان کی ظاہری حالت ثقاہت کی بنا پر کیا گیا ہے۔ امام بخاری نے شیعہ راویوں کی روایت اس وجہ سے قبول کی ہے کہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ شیعہ مذہب میں تقیہ بھی ایک عبادت ہے، اور وہ خلاف واقعہ بات بھی بیان کر دیتے ہیں اور یہ ان کے ائمہ امام جعفر صادق وغیرہ کی سنت ہے۔ جیسا کہ اس کے متعلق بعض روایات پیش کی جا چکی ہیں۔

امام اہل سنت کا ارشاد

اسی بنا پر امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنؤی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ :- بہت سے شیعہ عمر بھر سنی بنے رہے اور ان میں سے بعض کا تشیع مرتے وقت ظاہر ہوا اور بعض کا مرتے وقت بھی ظاہر نہ ہوا۔ سوا ان کے چند مخصوص لوگوں کے کوئی ان کے تشیع سے واقف نہ ہو سکا۔ بہت سے شیعہ ایسے ہوئے کہ ان کا تشیع تو کھلا ہوا تھا مگر ہمارے محدثین کو یہ پتہ نہ تھا کہ کذب بھی ان کے مذہب میں عبادت ہے اور قرآن مجید کو محرف جاننا بھی ان کے ضروریات مذہب سے ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تم نوبت کو بھی یہ لوگ جھٹلانا چاہتے ہیں۔ لہذا ہمارے اپنے محدثین نے ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر ان کی روایت قبول کر لی۔ آج وہی روایت شیعہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور علماء کو جواب دینا پڑتا ہے۔ شیعوں کی اپنی کوشش تو یہ تھی کہ دین اسلام کی کوئی چیز مسلمانوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہے۔ قرآن مجید کو محرف قرار دے کر مشکوک بنانے کی سعی کی اور احادیث کو یوں تباہ و برباد کرنے کی تدبیر کی۔ مگر اللہ ۴۴ تبارک و تعالیٰ ان کا فریاد نہ کرے۔ ان کی دونوں کوششیں ناکام رہیں، قرآن مجید کا محرف ہونا کسی طرح ثابت نہ ہو سکا، اور

احادیث کے لیے یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے محدثین اہل سنت کے ہاتھوں فن حدیث کو اس طرح کامل و مکمل کر دیا۔ اصول حدیث ایسے مدون ہوئے، فن اسماء الرجال ایسا مکمل ہوا کہ آج ذرا سی توجہ میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جاتا ہے۔ مگر اب ضرورت اس بات کی ہے کہ شیعہ راویوں کی جس قدر روایات کتب اہل سنت میں ہیں ان کی تنقید کر دی جائے۔ اس تنقید کے بعد میدان بالکل صاف ہو جائے گا۔ اور ایک حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف دنیا کے سامنے آجائے گا۔ (النجم لکھنؤ ماہ صفر ۱۳۵۲ھ ص ۳۱۷) اہل سنت کے نزدیک خارجی وغیرہ بھی اہل بدعت میں شمار ہوتے ہیں، اور اہل بدعت کی روایت قبول یا رد کرنے کے سلسلہ میں محدثین اہل سنت کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ”المصباح فی اصول الحدیث“ میں امام سیوطی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :-

اختلف العلماء فی قبول روایتہ او عدمہ علی ثلثة اقوال

قبیل لقبیل روایتہ مطلقاً وقیل لا تقبل مطلقاً لقول الجمهور وقال قوم وهو الذی صححہ الامام فخر الدین الرازی۔ ان کان یعتقد ان الکذب حرام قبلت روایتہ وان کان یعتقد ان الکذب حلال لا تقبل روایتہ۔ (ص ۱۳۱)۔ یعنی اہل بدعت میں سے جن کی تکفیر نہیں کی گئی اُن کی روایت کے قبول یا رد میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی مطلقاً روایت قبول کی جائے گی دوسرا یہ کہ مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی اور جہود کا یہی قول ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے اور امام رازی نے اسی کو صحیح کہا ہے کہ اگر وہ بدعتی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جھوٹ حرام ہے تو اس کی روایت قبول کی جائے گی اور اگر وہ جھوٹ کو حلال جانتا ہے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

(ب) علامہ بحر العلوم فرماتے ہیں :- ثم اعلم انما الخلاف فی اصحاب البدع الذین لم یبیحوا الکذب واما المبیحون کالکرامیۃ فلا یقبل روایتهم البتۃ لانه لما جاز فی دینهم علی زعمهم الکذب لا یبالون بالارتکاب علیہ ومنہم الروافض الغلاة و الامامیۃ فان الکذب فیہم اظہر واشہر الخ :- پھر جان لے کہ ان اہل بدعت کی روایت قبول کرنے میں اختلاف ہے جو جھوٹ کو مباح نہیں سمجھتے۔ لیکن جو جھوٹ کو مباح سمجھتے ہیں مثلاً کرامیہ تو ان کی روایت بالکل قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ جب ان کے دین میں جھوٹ جائز ہے تو پھر وہ جھوٹ بولنے کی پرواہ نہیں کریں گے اور انہی اہل بدعت

میں سے روافض اور امامیہ بھی ہیں کیونکہ ان میں جھوٹ بہت ظاہر اور مشہور ہے حتیٰ کہ جھوٹ بن گئے ہیں، اور انہوں نے اذروئے تقیہ ہر قسم کے گناہوں بلکہ کفر تک کے ارتکاب کو جائز قرار دیا (بحر العلوم) اور ”المصباح“ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ”امام مالک اور ابن مبارک رافضیہ لوگوں کی روایت قبول نہیں کرتے جو صحابہ کرام یا سلف صالحین کو سب کرنے والے ہیں“ کہتے اور گالیاں دیتے ہیں اور ان اہل بدعت کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی جو اپنی بدعتی لوگوں کو دیتے ہیں اور ان کے علاوہ اہل بدعت کی وہ روایت قبول کر لی جائے گی جس سے ان کا تائید نہ ہوتی ہو، اور اگر وہ روایت اُن کی بدعت کے موافق ہو تو رد کر دی جائے گی۔ امام سیوطی نے اسی کو صحیح کہا ہے۔“ (ص ۱۳۳)۔

بہر حال مندرجہ تفصیل کے تحت مبتدع لوگوں کی روایت کے قبول یا عدم قبول کا مسئلہ ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مبتدع فرقوں کی تکفیر یا عدم تکفیر کا مسئلہ اُن ہونے پر مبنی ہے۔ لہذا جس کو جو تحقیق ہوئی اُس نے اسی پر حکم لگا دیا۔ ۱۲

امام بخاری کا نام محمد بن اسماعیل ہے ابو عبد اللہ ہے۔ آپ بروز جمعہ بعد شوال ۲۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات عید الفطر کے بعد شنبہ کی رات کو ۲۵۶ھ کی عمر ۶۲ سال تھی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :- چھ لاکھ حدیثوں کے اس ذخیرہ میں سے جو ان کے پاس موجود تھا، انتخاب شروع کیا، جو ان پر ان پر اکتفا کیا اور بعض وہ احادیث جو اسی درجہ پر صحیح تھیں ان کو طوالت کے خوف یا کسی دوسرے چھوڑ بھی گئے۔ بخاری جب کسی حدیث کو لکھنے کا ارادہ کرتے تھے تو اول غسل کر کے دو رکعت

لے یہاں یہ ملحوظ رہے کہ شیعوں کی ”الکافی“ کے مصنف شیخ محمد بن یعقوب کلینی ۲۵۰ھ مطابق ۹۰۹ء میں پیدا ہوئے اور وفات ۳۲۶ھ میں ہوئی ہے یعنی امام بخاری ۵۶ سال پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ شیخ محمد بن ان کی صحیح بخاری ”الکافی“ سے بہت پہلے تصنیف ہوئی ہے۔

اور پھر اس کو لکھتے۔ چنانچہ ۱۶ سال کے عرصہ میں اس انتخاب سے فراغت پائی۔ جب اس کا قصد کیا کہ ان حدیثوں کی ان کے مضمون کے مطابق ترتیب دی جائے۔ (اس کو اصطلاح محدثین میں ترجمۃ الباب کہتے ہیں) تو مدینہ منورہ میں قبر مبارک اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی مقام میں اس اہم کام کو انجام دیا ہر ترجمہ پر دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ ان فرض بخاری کی حُسنِ ترتیب کا نتیجہ تھا کہ یہ جامع اس قدر مقبول ہوئی کہ ان کی زندگی میں ہی اس کو نوے (۹۰) ہزار آدمیوں نے آپ سے بلا واسطہ سنا۔ جن میں سب سے آخری فربرسکی ہیں اور آج کل ان کی روایت ہی علو اسناد کی وجہ سے شائع و مشہور ہے۔ بخاری کی نادر باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے، حج کو اُمید ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کسی شخص کی غیبت کا سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ میں نے بفضلِ خدا کسی شخص کی غیبت نہیں کی۔ سُبْحَانَ اللَّهِ! کس قدر تعقّف اور تورّع تھا۔ (خدا تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین) (بُستَانُ الْمُحَدِّثِینِ)

احادیثِ شیعہ سے ماتم کی تردید

متقی وہ یہ ہے :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال الصبر من الایمان بمنزلۃ الرأس من الجسد فاذا ذهب الرأس ذهب الجسد کذا اذا ذهب الصبر ذهب الایمان۔ (اصول کافی کتاب الکفر والایمان ص ۱۷۷) :- ”امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہے جیسا کہ جسم کے لیے سر۔ پس جب سر نہ رہے تو جسم نہیں رہتا، اسی طرح جب صبر نہ رہے تو ایمان نہیں رہتا۔ (ص ۱۷۷)۔ اس کے جواب الجواب میں مصنف ”فکلام الکونین“ لکھتے ہیں :- ”یہ روایت بطریقِ ضعیف ہے۔ مرآۃ العقول شرح الکافی حصہ الثانی ضعیف علی المشہور“ (فلاح الکونین)

الجواب

اس حدیث کے ضعیف ہونے کی علت (وجہ) نہیں بتائی کہ کیوں ضعیف ہے۔ اس روایت کی سند میں سہل بن زیاد راوی بھی نہیں ہے (۲) اس حدیث کا مضمون تو صرف یہ ہے کہ صبر نہ رہے تو ایمان جاتا رہتا ہے۔ کیا آپ فضیلتِ صبر کو بھی تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے) (۳) مذہبِ شیعہ کی بنا پر اُصول کافی کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ کیونکہ کم از کم ان کو امام ثمال کی رضائے سکوتی حاصل ہے اور خود اُس کے مصنف شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے نزدیک بھی اس کی سب روایات صحیح ہیں۔ (۴) بالفرض اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو تو پھر بھی یہ قابلِ عمل ہے۔ چنانچہ ”مرآۃ العقول“ کے مصنف علامہ باقر مجلسی ہی لکھتے ہیں کہ :- والحق عندی ان وجود الخبر فی مثال تلك الاصول المعتبر متجاوز للعلل به لکن لا بد من الرجوع الى الاسانید لتخرج بعضها على بعض عند التعارض۔ (مرآۃ العقول جلد اول ص ۱۷۷) :- ”میرے نزدیک حق یہ ہے کہ کسی حدیث کا اُصول کافی ایسی کتب معتبرہ میں پایا جانا جوازِ عمل کے لیے کافی ہے۔ ہاں! تعارض کے وقت بعض احادیث کو دوسری بعض پر ترجیح دینے کے لیے سند کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے“ اور اس کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب نے بھی لکھا ہے کہ :- ”اگر کسی وقت بالفرض کتبِ اربعہ کی احادیث میں باہم تعارض واقع ہو جائے تو اس کے بل بوتے پر بعض روایات کی دوسری بعض پر ترجیح دی جائے ورنہ عدم تعارض کی صورت میں کافی کی تمام احادیث قابلِ اعتماد و عمل ہیں“ (مقدمہ الشافی ترجمہ اُصول الکافی ص ۱۷۷) اور اگر اس حدیث کے معارض کوئی اور حدیث صحیح ہے تو وہ پیش کریں۔ کیا ائمہ سے کوئی ایسی حدیث بھی صحیح ثابت ہو سکتی ہے جس کا مضمون صبر کے خلاف ہو؟ یہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جزع فزع کرنا از روئے لُفت و از روئے قرآن و تفسیر شیخ طبرسی صبر کے خلاف ہے۔ صبر اور جزع دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں لہذا امام جعفر صادق کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ جو آدمی صبر چھوڑ دے یعنی جزع فزع اور ماتم کرے اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ اور شیخ عبدالغنی صاحب لکھتے ہیں کہ :- شیخ الطائفہ نے اس مقدمے میں بڑی وسعت کی ہے اور عمل ہر حدیث پر جائز بلکہ واجب گنا ہے۔ (تحفۃ اثناء عشریہ ص ۱۷۷)۔

ردِ ماتم کی روایتِ شیعہ نمبر ۲

اسے شیخ الطائفہ سے مراد شیعوں کے ابو جعفر طوسی ہیں جو ”استبصار“ اور ”مذہب الاحکام“ کے مصنف ہیں اور یہ دونوں کتابیں شیعوں کی اُصولِ اربعہ میں سے ہیں۔ ۱۲

عليه السلام قال ان الصبر والبلاء وليستبقان الى المومن فباتيه البلاء وهو مصوب وان العجز والبلاء ليستبقان الى الكافر فباتيه البلاء وهو جزع (فروع کافی جلد ۱ ص ۱۱۱) :- امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ صبر اور مصیبت دونوں مومن کی طرف آتے ہیں۔ پس اس کو مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرنے والا ہوتا ہے اور جزع (بے صبری) اور مصیبت کافروں کی طرف آتے ہیں۔ پس اس کو مصیبت آتی ہے تو وہ جزع کرنے والا ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ امام جعفر صادق کے نزدیک صبر کرنے والا مومن ہے اور جزع کرنے والا کافر ہے۔ (ص ۱۱۲) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- (۱) یہ روایت بھی بطریق ضعیف ہے۔ (مرآة العقول ص ۱۱۲ الثانی ضعیف) (ب) آپ تو صبر کے معنی ہی نہیں جانتے، آپ کے نزدیک پیش آمدہ مصیبت پر جو خاموش رہا، جس نے گریہ و بکا نہ کیا وہ صابر اور جس نے آنسو بہائے یا شدت غم میں سر و سینہ پیٹ لیا وہ بے صبر ہو گیا۔ حالانکہ رونابے صبری کی دلیل نہیں بلکہ فعل کے فاعل کے اعتراض کرنے کو بے صبری کہتے ہیں۔ جس کی تصدیق حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام کے قصے سے ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے حضرت خضر سے کہا، میں اس شرط پر تمہارے ساتھ چلتا ہوں کہ تم مجھے وہ تمام باتیں سکھا دو جو تم کو من جانب اللہ تعلیم ہوئی ہیں۔ حضرت خضر نے کہا تم میں صبر کی استطاعت نہیں :- وکیف تصبر علی ما لا تحیط بہ خبوا :- پھر تم ایسی بات پر کیسے صبر کرو گے جو تمہارے احاطہ علم میں نہیں؟ قَالَ سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِي لَكَ اَمْرًا :- موسیٰ نے جواب دیا انشاء اللہ تم مجھے صابر پاؤ گے میں تمہاری کسی بات میں مخالفت نہیں کروں گا۔ پھر جب حضرت موسیٰ نے کشتی میں سوراخ کرنے پر اعتراض کیا، تو خضر نے کہا۔ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا :- میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے؟ اور جب موسیٰ لڑکے کے قتل پر معترض ہوئے تو پھر خضر نے کہا اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا :- اس حکایت سے معلوم ہوا کہ بے صبری بے فاعل کے فعل پر اعتراض کرنا جو نتیجہ ہے لاعلمی کا۔ لہذا انسان کو جس بات کا علم نہ ہو اس پر صبر نہیں کر سکتا۔

ج صبر کے معنی ہیں کف النفس عما لا ینبغی۔ یعنی نفس سے وہ امور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں۔ صبر در حقیقت لازمی میں ہوتا ہے یا باساء والصراء میں لڑائی میں صبر سے مراد یہ ہے پیٹھ دکھا کر نہ بھاگے اور جو بھاگ گیا وہ

اس حدیث کی رو سے بے ایمان ہو گیا۔ باساء اور صراء میں صبر یہ ہے کہ تکلیف اور مصیبت کے سامنے خدا کی شکایت نہ کرے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود جزع کرنے کے صبر میں رہے۔ وہ اس لیے کہ حضرت یعقوب نے اَشْكُوْ بَنِيَّ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ اپنے بھٹ و حزن اللہ ہی کے پاس کی۔ فرمائیے! ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ جب تک سامنے خدا کا شکوہ نہ کیا جائے، صرف رونا اور سینہ کو بی کرنا بے صبری نہیں۔ (مختار الصحاح)

الجواب

آپ تو بالکل ہلکے مرکب میں مبتلا ہیں، یعنی آپ اپنی کم علمی اور علم سمجھتے ہیں اور انجن حیدری چوال کا یہ آپ پر انتہائی ظلم ہے دہائی بحث کی آپ پر ذمہ داری ڈال دی جس کی آپ اہلیت نہیں رکھتے چنانچہ (۱) آپ بے کہ رونا بے صبری کی دلیل نہیں یا میری طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ آپ کے نزدیک پیش آمدہ پر جو خاموش رہا۔ جس نے گریہ و بکا نہ کیا وہ صابر۔ تو ان میں سے دونوں باتیں زیر بحث نہیں اور یہ کہیں لکھا ہے کہ صابر وہ ہے جو خاموش رہے۔ یہاں خاموش رہنے یا نہ رہنے کی کوئی بحث ہی نہ خاموش رہنے کا آپ کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ مصیبت پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ راجِعُونَ طبع حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صابرین کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ نزول مصیبت پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ راجِعُونَ ہیں، اور زیر بحث مسئلہ تو آپ کا ماتم ہے جس میں مُنْهَیْطُنَا، سیدہ کوٹنا وغیرہ افعال کا ارتکاب کیا اور جو آیتیں آپ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کے متعلق پیش کی ہیں بحث سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ مذکورہ واقعہ کسی مصیبت سے تعلق نہیں رکھتا۔ (۲) آپ دو مطلب بیان کیے ہیں ایک یہ کہ کسی فعل کے فاعل پر اعتراض نہ کرنا، اور یہ معنی آپ نے میں لفظ صبر سے لیا ہے اور دوسرا معنی آپ نے صبر کا یہ لکھا ہے۔ کف النفس عما لا ینبغی سے وہ امور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں لیکن صبر کا پہلا معنی آپ کا صحیح نہیں۔ کیونکہ شاعر صاحب حدیث دہلوی نے ان آیتوں کا یہ ترجمہ لکھا ہے :- اور کیونکہ ٹھہرے دیکھ کر ایک چیز میں نہیں اس کی سمجھ۔ کہا تو پاؤں سے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی

حضرت شاہ صاحب نے صبر کا معنی ٹھہرنا اور صابر کا معنی ٹھہرنے والا لکھا ہے۔ (ج) مولانا اثر علی صاحب مقلاتوی لکھتے ہیں: ”جواب دیا آپ کو میرے ساتھ رہ کر میرے افعال پر صبر نہ ہو سکے گا اور مجھلا ایسے اُمور پر آپ کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطہ واقفیت سے باہر ہیں (موسیٰ نے) فرمایا انشاء اللہ عجب کو آپ صابر یعنی ضابط پاویں گے اور میں کسی بات میں آپ کے خلاف حکم نہ کروں گا۔ تو یہاں حضرت مقلاتوی نے صابر کا معنی ضبط کرنے والا لکھا ہے۔ (ج) آپ کے مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں: ”فرمایا کہ تم سے میرے ساتھ یقیناً صبر نہ ہو سکے گا۔“ (ترجمہ مقبول) آپ اگر آیت میں لفظ ”مَعِيَ“ (میرے ساتھ) کا مطلب سمجھ لیتے تو ان آیات سے استدلال کرنے کی آپ کو ضرورت نہ پڑتی کیونکہ ”مَعِيَ“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے اور یہی معنی یہاں لفظ صبر کا بھی ہے کہ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہیں سکیں گے، اور مولانا مقلاتوی کا بھی یہی مطلب ہے کہ آپ ضبط نہیں کر سکیں گے تو ان آیات میں بھی صبر کا اصلی معنی ٹھہرنا ہی ہے۔ خواہ حضرت موسیٰ کے حضرت خضر کے ساتھ نہ ٹھہر سکنے کی وجہ کوئی بھی ہو، اور عدم صبر کا مطلب نہ ٹھہر سکتا ہی ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو حضرت خضر کے افعال پر اعتراض کیا تو وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ اُمور آپ کی شریعت کے خلاف تھے، اور خلافِ شرع امر پر نیکر کرنا انبیاء کرام کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ ان کے سکوت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ اُمور شرعاً جائز ہیں، اور حضرت خضر علیہ السلام کی شریعت جدا تھی۔ علاوہ ازیں وہ کام حضرت خضر نے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ با امر الہی کئے تھے جیسا کہ آپ نے خود یہ فرمایا تھا، وَمَا فَعَلْتُ عَنْ أَمْرِي۔ اور میں نے تو اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا۔“ (ترجمہ مقبول)

(۲) دوسرا معنی صبر کا جو آپ نے لکھا ہے کہ: ”نفس سے وہ اُمور بطور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں۔“ صحیح ہے لیکن جس طرح قول نامناسب ہوتا ہے اسی طرح فعل بھی نامناسب ہوتا ہے لہذا نامناسب بات اگر بے صبری میں شمار ہوگی تو نامناسب فعل بھی بے صبری سمجھا جائے گا، اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف زبان سے غیر مناسب اعتراض کرنا بے صبری ہے اور فعل سے نہیں تو یہ غلط ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو نصیحت کرے اور وہ زبان سے تو کچھ نہ جواب دے لیکن ناصح کو دو چار تھپڑ مار دے تو کیا آپ کے نزدیک

تھپڑ مارنے والا شخص صابر ہی کہلائے گا کیونکہ اُس نے زبان سے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ مصیبت کے وقت اگر کوئی شخص زبان سے ایسے الفاظ لگا لے جو اعتراض پر مبنی ہوں تو اس کو غیر صابر کہا جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ مُنہ پیٹ لے اور سینہ کو ٹٹے لگ جائے حتیٰ کہ اپنے بدن کو چھریوں و درزنجیروں سے لہو لہان کر لے تو اس کا یہ فعل یعنی ماتمی مظاہرہ بھی یقیناً صبر کے خلاف ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی اُن رحمتوں سے محروم رہ جائے گا جو صابرین کو نصیب ہوتی ہیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص بجائے مُنہ پیٹنے اور سینہ کو ٹٹے کے صرف زبان سے جزع جزع کرنے لگے اور اپنی بے قراری اور پریشانی کا اظہار کرے تو یہ بھی صبر کے خلاف ہوگا کیونکہ سابقہ بحث میں اندر دئے لغت اور اندر دئے قرآن بلکہ احادیث شیعہ سے بھی صراحتاً ثابت کیا جا چکا ہے کہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے یعنی جزع کرنے والے کو صابر نہیں کہہ سکتے اور جو صابر ہے وہ جزع جزع نہیں کرتا۔ چنانچہ یہ روایت پہلے مذکور ہو چکی ہے کہ ملک الموت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:۔۔۔ جب میں اولاد آدم میں سے کسی کی روح قبض کرتا ہوں تو گھروالے جزع جزع کرتے ہیں۔ میں ان کے گھر کے ایک گوشہ میں جاتا ہوں اور کہتا ہوں یہ رونا پیتنا کیسا؟ خدا کی قسم میں اُس کی موت کے وقت سے پہلے نہیں آیا، اور نہ میں نے اس کے گناہوں کی وجہ سے قبض روح کیا ہے۔ اگر تم چپ رہو گے اور صبر کرو گے تو جزا پاؤ گے اور اگر بقیارسی کا اظہار کرو گے تو گنہگار ہو گے۔ (مشافہ ترجمہ فردوس کافی)۔

روایت کے عربی الفاظ یہ ہیں، وَإِنْ تَجَرَّعُوا فَاتَّشَمُوا۔ ”اگر تم جزع کرو گے تو گنہگار ہو گے“ اور آپ کے ادیب اعظم نے بھی یہاں جزع کا ترجمہ بے قراری کا اظہار کرنا کیا ہے، جس کا نتیجہ گنہگار ہونا بتایا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں فرمایا:۔ ”اگر تم چپ رہو گے اور صبر کرو گے“ اور اس کا نتیجہ اجر پانا بتایا گیا ہے اس حدیث سے لفظ صبر اور لفظ جزع کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی جزع کرنا صبر کے خلاف ہے لیکن آپ اپنی روایتی جہالت کی بنا پر یہ فرما رہے ہیں کہ:۔ ”حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود جزع کرنے کے صبر جمیل کے درجہ میں رہے“ کیا آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے، جزع عام صبر کے بھی خلاف ہے اور صبر جمیل کا مقام تو زیادہ بلند ہے، اور دلیل نمبر ۱ کی بحث میں شیعہ مجتہد علامہ طبرسی کی یہ تفسیر پہلے درج کر دی گئی ہے:۔ ”أَنْفِي فَأَمْرِي صَبْرٌ جَمِيلٌ لَا جَزَعٌ مَعَهُ“۔ ”یعنی میرا کام صبر جمیل ہے جس کے ساتھ جزع

نہیں“ (تفسیر مجمع البیان سورۃ یوسف) اور آیت اِنَّمَا اَشْكُوْا بَنِيَّ وَحَزَنِيْ اِلَى اللّٰهِ کی تفسیر بھی شیخ طبری نے یہ لکھی ہے کہ :- المعنى انما اشكو احزنى وحاجتى واختلال حالى وانتشارها الى الله وظلم اللئالى و اوقات خلوا آتى لا اليكم :- معنى یہ ہے کہ میں اپنے غم اور حاجت اور اپنے حال کے تغیر اور اس کے اضطراب کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں راتوں کے اندھیروں میں اور اپنی تنہائیوں کے اوقات میں نہ کہ تمہارے آگے :- اس کے باوجود بھی اگر آپ ہی رٹ لگائے جائیں کہ جزع و فرج کرنا، مُنَّہ پینا اور سینہ کو ٹٹا اور ماتمی جلوس کا مظاہرہ کرنا اور گلی گلی، کوچے کوچے خیم حسین کا اظہار کرنا اور اعلان کرتے پھرنا بھی صبر ہے، تو یہ آپ کی بدبختی ہے۔ اس کا علم و فہم دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کو محبت حسینؑ قرار دینا لغو و باطلہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کی صریح توبہ ہے واللہ المہادی ✽

(۳) اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ :- ”ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ جب تک غیر خدا کے سامنے خدا کا شکوہ نہ کیا جائے صرف رونا اور سینہ کو بی کرنا بے صبری نہیں“ یہ حقائق نہیں بلکہ آپ کے ”غرائب“ ہیں جو آپ کی جہالت و جہالت پر مبنی ہیں۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اگر کوئی شخص خدا کی شکایت کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق تو یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے رب کی شکایت کریں۔ کیا آپ کے نزدیک حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول فَصَبْرٌ جَمِيلٌ کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے جب اپنے بیٹوں کی زبانی یہ سنا کہ یوسف کو بھڑپا کھا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں صبر جمیل اختیار کروں گا، یعنی خدا کی شکایت نہ کروں گا۔ کیا خدا کی شکایت نہ کرنا بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کا خصوصی کمال ہے؟ جبکہ عام مؤمنین بھی مصیبت کے وقت اپنے رب کی شکایت نہیں کیا کرتے، نہیں بلکہ صبر جمیل کا مطلب یہ ہے کہ میں انتہائی ضبط کرتے ہوئے بالکل جزع و فرج نہیں کروں گا، اور نہ لوگوں کے سامنے اپنے اس غم کی شدت کا اظہار کروں گا جیسا کہ آپ کے شیخ طبری نے اپنی تفسیر ”مجمع البیان“ میں یہی لکھا ہے کہ :- فَأَمْرٌ بِي صَبْرٍ جَمِيلٍ لَا جَزَعٌ مِنْهُ :- ”یعنی میرا کام صبر جمیل ہے جس کے ساتھ جزع نہ ہو“ لیکن اس کے خلاف آپ اپنی روایتی جہالت کی

بنیاد پر یہ لکھ رہے ہیں کہ :- ”حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود جزع کرنے کے صبر جمیل کے درجہ میں رہے“ اور اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے مفسرین نے صبر جمیل کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل دلیل نمبر ۱ کی بحث میں گذر چکی ہے۔

رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں بعنوان جزع کی تعریف یہ لکھا گیا تھا کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ جزع کس کو کہتے ہیں، جس کے کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق بھی امام محمد باقر کا فرمان موجود ہے :- عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت له ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالویل والعويل ولطم الوجه والصدر، وجز الشعر من التواصي ومن اقام النواحة فقد ترك الصبر واخذ في غير طوليته :- (فروع کافی جلد اول ص ۱۲) :- ”یہ دریافت کرنے پر کہ جزع کیا ہے، امام محمد باقر نے فرمایا کہ سخت جزع شور و فغاں اور بلند آواز سے چیخنے اور چلنے، مُنَّہ، سینہ پیٹنے اور پیشانی کے بال اکھاڑنے کو کہتے ہیں اور جس نے نوحہ کی مجلس قائم کی اُس نے صبر چھوڑ دیا اور اسلام کے راستہ کے خلاف چلا“

عویل کا معنی ہے آواز سے رونا اور ویل کا معنی ہے مصیبت پر شور و فغاں کرنا۔ (غیاث اللغات) فرمائیے مروجہ ماتم میں جو افعال پائے جاتے ہیں اور جن کو پمفلٹ میں عبادت قرار دیا گیا ہے، اس کے متعلق امام محمد باقر کا صریح فتویٰ ہے کہ البیاض کرنے والا صبر کو چھوڑنے والا اور اسلام کے خلاف چلنے والا ہے“ (ص ۲۳)، اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- ”اولاً اس روایت کا درجہ سہل بن زیاد ہے جن کی نسبت کتاب الرجال علامہ حلی ص ۱۲ پر ہے۔ سہل بن زیاد کان ضعیفاً جذاً فاسد الروایۃ :- سہل بن زیاد بالکل ضعیف اور فاسد الروایۃ ہے نیز یہ روایت ضعیف ہے۔ (مجاہد مرآة الحقول ص ۱۰۸ ثانیاً۔ تمام کتب علم اصول فقہ (سنی و شیعہ) میں یہ مسلمہ قاعدہ ہے، ما من عام الا وقد خُصّ :- یہ روایت عام ہے لیکن جس ماتم کو پمفلٹ میں عبادت قرار دیا گیا ہے وہ مظلوم کر بلا سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماتم ہے جو عام نہیں۔ معصوم کا ارشاد ہے کل جزع و فرج قبیح الا علی الحسین۔ والفصول المہمہ شیخ حر عاملی :- ”تمام جزع و فرج قبیح ہے مگر حضرت امام حسین کے لیے۔ یہ سب کچھ جائز ہے شیعہ ہر ماتم کے

جواز کے مدعی نہیں۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً قائل ہیں کیونکہ آپ مظلوم ہیں اور قرآن حکیم مظلوم کے لیے بزرع و فزع کی اجازت دیتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: لَا يُجِيبُ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا (پہلی سورۃ النساء، آیت ۱۴۸)۔ ”اللہ تعالیٰ بری بات کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے، اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں اور خوب جانتے ہیں“ یعنی مظلوم اگر اپنے ظالم کی نسبت حکایت و شکایت کریں گے تو وہ گناہ نہیں۔ (ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی) (فلاح الکونین)۔

الجواب

(۱) سہل بن زیاد کو اگر بعض محدثین شیعہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس پر ہرج کی ہے تو بعض دوسرے شیعہ محدثین نے ہی اس ہرج کا جواب دیا ہے اور سہل بن زیاد کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ شیخ محمد بن اسماعیل ابو علی نے ”منتہی المقال“ میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے:۔ ”و فی المعراج عن بعض معاصریہ عدا حدیثہ فی الصحیح وعدا من مشائخ الاجازۃ:۔ اور معراج میں ہے کہ سہل بن زیاد کے بعض معاصرین نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کو مشائخ اجازت میں شمار کیا ہے، اور الوجیزہ میں ہے کہ سہل کا ضعف مضر نہیں ہے کیونکہ وہ مشائخ اجازت میں سے ہے۔ یعنی سہل بن زیاد ان مشائخ میں سے ہے جو شاگردوں کو کتب حدیث کی اجازت دینے والے ہیں۔“ اور منتہی المقال میں یہ بھی لکھا ہے:۔ ”و کیف یجوز طرح الخبر الذی ہو فیہ سیماء اذ کان من مشائخ الاجازۃ للکتب المشہورۃ مع ان المشائخ العظام نقلوا عنه الخ:۔“ اور کیونکہ اس حدیث کو رد کرنا جائز ہو سکتا ہے جس میں سہل بن زیاد راوی ہو۔ خصوصاً جبکہ وہ مشہور کتب حدیث کی اجازت دینے والے مشائخ میں سے ہے اور بڑے بڑے مشائخ (محدثین) نے اس سے احادیث نقل کی ہیں۔ (منتہی المقال طبع قدیم ایران ص ۲۲۸ و ص ۲۲۹)۔ تو جب سہل بن زیاد مشائخ اجازت میں سے ہے پھر اس کی روایت کیوں قبول نہیں ہوگی (ج) اگر سہل بن زیاد راوی کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیں تو پھر شیعہ مذہب کی کتب اصول الہدٰی یعنی الکافی، استبصار، تنزیہ الاحکام اور من لایحضرہ الفقیہ کی بہت سی روایات ناقابل اعتبار ہو جائیں

گی۔ کیونکہ اُن کی بہت سی روایات میں سہل بن زیاد راوی پایا جاتا ہے اور اگر آپ سہل بن زیاد کو ضعیف کہہ کر حرمت ماتم کی احادیث کو قبول نہیں کرتے تو پھر آپ جنازہ میں پانچ تکبیرات بھی پڑھنا چھوڑ دیں کیونکہ یہ حدیث بھی سہل بن زیاد سے مروی ہے:۔ ”عدۃ من اصحابنا عن سہل بن زیاد عن محمد بن زرعۃ بن محمد عن سماعۃ قال سألته عن الصلوۃ علی المیت فقال تکبیر خمس تکبیرات الخ (فروع کافی، کتاب الجنائز ص ۹) ادیب اعظم اس روایت کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں:۔ ”میں نے پوچھا نماز میت میں کتنی تکبیریں ہیں، فرمایا پانچ“ (دشانی ترجمہ فروع کافی ص ۱۵۱) (ب) عورتوں کی نماز جنازہ کی حدیث میں بھی سہل بن زیاد راوی ہے لہذا اس کا بھی انکار کریں۔

رسول اللہ نے چار تکبیریں پڑھیں | (امام جعفر صادق فرماتے ہیں) رسول اللہ بعض لوگوں کی نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہتے

تھے اور بعض پر چار۔ جن پر چار تکبیریں کہتے ان پر نفاق کی تہمت لگائی جاتی تھی۔ (رايضاً شافی ص ۱۵۱) یہ کس قدر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے کہ بعض کی نماز جنازہ پر پانچ اور بعض پر چار تکبیریں پڑھتے تھے۔ حالانکہ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ لا تصل علی احد منہم مات ابدًا۔ (سورۃ توبہ) منافقین میں سے اگر کوئی مر جائے تو آپ کبھی بھی اُن پر نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ (یہ ہے احادیث شیعہ کی حقیقت اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حمزہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر (۷) تکبیریں پڑھیں اور حضرت علی نے سہل بن حنیف پر پچیس اور ایک قول ہے پچیس۔ (دشانی ص ۱۵۱)

وضو میں پاؤں دھونا | (امام جعفر صادق نے فرمایا:۔ وان نسیت مسح رأسک حتی تغتسل رجلیک فامسح رأسک ثم اغسل رجلیک) (فروع

کافی جلد اول ص ۱۱۱) اگر سر کا مسح کرنے سے پہلے تو نے بھول کر پاؤں دھو لیے تو پھر سر کا مسح کرو، پھر اپنے پاؤں دھو لو۔ لیکن یہاں ادیب اعظم صاحب نے غلط ترجمہ کیا ہے کہ پاؤں پر مسح کر لو، یہ بڑی علمی خیانت ہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللہ!

(۲) اگر بالفرض یہ روایت ضعیف ہے تو بھی قابل اعتماد و عمل ہے بلکہ شیخ الطائفہ کے نزدیک ضعیف پر عمل واجب ہے (بحوالہ تحفۃ ائمان عشریہ) (۳) کسی راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے الکافی کی احادیث کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا کیونکہ حسب اقرار مولوی محمد حسین صاحب (مصنف احسن الفوائد) الکافی کو امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے جس کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔ (۴) زیر بحث مذکورہ حدیث کو سہل بن زیاد کی وجہ سے ضعیف قرار دینے سے بھی آپ کی جان نہیں چھوٹ سکتی۔ کیونکہ یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے جس میں سہل بن زیاد راوی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے متصل ہی فرود ع کافی میں یہ لکھا ہے :- علی بن ابراہیم عن ابیہ عن عمر بن عثمان عن ابی جبیلۃ عن جابر عن ابی جعفر علیہ السلام مثلاً :- یعنی ان راویوں نے بھی امام جعفر صادق سے مذکورہ حدیث بیان کی ہے، جو زیر بحث ہے اور مذکورہ زیر بحث حدیث کا ترجمہ جو شیعوں کے ادیب اعظم نے لکھا ہے وہ بھی یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ قارئین اس حدیث کے مضمون سے اچھی طرح واقف ہو جائیں :- ”فرمایا حضرت (یعنی امام جعفر صادق) نے جب میں نے پوچھا بزرع کیا ہے۔ اشد بزرع زور سے رونا پینا، منہ پر لٹا پٹا کرنا سینہ کو ٹٹنا، سر کے بال ٹوٹنا اور نوچ کرنا ہے۔ یہ صورت ترک صبر کی ہے اور صحیح طریقہ کو چھوڑنا ہے“ (رشانی ترجمہ فرود کافی جلد اول ص ۱۸۹ باب ۷۹ - صبر و بزرع و استرجاع)

فرمایا جب یہی حدیث امام جعفر صادق سے دوسری سند سے ثابت ہے جس میں سہل بن زیاد راوی نہیں ہے۔ تو کیا اب بھی آپ امام جعفر صادق کا تردید ماتم میں یہ فتویٰ قبول نہیں کریں گے؟ علاوہ ازیں یہی حدیث ابن بابویہ قمی کی ”من لا یحضرہ الفقیہ“ میں موجود ہے۔ جس کی روایات کے متعلق آپ کے ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس میں وہی احادیث جمع کی ہیں جو ان کے نزدیک قابل فتویٰ ہیں اور جو ان کے رب کے درمیان جنت ہیں۔ لہذا ان کے مقابلہ میں جواز ماتم کے لیے آپ کے مزعومات محض باطل اور ناقابل اعتبار ہیں۔ (۳) جب عربی لغت اور قرآن و حدیث کی انصاف سے پہلے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ بزرع کرنا صبر کے خلاف ہے۔ کیونکہ صبر اور بزرع دونوں آپس میں ضد ہیں تو پھر آپ اس مضمون حدیث کو کمزور کر دے کہتے ہیں جو مذکورہ روایات میں امام جعفر صادق سے ثابت ہے۔ (۴) الحمد للہ قرآن و حدیث کی انصاف کے مقابلہ میں علمی میدان میں عاجز آکر آخر آپ نے یہ تسلیم کر ہی لیا کہ: ”شیعہ ہر ماتم

کے جواز کے مدعی نہیں۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً ناکل ہیں کیونکہ آپ مظلوم ہیں اور قرآن حکیم مظلوم کے لیے بزرع و فزع کی اجازت دیتا ہے۔ کاش! اگر آپ ابدائے بحث میں ہی یہ تسلیم کر لیتے تو اتنے صفحات آپ کو سیاہ نہ کرنا پڑتے، اور قرآنی آیات و واقعات (حضرت یعقوب علیہ السلام کی مصیبت اور حضرت ہابیل وغیرہ) سے مطلقاً ماتم کے سنتتہ ہونے پر غلط استدلالات پیش کر کے یوں دقت ضائع نہ کرتے۔ ع۔ ہائے اس زودیشیمان کا پشیمان ہونا

(۵) اور اگر آپ اس اقرار میں مخلص ہیں کہ سولائے امام حسین یا ان کی نظیر کے ماتم کے اوروں کا ماتم حرام ہے تو پھر آپ پر اور دوسرے ماتمی علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ماتمی مجالس میں شیعہ عوام کو یہ بتادیں کہ وہ اپنے اعزہ و اقارب کی مصیبت (وفات وغیرہ) پر ماتم کرنا چھوڑ دیں کیونکہ یہ فعل حرام ہے جس کے ارتکاب سے مسلمان صابرین کی فہرست سے خارج کر دیا جاتا ہے اور وہ ان خصوصی رحمتوں سے محروم ہو جاتا ہے جو صابرین کو عطا کی جاتی ہیں۔ (۶) اب زیر بحث مسئلہ صرف یہ رہ گیا ہے کہ کیا حضرت حسین کا ماتم سنت و عبادت ہے جس کے آپ مدعی ہیں؟ آپ نے اس کے اثبات کے لیے یہ روایت پیش کی ہے :- ”کل جزء وفزع قبیح الا علی الحسین :-“ تمام بزرع و فزع قبیح ہے مگر امام حسین علیہ السلام کے لیے، یہ سب کچھ جائز ہے“ (فلاح الکوشین)

یہی روایت علامہ باقر مجلسی کی کتاب ”بحار الانوار“ میں ان الفاظ کے

بحث روایت کل جزء وفزع قبیح

ماتم درج ہے :- شیخ نے کتاب ”امالی“ میں حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ :- ”کل الجزء والیکار مکروہ الا البکاء علی الحسین :-“ یعنی ہر اندوہ و مصیبت میں رونا اور بے قراری کرنا ممنوع ہے، مگر زہر و زاری کرنا مصیبت پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی :- ”بحار الانوار“ مترجم اردو حقہ اول ص ۱۸۹، مطبوعہ ادارہ علوم آل محمد، دہلی پورہ لاہور

(۱) ”بحار الانوار“ کی اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ سولائے حضرت حسین کی مصیبت کے کسی دوسرے کی مصیبت پر رونا بھی جائز نہیں۔ حالانکہ آپ خود

الجواب

ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی وفات پر حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بکار یعنی آنکھوں سے آنسوؤں کا نکلنا ثابت کر چکے ہیں اور اہل سنت کی صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث موجود ہے، تو پھر سوائے حضرت حسینؑ کے کسی دوسرے کی مصیبت پر بکار کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ کلی الجزع والجبکاء والی یہ روایت جو امام جعفر صادق کی طرف منسوب کی گئی ہے یہ بے اصل اور موضوع ہے۔ (۲) دوسری روایت جس میں بجائے بکار کے فزع کا لفظ ہے، قابل بحث رہ جاتی ہے۔ لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں کیونکہ جب الکافی کی صریح حدیث اور شیخ قمی کی تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان افعال ماتم کو ممنوع فرمایا جو امام حسینؑ کے مروجہ ماتم میں پائے جاتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عام حکم سے کسی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا تو پھر کس بنا پر امام حسینؑ کے ماتم کو عبادت قرار دیا جاسکتا ہے۔ (ج) آپ نے مامن عام الا وقد خصیٰ کو مستئم قاعدہ قرار دیا ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور یہ قاعدہ ان علماء کا ہے جن کے نزدیک عام ظنی ہوتا ہے۔ لیکن احناف اہل سنت کے نزدیک ہونکہ عام بھی خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے اس لیے وہ اس قاعدہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ (ملاحظہ ہو نوامی الاوقاف اور توضیح و تنوید) مثلاً لا سبَّیَ بَعْدِي :- میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ عام ہے لیکن اس میں تخصیص جائز نہیں ہے ورنہ مرزا غلام احمد قادیانی دجال کے لیے بھی اس میں تخصیص نکل سکے گی۔ (ج) کلی جزع و فزع قبیح الا علیٰ الحسینؑ کی روایت جو آپ نے پیش کی ہے یہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی مثال ہے، نہ کہ عام مخصوص منہ البعض کی اور مستثنیٰ مسکوت عنہ کے درجہ میں ہوتا ہے اور اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا، مثلاً قرآن مجید میں ہے :- وَمَا كَانَ لِحُومٍ مِنْ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً :- اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو (ابتداءً) قتل کرے لیکن غلطی سے۔ (ترجمہ مولانا مہناوی) :- ”کسی مومن کا یہ کام نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے سوائے اس کے کہ غلطی ہو جائے۔“ (ترجمہ مقبول) تو اس آیت میں قتل خطا مستثنیٰ ہے پہلے حکم سے اور اگر اس مستثنیٰ کو مستقل حکم قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ کسی مومن کو خطا سے قتل کر دینا جائز ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے لہذا روایت زیر بحث میں اِلَّا عَلٰی

الحسین سے بھی بوجہ مستثنیٰ ہونے کے یہ حکم ثابت نہیں ہو سکتا کہ امام حسینؑ پر جزع و فزع کرنا جائز ہے اس جملہ سے تو اس کا جواز بھی ثابت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ اس کا عبادت ہونا ثابت ہو جائے جس کے آپ مدعی ہیں۔ لہذا اس کے عبادت ہونے کے لیے آپ پر مستقل دلیل کا پیش کرنا لازم ہے۔ (۲) کسی عام حکم میں جو تخصیص کی جاتی ہے تو تخصیص حکم کے لیے مستقل کلام لائی جاتی ہے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں تخصیص کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے :- قصر العام علی بعض مستثیات بکلام مستقل موصول (نور الافاد) توضیح و تنوید، یعنی عام حکم کو اس کے بعض مستثیات پر قصر کر دینا کلام مستقل موصول کے ساتھ، اور آپ نے جو روایت پیش کی ہے اس میں اِلَّا عَلٰی الحسین کلام غیر مستقل ہے نہ کہ مستقل۔ لہذا اس روایت سے ماتم حسینؑ کی تخصیص ثابت نہیں ہو سکتی۔ (۳) جس طرح ”فروع کافی“ اور ”من لا یحضرہ الفقیہ“ کی روایت سے حرمت ماتم صراحتاً ثابت ہوتی ہے اور یہ حرمت عام ہے۔ اس لیے اس کی تخصیص کے لیے آپ پر لازم ہے کہ ان حدیثوں کی بہ نسبت کوئی زیادہ صحیح حدیث پیش کریں۔

(۴) عبادت ہونا تو بڑی بات ہے ماتم حسینؑ کا جواز بھی آپ ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ قبل ازیں لغت قرآن اور احادیث شیعہ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے اور چونکہ قرآن میں صبر صریح حکم موجود ہے :- وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ :- اور مدد حاصل کرو تم ساتھ صبر اور نماز کے۔ اس لیے صبر کے خلاف جو فعل ہوگا یعنی جزع وہ خلاف حکم قرآنی ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا، اور صبر کا حکم بھی تمام مومنین کو ہر قسم کی مصیبت میں دیا گیا ہے، اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے اور صبر کے فضائل بھی آیات قرآنیہ وغیرہ سے صراحتاً ثابت ہیں :- اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ :- بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی مصیبت پر مومنین کے لیے صبر کا حکم اور صبر کی فضیلت ختم ہو جائے اور اس کے خلاف جزع و فزع کی اجازت دی جائے جو نصوص کتاب و سنت کی بنا پر حرام ہے۔ کیا مائتوں کے نزدیک امام حسینؑ کی شہادت اس لیے حقیقی کہ اس کے بعد حرام کام حلال ہو جائیں یا اس لیے حقیقی کہ آپ کی قربانی کے پیش نظر مسلمان یہ سمجھ لیں کہ ان کی اسلامی زندگی کا مقصد حدود و شریعت کا تحفظ ہے اور حرام اور حلال اور حقیقی و باطل میں امتیاز کا باقی رکھنا ہے خواہ اُس کے صلہ میں مال و جان اور اعزہ و اقارب

سب کی قربانی دینی پڑے۔ فرمائیے! اہل سنت جو کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت جزع و فزع اور ماتم حرام کا ارتکاب نہیں کرتے۔ وہ حضرت حسین کے مقصد شہادت کا تحفظ کرنے والے ہیں یا ماتی لوگ جو امام حسین کے نام پر حرام کو حلال ٹھہرا کر حدود شریعت میں توڑ پھوڑ کو نہ صرف جائز بلکہ عبادت سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کا مقصد شہادت حسین کی بنا پر حدود شریعت کو یا مال کرنا ہے تو پھر اہل نظر کو اس امر میں شک نہیں رہتا کہ یہ ماتی تحریک اسلام کے خلاف ایک گہری سازش ہے جو حضرت حسین کے نام پر عوام کو رجمۃ تلعالمین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مقدسہ اور سنت مطہرہ کی پیروی سے باز رکھنے کے لیے اختیار کی گئی ہے، اور یہ ماتم عظمت حسین کو گھٹانے کے لیے کیا جاتا ہے چنانچہ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے صدیوں پہلے یہ فرمادیا ہے۔

نوحہ لائق نیست برخاک شہیدان اکہ بہت کمترین دولت ایشان بہشت برترین

اور اسی حقیقت کو مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

نوحہ وغم سے گھٹاتے نہیں ہم شان حسینؑ حق ہے شاہد کہ شہادت ہی مٹی شایان حسینؑ

(۵) آیت لَا يُجِزِي اللَّهُ الْجَنَفَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ :- اللہ تعالیٰ بُری بات کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے :- سے آپ کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ دل آیت میں تو صرف ظالم کی شکایت اور برائی بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جس میں رونا دھونا اور ماتم کرنا کسی طرح بھی نہیں پایا جاتا۔ (دب) اور اگر آپ اپنی جہالت سے اس اجازت کو ماتم پر محمول کرتے ہیں تو پھر بھی آپ کو مفید نہیں۔ کیونکہ آیت میں جس بات کی بھی اجازت دی گئی ہے وہ ہر مظلوم کے لیے ہے۔ اگر ماتم جائز ہوگا تو ہر مظلوم کے لیے، اس میں حضرت حسینؑ کی تخصیص نہیں رہے گی، اور اگر حرام ہوگا تو سب کے لیے۔ حالانکہ آپ یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ سوائے حضرت حسینؑ اور آپ کی نظیر کے اوروں کا ماتم حرام ہے اس لیے آپ اپنے اس من گھڑت ضابطہ کو چھوڑ دیں یا اس آیت سے استدلال نہ کریں۔ یہاں مختصر جواب کافی ہے۔ اس آیت کی مفصل بحث جواز ماتم کی دلیل نمبر ۱۹ کے تحت گزر چکی ہے، دوبارہ ملاحظہ فرمائیں (۶) آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ :- حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً

قابل ہیں :- تو اس سے نظیر کے لیے جواز نکالنا بھی آپ کی جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ نظیر کے لیے ماتم کا ثبوت بطریق قیاس ہوگا اور چونکہ مستثنیٰ خود ہی کلام مستقل نہیں ہے اس لیے وہ مقیس علیہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، لہذا قیاس بھی درست نہیں ہو سکتا۔ آپ کی حالت قابل رحم ہے کہ ڈوبتے ہوئے تنکے کا سہارا بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وہ سالِ صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

ماتی ٹریٹ کے جواب میں حرمت ماتم کے لیے یہ روایت پیش کی گئی تھی :- عن ابی عبد اللہ علیہ

روایت ماتم کی حدیث شنیعہ نمبر ۳۰

السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ضرب المسلم یدہ علی فخذہ عند المصیبة احباط لاجرہ۔ (فروع کافی جلد اول ص ۱۲) :- امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مصیبت کے وقت اپنے ران پر ہاتھ مارے تو اس کا اجر و ثواب برباد ہو جاتا ہے :- ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ اس کے جواب الجواب میں ماتی مُصْتَفٰے لکھتے ہیں :- اَوَّلًا بحوالہ مرآۃ العقول جلد سوم ص ۹ :- یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ثانیاً ”من لا یحضرہ الفقیہ“ کتاب الطہارۃ، باب التعزیۃ والجزع عند المصیبة۔ من أصیب بمصیبة جزع علیہ اولہ یجزع صبر اولہ یصبر کان ثوابہ من اللہ عزوجل الجنة۔ مصیبت زدہ جزع کرے یا مصیبت کے وقت صبر، اس کا ثواب جنت ہے“ (روایت شنیعہ) مشکوٰۃ ص ۸۔ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما أصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا هم ولا حزن ولا اذى ولا غم حتی الشوكة لیثاکما الا کفر اللہ بھما من خطایاہ (متفق علیہ) :- مومن کو جو تکلیف ہم و وزن میل تک کہ جو کائنات اس کو چھبے خدا اُس کے لیے اُس کی خطاؤں کو مٹاتا ہے۔ (روایت سنی) آپ نے جس ضعیف روایت کا سہارا لیا تھا، اُس نے آپ کے موقف کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ (فلاح الکونین)

(۱) آپ نے اہل سنت کی مشکوٰۃ شریف سے جو حدیث پیش کی ہے اس کا تو ماتم بلکہ رونے سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے

الجواب

کہ مومن کو اگر کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی تو اس کی وجہ سے اسکی بعض خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں، اور نصب تنکا وٹ کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ آپ نے نہیں لکھا تو جس طرح دوسری تکلیف یعنی تنکا وٹ وغیرہ کا حکم ہے۔ اسی طرح اگر اسکا نٹا چھینے کی بھی تکلیف پہنچتی ہے تو اس وجہ سے بھی اس کی خطاؤں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ فرمائیے! کیا کانٹا چھینے اور تنکے پر بھی آپ ماقم کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس حدیث میں غم و حزن کے لفظ سے ماقم کیسے ثابت ہو گیا؟ علاوہ ازیں اس باب کی دوسری احادیث میں بخاری و تپ لاش ہونے کی وجہ سے بھی خطاؤں کے معاف ہونے کا وعدہ ہے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جان بوجھ کر آدمی بیماری اور بخار و تپ کو بڑھاتا رہے تاکہ اس کے گناہ معاف ہوتے رہیں۔ حالانکہ جہاں بیماری پر گناہوں کی معافی کا وعدہ ہے وہاں بیماری کا علاج کرنا بھی سنت ہے۔ (ب) حدیث مذکور تو آپ کے ماقم کی بڑھ ہی کاٹ رہی ہے کیونکہ اگر کسی کو کانٹا چھینے تو اس تکلیف پر مومن کو اجر تو ملے گا لیکن وہ بدن سے کانٹا نکالنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح اگر کسی کو کسی عزیز و بزرگ کی موت و شہادت سے کوئی صدمہ پہنچتا ہے اور اس کو غم لاحق ہوتا ہے تو اس مصیبت پر بھی اس کو اجر ملتا ہے۔ لیکن جس طرح وہ بیماری کے ازالہ کی اور کانٹا نکلنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح اس پر لازم ہے کہ وہ غم و اندوہ کو بھی دل سے نکلنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہدائے اُحد کے صدمہ کے باوجود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لَا دُخَانُ اَکْ کے ساتھ وَلَا حَزَنٌ نُّوَا فرمایا ہے یعنی غم بھی نہ کھاؤ۔ توجب ارشاد خداوندی یہ ہے تو پھر ماقم کا سلسلہ جاری رکھنے کی کب اجازت ہو سکتی ہے؟ جو غم و اندوہ پر مبنی ہے۔ (۲) آپ نے فروع کافی کی مذکور حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کا جواب سابقہ روایات کی بحث میں دیدیا گیا ہے، دوبارہ ملاحظہ فرمائیں :

ما تھی مذہب میں صبر اور بے صبری برابر ہیں

کی ہے، اس کا پورا ترجمہ غالباً اس لیے نہیں لکھا کہ اس کا مطلب آپ کے خلاف ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ

اس روایت کا ترجمہ یہ ہے: ”جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا کیا جائے اس کو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت ملے گی، خواہ وہ اس پر جزع کرے یا نہ کرے اور خواہ وہ اس پر صبر کرے یا نہ کرے“ اور یہ روایت اس لیے آپ کے خلاف ہے کہ دل، اس سے ثابت ہوا کہ صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف حالتیں ہیں اور حرف آخر اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آدمی احد الا صبر کے لیے آتا ہے یعنی دونوں باتوں میں سے ایک ہوگی، دونوں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ مصیبت آنے پر مومن یا جزع کرے گا یا نہیں کرے گا اور صبر کرے گا یا نہیں کرے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ صبر بھی کرے اور بے صبری بھی، ان دونوں میں سے ایک بات ہی پائی جائے گی اور پہلے بھی متعدد مقامات پر یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ صبر اور جزع آپس میں ضدیں ہیں۔ (د) ”مَنْ لَا يَحْضُرُ الْفَقِيهَ“ کی مذکورہ روایت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ مصیبت پر خواہ کوئی صبر کرے یا نہ صبر کرے، دونوں حالتوں میں اس کو جنت مل جائے گی اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مصائب و تکالیف پر صبر کرنے کا کیوں حکم دیا ہے اور صابرین کے فضائل کیوں بیان فرمائے گئے ہیں۔ جبکہ صبر نہ کرنے پر بھی جنت نصیب ہو سکتی ہے۔

(ج) پہلے تو آپ یہی کہتے رہے کہ جزع کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جزع کرنے والوں کے ساتھ بھی ہے۔ لیکن اس روایت نے تو آپ کے مذہب کو بے نقاب کر دیا کہ آپ کے ہاں، صبر اور بے صبری دونوں کا ایک ہی نتیجہ اور ثواب ہے، اور آپ کا مذہب قرآن حکیم کے بیان کردہ فضائل اور خصوصیات کے انکار پر مبنی ہے، اور یہی وہ خطرناک تحریک ہے جو ماقم حسین کے عنوان سے جاری کی گئی ہے۔ تاکہ ناواقف مسلمانوں کو اس راستہ پر لگایا جائے کہ جنت کے حصول کے لیے صبر کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے قرآنی احکام کی پیروی کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ مصیبت حسین کے فیصلہ میں اگر آشوکا ایک قطرہ بھی تمھاری آنکھ سے ٹپکے گا تو تم جنت کے مستحق ہو جاؤ گے۔ پھر نماز و روزہ وغیرہ اسلامی ارکان و عبادات کی کیا ضرورت؟ اور یہی وجہ ہے کہ بے عمل لوگ زیادہ ماقم کرتے ہیں اور ملنگوں کی شیعہ مذہب میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ کیونکہ وہی اس تحریک کے صحیح سرگرم رکن بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ الحیاذ باللہ !

روایت نام کی حدیث شیعہ نمبر ۱ مائمی ٹریکٹ کے جواز میں ایک یہ روایت پیش کی گئی تھی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ عند وفاته لفاطمۃ لا

تخشی علی وجہا ولا ترخی علی شعرا ولا تنادی بالویل والویل ولا تقیمی علی نائحۃ (فروع کافی جلد ۲ ص ۲۸۸) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی وفات کی وقت حضرت فاطمہ کو کہ میری وفات پر نہ دینا اور بال نہ کھولنا اور ویل عویل سے نہ چیخنا چلانا اور نوحہ کرنے والیوں کو قائم کرنا رہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۸۸) اس کے جواباً مائمی مصنف لکھتے ہیں کہ :- یہ روایت بھی بحوالہ مرآۃ العقول جلد ۵ ص ۱۱۳ ضعیف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد رونے پیٹنے اور نوحہ کرنے سے نہ سیدہ فاطمہ کو منع کیا اور نہ ازواج سے کسی کو گریہ و بکا۔ نوحہ و ماتم کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ اگر آپ نے اس طرح کا کوئی حکم دیا ہوتا تو آپ کی وفات کے بعد نہ بعدہ فاطمہ الزہراء نوحہ و ماتم کرتیں۔ نہ حضرت عائشہ من بیٹتیں۔ اس کے برعکس مدارج النبوت جلد دوم ص ۲۹ پر ہے کہ :- رحلت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم کے سر مبارک کو بالین پر رکھا اور اپنا روئے الوریٹھتی ہوئی کھڑی ہو گئیں (فلاح الکونین ص ۱۷۷) الجواب (۱) ان روایات کے ضعیف قرار دینے کا جواب پہلے مفصل بیان کر دیا گیا۔ اور اگر آپ میں کچھ علمی و دینی شعور باقی ہے تو اتنا تو سمجھ لیں کہ شیعہ اصول حدیث کے تحت ضعیف حدیث بھی قابل عمل بلکہ آپ کے شیخ الطائفہ طوسی کے نزدیک واجب العمل ہے اور جس مرآۃ العقول کے حوالہ سے آپ اس روایت کا ضعیف ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ اسی کتاب کے مصنف علامہ مجلسی نے الکافی کی احادیث کے متعلق یہ لکھ دیا ہے کہ :- والحق عندی ان وجود الخبر فی امثال تلك النقول المعتبر مما یؤید جواز العمل به لکن لا بد من الرجوع الی الاسانید ترجیح بعضہا علی بعض عند التنازع (مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۷۷) اور میرے نزدیک تو یہ ہے کہ کسی حدیث کا اصول کافی ایسی کتب معتبرہ میں پایا جانا جواز عمل کے لئے کافی ہے۔ ہاں تعارض کے وقت بعض احادیث کو دوسری بعض پر ترجیح دینے کے لئے ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ "مقدمہ شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول از مولوی محمد حسین) علامہ نے الکافی کی تعلیف میں مقدمہ مظہری ص ۲۵ کی عبارت پیش کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ تمام شیعہ خیر الصبر یہ کہ اس کتاب کی فضیلت اور اس کے قابل عمل و وثوق ہونے پر اتفاق ہے۔ نیز ان کا اس

امر پر اجماع ہے کہ اس کتاب کا درجہ تمام کتب احادیث سے اجل و ارفع ہے اور یہ کتاب وہ قطب ہے جس پر قابل اعتماد راوی جو ضبط و اتفاق میں مشہور ہیں کی روایات کا دار و مدار ہے (مقدمہ شافی ص ۱۷۷) فرمائیے۔ تمام شیعہ علماء کے اس اتفاق اجماع کے بعد کیا الکافی کی حیثیت آپ کے نزدیک یہی ہے کہ جو حدیث اس کی آپ کے خلاف ہو اس کو بلا تامل رد کر دیں۔ (ب) اصول کافی کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء کو ان افعال ماتم سے صراحتاً منع فرمایا ہے جن کو آپ حصول جنت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ آپ علمی طریق سے اس حدیث کا کوئی جواب دیں۔ اور اگر کسی دوسری صحیح حدیث سے اس حدیث کا تعارض ہے تو وہ بھی پیش کر دیں۔ اور یہ ثابت کریں کہ حضرت فاطمہ الزہراء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال ماتم کا حکم دیا تھا کی نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ افعال کبھی صادر ہوئے ہیں (۲) اس حدیث کی آپ تردید نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی سند میں سہل بن زیاد بھی راوی نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ کو بہانہ مل جائے۔ اور یہ ملحوظ رہے کہ یہ حدیث امام جعفر صادق نے سورۃ الممتحنہ کی آیت لَا یُضِلُّکَ فِی مَعْشُورَہ کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے۔ مومن عورتوں کی بیعت میں ماتم کی ممانعت اور اسی آیت کے تحت آپ کے مومن عورتوں کی بیعت میں ماتم کی مخالفت شیخ قمی نے کی اور امام حسن عسکری سے فیض پانے والے میں یہ لکھا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت لی تو حارث بن عبد المطلب کی بیٹی ام حکیم نے عرض کیا :- یا رسول اللہ ما هذا المعروف الذی امرنا اللہ بہ ان لا نفیث فیہ ؟ فقال ان لا تمسکوا وجہاً ولا تملکوا خداً ولا تنفق شعراً ولا تمزقن جیباً ولا تسودن ثوباً ولا تدعون بالویل والشبور ولا تقمن عند قبر فبا یقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(تفسیر قمی - سورۃ الممتحنہ جلد دوم ص ۳۷۷) - ام حکیم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول۔ اللہ تعالیٰ نے جس معروف (نیک) کا ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے۔ تو حضور نے فرمایا کہ تم اپنا منہ نہ نوچو۔ اور رخسار سے نہ پیٹو اور بال نہ اکھاڑو اور گریبان نہ پھاڑو۔ اور کپڑے کا لے نہ رنگو اور ویل اور ہلاکت نہ پکارو اور کسی قبر کے پاس نہ کھڑی ہو پس ان شرطوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے بیعت لی۔ اور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :- ام حکیم بنت حارث بن ہشام نے جو عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھی

یہ عرض کی کہ وہ نیکی جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے فرمایا یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر طاپچے نہ مارو۔ اپنے منہ نہ نوچو۔ اپنے بال نہ کھولو۔ اپنے گریبان چاک نہ کرو۔ اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہائے دانے کر کے نہ روؤ۔ پس آنحضرت نے اپنی باتوں پر جو آیت و حدیث میں مذکور ہیں بیعت لینی چاہی (ترجمہ مقبول مطبوعہ استقلال پریس لاہور بارہم تعداد ایک ہزار) مولوی مقبول احمد دہلوی نے آیت کی تفسیر میں جس حدیث کا ترجمہ لکھا ہے۔ وہ بھی دو جلد دوم ص ۱۰۲ پر یہ قاعدہ حدیث کے متصل ہی مذکور ہے پہل بن زیاد راوی نہیں ہے امام جعفر صادق سے مروی ہے۔ پہلی حدیث امام محمد باقر سے مروی دونوں کی نہیں جہاں جہاں ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء کو ماتمی افعال سے منع فرمایا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں **وَلْيُفِي عَمِّي نَاعِمَةً** (تو مجھ پر نوحہ کرنے والی عورت کو قائم نہ کرنا) جس سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری صاحبزادی کو خصوصیت سے نوحہ کرنے والی عورتوں سے بھی منع فرما دیا ہے۔ اور دوسری حدیث امام جعفر صادق سے مروی ہے جس میں فتح مکہ کے موقع پر عورتوں کی بیعت لینے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ الفاظ نہیں کیونکہ وہاں اپنی وفات کے بارے میں وصیت نہیں فرمائی بلکہ عمومی طور پر بیعت کی شرائط میں سے افعال ماتم کے نہ کرنے کا وعدہ لیا گیا ہے اور چونکہ بحیثیت مومنہ ہونے کے ہر عورت سے یہ وعدہ لیا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء کے لئے یہ وعدہ نہ ہو جس کی سیدۂ النساء اہل الجنتہ فاطمہ کی بشارت دی گئی ہے۔ یعنی حضرت فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں) بہر حال جب کہ شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے بھی اس حدیث کو صحیح سمجھ کر اپنی الکافی میں درج کیا ہے جس کو امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے اور شیخ قمی نے بھی اپنی تفسیر میں سورہ ممتحنہ کی آیت مذکورہ کی تفسیر میں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے درج کیا ہے۔ اور درحاضر کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی فروع کافی کی اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔ تو ان کے مقابلہ میں مصنف فلاح الکونین کے قول کی کیا حیثیت ہے جو بیچارے اس قسم کے علمی مباحث کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔

سورۃ الممتحنہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں جس طرح احادیث شیعہ سے حرمت ماتم کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح اس آیت مذکورہ کے تحت

احادیث اہل سنت سے حرمت ماتم کا ثبوت

احادیث اہل سنت میں بھی نوحہ ماتم سے ممانعت ثابت ہے چنانچہ (۱) عن ام عطیہ رضی اللہ عنہا قالت اخذ علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند البیعة ان لا نوح - (بخاری شریف، کتاب الجنائز) "حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ بیعت کے وقت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی (۲) عن ام عطیہ قالت اخذ علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع البیعة ان لا نوح - (صحیح مسلم) : "ام عطیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے ساتھ ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔ (۳) عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من ضر وبالخذ وشن الجبوب ویدعوی الجاہلیۃ - "حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو رخسارے پیٹے اور گریبان بھاڑے اور جاہلیت کی طرح لپکڑے چلائے" (صحیح بخاری) علامہ علی قاری حنفی دعوی الجاہلیتہ کی شرح میں فرماتے ہیں

مرآۃ شرح مشکوۃ) یعنی جاہلیت کی پکار یہ ہے کہ روئے پر زبان سے وہ بات کہے جو شرعاً ناجائز ہے مثلاً ذیل اور لاکت کے الفاظ جو جاہلیت کے زمانہ میں کہتے تھے (۴) قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پور کی (رحمۃ اللعالمین جلد اول) میں فتح مکہ کے موقع پر بیعت کے سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ: عورتوں سے یہ بھی اقرار لئے جاتے تھے: کسی کے سوگ میں نہ نہ توچیں گی طاپچوں سے چہرہ نہ پیٹیں گی نہ سر کے بال کھینکیں گی۔ نہ گریبان چاک کریں گی، نہ سیاہ کپڑے پہنیں گی اور نہ قبر پر سوگواری میں بیٹھیں گی؟

(مشکوٰۃ شریف) حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورت اور سننے والی عورت پر لعنت کی ہے، تو جس طرح فروع کافی کی روایت میں نوحہ کرنے والی عورت سے منع کہا گیا ہے، اسی طرح ابوداؤد کی اس حدیث میں بھی نوحہ کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور نوحہ صرف روئے اور آنسو بہانے کو نہیں کہتے بلکہ بلند آواز سے رونے اور بین کرنے کو کہتے ہیں جو عموماً عورتوں کی عادت ہے۔ تو جب سنی اور شیعہ دونوں کی صحیح احادیث سے ماتم موجب حرمت ثابت ہے۔ اور قرآن مجید اور لغت اور روایات شیعہ سے بھی جزع کرنا خلاف صبر ثابت ہوتا ہے تو پھر ان فصوص کے خلاف فلاح الکونین کے ماتمی مصنف صاحب کا یہ کہنا بالکل فضول اور غلط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد رونے پیٹنے اور نوحہ کرنے سے نہ سیدہ فاطمہ زہرا کو منع کیا اور نہ ازواج سے کسی کو گریہ و بکا۔ نوحہ ماتم کی ممانعت فرمائی؟ کیا ماتمی مصنف کا مشن یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی خاتون جنت کو قرآنی

حکم صبر کے خلاف عمل کرنے والی ثابت کریں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی مطہرات کا بھی مخالفت کتاب و سنت ہونا ظاہر کریں۔ جن کو تمام مومنین اور مومنات کی روحانی اور ایمانی مائیں۔ حسب ذیل آیت میں فرمایا گیا ہے **وَأَذَانُكُمْ** (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں) (سورہ الاحزاب)

ماہی مصنف بعنوان "حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا نوحہ" کے تحت **خاتونِ جنت پر نوحہ کرنے کا بہتان** لکھتے ہیں کہ: یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے از حد گریہ و زاری فرمائی وہ کہتی تھیں: **یا ابتاہ یا ابتاہ**۔ آپ نے حق تعالیٰ کے بلاوے کو قبول فرمایا۔ **وا ابتاہ**۔ آپ نے جنت الفردوس میں اقامت فرمائی۔ **وا ابتاہ** آپ کی رحلت کی خبر جبرائیل کو کون پہنچائی۔ **وا ابتاہ** آپ کے بعد وہ وحی کس پر لائینگے۔ اے خدا فاطمہ کی روح کو حضور اکرم کی روح سے ملا دے۔ اے خدا مجھے اپنے رسول کا دیدار نصیب فرما دے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلعم کی رحلت فرمانے کے بعد سیدہ فاطمہ زہرا کو کسی نے ہنستا نہیں دیکھا " (فلاح الکونین ص ۷۵)

الجواب (۱) اس عبارت کے آخری جملہ "اہل سیر کہتے ہیں" سے پہلے کی یہ عبارت آپ نے چھوڑ دی ہے۔ اے خدا اپنے حبیب کے ثواب سے دور نہ فرما۔ اور روز قیامت حضور اکرم کی شفاعت سے محروم نہ کرنا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی محتاج ہیں۔ (۲) اس عبارت سے حضرت خاتونِ جنت کا صرف بکاؤ (روا) ثابت ہوتا ہے نوحہ اور ماتم کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے جو زیر بحث ہے۔ پھر اس عبارت سے آپ کا ماتم کیسے ثابت ہو گیا۔ اور جب شیعہ کی اصح الکتاب الکافی۔ اور تفسیر قمی وغیرہ سے انبال ماتم کا ممنوع ہونا ثابت ہو گیا۔ اور کافی کی حدیث میں حضرت فاطمہ الزہرا کو لا تقبی علی الناحۃ فرمانا ثابت ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ نوحہ کرنے والوں کو نہ ماتم کرنا۔ تو پھر آپ خواہ مخواہ اس ارشاد نبوی کے خلاف حضرت خاتونِ جنت کا نوحہ و ماتم ثابت کرنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں کیا آپ نہیں چاہتے کہ حضرت فاطمہ الزہرا کا صبر مومن عورتوں کے لئے نمونہ بنایا جائے۔

آپ نے بعنوان "حضرت عائشہ کا نوحہ لکھا ہے کہ حضرت **عائشہ رضی اللہ عنہا** بھی گریہ و زاری کرتی اور کہتی تھیں **بلے انفسی**

اس بنی محترم نے نوحہ کو تو انگریزی پر اور درویشی کو مالدار پر اختیار فرمایا افسوس۔ اس دین پرورد بنی پر کہ ایک رات بھی امت کے معاصی کے غم و فکر سے بے نیاز ہو کر لبسِ استراحت پر آرام سے نہ سوئے اور ہمیشہ قدم ثبات و قرار کے ساتھ محارب نفس کے مقام صبر و استقامت پر گامزن رہے اور اس کو ترک نہ فرمایا اور کبھی بھی کافر دل کے ایذا و دستم سے آپ کے ضمیر منیر کے دامن پر ناگواری اور علامت کا غبار نہ آیا۔ اور ارباب فقر و احتیاج کے اوپر احسان اور فضل و امتنان کو بند نہ کیا۔ دشمنوں کی سنگ باری سے زندانِ مبارک شہید اور رخسارِ مبارک زخمی ہوئے۔ حوادثِ زمانہ نے آپ کی پیشانی اقدس پر چٹی باندھی اور آپ کا شکم اطہر کئی کئی دن تک جو کی روٹی سے سیر نہ ہوا " (مدارج النبوت جلد دوم ص ۷۵) (فلاح الکونین ص ۷۵)

مصنف کی خیانت علمی اس کے بعد کی حسب ذیل عبارت ماہی مصنف نے یہاں چھوڑ دی ہے جو ان کے استدلال کو باطل کرنے والی ہے: **"کاشانہ اقدس کے ایک گوشہ سے یہ آواز سنی گئی، لیکن کہنے والے کو کسی نے نہ دیکھا اس نے کہا کہ: السلام علیکم آھل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَاةٌ الْمَوْءُودَةُ"** اے بنی کے گھر والو۔ تمہیں سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت تم پر ہو۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ بلاشبہ قیامت کے دن تمہاری نیکیوں کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ تم جان کہ ہر مصیبت کیلئے اللہ عزوجل کے نزدیک درجہ اور خوشی ہے اور ہر فاسد کے لئے ایک قائم مقام ہے! اللہ عزوجل پر اعتماد و اتق رکھو اور وہ تمہیں اس کی طرف لٹائے گا۔ آہ و فغان نہ کرو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہی مصیبت زدہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ آواز تعزیت کرنے والے فرشتہ کی تھی (مدارج النبوت جلد دوم ص ۷۵)

جو عبارت ماہی مصنف نے چھوڑ دی ہے اس سے ثابت ہوا کہ رو حضرت عائشہ صدیقہ **حضرت عائشہ اہل بیت میں** بحیثیت (مدارج النبوت جلد دوم ص ۷۵) از جہ مطہرہ ہونے کے اہل بیت میں سے ہیں کیونکہ فرشتہ نے آپ کو اہل البیت سے خطاب کیا۔ اور قرآن حکیم میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو بنی اہل البیت فرمایا۔ البتہ حدیث شریف سے حضرت علی مرتضیٰ حضرت فاطمہ الزہرا حضرت حسن اور حضرت حسین کا بھی حضور کی دعا کے تحت اہل بیت ہونا ثابت ہے (جب حضرت عائشہ صدیقہ نے جو کچھ فرمایا اس میں نہ نوحہ ہے نہ ماتم۔ صرف گریہ ہے لیکن اس پر بھی فرشتہ نے حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ الزہرا سب گھر والوں سے کہہ - جس طرح نہ نمائید و بے

صبری یکند (مدارج النبوة جلد دوم) اصل فارسی ص ۵۵۵) جزع نہ کرو اور بے صبری مت کرو۔ اور اس کا ترجمہ مدارج النبوة اردو میں یہ لکھا ہے: "آہ و فغان نہ کرو۔" فرمائیے مدارج النبوة کے فارسی الفاظ میں جب فرشتہ نے حضرات اہل بیت کو جزع کرنے سے منع فرمایا تو اس سے تو آپ کے ماتم کے خلاف ہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر جزع جائز ہوتا تو فرشتہ منع نہ کرتا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت فاطمہ الزہراء اور حضرت عائشہ صدیقہ کا اس عبارت سے جزع کرنا ثابت ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے انہوں نے حقیقتاً جزع نہیں کیا۔ کیونکہ ان کو کمال صبر حاصل تھا۔ لیکن ان کے گریہ دیکھا تو جزع سے تعبیر فرما کر اس سے بھی روک دیا گیا۔ جنات الابرار سیات المقرین کے تحت فرمایا گیا۔ یعنی ابراہیم کی نیکیاں بھی مقربین کے حق میں خطا ہیں سمجھ جاتی ہیں، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام نے حقیقتاً کوئی نافرمانی نہیں کی تھی صرف نسیان سے وہ عمل صادر ہوا تھا لیکن ان کو عیسان غواہیت سے تعبیر فرمایا گیا فصلى آدم ربہ فغفر لہ سورۃ طہ (۱) آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق یہ عبارت پیش کی ہے کہ رحلت کے بعد حضرت عائشہ نے حضور اکرم کے سر مبارک کو بالین پر رکھا اور اپنا دہنئے فورٹھی ہوئی کھڑی ہو گئیں، الحجاب فارسی اصل عبارت یہ ہے۔ پس نہاد عائشہ سر مبارک آنحضرت علیہ السلام کو بالین و برخواست و دعا کی زندگی زندہ بردئے خود۔ مدارج النبوة جلد دوم ص ۵۵۳) تو ان الفاظ سے اگر منہ پٹینا مراد لیا جائے تو یہ بخاری شریف کی اس حدیث کے خلاف ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

روہ شخص ہم میں سے نہیں جو رخسارے پیٹے اور گریبان بچاڑے اور جاہلیت کی طرح پکارے۔ اور آپ خود ان چکیں کو کہ: اگر آپ نے اس طرح کا کوئی حکم دیا ہوتا تو آپ کی وفات کے بعد نہ سیدہ فاطمہ الزہراء نورہ دہانم کرتیں نہ حضرت عائشہ منہ پٹتیں۔ اہل سنت کی صحیح بخاری کی حدیث مذکور میں چونکہ صراحتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رخسارے پیٹنے سے فرمانا ثابت ہے۔ اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ کے منہ پٹنے کی روایت صحیح بخاری کی حدیث سے متعارض ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں قرار دی جاسکتی رب، اور خود مدارج النبوة سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت حضرت حمزہ کے سلسلہ میں نورہ سے منع فرمایا تھا۔ چنانچہ اصل عبارت یہ ہے۔ در روایتی آمدہ کہ فرمود مقصود من این زبور کہ زنان بیانید و بر حمزہ گریہ کنند۔ و نہی کرد از نورہ کردن۔ (جلد دوم ص ۱۸۲) اور مدارج النبوة مترجم اردو میں ہے: فرمایا۔ میرا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ پر روئیں۔ اور آپ نے نورہ کرنے سے منع فرمایا (ص ۲۳۱) اور سیرت ابن ہشام عربی میں بھی ہے۔ وَنَهَى يَوْمَئِذٍ عَنْ النُّوحِ (۹۹) اور اس

دن نورہ کرنے سے منع کر دیا گیا۔ بہر حال جب سنی اور شیعہ دونوں کی احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نورہ دہانم سے منع فرمایا تو پھر یہ بات قابل تسلیم نہیں ہو سکتی کہ حضرت خاتونِ جنت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے ارشاد نبوی کے خلاف نورہ دہانم کا ارتکاب کیا ہوگا اور فضائل صبر سے وہ لغو باللہ محروم رہ گئی ہوگی۔ اگر ایسا ہو تو دوسری مومن عورتیں مصائب پر کیسے صبر اختیار کر سکتی ہیں (رج) زیر بحث روایت کے فارسی الفاظ یہ ہیں: نہی زہر بردن خود، لیکن اس سے بھی مروجہ پٹینا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا معنی تو یہ ہے کہ دہنی تاثر کی بنا پر آپ نے عورتوں کی حالت کے مطابق اپنے منہ پر ہاتھ مارا (و) غیث اللغات میں زدن کے ۲۵ معانی لکھے ہیں۔ جن میں زدن کا معنی رکھنا بھی آتا ہے۔ لہذا ان الفاظ کا یہ معنی ہوگا کہ حضرت عائشہ نے اپنے چہرہ پر ہاتھ رکھا۔ اور یہ بھی عورتوں کی عام عادت ہے بہر حال اس سے کسی طرح بھی پٹینا اور ماتم کرنا ثابت نہیں ہوتا جس کے آپ مدعی ہیں۔ اور اگر اس طرح کرنا عبادت ہوتا تو آپ اس کے بعد بھی ہمیشہ کمترین محالاً تکبیر ثابت نہیں ہے۔

مرثیہ خوانی

آپ نے لکھا ہے۔ اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار میں سے ہر ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حزنِ ملال میں منظم کر کے اشعار پڑھ رہا تھا۔ ان میں سب سے پہلے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں جو بعد از دفن قبر شریف کی زیارت کو گئیں اور اس جگہ کی مٹی کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھا اور روتے ہوئے یہ

شعر منظوم فرمایا۔

هَذَا عَلِيٌّ مِنْ شَمِّ قُرْبَةٍ أَحْمَدٍ اَنْ لَا يَشْمَ مَدَى الزَّمَانِ غَوْلِيَا
صَبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوَادِنِهَا صَبَّتْ عَلَيَّ اَلْيَامُ صُرُوفُ لَيَا لِيَا

مدارج النبوة جلد دوم ص ۵۵۴ فرمائیے۔ کیا اس کا نام مرثیہ نہیں (فلاح الکونین ص ۷۷)

الحجاب (۱) بحث تو مسکدہ ماتم میں ہو رہی ہے نہ کہ مرثیہ کے جائز یا ناجائز ہونے میں رب، انظم یا نہ میں میت کی تعریف کرنے کو عربی میں مرثیہ کہا جاتا ہے۔ اور حضرت فاطمہ الزہراء اور بعض صحابہ کرام نے اپنے تاثر کے تحت اشعار کہے ہیں۔ لیکن اس کے لئے بھی کوئی محسوس قائم نہیں کی۔ اور نہ ہی حضرت خاتونِ جنت نے عورتوں کو اکٹھا کر کے کوئی مرثیہ خوانی کی ہے۔ آپ کی مروجہ مرثیہ خوانی تو ہزاروں اور لاکھوں روپے کی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ کیا ذاکرین اور مرثیہ خوانوں کو شہادت حسین کا قلبی رنج ہوتا ہے؟ وہ تو بے تکلف روتے رولتے ہیں اور خوب کاتے عیش اڑاتے ہیں رحمت اللعالمین

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدر کے تحت اہل بیت عظام اور صحابہ کرام نے مرثیہ خوانی اور ماتم مجالس کا کوئی ایسا نمونہ پیش کیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ مثنوی مرثیہ خوانوں کی حقیقت تو وہ ہے جو جوش ملیح آبادی نے ان اشعار میں پیش کی ہے۔

سازِ عشرت ہے تجھے ذکرِ اہم شرفین
ڈھالتا ہے تیرے سکتے بتگانِ غم کا بین
تیری دارالضرب ہے اہل عزاکا شور و شین
سر جھکالے شرم سے لے تے باجر خون حسین
اے جو تعلیم تھی دل سے گزرنے کے لیے
اس کا استعمال ہو اور پیٹ بھرنے کیلئے

رو ماتم کی حدیث شریفہ نمبر ۶

ابن بابویہ نے بے حد معتبر امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت وفات جناب سیدہ سے کہا اے فاطمہ جب میں مرجاؤں اس وقت تو اپنے بال میری مفارقت سے نہ نوچنا اور اپنے گیسو پریشان نہ کرنا اور داویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ کرنے والیوں کو نہ بلانا جلالہ العیون مترجم اردو حصہ اول ص ۷۷ مطبوعہ لکھنؤ "رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۷" اس کے جواب الجواب میں مثنوی مصنف لکھتے ہیں۔ اولاً (۱) یہ روایت کافی کی اس روایت کا ترجمہ ہے جس کو بحوالہ امراء العقول ضعیف کہا گیا ہے۔ نمبر ۶ میں اس کا مکمل مدلل اور مسکت جواب دیا جا چکا ہے۔ (ب) لفظ معتبر میں ضعیف روایات بھی شامل ہیں چنانچہ اس اصطلاح کے موجد بھی علامہ مجلسی ہیں، خود انہوں نے اپنے رسالہ رجال میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ معتبر کا لفظ ضعیف روایات کو بھی شامل ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ہدیۃ المؤمنین درایۃ الحدیث وغیرہ۔ ثانیاً۔ اگر غیر بخلاف صلعم جناب سیدہ فاطمہ الزہراء کو منع فرماتے تو ناممکن تھا کہ جناب سیدہ ان پر اصرار فرمائیں۔ لیکن کتب سیر و تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دختر رسول صلعم نے گریہ دیکھا بھی کیا۔ سر بھی پٹا اور نوحہ بھی کیا۔ مدارج النبوة ص ۱۷۳ مدارج النبوة رکن ۴ باب ۶ ص ۷۷ روز جنگ احد جب آپ کے قتل کی آواز ماری نہ پہنچی فاطمہ زہراء چوں ایں آواز شنید دست بر سر زناں و سر زدن دید۔

حضور۔ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین حیات ہو۔ اس وقت آپ نے بیٹی کو الیا کرنے سے منع فرمایا (فلان الکونین ص ۷۷)

الجواب (۱) کافی کی حدیث کے متعلق آپ کے مکمل مدلل و مسکت جواب کا مکمل مدلل اور مسکت البطل کر دیا گیا ہے۔ دوبارہ سابقہ بحث کو دیکھ لیں (۲) آپ نے علامہ مجلسی کی اصطلاح یہ بیان کی ہے کہ لفظ معتبر ضعیف روایت کو ہی شامل ہے۔ تو اگر آپ کے نزدیک ضعیف روایت غیر معتبر ہوتی ہے تو یہ اصطلاح ہی جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر روایت غیر معتبر ہے تو اس کو بے حد معتبر کے الفاظ سے بیان کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ کیا غیر معتبر کو معتبر اور معتبر کو غیر معتبر کے لفظوں سے بیان کر سکتے ہیں۔ حالانکہ معتبر اور غیر معتبر دونوں کا مفہوم ایک دوسرے کے خلاف ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے صبر اور جزع کو ایک ہی سمجھا ہے حالانکہ صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف حالتوں کا نام ہے۔ (ب) اگر ضعیف روایت سے مراد غیر معتبر نہیں ہے تو یہ مفہوم ہمارے خلاف نہیں۔ اور اسے بحوالہ یہ پیش کر چکا ہوں کہ کافی کی احادیث خود علامہ مجلسی کے نزدیک بھی قابل عمل ہیں اور شیخ طوسی کے نزدیک ضعیف حدیث بھی واجب العمل ہوتی ہے۔ اس لئے اس روایت کو ضعیف قرار دینے سے بھی ماتم مروجہ کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ عبادت ہو جو آپ کا اصل دعویٰ ہے۔

(۳) کتب حدیث کے مقابلہ میں سیر و تواریخ کی روایات قابل اعتبار نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ احادیث پورے اسناد کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔ اور پھر ان کے راویوں پر خوب جرح و تنقید کی جاتی ہے۔ بخلاف ان کے سیر و تواریخ کی کتابوں میں اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ آپ پر لازم تھا کہ کافی کی حدیث کے مقابلہ میں کوئی اس سے قوی حدیث پیش کرتے جس سے ان افعال ماتم کا ثبوت ملتا جس سے کافی کی حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء کو منع فرمایا۔ علاوہ ازیں آپ کے شیخ قمی نے بھی سورہ الممتحنہ کی آیت کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواز ارشاد درج کیا، اس سے بھی ماتم مروجہ کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے تفسیر قمی کے مقابلہ میں مدارج النبوة کی روایات آپ کے لئے کیونکہ حجت ہو سکتی ہیں (۴) آپ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء کو ماتم سے منع نہیں فرمایا۔ حالانکہ جس مدارج النبوة سے آپ حضرت فاطمہ الزہراء کا نوحہ و ماتم ثابت کرنے کی لاپلائی کوشش کر رہے ہیں اسی میں ممانعت بھی ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ سنو تو رونے لگیں حضور اکرم نے فرمایا۔ اے میری بیٹی رو نہیں

کہا۔ مدارج النبوة ص ۷۷

لیونکہ تمہارے رونے سے حاملین عرش روتے ہیں اور اپنے دست مبارک سے فاطمہ الزہراء صلی اللہ علیہا کے چہرہ اور سے انکھوں کو پونچھا اور دلدادی و بشارت فرمائی (مدارج النبوة جلد دوم ص ۵۲) فرمائیے کیا یہ عبارت آپ کو اس کتاب میں نظر نہیں آئی۔ اس سے تو آپ کے ماتم کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے کیونکہ شدت غم سے رونا جو جائز تھا اس سے بھی منع فرما دیا۔ چہ جائیکہ آپ یتیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرماتے۔

(۵) تاریخ کامل ابن الاثیر میں لکھا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے تو آپ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور تم کو تمہارے نبی کی طرف سے نیک بدلہ دے۔ پس ہم بھی رونے اور آپ بھی رونے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ تم میری قبر کے کنارے سخت پر مجھے رکھ دو اور پھر میرے پاس سے ہٹ جاؤ تاکہ جبریل، اسرافیل، میکائیل اور ملک الموت عزرائیل اور فرشتوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ لیں۔ پھر فوج و فوج آکر نماز جنازہ پڑھو اور مجھے میری تعریف کر کے اور چیخ چیخ کر رو کر نماز پڑھو۔ اپنے اوپر میری طرف سے میری موت کے بعد آخری سلام پہنچاؤ خود تمہارے نفوس پر اور جو اصحاب میرے پاس سے

غائب ہیں اور دور ہیں ان کو بھی میرا سلام پہنچاؤ (ص ۵۲ مطبوعہ کراچی) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً چیخ چیخ کر رونے سے منع فرمایا۔ تو پھر ماتم مروجہ کی گنجائش کہاں باقی رہی۔ اور حضرت فاطمہ الزہراء کی طرف ان افعال ماتم کو منسوب کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ لہذا اگر کسی روایت میں حضرت فاطمہ الزہراء یا حضرت عائشہ صدیقہؓ کا چیخنا چلانا یا منہ پیٹنا وغیرہ مذکور ہے تو وہ یقیناً غلط اور من گھڑت ہوگی (۶) آپ نے مدارج النبوة حصہ اول کے حوالہ سے جو یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ: فاطمہ الزہراءؓ بچوں این آواز شنید دست بر سر زناں از خانہ بیرون دوید اس کی پوری عبارت حسب ذیل ہے۔ اور عجیب و غریب روایت یہ ہے جسے مدارج النبوة نے بیان

کیا ہے کہ شیطان کی یہ آواز سنی تو گھر کی عورتوں کے سروں پر ہاتھ رکھ باہر نکل کر دوڑنے لگیں (مدارج النبوة اردو جلد دوم ص ۱۶۲) آپ نے جلد اول کا حوالہ دیا ہے حالانکہ یہ عبارت جلد دوم میں مذکور ہے (ب) یہ عبارت مدارج النبوة کی ہے۔ اور پہلے یہ لکھ چکا ہوں کہ مدارج النبوة میں رطب و یابس۔ صحیح و غلط۔ قسم کی روایت درج ہیں۔ اس لئے دوسری شخص کے مقابلہ میں اس کی روایات قابل قبول نہیں ہو سکتیں (ج) مولانا مفتی غلامین الدین نعیمی ترجمہ لکھا ہے اس کی بنا پر تو آپ کا استدلال بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے۔ اور اگر آپ کا ترجمہ پیش نظر رکھا

جائے جو روایت کے ظاہری الفاظ پر مبنی ہے تو پھر بھی اس سے ماتم مروجہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہاں اچانک غیر اختیاری طور پر سر پر ہاتھ مارنا مذکور ہے پھر اس کے بعد بار بار ایسا کرنا یا سال بسال اسی طرح کرنا کہیں ثابت نہیں ہوتا (د) اگر قوم کی سابقہ عادت کے مطابق حضرت فاطمہ الزہراءؓ نے سر پر ہاتھ مارا بھی ہو تو جنگ احد کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے صدمہ میں عورتوں کا جمع ہونا اور پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر میں ان کو نوحہ سے بھی منع فرمادینا (جیسا کہ اسی مدارج النبوة سے یہ بات ثابت ہے) اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کی اباحت اگر تھی تو وہ بھی منسوخ ہو گئی (ذ) اور سر پر ہاتھ مارنے کا فعل بھی حضرت فاطمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں کیا کیونکہ وفات کی خبر سن کر آپ نے گھر سے نکلنے سے روک دیا۔ لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل پسند فرمایا۔ (س) فارسی میں زدن کا معنی رکھنا بھی آتا ہے۔ لہذا یہ مطلب ہو گا کہ آپ سر پر ہاتھ رکھے ہوئے گھر سے نکلیں۔ بہر حال مذکورہ منہ دو جوہ کی بنا پر آپ کی پیش کردہ روایت سے زیر بحث ماتم کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

مشکوٰۃ کا حوالہ اور نامی مصنف کی علمی حیانت

نامی مصنف مشکوٰۃ فصل ہفتم ص ۳۴ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الموت میں تکلیف زیادہ ہوئی (آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ و اکرب اباءؓ نے تکلیف بابا کیہ کر نوحہ و بین کر تیں) یہ عمل تو جناب سیدہ علیہا السلام آپ کے سامنے کر رہی تھیں۔ پھر آپ نے بیٹی کو نوحہ کرنے سے کیوں نہ روکا۔ مدارج النبوة رکن ۴۰۔ باب ۱۳۔ فاطمہ فغان کنال آواز بر آورد کہ یا ابتاء اے برمن (فلاح الکونین ص ۷۷)

الجواب (۱) مشکوٰۃ شریف کی پوری حدیث حسب ذیل ہے: عن انس قال لما قتل النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل يتغشاہ الکرب فقال فاطمہ و اکرب اباءہ فقال لہا یس علی امیک کرئ بعد ایوم فلما مات قالت یا ابتاء اجاب ربنا دعاء یا ابتاء من جنة الفردوس ما واه یا ابتاء الی جبریل نعاہ فلما دفن قالت فاطمہ یا انس اطابت انفسکم ان تعثوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التراب

مرآۃ البحار میں) اس حدیث کا اردو ترجمہ مولانا قطب الدین صاحب محدث دہلوی نے یہ لکھا ہے :- اور روایت ہے انس سے کہ کہا۔ جبکہ شدت سے بیمار ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ بے ہوش کرتی تھی ان کو شدت مرض کی۔ پس کہا فاطمہؓ نے دائے کرب باپ میرے کو یعنی کیا شدت مرض ہے آپ کو۔ پس فرمایا آنحضرت نے حضرت فاطمہ کو کہ۔ نہیں ہے تیرے باپ پر محنت و شدت بلکہ آج کے دن کے (زمانہ) یعنی یہ کرب بسبب شدت دیکھ بیماری کی ہے اور بعد آج کے دن کے نہیں ہونے کا۔ یہ اس لئے کہ کرب بسبب علانی جہانگیر کے ہوتا ہے جو بعد آج کے دن کے منقطع ہو جائیں گے۔ یہ علانی موصوف ہے۔ اور تعلقات روحانیہ معنویہ میں تو کرب ہے ہی نہیں) پس جبکہ وفات پائی حضرت نے۔ کہا فاطمہ نے اے باپ میرے اجابت کی اور گئے طرف پروردگار کے کہ بلایا آپ کو اپنے حضور میں۔ اے باپ میرے۔ اے وہ شخص کہ جنت الفردوس جگہ اس کی ہے اے باپ میرے طرف جبریلؑ کے پہنچانے ہیں ہم خبر موت کی۔ پس جبکہ دفن کئے گئے حضرت کہا فاطمہؓ نے اے انس آیا گوارا ہوا تمہارے نفسوں پر اے صحابہ یہ کہ ڈالو اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹی نقل کی یہ بخاری نے مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ جلد چہارم ص ۵۵۰ فرمائیے (۱) اس حدیث میں نہ حضرت فاطمہؓ کے گریہ کا ذکر ہے نہ منہ پٹنے اور ماتم کرنے کا۔ اور اس کا آپ کے نوحہ سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر اس حدیث سے آپ کے ماتی موقف کو کیا فائدہ پہنچا۔ (ب) آپ نے علمی خیانت یہ کی کہ حسب ذیل عبارت درمیان میں چھوڑ دی۔ پس فرمایا آنحضرت نے حضرت فاطمہؓ کو کہ نہیں ہے تیرے باپ پر محنت و شدت بعد آج کے دن کے (۱) اس ارشاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو تسلی دی ہے جو حضور کی بیماری کی شدت سے متاثر ہو کر یہ کہہ رہی تھیں "دائے کرب باپ میرے کو" یعنی حضور نے فرمایا کہ یہ جو تکلیف میری تو دیکھ رہی ہے یہ آج کے بعد ختم ہو جائے گی۔ اور جب وفات کے بعد یہ تکلیف بالکل ختم ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تو وفات کے بعد خاتون جنت کس بنا پر ماتم کرتیں۔ اور اگر کوئی اپنے بزرگ کی تکلیف کو دیکھ کہ یہ کہے کہ آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ تو کیا اس کو عرت میں نوحہ و ماتم ہی کہا جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ آپ نے حدیث مذکور کا آخری حصہ علیحدہ پیش کیا ہے اور پھر یہ لکھ دیا ہے کہ بخاری ص ۶۲ پر بھی یہ نوحہ درج ہے۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح بخاری کی ہی ہے جو مشکوٰۃ شریف میں درج کی گئی ہے۔ اور ان الفاظ کو نوحہ بھی نہیں کہا جاتا۔ اور اگر اس حدیث کی درمیانی عبارت بھی درج کر دیتے جس

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو تسلی دی ہے۔ تو تارین پر یہ بات واضح ہو جاتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوحہ و ماتم نہ کرنے کے لئے ہی خاتون جنت کو یہ تسلی دے رہے ہیں۔ (ج) یہاں بخاری شریف کی یہ حدیث بھی ملاحظہ کر لیں۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ علیہا السلام فی شکواہ الذی قبض فیہ فساڑھا البشی فبکت ثم دعاھا فساڑھا البشی فضحکت۔ فسالنا عن ذالک فقالت فساڑھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبض فی جہد الذی توفی فیہ فبکت ثم ساڑھا فی اخیوتی انی اول اہلہ یتبعہ فضحکت (صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو اپنی اس بیماری میں بلایا جس میں آپ کی وفات ہو گئی تھی اور آپ پوشیدہ کچھ بات کہی تو آپ رو پڑیں۔ پھر آپ کو بلایا اور آپ سے پوشیدہ کچھ بات کہی تو حضرت فاطمہؓ ہنس پڑیں۔ پھر ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوشیدہ یہ فرمایا تھا کہ میں اس بیماری میں وفات پا جاؤں گا تو میں رو پڑی تھی پھر آپ نے مجھ سے راز داری میں فرمایا کہ آپ کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے جاؤں گی تو میں ہنس پڑی تھی" فرمائیے۔ ہے حضرت خاتون جنت کے رونے اور ہنسنے کی کیفیت۔ کہ باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سننے اور اس کا صدمہ لائقی ہونے کے جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر جلدی ہی سب سے پہلے وہ حضور سے ملاقات کریں گی تو پہلا غم دور ہو گیا اور ہنسنے لگ گئیں تو ایسی صابرہ خاتون جنت کو اپنے جیسا ماتی اور نوحہ خواں ثابت کرنا کیا حضرت بقول کے مقام صبر و استقامت کا صریح انکار نہیں ہے؟

(۲) ماتی مصنف لکھتے ہیں :- مدارج النبوة ص ۴۰۰ پر بھی وہ لہرے ہیں جو جناب فاطمہ الزہراءؓ نے پدر بزرگوار کے حال پر پڑھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے :- اذا اشتد شوقی اثیت فبکرت باکیا۔ انوح واشکوا ما اراک مجادیا۔

یا ساکن الغبراء علیمنی البکاء۔ و ذکرک انسانا جمیع المصائب۔ جب میرا شوق زیادہ ہوتا تو میں روتی ہوئی آپ کی قبر کی زیارت کرتی ہوں۔ نوحہ اور شکوہ کرتی ہوں۔ لیکن آپ جواب نہیں دیتے۔ اسے مٹی میں آرام کرنے والے مجھے رونا سکھا دے۔ تیرے ذکر نے ہمیں سب مصیبتیں مجھادیں۔ (فلاح الکونین ص ۱۰)

الجواب (۱) حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے ان اشعار میں صرف رونے کا ذکر ہے یعنی آنسو بہانا جس کو عربی میں بکا کہتے

ہیں۔ اور یہ ممنوع نہیں کیونکہ شدت غم کے تحت یہ غیر اختیاری امر ہے۔ اور بحث منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے وغیرہ افعال ماتم کی حرمت میں جو رہی ہے جس کا ان اشعار میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کوئی شہر سے باہر نہ تھی بلکہ مسجد نبوی کے پاس ہی حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں ہی یہ قبر اطہر ہے جس کو روضہ مقدسہ کہا جاتا ہے۔ حضرت فاطمہ الزہرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے سخت متاثر تھیں اور اس حالت میں قبر مبارک پر حاضر ہو کر یہ اشعار پڑھے۔

(ب) ان اشعار میں انوح کے لفظ سے شبہ ہو سکتا ہے جس کا معنی ہے "میں نوحہ کرتی ہوں" تو اس سے بھی آپ کا ماتم موجب ثابت نہیں ہو سکتا جس کے ضروری اجزاء میں سے منہ پیٹنا اور سینہ کوئی کرنا ہے۔ اگر یہ اشعار حضرت خاتونِ جنت کے ہی ہیں تو پھر اس کی تائید کی جائے گی کیونکہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی احادیث صحیحہ سے نوحہ کا ممنوع ہونا ثابت ہے۔ اسلئے یہاں نوحہ سے مراد صرف گریہ و بکا ہے چنانچہ انور سے لغت بھی نوحہ کے مختلف معنی ہیں (۱) منہ پیٹنا الارب میں ہے۔ نوحہ آواز قمری و کبوتر۔ اور استناخہ کا معنی ہے۔ نوحہ کردن و بانگ کردن گرگ و کرستین و گر باندین و گریے را۔ (نوحہ کرنا۔ اور استناخہ بھیڑیے کے آواز کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور رونے کو بھی اور کسی کو زلزلے کو بھی) اس سے معلوم ہوا کہ صرف رونے کو بھی نوحہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور قمری و کبوتر کی آواز کو بھی نوحہ کہتے ہیں۔ اور بھیڑیے کی آواز کو استناخہ کہا جاتا ہے)

(۲) منہ میں ہے۔ النوحۃ علی المیت مع الجرح والصوت (میت پر جرح کر کے اور آواز سے رونا) بیان اللسان میں ہے۔ زور زور سے رونا۔ ماتم کرنا۔ غیث اللغات میں ہے۔ گریہ کردن یا آواز و بیان مصیبت۔ یعنی آواز سے رونا اور بیان مصیبت کرنا (جس کو کہتے ہیں) (۳) اور قلموس میں۔ فاح الرجل بکی واستبکی غیہ مرونے نوحہ کیا یعنی وہ رویا اور دوسرے کو اس نے رلایا) تو جب تک آواز سے چلا جلا کر نہ رویا جائے۔ نوحہ جائز ہے کیونکہ اس کا مطلب صرف گریہ و بکا میں آنکھوں سے آنسو بہانا ہے اور اگر بلند آواز سے اور بیان کر کے رویا جائے جس کا رواج آدور مایوں کے ہاں بھی ہی ہوتی ہے تو یہ نوحہ ممنوع اور حرام ہے۔ اور لفظ نوحہ کے معنی کی مختلف صورتوں کا فرق حضرت علامہ سید الزمخشری صاحب محدث کشمیری دارالعلوم دیوبند نے بھی بیان فرمایا ہے۔ وحق من معنا التنبیہ علی انہ یستفاد من هذا الحدیث اباحۃ بعض مراتب النیاحۃ مع بقاء الکراہۃ (فیض الباری ص ۴۶۱) "اور ہم نے پہلے اس بتنیہ کر دی ہے کہ اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیاختہ نوحہ کرنے کے بعض مراتب مباح ہیں

باجودان میں کراہت باقی رہنے کے) لیکن اس سے وہ نوحہ جائز یا عبادت نہیں ثابت ہو سکتا جواز روئے احادیث ممنوع ہے (۴) دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔ یا ساکن الخبرا علیہ البکا۔ اسے مٹی میں آرام کرنے والے مجھے رونا سکھائیے اس پر اتمی مصنف سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر یہ رونا عبادت ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اپنی مقدس زندگی میں اپنی پیاری جناحزادی کو رونے کا طریق نہیں بتلادیا تھا۔ جو آج آپ کو سیکھنے کی ضرورت پڑی (ب) رونا اکثر شدت غم کا نتیجہ ہے تو اس میں سیکھنے اور سکھانے کا کیا دخل ہے (ج) بکا کا معنی آنسو بہانا ہے نہ کہ منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا اور اگر آپ نے ماتم کرنا ہوتا تو پھر منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کا طریقہ پوچھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صرف رونا چاہتی تھیں۔ لیکن آپ کو اس میں یہ خطرہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا رونا شرعی حدود سے تجاوز کر جائے اس لئے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ مجھے رونے کا صحیح طریق سکھادیں تاکہ میں جذبات سے بے اختیار ہو کر کہیں رونے کی ایسی صورت اختیار نہ کر لوں جو ناجائز ہو اور گناہ کی حد کو پہنچ جائے۔ (۲) اس کے بعد تیسرا شعر یہ ہے جو آپ نے چھوڑ دیا ہے۔ فان كنت عن عینی فی التراب مغنیاً۔ فما كنت عن قلبی الحزنین بغائباً (ہیں اگر آپ قبر مبارک میں میری آنکھ سے پوشیدہ ہیں تو آپ میرے نگین دل سے تو غائب نہیں ہیں) اس شعر سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ تو پھر رونے کا طریقہ کس طرح سیکھتیں۔ دراصل یہ اظہار غم کا ایک طریق تھا۔ جو اشعار میں بیان کیا۔ جس کو یار لوگوں نے ماتم قرار دے دیا۔

ع۔ اتنی سی بات تھی بسے افسانہ کر دیا۔

جو نوحہ زور زور سے رونے جرح فزع کرنے اور بیان مصیبت کی شکل میں ہوتا ہے۔ جو حرام اور ممنوع ہے۔ چنانچہ (۵) مسلم کی احادیث اہل سنت نوحہ کی ممانعت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ النیاحۃ اذا لم تشب قبل موتھا تقام یرم القیمة وعلیہا سبال من قطران ودرع من حرب "نوحہ کرنے والی عورت نے جب موت سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی ہوگی کہ اس کے بدن پر سخت بدبودار تیل کا کرتہ ہوگا اور خارشیں زرہ ہوں گی۔"

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ "وفیہ دلیل علی تحريم النیاحۃ وهو جمع علیہ (اس میں دلیل ہے نیاختہ) (نوحہ کرنے) کے حرام ہونے پر اور اس پر سب کا جملہ ہے۔ نیز فرماتے ہیں۔ وان

النیاحة حرام مطلقاً وهو مذہب العلماء كافة. اور بیشک نوحہ مطلقاً حرام ہے اور یہ سب علماء کا مذہب ہے۔
 (۲) صحیح بخاری میں بھی یہی حدیث مذکور ہے۔ جس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وایخذ امتنا من هذه الاحادیث تحريم النوح وتعدد محاسن الميت بخروا كهفاه مع رفع الصوت والبكاء وتحريم ضرب الخد وشنق الحبيب ونشر الشعر وحلقه ونتفه والتسويد الوجه واللقاء التراب على اللأس والدعا بالويل والشعور الخ (اور ان احادیث سے ہمارے ائمہ حدیث نے نوحہ اور میت کی خوبیاں گنانے کی حرمت سے منع مثلاً واکھفاء وغیرہ کہنا بلند آواز اور رونے کے ساتھ اور حرام ہے رخسار سے پٹنا اور گر بیان بھاڑنا اور بال مکد اور بال منڈنا اور بال اکھاڑنا اور منہ کا لاکرنا اور سر پر مٹی ڈالنا اور دہل اور ثبور (پلاکت) پکارنا (فتح الباری)
 (۳۱) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ یوسف کی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ انما المذنب عنہ ما يفعله الجمله من النياحة ولطم الخناور والصدور وشنق الحبيب وتخزين العشب (روح المعانی) بیشک وہ افعال ممنوع ہیں جن کو جہلا کرتے ہیں مثلاً نوحہ کرنا۔ اور رخسار سے پٹنا اور گر بیان چیرنا اور کپڑے بھاڑنا۔

(۴) حافظ عمامہ الدین ابن کثیر محدث سورۃ التختہ کی آیت ولا تعصنک فی معروف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ روی ابن جریر۔ قال منعهم ان یخفن رکان اهل الجاهلیة یعنی ان ایشاب ریحہ شن الوجہ و یقطعن الشعور (ابن جریر نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا اور جاہلیت کے زمانہ کے لوگ اپنے کپڑے بھاڑ دیتے تھے اور اپنے چہرے پھیلے تھے اور بال کاٹ دیتے تھے) (۵) نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں

عن اسید البزار عن امرأة من الملبعات قالت کان فیما اخذ علینا رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان لا نعصیه فی معروف ان لا نخمشن وجہا ولا ننشر شعور ولا نشق جیباً ولا ندعوا ویلاً (حضرت اُسیدان عورتوں میں سے ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہونے والی ہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نیکی میں آپ کی نافرمانی نہ کریں اور ہم منہ نہ لوچیں اور ہم بال نہ بکھیریں اور ہم گر بیان چاک نہ کریں اور ہم ویلا (پلاکت) نہ پکاریں) (تفسیر ابن کثیر سورۃ الممتح) احادیث شیعہ سے نوحہ کی ممانعت

(۱) ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں سے منع فرمایا ان میں یہ بھی تھا۔

النیاحة من عیال الجاہلیة (اور نوحہ کرنا جاہلیت کے زمانہ کا فعل ہے) (من لا یحضرہ الفقیدہ ص ۵) (۲) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث من لا یحضرہ الفقیدہ میں درج ہے جن کے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ طویل حدیث حضرت علی کے اپنے ہاتھ کی کٹی ہوئی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ۔ نئی عن الرنة فی المصیبة ونهی عن النیاحة والاستماع الیہا ونهی عن اتباع النساء الجنائز۔۔۔ ونهی عن التصاویر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت میں چیخنے چلانے سے منع فرمایا اور نیاحت (نوحہ کرنے) سے منع فرمایا۔ اور نوحہ سننے سے منع فرمایا اور عورتوں کو جنازوں کے پیچھے جانے سے منع فرمایا۔۔۔ اور تصویروں سے منع فرمایا۔ (من لا یحضرہ الفقیدہ ص ۵۷) اور نوحہ کی ممانعت میں یہ وحدہ شیش من لا یحضرہ الفقیدہ میں ہیں جس کے متعلق اس کتاب کے مصنف ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق نے لکھا کہ اس میں سب صحیح اور قابل اعتماد احادیث درج کی گئی ہیں اب آپ فرمائیں کہ جب اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی احادیث صحیحہ سے نوحہ کرنے کی ممانعت ثابت ہے۔ تو اس کے خلاف آپ کس مذہب کی بنا پر خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہراءؑ کا نوحہ ثابت کرنا چاہتے ہیں! (۳) پہلے یہ عرض کر دیا گیا کہ اگر کسی شعر میں نوحہ کا لفظ مذکور ہے اور وہ شعر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہی ہے۔ تو اس سے مراد صرف وہ رومان ہے جو نثر کا جائز ہے۔ اور حضرت خاتون جنت سے ہم اس نوحہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو شرفاً ممنوع اور حرام ہے اور زمانہ کفر و جاہلیت کی رسم و عادت ہے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کے ارشاد سے بھی جزع کرنا ممنوع ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ نے یہ کہا تھا کہ۔ لولا انک امرت بالصبر ونهیت عن الجزع لا لکفنا علیک ماء الشئون رنج البلاغ صحت مطبوع تہران) اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع کرنے سے آپ نے نہ منع کیا ہوتا تو ہم رو رو کر آنکھوں کا پانی ختم نہ دیتے) فرمائیے۔ کیا حضرت علی المرتضیٰ کے قول سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جزع فزع کرنے سے منع فرمانا ثابت ہوا یا نہیں۔ اور کیا اس ممانعت کے بعد بھی حضرت خاتون جنت جزع فزع اور نوحہ دہانم کا ارتکاب کر سکتی تھیں۔ ہرگز نہیں۔

رومانم کی حدیث شیعہ نمبر ۷
 مامی ترکیٹ کے جواب میں حرمت مامی کے سلسلہ میں یہ روایت لکھی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پس جمیع

اہل بیت میرے اور بیبیاں میری حسب مراتب اشارہ اور سلام مجھ پر کریں جو حق اشارہ اور سلام کرنے کا ہے اور آزار بعد اسے نالہ و فوضہ نہ پہنچائیں (جلد العیون ص ۲۷)

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوحہ اور نالہ کرنے سے ڈکھ ہوتا ہے لیکن یار لوگوں نے اس کو عبادت اور جنت کا نشان سمجھا ہوا ہے۔ (ہم نام کیوں نہیں کرتے ص ۲۷)

اس کے جواب الجواب میں اتمی مصنف لکھتے ہیں۔۔۔ مندرجہ بالا روایت بھی دلیل نمبر ۹ کی روایت سے ملتی جلتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ گزشتہ روایت میں مخاطب جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں اور اس میں جمیع اہل بیت و ازواج کو مخاطب کیا گیا ہے۔ دریا تھا اس روایت کو بھی صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہل بیت اور ازواج کو گریہ و بکا۔ آہ و فغاں۔ نوحہ و ماتم سے منع فرماتے تو یہ ناممکن تھا کہ اہل بیت علیہم السلام سے کوئی فرد یا ازواج سے کوئی بیوی آپ کے حکم کے خلاف ایسا فعل کرتی۔ مگر کتب احادیث و تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے وصال پر اہل بیت۔ ازواج اور صحابہ نے آہ و بکا کی۔ سر پیٹے اور نوحے کئے ملاحظہ فرمائیں۔۔

معارج النبوة رکن ۴ باب ۱۳ ص ۲۳۔ امہات المؤمنین ہمدانہ وغیرہ ازواج فلک اسیر رسیدند و طائفہ از اصحاب آواز بر کشیدند و اجمدا۔ و فاطمہ گفت و آمد پناہ (یعنی ازواج رسول نے رونے کی آواز آسمان تک پہنچائی۔ صحابہ کی ایک جماعت نے و امحدا کا نوحہ کیا اور فاطمہ علیہا السلام ہائے مدینہ کر کے بن کر تھیں۔ عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ قبض و هو فی حجری ثم وضعت رأسہ علی و سادۃ و قمت مع النساء اضرب و جھمی۔ بی بی عائشہ نے کہا جب حضور کی روح قبض ہوئی تو آپ کا سر مقدس میری گود میں تھا۔ پھر میں نے سر مقدس کو تکبیر پر رکھا اور میں اٹھ کر عورتوں کے ساتھ بیٹھنے لگی۔ میں اپنا منہ پیٹ رہی تھی۔ تاریخ طبری ص ۱۹۷۔ سیرت ابن ہشام جلد ۴ ص ۳۳۔ سیرت حلبیہ جلد ۴ ص ۲۷۷)

الجواب (۱) آپ کی درایت (سمجھ) تو الٰہی چلتی ہے۔ کیونکہ اصول و درایت تو یہ ہے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو یا صحیح حدیث کے خلاف ہو اس کو رد کر دیا جائے گا چنانچہ مذہب شیعہ کی سب سے زیادہ صحیح کتاب حدیث اصول کافی میں ہے کہ۔۔ فرمایا حضرت رسول خدا نے ہر ایمان کی علامت ہے اعمال صالحہ سے اور روشنی ہے حکمت قرآن سے پس جو حدیث کتاب خدا کے موافق ہو اسے لے لے اور جو مخالف کتاب ہو اسے چھوڑ دو (شافی ترجمہ اصول

کافی جلد اول ص ۲۷) اور از روئے قرآن سنی اور شیعہ دونوں کی تفاسیر سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ جزع کرنا صبر کے خلاف ہے۔ اب آپ ان دو صورتوں میں سے ایک صورت کو پسند کر لیں۔ (۱) حضرت فاطمہ الزہرا۔ اور ازواج مطہرات رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکم قرآن کے تحت صبر کرنے والی ہیں تو جن روایات میں ان کا جزع فزع کرنا مذکور ہے وہ خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے رد کر دی جائے گی (ب) یا آپ یہ تسلیم کریں کہ نوحہ باللہ حضرت خاتون جنت اور ازواج مطہرات قرآن کے خلاف چلنے والی ہیں۔ تو پھر آپ ان روایات کو قبول کر لیں جن میں خلاف قرآن ان کا جزع فزع کرنا مذکور ہے۔ اور آپ جو دلائل دے رہے ہیں ان سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ الحیا ذی اللہ حضرت فاطمہ الزہرا اور ازواج مطہرات اس قرآن کے خلاف عمل کرنے والی ہیں۔

(۲) آپ نے معارج النبوة سے پہلی روایت پیش کی ہے۔ حالانکہ اس کتاب کے مصنف کے متعلق مولانا احمد رضا صاحب بریلوی کی بھی یہ تحقیق پیش کر چکا ہوں کہ۔۔ (اس کے مصنف) سنی داعی تھے۔ کتاب میں رطب و یابس سب کچھ ہے۔ (احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۷) لہذا اس کتاب کی روایتیں بخاری و مسلم کی مذکورہ صحیح احادیث کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ سے صراحتاً منع فرمایا ہے۔ یہ احادیث رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۹ کی بحث میں پھر ملاحظہ فرمائیں۔ (ب) معارج النبوة کی اس روایت میں بھی یہ لکھا ہے کہ بعض اصحاب نے و امحدا کہا اور حضرت فاطمہ نے و امدینا کہا۔ تو ان الفاظ سے بھی آپ کا نوحہ و ماتم ثابت نہیں ہوتا (۳) سیرت ابن ہشام ہو یا تاریخ طبری ان کی روایات سے عقائد ثابت نہیں کئے جاتے۔ مورخین نے عموماً اپنی تاریخوں میں صرف سنی سنائی روایات درج کر دی ہیں۔ اور وہ غلط روایات کو بھی بلا تنقید درج کر دیتے ہیں۔ لہذا ان روایات کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر ہی قبول کرنا پڑتا ہے۔ اور قبل ان میں اسی تاریخ ابن ہشام سے ثابت کر چکا ہوں کہ حضرت حمزہ کی شہادت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا تھا۔ قال ابن ہشام و نہی یومئذ عن النوح (اس دن نوحہ کرنے سے منع کر دیا گیا) (ابن ہشام عربی ص ۱۹) تو جب اسی کتاب سے نوحہ سے مانعت ثابت ہو چکی ہے تو اس کے خلاف دوسری روایت کیسے قبول کی جاسکتی ہے جب کہ نوحہ سے منع کرنے کی روایت صحیح بخاری و مسلم کی احادیث بھی کیملطابق ہے لہذا اگر بخاری و مسلم کی احادیث صحیحہ کے خلاف کوئی روایت خواہ کی کتاب میں ہو بخلاف حجت نہیں ہو سکتی (۴) اس طرح آپ کتب شیعہ کی روایات میں سے بھی کوئی روایت نوحہ و ماتم کی تائید میں پیش نہیں کر سکتے جو

من لا یحضرہ الفقہ تفسیر قمی اور نہج البلاغۃ کی احادیث کے خلاف ہو۔ کیونکہ عام تاریخی روایات شیعہ مذہب کے اصول پر بھی مذکورہ کتب حدیث و خطبات حضرت علی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اگر آپ کچھ بھی علم و فہم یا صدق و دیانت رکھتے تو اپنی صحاح اربعہ کی احادیث میں سے کوئی اقویٰ اور اصح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتم مردجہ کی تائید و اثبات میں پیش کرتے۔ اور اگر میں نے جلالہ العیون وغیرہ سے نوحہ و ماتم کی تردید میں روایات پیش کی ہیں تو وہ الکافی من لا یحضرہ الفقہ اور تفسیر قمی کے مطابق ہونے کی وجہ سے ہی کی ہیں۔ (۵) آپ نے یہ بھی خوب لکھا ہے کہ: یار لوگ تو ماتم ان بزرگواروں کی سنت سمجھ کر کرتے ہیں۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ ان لوگوں کا اتباع عبادت ہے یا نہیں۔ ان کی پیروی نشان جنت ہے یا نہیں؟ (فلاح الکونین ص ۷۷) الجواب۔ (۱) ان حضرات کا دامن ماتم مروجہ کی آلودگی سے بالکل پاک ہے۔ کیونکہ یہ قرآنی احکام صبر کے خلاف ہے۔ (کیونکہ جزع صبر کے خلاف ہے) اور یہ ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ جیسا کہ من لا یحضرہ الفقہ کی حدیث سابقہ نمبر میں درج کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت کا فعل ہے۔ اور نہج البلاغۃ سے حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزع کرنے سے منع نہ فرماتے تو ہم آنکھوں کا پانی رو رو کر ختم کر دیتے لیکن آپ اپنے من گھڑت ماتمی فلسفہ کے تحت اس ضد پر قائم ہیں کہ کتاب اللہ اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشادات حضرت مرتضیٰ کے مخالف ہونے کے باوجود بھی یہ ماتم سنت ہی ہے تو آپ کی اس کج فہمی اور ہٹ بھری کا کیا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کو فہم و خلوص عطا فرمائیں تو شاید ماتم کی ان بھول بھلیوں سے نجات حاصل کر سکیں۔

حرمیت ماتم کے سلسلہ میں رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں یہ لکھا گیا تھا کہ: شیخ طوسی وغیرہ نے بسند ہائے معتبر حضرت جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: جب کوئی مصیبت پیش آئے تو مصیبت رسول خدا یاد کرو کہ ایسی مصیبت ہرگز کسی پر نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ (ایضاً جلاء العیون ص ۷۷)

تو جب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت شہادت حسین وغیرہ سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت ہے اور ایسی مصیبت تعظیٰ پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج اہل بیت کو عموماً اور حضرت فاطمہ الزہرا کو خصوصاً نوحہ کرنے اور منہ پیٹنے سے منع فرمایا ہے تو پھر سانحہ کربلا کی یاد میں بھی یہ افعال گناہ ہوں گے نہ کہ عبادت اور اس قسم کی

مجلس ماتم بپا کرنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت لازم آئے گی نہ کہ اطاعت۔ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۵) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں۔ اگر آئینہ قلب کو تعصب کے گرد و خبار سے صاف کر کے روایت پر غور کیا جائے تو اس کے کسی پہلو سے بھی رونے اور ماتم کرنے کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس یہی روایت غم و اندوہ کی دعوت دیتی ہے۔ یہ نظرت انسانی ہے کہ جب اس کو کوئی مصیبت یاد آتی ہے تو اس کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ دل پر چوٹ لگے تو آنکھوں سے قطرات اشک کا بہ نکلنا لازمی ہوتا ہے کیونکہ رونا دلیل رقت قلب ہے اور یہی غم جب شدت اختیار کرتا ہے تو انسان بے اختیار سر و سینہ بیٹتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی جب اس مصیبت عظیم کو درود نول رکھنے والا کوئی محب رسول یاد کرے گا تو اس کے گریاں دل پر یقیناً چوٹ لگے گی اور وہ لازماً گریاں و ماتم کماں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج و اہل بیت کو عموماً اور سیدہ سلام اللہ علیہا کو خصوصاً رونے کی ممانعت کرنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ جیسا کہ ہم دلیل ۱۰-۹-۸ کے جوابات میں ثابت کر چکے ہیں۔ یہاں ہم صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ سانحہ کربلا کی یاد میں مجلس ماتم کا بپا کرنا مخالفت رسول نہیں بلکہ اطاعت رسول ہے اور ساتھیوں کا سر اور ریش میں خاک ڈالنا سنت رسول ہے جیسا کہ مشکوٰۃ المصابیح میں جناب ابن عباس اور جناب ام سلمہ کا بروز عاشورا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت میں دیکھنا درج ہے کہ آپ کے سر اور ریش میں خاک تھی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا۔ شہدت مقتل الحسین انفاً۔ میں ابھی ابھی حسین کی قتل گاہ سے آ رہا ہوں (فلاح الکونین ص ۷۷) الجواب (۱) آپ نے یہ تو مان لیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت سب مصیبتوں سے عظیم ہے۔ اور اگر آپ اس روایت کو بھی بے بنیاد کہہ دیتے تو پھر ہم آپ سے کیسے منوا سکتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث فروع کافی میں ابی الفاظ منقول ہے: عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال من اصیب بمصیبة فلیذکر مصابہ بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فانہ من اعظم المصابی (جلداول۔ کتاب الجنائز) اس کا ترجمہ شیعوں کے ادب اعظم بن ظفر حسن صاحب امر و ہومی یہ لکھتے ہیں۔ فرمایا ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس پر کوئی مصیبت آجائے تو حضرت رسول خدا کی مصیبتوں کو یاد کرے کیونکہ وہ سب سے بڑی مصیبت تھی۔ (شافی ص ۱۵۸)

حسب ذیل ہے: عن سائی رحلت علی ام سلمہ، وہی تبکی فقلت ما یبکیک قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعنی فی المنام وعلی رأسہ ولحیتہ التراب فقلت مالک یا رسول اللہ قال شہدت قتل الحسین انفا۔ رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب" سلمی کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ رورہی تھیں پس میں نے کہا آپ کو کس بات نے رلایا ہے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ یعنی خواب میں کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی پر غبار تھا۔ پس میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا حال ہے۔ تو فرمایا کہ میں ابھی ابھی حسین کے قتل میں حاضر ہوا تھا۔ روایت کیا ہے اس کو ترمذی نے اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے (۱) امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب لکھا۔ اور غریب روایت صحیح اور حسن روایت سے کم درجے کی ہوتی ہے (۲) یہ معاملہ خواب کا ہے اور غریبی کے خواب سے شریعت کا کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہو جاتا یعنی غریبی کا خواب اور کشف شرفاً حجت نہیں ہو سکتا۔ (۳) مولانا قطب الدین صاحب محدث دہلوی نے مظاہر حق میں لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ شہادت امام حسینؑ سے پہلے ۵۷ھ میں وفات پاچکی تھیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی لیکن یہ قول مروج ہے۔ (۴) اور اگر دوسرا قول ہی اختیار کیا جائے گا امام حسینؑ کی شہادت حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے پہلے ہوئی ہے۔ تو بھی اس کا تعلق خواب میں رویت مثالیہ سے ہے۔ چنانچہ حضرت عجد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ کے روحانی لطائف کے متشکل اور متشکل ہونے کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:۔۔۔ ایں تشکل گاہ در عالم شہادت بودہ و گاہ در عالم مثال چنانچہ در یک شب ہزار کس اں سرور را علی اکبر الصلوۃ والسلام بصورت مختلفہ در خواب می بیند اور استفادہ می نمایند ایں ہمہ تشکل صفات و لطائف اوست علی اکبر الصلوۃ والسلام بصورت ہائے مثالی الخ (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مکتوب ۵۶) یعنی لطائف روحانیہ کا شکل اختیار کرنا کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں۔ جیسا کہ مثلاً ایک ہزار آدمی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں تو یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور لطائف کا مختلف شکلوں میں دکھائی دینا ہوتا ہے (۵) اس سے معلوم ہوا کہ مثالی جسم حقیقی جسم سے جدا ہوتا ہے اس لئے اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سلمہ کو مثالی شکل میں اسی طرح نظر آئے اور حضور اپنے اصلی جسم کے ساتھ اپنے روضہ مقدسہ میں ہی آرام فرماتے پھر خاک ڈالنے کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے (۵) حدیث کے کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے چہرہ مبارک پر خاک ڈالی تھی۔ العیاذ باللہ۔ جب ساری مقدس زندگی میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے غم و اندوہ سے منسوب ہو کر کبھی بھی چہرہ مبارک پر خود خاک نہیں ڈالی۔ تو بعد از وفات خواب میں اس کا کیونکر تصور کیا جاسکتا ہے آپ تو اپنے حرام ماتم کے اثبات کیلئے محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشی سے بھی باز نہیں آئے یہ حُب حسین اور حُب اہل بیت اسی جھوٹ اور افتراء کا نام ہے اس طرح کی دلیلیں آپ اما مبارہ میں اپنے ہاتھوں کے سامنے دیا کریں۔ کتاب میں اس قسم کی لغو باتیں لکھ کر آپ اپنی جہالت و رجالت کا ہی ثبوت دیتے ہیں۔

گر خدا خواہد کہ پردہ کس رود۔۔۔ میشل اندر طعنہ پاکاں برد

(۶) روایات میں آتا ہے کہ جنگ بدر میں حضرت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر جو غبار پڑا تھا بعد از جنگ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے اور سے گرد و غبار صاف کیا۔ تو کیا غزوہ بدر کے گرد و غبار کو بھی آپ چہرہ انور پر خاک ڈالنے کی سنت قرار دیں گے۔ اور کیا اس سنت پر کبھی حضرت علی المرتضیٰ حضرت حسنین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عمل بھی کیا ہے۔ اور یہ بھی فرماتیں کہ اگر نبی کریم۔ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بارش میں بھیگ گیا ہو تو کیا آپ کے نزدیک از خود کپڑوں کو راستہ میں جھگو دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قرار دی جائے گی۔ (۷) اور جو حقیقی سنت ہے یعنی ڈاڑھی رکھنا وہ تو ماتیموں میں سے کسی کسی کو ہی نصیب ہوگی۔ عموماً ان کے علماء و مجتہدین بھی منون ڈاڑھی سے محروم ہوتے ہیں۔ تو جس کی ڈاڑھی بھی نہیں وہ خاک کہاں ڈالیں

عبرت! عبرت! عبرت!

ماتمی ٹریکٹ کے جواب میں حرمت ماتم کے سلسلہ میں امام حسین کی آخری وصیت کے تحت یہ روایت پیش کی گئی تھی کہ سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کر بلائے معلیٰ میں اپنی ہمشیرہ حضرت زینب علیہا السلام کو فرمایا کہ:۔۔۔ اے بہن جو میرا حق تم پر ہے اُسی کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ: میری معیبت مفارقت پر صبر کرو۔ پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ نہ پٹینا اور بال

اپنے نہ لوجا اور گریبان چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ زہرا کی بیٹی ہو۔ جیسا انہوں نے پیغمبر خدا کی مصیبت پر صبر فرمایا تھا تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا۔ (جلال العیون ترجمہ - باب قضایا کے کر بلا ص ۳۸) (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں تھکتے ص ۱۸) اس کے جواب الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں: یہ روایت احاد میں سے ہے اور اس کا مدرک بھی جلال العیون میں نہیں لکھا گیا۔ ص ۱ پر مؤلف نے خود یہ تسلیم کیا ہے کہ اس میں غیر مقبر روایتیں بھی درج ہیں۔ علاوہ اس کے روایت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمات تسلی کے لئے تھے جیسا کہ اس کے بعد ہی لکھا ہے بس اہل بیت عصمت رانی الجملہ تسلی نمود و تہیہ سفر آخرت را راست کرد۔ یعنی امام علیہ السلام نے اہل بیت کو فی الجملہ تسلی دی اور سفر آخرت کی تیاری کی۔ اگر یہ امور ممنوع ہوتے اور امام ان سے توبہ کرنے کو کہتے تو ناممکن تھا کہ حضرت زینب علیہ السلام اور دیگر مختدرات اہل بیت عافیت کے بعد انہی امور کو بجالاتیں چنانچہ اسی کتاب کے ص ۱۹ پر ہے "جب بعد شہادت امام علیہ السلام کا ذوالجناح خیام میں آیا فریاد اجینا واما ماہ برکشیدند و امام کلثوم خواہر انجناب دست بر سر محاز و ندبہ می کرد و می گفت و امیرا۔ (ص ۲۰) چوں زینب خاتون را نظر بر سر آں سرمنور افتاد سر خود را بر چوب محلی زد کہ خون ازال بر زمین ریخت و زیادہ بر آورد (ص ۲۱) در مجلس بزم چوں زینب خاتون برآں سرمنور افتاد بے نقاب شد گریبان چاک کرد و صدائے حزین کہ دلہارا پارہ پارہ کرد و فریاد برآورد و کیا حسنا و الخ۔ ان واقعات مندرجہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کلمات آپ نے بطور تسلی و ترحم فرمائے۔ لہذا اس مصیبت پر یہ تمام امر نہ صرف جائز بلکہ باعث ثواب ہیں۔" (فلاح الکونین ص ۱۸)

الجواب (۱) آپ لکھتے ہیں کہ یہ روایت احاد میں سے ہے اور اس کا مدرک بھی جلال العیون میں نہیں لکھا گیا۔ خدا جانے آپ روایات احاد کا مطلب بھی جانتے ہیں یا نہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ شیخہ احادیث میں کوئی متواتر حدیث نہیں ہو سکتی۔ اور غیر متواتر روایات جو ہیں ان سب کو احاد ہی میں شامل کرتے ہیں جیسا کہ آپ محض مولوی محمد حسین صاحب کی حسب ذیل عبارت پہلے بھی نقل کر چکا ہوں: "اور جو خبر ایسی (یعنی متواتر) نہ ہو وہ خبر واحد کہلاتی ہے (ہدیتہ المحدثین ص ۳۵)۔"

اب اس خبر واحد کی متذکرین کے نزدیک صرف دو ہی قسمیں تھیں۔ صحیح اور غیر صحیح الخ (مقدم شانی ترجمہ اصول کافی ص ۱) آپ کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ صحیح حدیث بھی احاد میں سے ہی ہوتی ہے۔ (ب) اگر اس روایت کا مدرک

جلال العیون میں نہیں لکھا گیا تو اسی کے ہم معنی دوسری روایت ملاحظہ فرمائیں جو شیخ مفید کے حوالے سے لکھی گئی ہے چنانچہ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔ و بروایت شیخ مفید شریعین یہ خط لے کر عمرو بن سعد کے پاس نویں محرم روز پنجشنبہ یا جمعہ لایا۔ اسی روایت کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ: جب حضرت زینب نے یہ خبر دہشت اثر سنی اپنا منہ پیٹ لیا اور فریاد وادیل بلند کیا حضرت نے فرمایا اسے خواہر گر امی عذاب و نکال تمہارے دشمنوں کے لئے ہے تم صبر کرو اور دشمنوں کی شتمات و ہنسائی سے مجھے بچاؤ۔ (جلال العیون اردو جلد دوم ص ۱۸ مطبوعہ انصاف پریس لاہور) اس میں حضرت زینب کے منہ پیٹنے کے بعد حضرت حسین کا آپ کو صبر کی تلقین کرنے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ کرو۔ (ج) علاوہ ان میں مامی سے عافیت کی ایک دوسری روایت سید ابن طاووس وغیرہ کے حوالے سے یہ مذکور ہے کہ: پس حضرت امام زین العابدین نے فرمایا۔ اسے چھو بھی اس قدر کافی ہے۔ بھلا اللہ آپ عاقل و دانا ہیں آپ جانتی ہیں کہ بعد مصیبت جزع کرنا مفید نہیں۔ (جلال العیون جلد دوم ص ۲۲) فرمائیے جس جزع و فزع سے حضرت حسین نے قبل از شہادت حضرت زینب کو منع فرمایا تھا اسی جزع فزع سے امام زین العابدین بعد از شہادت منع فرمائیے ہیں۔ (د) امام جعفر صادق نے فرمایا۔ ہم اہل بیت بے قرار ہوتے ہیں قبل مصیبت۔ لیکن جب مصیبت آجاتی ہے تو قضائے الہی پر راضی ہو جاتے ہیں۔ (شانی ترجمہ فروع کافی جلد اول ص ۱۸) اس حدیث کو ادیب اعظم نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بقائے بشری اہل بیت کو مصیبت سے پہلے پہلے کچھ پریشانی ہوتی بھی ہے تو مصیبت نازل ہونے کے بعد وہ بھی ختم ہو جاتی ہے اور وہ قضائے الہی کے تصور کے تحت صبر اختیار کرتے ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق کے خلاف آپ کا فتویٰ تو یہ ہے کہ جزع فزع اور نوحہ و ماتم ختم ہی نہیں ہونا چاہئے۔ اور حضرت زینب وغیرہ مختدرات اہل بیت نے صبر کا بالکل دامن چھوڑ دیا اور عوام کی طرح سر بر ہندہ منہ سر پٹتی ہیں۔ آپ تو ایسے محب ہیں کہ مستورات کو سر بر ہندہ بتلنے میں ہی نوحہ باللہ آپ کے مشن کی تکمیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ یہ روایت پیش کر رہے ہیں کہ: چوں زینب خاتون را نظر بر سر آں سرمنور افتاد بے نقاب شد کہ جب حضرت زینب کی نظر حضرت حسین کے اس نورانی سر پر پڑی تو آپ نے نقاب اتار دیا۔ کیا یہی پردہ نشیناں اہل بیت کا آپ کے نزدیک کمال ہے۔ اور جو روایت آپ نے درج کی ہے کہ: سر خود را بر چوب محلی زد۔ یعنی حضرت زینب نے اپنا سر کچا دے کی لکڑی پر مارا۔ تو اس سے یہ بات تو ماتیوں کی غلط ثابت ہو گئی کہ خواتین

اہل بیت کو بلا محل (بے کچاہہ) اونٹوں پر سوار کرایا گیا تھا۔

ماتمی مصنف کی بواجبی

آپ زیر بحث روایت کی توجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: علاوہ اس کے روایت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمات تسلی کے لئے تھے۔ یعنی امام علیہ السلام نے اہل بیت کو فی الجملہ تسلی دی اور سفر آخرت کی تیاری کی۔ اس کو کہتے ہیں کہ۔ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ آپ ہمارے پیش کردہ دلائل سے اتنے حواس باختہ ہو چکے ہیں کہ آپ کو یہ شعور بھی نہیں کہ کیا لکھ رہے ہیں۔ جب روایت مذکورہ سے خود آپ تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ کلمات تسلی کے لئے تھے۔ تو اس سے تو ہمارے موقف کی تائید اور آپ کے نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ تسلی دلانا اور صبر دلانا ایک ہی بات ہے۔ اور تسلی حاصل کرنے کے لئے ہی ضروری ہے کہ افعال ماتم سے پرہیز کیا جائے۔ کیا آپ تسلی و اطمینان کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ یہ وہ نعمت ہے جو من جانب اللہ عجوبان خداوندی پر نازل ہوتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین (سورۃ فتح پارہ ۲۶) مولوی مقبول احمد دہلوی شیعہ مفسر اس کا ترجمہ لکھتے ہیں: اللہ نے بھی تسکین اپنے رسول پر نازل کر دی اور ان کے لئے کھردہ تقویٰ لازم کر دیا اور وہ تھے بھی اُس کے متقی اور اس کے اہل فرما۔ اگر کوئی آپ جیسا صاحب منہ پیٹ رہا ہو اور سینہ کوٹ رہا ہو اور دیواروں سے ٹکریں مارنے کی کوشش کر رہا ہو تو دیکھنے والے کیا یہ کہیں گے کہ اس کو بڑی تسکین و تسلی حاصل ہے۔ یا یہ کہیں گے کہ اس پر بیچارہ صبر و سکون سے محروم ہے۔ تو بہر حال اس آیت سے ہی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی سکینت اور تسلی نازل فرماتا ہے جو اس کے محبوب اور مقبول ہوں۔ اور برعکس اس کے جن پر بجائے تسلی کے جزع فزع اور سینہ کوٹی غالب ہے ان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور وہ رحمت خداوندی سے محروم ہو چکے ہیں۔ اب جو راستہ آپ چاہتے ہیں اختیار کریں اگر صابرین میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو اس ماتم سے سچی توبہ کر لیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا چاہتے ہیں تو پھر ساری عمر ماتم کرتے رہیں۔ کوئی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ لیکن امام کربلا حضرت حسینؑ کا نام لیکر ان افعال قبیحہ کے مرتکب نہ ہوں۔ اس موقع پر شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

صابروں پر جبکہ ہوتا ہے مصیبت کا نزول، انا للہ کے کہہ کر لیتے ہیں اس کو قبول

ان کے بڑھتے ہیں مدارج جنت الفردوس میں، حاسدان کے سب نظر تھے ہیں نگین و نول
راہ حق میں جان لئے کر چو گئے زندہ حسینؑ، تو انہیں مردہ سمجھ کر بین کرنا ہے فضول

(ب) یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ سورۃ الفتح کی مندرجہ آیت میں جن مومنین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی اور سکینت نازل کرنے کی بشارت دی ہے وہ اصحاب حدیبیہ ہیں جن کی تعداد تقریباً چودہ سو تھی۔ اور ان میں حضرت صدیق اکبرؓ بھی تھے اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ بھی۔ اور خلفائے اربعہ میں سے تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو دربار رسالت میں اس وقت حاضر نہ تھے لیکن چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ معظمہ بطور سفیر گئے ہوئے تھے۔ اس لئے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی غائبانہ بیعت فرما کر ان کو اس بیعت رضوان میں شامل کر لیا۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا۔ دیکھا آپ بھی اعلان خداوندی کے بعد ان اصحاب کرام اور خلفائے عظام سے راضی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

رو ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۱

مذکورہ ۹ روایات شیعہ تو وہ تھیں جو حرمت ماتم کے ثبوت کے لئے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں پیش کی گئی تھیں۔ اور ماتمی مصنف کے جواب الجواب کے سلسلہ میں ان پر مفصل جوابی بحث کر کے ان روئے احادیث ماتم مروجہ کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت کر دیا گیا ہے۔ اب ان کے علاوہ اور احادیث شیعہ بھی پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لا ینبغی الصیاح علی المیت ولا شق الثیاب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ۔ میت پر چیخ چیخ کر نہیں رونا چاہیے اور نہ کپڑے پھاڑنا۔ (شافی ترجمہ فروع کافی جلد اول ص ۱۸)

رو ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۲

حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اپنی مصیبت کی شکایت کی۔ فرمایا اگر صبر کر دے گا تو اجر ملے گا اور نہ کر دے گا تو جو حکم الہی ہے وہ جاری ہو کر رہے گا اور تم بے اجر ہو گے۔ (شافی ترجمہ فروع کافی ص ۱۸) اس روایت میں رانت ہما زور کے الفاظ ہیں۔ اور باز دور کا معنی گنہگار ہونا ہے۔ نہ کہ صرف بے اجر ہونا جیسا کہ آپ کے ادیب اعظم نے لکھا ہے تو فرمائیے۔ امام جعفر صادقؑ نے مصیبت کی شکایت کرنے والوں کو صبر کی تلقین کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آدمی کسی کے سامنے اپنی مصیبت کی شکایت بھی نہ کرے تو یہ پورا صبر ہے۔ لیکن آپؑ تو بے حسین۔ ہائے حسین کرتے

آپ پھر واپس تشریف لائے اور اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہے کیا تیرے لئے اس میں کوئی پیروی کرنے کے لئے غم نہ نہیں ہے۔ تو اس شخص نے کہا کہ وہ (بیٹا) بلوغت کے قریب عمر کا تھا۔ تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اُس کے آگے تین حالتیں ہیں۔ (۱) لا الہ الا اللہ کی شہادت (۲) اللہ تعالیٰ کی رحمت (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ان تینوں میں سے کوئی بھی اس سے ضائع نہ ہوگی۔

روا تم کی حدیث نمبر ۱۸ دروی مہران بن محمد عن الصادق علیہ السلام انه قال ان المیت اذا مات بعث اللہ عزوجل ملکاً الی اوجع اہله

علیہ فتمسح علی قلبہ فانساء لوعة الحزن لولا ذلك لم تعبر الدینا (من لا یحضرہ الفقیہ) اور مہران بن محمد سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی مرجا تا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ کو اس کے گھر والوں میں سے اس شخص کی طرف بھیجتا ہے جو ان سب میں سے زیادہ دکھ میں ہوتا ہے تو فرشتہ اس کے دل پر ہاتھ پھیرتا ہے اور غم کی پریشانی اور قلق کو اس کے دل سے بھلا دیتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا آباد ہی نہ ہو سکتی (من لا یحضرہ الفقیہ) اور یہی حدیث فروع کافی میں بھی ہے۔ اس حدیث کے آخری جملہ کا ترجمہ ادیب اعظم یہ لکھتے ہیں: اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا آباد ہی نہ رہتی۔ (یعنی لوگ فرط غم سے اپنی عورتوں کے پاس جلتے ہی نہیں) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مامی لوگ جو شہادت امام حسینؑ پر صدیاں گزرنے کے بعد غم حسین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ اگر ان کے دلوں میں غلبہ غم ہوتا تو وہ بوجہ ازدواج کے قریب نہ جا سکتے کے اولاد سے ہی محروم رہتے۔ اور فروع کافی میں اس کے متصل جو روایت ہے اس میں بھی یہی مضمون ہے۔ جس کو ادیب اعظم نے حسن لکھا ہے۔

روا تم کی حدیث شیعہ نمبر ۱۹ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مَنْ لَمْ یَنْجِہْ الصَّبْرُ اَهْلَکَ الْجَنَّةَ (جس شخص کو صبر نجات نہ دے

اس کو جزع ہلاک کر دیتا ہے) (منہج البلاغۃ ص ۵۶ مطبوعہ مطہرہ) اس سے معلوم ہوا کہ صبر کرنے میں نجات ہے۔ اور جزع کرنے میں ہلاکت ہے لیکن مامی مصنف کا نظریہ اس کے خلاف ہے کہ جزع کرنے میں نجات ہے۔ اور جو جزع فزع نہیں کرنا اس کے لئے ہلاکت ہے۔ اور ان کی کج فہمی اس حد تک بچے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام

کے صبر جمیل کو بھی جزع ہی قرار دیتے ہیں۔

روا تم کی حدیث شیعہ نمبر ۲۰ ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں یہ

حدیث درج کی ہے: عن عمرو بن ابی المقدام قال سمعت ابا الحسن او اباجعفر علیہ السلام یقول فی هذه الایة ولا یعصینک فی معروف قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ قال لفاطمة علیہا السلام اذا انا مت فلا تخشی علی رجبہا ولا ترخی علی شعری ولا تنادی بالویل ولا تقیمی علی نائحتہ ثم قال هذا المعروف الذی قال اللہ عزوجل فی کتابہ ولا یعصینک فی معروف (معانی الاجاز مطبوعہ ایران ص ۱۱۱) عمرو بن ابی المقدام سے روایت ہے کہ میں نے امام ابو الحسن یا امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت ولا یعصینک فی معروف کے بارے میں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ جب میری وفات ہو جائے تو میری مصیبت پر اپنا منہ نہ نوچنا اور بال نہ کھولنا اور ویل اور ہلاکت نہ پکارنا اور مجھ پر نوحہ کرنے والی عورتوں کو نہ قائم کرنا۔ پھر فرمایا کہ یہ وہ معروف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ولا یعصینک فی معروف (یعنی عورتیں نیکی میں آپ کی نافرمانی نہ کریں)۔ یہی حدیث فروع کافی میں بھی ہے اور اس حدیث کو صحیح سمجھ کر شیخ صدوق نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

روا تم میں قرآنی آیت نمبر ۲ مامی ٹرکٹ کے جواب میں ۹ آیات قرآنیہ اور ۹ احادیث شیعہ

سے مام کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت کیا گیا تھا۔ آیات میں سے تین آیات کی بحث ابتدا میں گذر چکی ہے۔ اس کے بعد ۹ احادیث شیعہ کی بحث بھی مکمل ہو چکی۔ اور بعد ازاں گیا مزید احادیث شیعہ روا تم میں پیش کر دی گئی ہیں۔ اب بقیہ ان آیات قرآنیہ پر نمبر وار بحث کی جاتی ہے۔ ہم نے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں لکھا تھا کہ۔ رونامی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور خوشی سے بھی۔ خوف سے بھی اور محبت سے بھی یہ انسان کے طبعی تاثرات ہیں۔ لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے غم کے باقی رکھنے سے منع فرما دیا ہے۔ جنگ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامت مبارک شہید ہوئے اور شہداء صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پرچم نبوی کے سایہ میں کفار کے مقابلہ میں شہید ہوئے جس میں حضور کے سگے چچ حضرت حمزہ بھی

تھے اور ان شہداء کا مسلمانوں کے دلوں میں طبعی طور پر صدر بھی تھا لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔ لَا تَهْنُؤُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَلَا تَنْتَفُوا الْأَعْلُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (اور نہ تم سست ہو اور نہ غم کھاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے) (پ ۴۔ سورۃ ال عمران رکوع ۱۲) اس آیت کی پیشگوئی کے تحت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیروز کسری جیسی کفار کی عظیم سلطنتوں پر غالب آ گئے۔ ان غالب آنے والی جماعت صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور شہید حضرت علی المرتضیٰ کو خلافت راشدہ کی صورت میں یہ اسلامی غلبہ عطا فرمایا۔ (نبی اللہ عنہم اجمعین ص ۲۷) اس کے جواب الجواب میں تہمی مصنف لکھتے ہیں۔ بالآخر آپ نے تسلیم کر ہی لیا کہ انسان کبھی غلگین ہوتا ہے تو رونا ہے۔ کبھی جذبات مسرت سے اس کے آنسو نکل آتے ہیں کبھی بحالت خوف محزون ہوتا ہے اور کبھی اپنے مصائب پر گریا ہوتا ہے۔ یا یوں کہیں نہ کہیں کہ حضرت انسان دنیا میں آتے ہی رونا شروع کر دیتا ہے اور آخر وقت تک روتا ہے۔ رونا ہوا ہی اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ رونا بتا دیتا ہے فطرت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو بھی رونا پسند ہے فرماتا اَفْهَنْ هَذَا الْحَدِيثَ تَعْجِبُونَ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ دیکھنا اس بات سے تعجب کرتے ہو سنتے ہو اور روتے نہیں ہو۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں کسی مقام پر بھی انسان کو غم کی حالت میں رونے سے منع نہیں فرمایا نہ مصائب و آلام میں رونے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہاں خوف کی حالت میں حزن و ملال کا اظہار کرنے سے ضرور منع فرمایا۔..... بہر حال مسلمانوں کو غم سے باز رکھنے کی دلیل میں جو آیت میں آگے پیش کی ہے اس میں تو آپ کے موقف کی تائید کا شائبہ تک نہیں۔ آیت مجیدہ کی ابتداء میں وَلَا تَهْنُؤُوا کا لفظ ہے۔ جس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ "کاہل نہ ہو (حافظ فرمان علی شیعہ) سست نہ ہو (شاہ عبدالقادر سنہ ہجرت نہ ہارو) (اشرف علی تھانوی سنی) اور درمیان میں اَنْتُمْ الْأَعْلُونَ تم ہی غالب رہو گے" ہمت نہ ہارنے کا ارشاد اور تم ہی غالب رہو گے کا وعدہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اُحد کی اتفاقیہ شکست سے مسلمان جی چھوڑ بیٹھے تھے ہمت نہ ہار چکے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس اتفاقیہ شکست کا حزن و ملال دور کرنے اور مسلمانوں کی ہمت بندھانے اور حوصلے بلند کرنے کے واسطے غلبہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے) فرمائیے۔ اگر اس آیت میں غم شہداء کی ممانعت کی ہو تو پورا مدینہ ماتم کدہ کیوں بنتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا پر رونے اور ماتم کرنے

والی انصاری عورتوں کے حق میں دعائے خیر کیوں فرماتے (سیرت النبی وغیرہ) (فلاح الکونین ص ۸۳) الجواب (۱) کسی مصیبت پر انسان کو حزن و ملال لاحق ہونے میں تو اختلاف نہیں۔ یہ تو ابتداء بحث میں ہی لکھ دیا تھا۔ پھر آپ کا یہ لکھنا غلط بیانی ہے کہ۔ بالآخر آپ نے تسلیم کر ہی لیا کہ انسان کبھی غلگین ہوتا ہے الخ۔ اسی طرح انسان کا کسی واقعہ سے خوش ہونا بھی ایک فطرتی امر ہے۔ (ب) میں نے یہ تو لکھا ہے کہ انسان خوف سے بھی روتا ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ۔ کبھی بحالت خوف محزون ہوتا ہے۔ کیونکہ خوف اور حزن دو جدا جدا حالتوں کا نام ہے۔ (ج) آپ نے جو آیت اَنْتُمْ هَذَا الْحَدِيثَ تَعْجِبُونَ زیادہ رونے کے ثبوت میں پیش کی ہے اس کا مصیبت سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ جو آیت تم کی دلیل نمبر ۲ کی بحث میں آپ کے استدلال کا اچھی طرح البطل کر دیا۔ دوبارہ ملاحظہ فرمائیے (د) رونے کی طرح خوش ہونا اور ہنسنا بھی فطرت انسانی ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ آپ خوشی پر زور نہیں دیتے صرف رونے کا ردنا ہی روتے رہتے ہیں۔ حالانکہ خود حرمت اللعائن صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح وقتی طور پر گناہ ثابت ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہم اور ضحک (ہنسنا) بھی ثابت ہے لیکن آپ ہنسنے کی سنت پر عمل نہیں کرتے اور تنہم اور تنہمی کا کوئی جوکس نہیں نکالتے۔ نام حرام نے آپ کی فطرت کو مسخ کر دیا، اس لئے آپ حق و باطل، صحیح و غلط اور افراط و تفریط اور عدل و ظلم کا فرق ہی نہیں سمجھ سکتے۔ بے شک خوش ہونا اور ہنسنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن باوجود اس کے زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا ہے۔

زیادہ ہنسنے کی ممانعت

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال کثرة الضحک تمیت القلب (اصل کافی ص ۶۸۶) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ زیادہ ہنسنا دل کو مار دیتا ہے دوسری روایت میں امام جعفر صادق فرماتے ہیں کثرة الضحک تمیت الدین کما یتمیت الماء الملح (زیادہ ہنسنا دین کو اس طرح برباد کر دیتا ہے جس طرح پانی نمک کو کھل دیتا ہے) (۲) امام جعفر صادق فرماتے ہیں انہم یفقدون الشیطان (قیہرہ شیطان کی طرف سے ہے) تو فرمائیے جہاں سکھانا اور ہنسنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حد سے تجاوز کرنا یعنی زیادہ ہنسنا اور قیہرہ لگانا رکھل کھلا کر زور سے ہنسنا اول کو مردہ کرتا ہے اور یہ شیطان کے اثر کا نتیجہ ہے (۳) عن ابی الحسن الاول علیہ السلام قال

کان یحییٰ بن زکریا علیہ السلام یسکى ولا یضحك وکان عیسیٰ بن مریم یضحك ویسکى
 وَکان الذی یضغ عیسیٰ علیہ السلام افضل من الذی کان یضغ یحییٰ علیہ السلام
 واصل کافی ص ۶۹ باب الدعا والصلوات آپ کے ادیب اعظم نے اس روایت کا یہ ترجمہ لکھا ہے
 فرمایا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے کہا یحییٰ بن زکریا روئے تھے اور ہنستے دھنستے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام
 ہنستے بھی تھے اور روئے بھی تھے اور ان کا یہ طریقہ یحییٰ کے طریقہ سے افضل تھا ارشافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم
 ص ۶۹۴ اس سے معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہے کہ روئے بھی اور ہنستے بھی۔ لہذا اس حدیث سے آپ کے روئے
 ہی روئے کا فلسفہ باطل ہو گیا (ب) اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا روئے بھی مصیبت کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ آپ نوح الہی
 کے تحت روئے تھے چنانچہ علامہ خلیل قزوینی اصول کافی کی شرح صامی میں اس روایت کے تحت لکھتے تھے:-
 ”گرمی کی کردار ترس عذاب الہی و خندہ ہرگز نہ کر دینی حضرت یحییٰ علیہ السلام عذاب الہی کے مقدر سے روئے تھے
 اور کبھی ہنستے نہ تھے۔“ بہر حال جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح مصیبت
 پر زیادہ روئے اور جزع فزع کرنے اور نہ پیٹنے وغیرہ افعال ماتم سے بھی منع فرمایا۔ اور ائمہ اہل بیت سے بھی اس
 کی ممانعت ثابت ہے جس پر مفصل بحث گذر چکی ہے لیکن آپ فطرت و اعتدال کو کیا سمجھیں یہ تو حضرت زینبؓ
 کی بددعا کا اثر بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ پر ماتم ہی ماتم محیط ہے۔

(۲) سورۃ آل عمران کی جس آیت سے غم نہ رکھنے پر میں نے استدلال پیش کیا آپ نے سنی و شیعہ مفسرین سے
 لَا تَحْزَنُوا کا ترجمہ بھی لکھ دیا اور ائمہ اعلیٰ کا بھی لیکن درمیانی جملہ لَا تَحْزَنُوا کا ترجمہ نہیں لکھا۔ جو بلا بحث
 تھا اب ملاحظہ فرمائیں (۱) بنی علما میں سے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں۔ اور رنج منت کرو اور یہ یاد
 رکھیں کہ آپ نے مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی کو سنی تسلیم کر لیا ہے۔ (ب) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے
 ہیں اور نہ غم کھاؤ۔ (ج) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ اور غم نہ کھاؤ اور شیعہ علماء میں سے مولوی
 مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ اور رنجیدہ نہ ہو۔ (ترجمہ مقبول) مولوی فرمان علی لکھتے ہیں۔ اور اس رائے فانی
 شکست سے گڑھو نہیں۔ (ج) اور مولوی امداد حسین صاحب کالپی لکھتے ہیں۔ اور نہ غم کھاؤ

(۳) آپ کا یہ لکھنا ہی کتنی دیدہ دلیری پر مبنی ہے کہ خدا نے قرآن مقدس میں کسی مقام پر بھی انسان کو غم کی

حالت میں رونے سے منع نہیں فرمایا۔ کیا یہ آیت قرآن مقدس کی آیت نہیں ہے جس میں لَا تَحْزَنُوا غم نہ کھاؤ فرمایا
 ہے ہاں ممکن؟ بقیہ شیعہ جو قرآن امام غائب صاحب غارِ ستر من زانی ہی میں لے کر بیٹھے ہیں اس میں حکم
 نہ ہو (ب) اگر حزن کا معنی غم ہے اور جنگ احدهیں شتر شہدائے احد کا غم مسلمانوں کو لاحق ہوا تھا۔ اور اس پر ہی
 آیات نازل ہوئیں تو باوجود اس کے آپ کا یہ فرمان کہ مصیبت پر غم کی وجہ سے رونے کی اللہ تعالیٰ نے کسی
 جگہ بھی ممانعت نہیں فرمائی کیا قرآن مجید کا انکار نہیں۔ (ج) آپ نے تو سمجھا ہی نہیں۔ دوسروں کو سمجھانے کے
 لئے یہاں شیعہ مشرک مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کا پیش کرتا ہوں۔ جو انہوں نے حسب ذیل آیت کا لکھا ہے
 وَاصْبِرْ مَا صَبَرَكَ الْاَبَالَهُ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَلٰلٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ
 سورۃ النمل۔ رکوع ۱۱) اور اے رسول! صبر کرو اور تم سے صبر نہ ہو گا مگر اللہ ہی کی مدد سے۔ اور ان شہدائے
 احد کے متعلق رنج نہ کرو اور رکافر جو چال چلتے ہیں اس سے دل تنگ نہ ہو۔“

اس آیت کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ: مطلب یہ ہے کہ جو اصحاب شہید ہو
 ہو گئے ہیں ان پر جو بے ادبی بعد شہادت ان کے ساتھ کی گئی ہے اس پر رنج و غم نہ کھاؤ اور نہ حرمہ مقبول۔ استقلال
 پر اس لاہور بارہنچم) جب آپ کے مایہ ناز شیعہ مفسر یہ تشریح کر رہے ہیں کہ سورۃ النمل کی مندرجہ آیت لَا تَحْزَنُوا
 عَلَیْہِمْ شہدائے احد کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان شہدائے کرام کے متعلق رنج و غم نہ کھانے سے ہی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمایا تو اس کے باوجود آپ کا یہ لکھنا کہ قرآن مجید میں کسی جگہ بھی انسان کو غم کی ممانعت
 میں رونے سے منع نہیں فرمایا۔ کس قدر سفید جھوٹ ہے جو ماتم حسین کی تائید میں بولا گیا ہے۔ اور تعجب ہے کہ
 اس قسم کے اکاذیب اور باطل پر مشتمل کتاب نلاج الکونین کی تعریف مولوی محمد حسین صاحب دھکو بھی فرما رہے ہیں جن کو
 شیعہ مجتہد العصر مانتے ہیں

(۱) آپ کے مجتہد مفسر شیخ طبری لکھتے ہیں:- وَلَا تَحْزَنُوا بِمَا یَصْبِرُکُمْ فِیْ اَمْوَالِکُمْ وَاَبْدَانِکُمْ
 (تفسیر مجمع البیان ج ۲ رابع ص ۲۰۹) اور نہ غم کھاؤ جو اس کے جوتم کو تمہارے مالوں اور تمہارے بدنوں کو مصیبت
 پہنچے۔ اس میں بھی غم کا تعلق مالی اور بدنی مصیبت کے ساتھ مان لیا۔ (۲) اہل سنت کی تفسیر خازن میں ہے:- یعنی
 لَا تَحْزَنُوا اَعْلٰی مَنْ قَتَلَ مِنْکُمْ لِاَنْہُمْ فِی الْجَنَّةِ (یعنی نہ غم کھاؤ تم ان پر جو تم میں سے قتل کئے گئے

ہیں کیونکہ وہ جنت میں ہیں فرمائیے جب شیعوہ اور سنی مفسرین وضاحت کر رہے ہیں کہ قتل اور شہادت وغیرہ کی مصیبت پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غم کھانے سے منع فرمایا۔ اور مولوی مقبول احمد دہلوی کی تفسیر سے بھی ثابت ہو گیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شہداء نے احکام کا غم نہ کھانے کا حکم دیا ہے۔ تو پھر آپ اس کے خلاف یہ کیا فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی مصیبت پر غم کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے۔ آپ حکم قرآن کے خلاف یہ نظریہ کیوں اختیار کرتے ہیں اور اہل اسلام کو کتاب اللہ کے صریح حکم کے خلاف کیوں ترغیب دیتے ہیں کہ حضرت امام حسین کی شہادت کا غم قیامت تک کھاتے رہو۔ اور نہ صرف غم بلکہ منہ پیٹنے اور سینہ کو طعنے دینا۔ اور یہ بھی تو سمجھیں کہ آپ بزعم خود غم حسین کی بنا پر ماتم کرتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے غم کھانے اور اس کے باقی رکھنے سے بھی منع فرمایا اور آپ کے مرد و جہاتم کا مبنی بھی ختم کر دیا گیا تو پھر اسلام میں ماتم کی گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی۔ لہذا مذکورہ آیت سے ماتم حرام ہونا لازماً ثابت ہو گیا۔ اور غم و ماتم حسین اور رونے دھونے کے آپ کے سارے فلسفے جو موقع موقع پر آپ اپنی کتاب میں بیان فرما دیتے ہیں سب باطل ہو گئے۔ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً (حق آگیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل بھاگنے والا ہی ہوا کرتا ہے) آپ نے یہاں سیرت النبی کے حوالہ سے شہداء کے ماتم کا ذکر کیا ہے جس کا مدلل رد دلیل نمبر ایک بحث میں گذر چکا ہے پھر ملاحظہ فرمائیں۔

غلبہ اسلام اور ملکی فتوحات | آپ نے لکھا ہے کہ "غلبہ کا وعدہ تو حضور کی زندگی میں پورا ہو چکا تھا محض ملکی فتوحات کو رفع مدارج اور کمال ایمان کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نذاں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہود ایمان قرار دیا ہے۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دین کو کسی فاسق سے مدد مل جاتی ہے۔ جیسا کہ کنز العمال ج ۱ ص ۸۸ ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ ان الله يؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اس دین کو فاسق آدمی سے بھی مدد پہنچا دیتا ہے (فلاح المؤمنین) الجواب (۱) بیشک غلبہ کا وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی پورا ہوا۔ لیکن دور رسالت میں غلبہ دین کس جماعت کے ذریعہ ہوا۔ جو آیت میں ہے وانتم اعداؤن ان کنتم مومنین اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد شعبی نے یہ لکھا ہے۔ حالانکہ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب آؤ گے (ترجمہ مقبول) اس

سے ثابت ہوا کہ جس غلبہ کا وعدہ اس آیت میں ہے وہ مومنین کے ذریعہ ہی حاصل ہو گا۔ نہ کہ ناسیقین کے ذریعہ اور مومنین سے مراد بھی وہی مومن ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت موجود تھے۔ یہ وعدہ بعد میں آنے والے مومنین کے متعلق نہیں ہے۔ دوسری آیت میں ہے۔ هو الذي ايدى بنصحه وبالومنين ووالف بين قلوبهم ط لو انفق ما في الارض جميعاً ما الفت بين قلوبهم ولكن الله الف بينهم ط انہ عزیز حکیم ۵۰ پ ۱۰ (سورۃ الانفال ۸۲) مولوی مقبول احمد دہلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے وہ وہی ہے جس نے اپنی امداد سے اور مومنین کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی تھی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی ہے شک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اسے نبی تمہارے لئے اللہ اور مومنین ہیں سے جو تمہارا

غلبہ دین کے متعلق اہل سنت اور اہل تشیع کا اختلافی نظریہ

اتباع کرتے ہیں وہی کافی ہیں (ترجمہ مقبول) ان آیات میں بھی تصریح ہے کہ (۱) مومنین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی۔ (۲) ان مومنین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت سے الفت و محبت ڈال دی جو مال و دولت وغیرہ ظاہری اسباب کی بنا پر حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ تو مذکورہ دونوں باتوں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین کا غلبہ نصیب ہوا۔ وہ ان مومنین کا ملین کی تائید و قربانی کی وجہ سے حاصل ہوا۔ جس کی توفیق ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی عطا فرمائی۔ (۳) اب دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وہ غلبہ دین باقی رہا یا نہیں۔ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جن مومنین کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام کو شوکت اور غلبہ عطا ہوا۔ انہی کے ذریعہ دور رسالت کے بعد بھی اسلام کا غلبہ روم، ایران اور افریقہ تک پھیل گیا۔ اور کفار کے مقبوضہ ممالک خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے دور خلافت میں اسلام کے زیر نگین ہو گئے۔ اور دنیا نے کفر کے ایک وسیع اور بعض علاقے پر چم اسلام لہراتا رہا۔ اس لئے خصوصاً یہ تین خلفاء از روئے قرآن یقیناً مومن کامل ہیں۔ اور ان کی حکومت خلافت راشدہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غلبہ دین کی پیش گوئی کا مصداق یہی حضرات ہیں۔ لیکن اس کے برعکس شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ (۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے چند اشخاص کے وہ ساری جماعت

مومنین نعوذ باللہ منہ ہو گئی اور دشمن اسلام بن گئی جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی تھی اور جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت و الفت ڈال دی تھی۔ اور جن کے ذریعہ مکہ فتح ہوا تھا اور جن کی نصرت سے ملک عرب میں اسلام کو مکمل غلبہ نصیب ہوا تھا (رب) جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے والے تھے جنہوں نے بدر و احد اور خندق و حنین میں کفار کا مقابلہ کیا اور جنہوں نے سہیلہ جہم میں مکہ فتح کر لیا۔ وہ سب سوائے تین چار کے حضرت علی المرتضیٰ کے مخالف ہو گئے۔ اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو خلافت حضرت علی کو عطا کی گئی تھی وہ بھی انہوں نے زبردستی چھین لی۔ حضرت فاطمہ الزہراء کے باغ ذک پر قبضہ کر لیا۔ سچی کہ حضرت حضرت علی المرتضیٰ کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر ان کو مسجد میں لے گئے۔ اور العیاذ باللہ حضرت فاطمہ الزہراء کی پسلیاں توڑ دیں اور دروازہ گر کر ان کا محل ساقط کیا اور سیٹ میں جو بچہ تھا اور جن کا نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نرسن رکھا تھا اس کو شہید کیا اور ۲ سال اپنے دور خلافت میں ان تین خلفاء نے اسلام کے خلاف نظام جاری کیا۔ اور جھوٹی احادیث کی اشاعت کرائی۔ اور اہل بیت پر مظالم ٹوڑے تو اب ہمارا سوال یہ ہے کہ پھر سورۃ آل عمران میں جو اللہ تعالیٰ نے مومنین سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن رہے تو ہم ہی غالب آؤ گے۔ اس وعدہ کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ان تین خلفاء اور ان کی جماعت پر کچھ بول غالب نہ ہو سکے۔ اس بارے میں شیعہ عقیدہ کو سپا مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت علی مومن ہی نہ تھے۔ ورنہ وہ مغلوب نہ ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو غالب کرنے کا وعدہ فرمایا تھا جو ہمہ رسالت میں موجود تھے۔ کیا قرآن کی ان آیات کے بعد کوئی مومن یہ عقیدہ قائم کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو مومنین کو غلبہ عطا کرنے کا تھا لیکن حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اللہ کا یہ وعدہ پورا نہیں ہونے دیا۔ اور ۲ سال تک

لے شیعوں کا یہ عقیدہ بالکل قرآن کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ اعلان کرتا ہے کہ ان مومنین کے دلوں میں اس نے الفت و محبت ڈال دی لیکن اس کے برعکس شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ وغیرہ آپس میں سخت دشمن تھے اور اہل بیت پر یہ مظالم ان خلفاء نے عداوت کی بنا پر ہی کئے تھے کیا اس نظریہ کے بعد اس آیت پر ایمان باقی رہ سکتا ہے برگزیدہ نہیں۔

شیخ خدا حضرت علی المرتضیٰ کو بالکل بے بس اور محجور کر دیا۔ (۳) یہ صرف ملکی فتوحات کی پیش گوئی نہیں بلکہ مومنین کو غلبہ دین عطا کرنے کی پیش گوئی ہے۔ اس لئے آپ کی بی تاویں باطل ہے کہ اگر ان اصحاب و خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ نصیب ہوا تو یہ زہری حکومت کا غلبہ تھا ذکر دینی خلافت کا۔ اور عوام شیعہ کو آپ اسی اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ تو صرف ملکی فتوحات ہیں جو کفار کو بھی نصیب ہو جاتی ہیں۔ غلبہ دین اور خلافت راشدہ کے متعلق ان شاء اللہ بعد میں کسی عنوان کے تحت مفصل مدلل عرض کیا جائے گا۔ (۴) آپ نے جو حدیث پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو ناسق آدمی سے بھی مدد پہنچا دیتا ہے۔ تو اس کا غلبہ دین کی اس پیش گوئی سے تعلق نہیں جو مذکورہ آیات میں بیان کی گئی ہے (رب) اس حدیث کا تعلق تو بعد کے زمانوں سے ہے کہ کبھی کوئی ایسا شخص بھی دین کے لئے قربانی دے دیتا ہے جو خود صالح نہیں ہوتا اور ناستقہ کر دار رکھتا ہے اور اس کی وجہ سے دین کا وقار قائم ہو جاتا لیکن آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس حدیث کا مصداق بھی نہیں مانتے کیونکہ آپ کا عقیدہ تو یہ ہے کہ نعوذ باللہ خلفائے ثلاثہ نے اپنے دور خلافت میں دین کو برباد کیا تھا۔ کیونکہ اگر آپ یہ تسلیم کر لیں کہ گویہ خلفاء خود مومن صالح نہ تھے لیکن ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو طاقت عطا فرمائی۔ تو پھر آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان خلفاء نے اسلام نے دین حتی ہی چھیدا یا تھا۔ اور ان کے عہد خلافت سے لے کر اب تک حریمین شریفین کو مظلمہ اور بدینہ منورہ میں اصولی طور پر مذہب اہل سنت و الجماعت ہی موجود ہے اہل سنت کی اذان، اہل سنت کی نماز۔ اور اہل سنت کی عبادات ہی رائج ہیں اس لئے مذہب اہل سنت ہی برحق ہے۔ کیا آپ یہ نتیجہ تسلیم کر سکتے ہیں؟ (ج) اس حدیث میں ناسق کے ذریعہ تاہد دین کا ذکر ہے۔ اور ناسق وہ ہوتا ہے جو ایمان تو رکھتا ہو لیکن اس کا عمل خلاف شریعت ہو۔ لیکن آپ العیاذ باللہ ان خلفائے ثلاثہ اور ان کے ماننے والوں کو تو سرے سے مومن ہی نہیں سمجھتے۔ لہذا اس حدیث سے بھی آپ کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ دے تو مذکورہ آیات کی روشنی میں ہی ان اصحاب ثلاثہ کی خلافت راشدہ پر کامل یقین حاصل ہو سکتا ہے۔

”خلافت کا چمن“

اس میں بوبکرؓ و عمرؓ و یوں عثمانؓ و علیؓ سب کی خوشبو سے مہکتا ہے خلافت کا چمن

گنبد خضراء شہادت دے رہا ہے آج تک پابندی ہے خواجہ کوئین کی ان کا وطن

زندہ و پائندہ ہے وہ دل الی یوم التناور

جس میں ان چاروں کی الفت کا ہے رہا موجود ان (مولانا فاضل خاں)

روایتم میں قرآنی آیت نمبر ۴

ہم نے روایتم میں ایک یہ دلیل پیش کی تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام کو ارشاد فرمایا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ (پارہ ۲۰ سورہ العنکبوت ۴) ”نہ خوف کر اور نہ غم کھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح خوف کو دل سے نکالنا مطلوب ہے اسی طرح غم کو دل سے نکالنا بھی پسندیدہ ہے“ ”روایتم کیوں نہیں کرتے“ (ص ۲۷)

اس کے جواب الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں۔ آیت کے سیاق و سباق کو ترک کر کے اپنا مطلب نکالے اور دوسروں کے عقائد کو ہدف طعن بنانے کے لئے آیت کے باقی حصہ کو چھوڑ کر صرف دو لفظ نقل کرنا کیا علمی و ریاضتی نہیں ہے۔ ذیل میں ہم قرآن حکیم سے اصل واقعہ نقل کرتے ہیں۔ صاحبان دانش خود اندازہ لگالیں کہ مذکورہ آیت کا حضرت امام حسین کی مجالس و ماتم کے جائز و ناجائز ہونے سے کیا واسطہ حضرت لوط علی نبینا وعلیہ السلام نے اپنی قوم کو خلاف فطرت فعل سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن قوم نے آپ کے پند و نصائح پر کان نہ دھرا۔ آخر جب ان کی بدکاری، سیاہ کاری حد سے تجاوز کر گئی تو آپ نے ان کے لئے بارگاہ رب العزت میں عذاب کی درخواست کی۔ خدا کے فرستادہ فرشتے حسین و حمیل لڑکوں کی شکل میں بطور جہان آپ کے پاس آئے ان کو دیکھ کر ان کی قوم کو معقول حرکت کا خیال آیا تو بے حد پریشان ہوئے۔ آپ کو مکہ مندرکھ کر و قاک ان فرشتوں نے کہا (لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ) اندیشہ نہ کریں اور رنجیدہ نہ ہوں ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ اس قوم پر عذاب آنے کی خبر لے کر آئے ہیں۔ اِنَّا صُنَّجُوکَ وَاهْلَکَ الْاِصْرَ اِنَّکَ کَانَتَ مِنَ الْغَافِلِیْنَ۔ ہم آپ کو اور خاص متعلقین کو بچالیں گے۔ سوائے آپ کی بیوی کے جو عذاب میں رہ جائے گی۔ بتائیے اس میں گریہ و ماتم کے ناجائز ہونے سے کیا تعلق۔ از کاف کا بی معلوم شد۔

الجواب: (۱) علمی بددیانتی تو وہ ہوتی ہے جس میں ما قبل یا مابعد کی وہ عبارت چھوڑ دی جائے جو پیش کردہ عبارت کے خلاف ہو بتائیے کہ لائحہ عمل اس سے پہلے یا بعد کی عبارت میں کہیں یہ حکم ہے یا یہ

مقصد ہے کہ غم کھاتے رہو۔ پھر اس سے علمی بددیانتی کیونکر لازم آگئی۔ علمی بددیانتی تو وہ ہے جس کے آپ مذکور ہوتے رہتے ہیں اور متعدد مثالیں اس کی پیش کر چکا ہوں (۱) اس آیت کا ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ لکھا ہے، اور جب ہمارے وہ فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان کے آنے کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب دل تنگ ہوئے۔ اور فرشتوں نے جب یہ حال دیکھا تو وہ فرشتے کہنے لگے آپ کی بات کا اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جائے والوں میں ہوگی۔ اس میں لائحہ عمل کا ترجمہ مولانا تھانوی نے ”نہ مغموم ہوں“ کیا ہے (ب) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ترجمہ یہ ہے: اور انہوں نے کہا نہ ڈریے اور نہ غم کیجئے (ج) حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ اور وہ بولے تو نہ ڈر اور نہ غم کھا“ (د) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں: یعنی اپنی قوم کی شرارت سے ڈریں مت۔ یہ کچھ نہیں کر سکتی اور ہمارے بچاؤ کے لئے غمگین نہ رہو۔ (و) مولوی مقبول احمد صاحب شعلی لکھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ تم نہ ڈرو اور رنجیدہ ہو۔ (س) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی کا ترجمہ: اور وہ بولے تو مت ڈر اور نہ غم کرو۔ اس کے حاشیہ پر کاظمی صاحب موصوف لفظ سیئتی۔ ذرعا اور سوء وغیرہ کے معانی کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ضاق فلان بكذا۔ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ وہ شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو اور اس سے نکلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو (بحوالہ باب الزاویل جلد ۳ ص ۱۹۸) (لفات القرآن لغائی جلد ۲ ص ۱۲۱) اور امام راغب اصفہانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: سوء ہر وہ چیز ہے جو انسان کو غم میں ڈال دے خواہ دنیوی امور میں سے ہو یا اخروی امور سے۔ احوال نفسیہ میں سے ہو یا احوال بدنیہ میں سے یا ان حالات میں سے ہو جو جاہ و مال کے چھوٹ جانے اور دوست کے پھڑ جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ لغوی معنی کی اس تفصیل اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی تصریح سے ثابت ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو جو غم لاحق ہوا وہ اس مصیبت کی وجہ سے تھا جو فرشتوں کے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آنے پر قوم لوط کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کے سامنے تھی جس پر فرشتوں نے فرمایا کہ ہمارے بارے میں آپ غم نہ کھائیں۔ اور موضوع بحث بھی یہی ہے کہ کسی مصیبت کی وجہ سے اگر غم لاحق ہو تو اس کو بڑھانا چاہیے یا گھٹانا۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے ثابت ہوا کہ خواہ کیسی ہی مصیبت ہو غم کو دل سے نکالنا چاہیے۔ اور یہ واضح طور پر آپ کے ماتم کی تردید ہے کیونکہ آپ کا ماتم غم حسین پر ہی مبنی ہے آپ

غم کو قیامت تک باقی رکھنا چاہتے ہیں اور غم کی مجال اور غم کے جلوس نکالنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غم کو باقی نہ رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ کیا آپ کا ماتم اور اس کا فلسفہ اس ارشاد خداوندی کے خلاف ثابت ہوا یا نہ؟ سخن شناس نہ دلیہر اخطا این جا است :

رد ماتم کی آیت نمبر ۱ ہم نے رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے "میں لکھا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا۔ **فَاِذَا خِفْتُ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْبَحْرِ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي اِنَّا لَا دُوَّاهُ اِلَيْكَ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** ۲۰ سورۃ القصص ۱۲۰) بس جب تجھ کو اپنے بچے کا ڈر ہو تو اس کو دریا میں ڈال دے اور نہ خوف کر اور نہ غم کھا ہم پھر دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو پیغمبروں سے "یعنی جو تکمہ بہ نیز ایک پیغمبر ہونے والا ہے اسی لئے کسی قسم کا غم کھانا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کے جواروں کی سرداری ملنے والی ہے اس لئے ان کے بارے میں کسی قسم کا غم کرنا ان کی شان کے لائق نہیں ہے (ص ۲۵) اس کے جواب الجواب میں نامی مصنف لکھتے ہیں: اس دلیل میں پورا قصہ نقل کرنے سے احتراز کیا گیا ہے اور صرف اپنے موقف یعنی غم نہ کرنے کو ثابت کرنے کے لئے آیت کا لفظی ترجمہ کر کے کہہ دیا گیا۔ تیرا بچہ پیغمبر ہونے والا ہے اس لئے کسی قسم کا غم کھانا مناسب نہیں۔ واہ و! حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم و مجلس کی ممانعت کی کیا خوب قرآنی دلیل ہے۔ اب یہ پورا واقعہ سنئے تاکہ آپ حضرات جان لیں کہ مادر موسیٰ کو وہ کون سا خوف اور غم تھا جس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی؟ اس کے بعد مصنف موصوف سورۃ قصص کی دوسری آیات سے فرعون کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ کو یہ خوف لاحق ہوا اگر اس بچے کی خبر فرعون کو ہو گئی تو وہ اس کو قتل کر دے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے **اَوْحَيْنَا اِلٰی اُمِّ مُوسٰی** موسیٰ کی ماں کو وحی کی۔ **اِنَّ اَرْضِعِيْهِ۔ ثُمَّ اَسْكِنِيْهِ اِلٰی اَنْ يَّكُنَّ مِنَ الْكَافِرِيْنَ**۔ پھر خرب تم کو فرعون کے جاسوسوں کے مطلع ہونے کا اندیشہ ہو تو **فَاَلْقِيْهِ فِي الْبَحْرِ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي**۔ اس کو دریا کے پیر کر دو۔ **وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي**۔ اس کی مفارقت پر غم کرنا۔ کیونکہ **اِنَّا لَا دُوَّاهُ اِلَيْكَ** ہم ضرور اس کو تمہارے پاس پہنچا دیں گے **وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ**۔ اور اس کو اپنا رسول بنائیں گے۔ آیت میں حضرت موسیٰ کی والدہ

کو حضرت موسیٰ کی سلامتی کی بشارت دی گئی ہے تاکہ مادر موسیٰ کو حضرت موسیٰ کے قتل یا غرق ہونے کا جو خوف ہے وہ دور ہو جائے۔ جب وہ خوف جس سے مادر موسیٰ رنجیدہ تھیں دور ہو گیا تو پھر کیا خوف اور کیا غم۔ اس کے برعکس حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے گئے ہاں اگر موسیٰ شہید ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو غم کرنے سے منع فرماتا تو آپ کہہ سکتے تھے حسین کے ماتم دارو۔ دیکھو۔ موسیٰ اللہ کے رسول تھے وہ شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا غم کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ لہذا تم بھی حسین کا غم نہ دنیا کر وائسوس

سخن شناس نہ دلیہر اخطا این جا است

الجواب (۱) آپ اور سخن شناسی۔ یہ دونوں مشکل جمع ہو سکتے ہیں۔ اتنی لمبی چوڑی تقریر سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا اور میرے استدلال کا آپ نے کیا جواب دیا۔ آپ نے جو یہ لکھ دیا:۔ مادر موسیٰ کو وہ کون سا خوف اور غم تھا جس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی یہی آپ کے خلاف ہے کیونکہ اس سے صراحتاً ثابت ہوا اور آپ نے بھی مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا غم دور کرنے کے لئے وحی بھیجی تھی۔ اور یہی ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی قسم کا ہی غم لاحق ہو تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ غم کا باقی رکھنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور اس کے خلاف آپ کا من گھڑت مافی فلسفہ یہ ہے کہ غم کو باقی رکھنا چاہیے اور انسان ساری عمر رونے دھونے کے لئے ہی آیا ہے۔ لیکن آپ کا یہ فلسفہ اس حکیم خداوندی کے سخت مردود ہے (ب) کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اپنے بچے کا غم معمولی تھا۔ ایک تو آپ کو اس کے قتل کا خوف تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي** کہ خوف نہ کرنا اور پھر دریا میں ڈالنے کے بعد بچے کے ڈوبنے وغیرہ کی مصیبت کا غم لاحق ہونے والا تھا۔ اس لئے صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالنے کا حکم دینے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا غم بھی دکھانا تو کسی مصیبت پر غم کھانا اگر پسندیدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے منع کیوں فرماتے۔ (ج) آپ کا آخری نکتہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دینا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو غم کھانے سے منع فرمایا اور امام حسین چونکہ شہید ہو گئے ہیں اس لئے ان کا غم ممنوع نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ کوئی علمی نکتہ نہیں بلکہ آپ کے غریبات میں سے ایک غرابیہ ہے جس کو آپ کا بے لگا ہے تاریخین کی ضیانت طبع کے لئے پیش فرمایا کرتے ہیں۔ کیا آپ اتنا نہیں سبھتے کہ اس وقت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر ایک مصیبت طاری تھی اور اپنے ہاتھ سے انہوں

نے اپنے پیارے بچے کو دریا میں ڈالنا تھا۔ لیکن آئندہ چونکہ یہ مصیبت دور ہونے والی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ مکرمہ کے پاس واپس آنے کے بعد منصب رسالت پر فائز ہونا تھا۔ اور یہ سب امور باعث مسرت ہیں اس لئے ان کے تصور کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غم نہ کھانے کا حکم دے دیا۔ لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مصیبت تو ہم نے دیکھی ہی نہیں۔ شہادت حسین پر جدایاں گذر چکی ہیں۔ مگر ہمارا عقیدہ آیات قرآنیہ کی روشنی میں یہ ہے کہ حضرت حسینؑ مقام شہادت پر فائز ہو کر جنت کا رزق کھا رہے ہیں اور وہاں آپ کی روح مبارک کو کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ بھی تکلیف نہیں۔ اور صدیوں سے وہ جنت کی لذت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔ جب حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو آئندہ کی متوقع خوشی کی بنا پر غم نہ کھانے سے منع فرما دیا۔ تو حضرت حسینؑ کی یقینی خوشی اور راحت کی بنا پر ہمارے لئے اب غم و الم کا کیا موقع ہو سکتا ہے۔ جب دوران مصیبت غم نہ کھانے کا حکم خداوندی ثابت ہے تو مصیبت ختم ہونے کے بعد ہمارے لئے غم کھانا کیونکر جائز ہو جائے گا۔ اسی بنا پر تو میں نے آپ کے مامی دلائل کی بحث نمبر ۱ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ سوال پیش کیا تھا کہ مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے کیا انیسویں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں آتا اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جنت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں؟ ہم مام کیوں نہیں کرتے ص (د) آپ کا یہ حکمت کہ ہاں اگر موسیٰؑ شہید ہو جائے اور اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو غم کرنے سے منع فرماتا تو آپ کہہ سکتے تھے کہ حسینؑ کے مام داروغہ۔ ہمیں تو یقین نہیں آتا کہ آپ اس صورت میں بھی اپنے مام سے باز آجائے کیونکہ جب سورۃ آل عمران کی مذکورہ آیت کی بحث کے سلسلہ میں سورۃ النحل پارہ ۴ کی آخری آیت ولا تحزن علیہم سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہداء کے احکا غم کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اور آپ کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کا حسب ذیل ترجمہ بھی بطور اتمام حجت پیش کر دیا اور ان شہداء کے متعلق رنج نہ کرو لیکن پھر بھی آپ اس حکم خداوندی کے خلاف اپنے مام پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اس کو نہ صرف جائز بلکہ عبادت سمجھتے ہیں تو کیا آپ کا موجودہ قرآن پر ایمان بھی ہے یا کہ نہیں؟ کسی شاعر نے آپ جیسوں کے سمجھانے کے لئے کیا خوب کہا ہے۔

حسینؑ زندہ ہیں جنت میں چین کرتے ہیں + حسد ہے ان سے جنہیں شہر دشمن کرتے ہیں
خوشی سے ان کی جو خوش ہیں وہ غم سے ہیں آزاد جو اس سے جلتے ہیں۔ دن رات بین کرتے ہیں
مامی ٹریکٹ کے جواب میں ایک آیت بھی پیش کی گئی تھی۔ الا ان
اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔

رد مام کی قرآنی آیت نمبر ۱

خبردار۔ اولیاء اللہ کی شان ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ عبادت تو اولیاء اللہ کی روحانی غذا ہوتی ہے۔ اگر غم و مام بھی عبادت ہو تا تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں ولا ہم یحزنون نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ اولیاء وہ ہیں جو غم کی یاد گاریں منانے والے ہیں؟ ہم مام کیوں نہیں کرتے ص (۲۸)
اس کے جواب الجواب میں نکتہ شناس مصنف لکھتے ہیں: مذکورہ بالا آیت سے مابعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الذین آمنوا وکانوا یتقون۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔
لہم البشیر فی الحیوة الدنیاء و فی الآخرة۔ بشارت ہے ان لوگوں کے لئے دنیا و آخرت
آخرت میں ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ بشارت ہے اولیاء اللہ کے لئے کہ قیامت کے دن ان کو نہ کوئی
خوف ہوگا اور نہ وہ محزون و رنجیدہ ہوں گے۔ بتائیے۔ اس آیت میں حضرت امام حسینؑ کی یادگار غم منانے
کی ممانعت کہاں ہے۔ یہ تو وہی بات ہے کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔

سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا بیس تفافوت راہ از کجاست تا کجا
الجواب (۱) چونکہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ مام کرنا عبادت ہے اس کا مینی غم مصیبت حسینؑ ہے اس
لئے میں نے اس آیت سے غم و مام کے عبادت نہ ہونے پر استدلال کیا ہے اور میں نے تصریح کر دی ہے کہ:
اگر غم و مام بھی عبادت ہو تا تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں ولا ہم یحزنون نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے کہ اولیاء اللہ وہ ہیں
جو غم کی یاد گاریں منانے والے ہیں۔ لیکن اس کا جواب آپ نے نہیں دیا۔ بلکہ آپ نے تو صرف یہ لکھا ہے کہ
اس بشارت کا تعلق قیامت سے ہے کہ اس دن ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔ (۲) مجھے اس
پر اصرار نہیں ہے کہ اس آیت میں نفی حزن کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے۔ لیکن اس کی مراد میں مفسرین کا
اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کو خوف و غم نہیں ہوتا۔

چنانچہ (ا) مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی لکھتے ہیں: بعض نے فرمایا ہے کہ ولایت نام ہے قرب الہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا اور نہ کسی شے کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے۔ (خزان المعرفان فی تفسیر القرآن)

(ب) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں:۔ خوف سے خوف حق اور غم سے غم آخرت مراد نہیں ہے بلکہ دنیوی خوف و غم کی نفی مراد ہے جس کا احتمال مخالفت اعداء سے ہو سکتا ہے وہ مومنین کا ملین کو نہیں ہوتا۔ ہر وقت ان کا اللہ پر اعتماد ہوتا ہے۔ ہر واقعہ کی حکمت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اسی میں مصلحت سمجھتے ہیں۔ نیز لکھتے ہیں:۔ "اور خوف و حزن سے ان کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی من جانب اللہ خوف و حزن سے بچنے کی خوشخبری ہے۔" (تفسیر بیان القرآن)

(ج) علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:۔ بعض مفسرین نے آیت کو کچھ عام رکھا ہے۔ یعنی ان پر اندیشہ ناک حوادث کا وقوع نہ دنیا میں ہوگا نہ آخرت میں اور نہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر وہ مغموم ہوتے ہیں۔ گویا خوف سے خوف حق یا غم سے غم آخرت مراد نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ غم کی نفی کا تعلق دنیوی زندگی سے ہو یا اخروی زندگی سے، اولیاء اللہ کی اس صفت خاصہ سے آتما تو معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اس دنیوی زندگی میں بھی مخلوق کا خوف اور حزن غالب نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ایک بہادر شخص پر دشمن کا خوف غالب نہیں ہو سکتا۔ گو بٹری ثقافا کے تحت وقتی طور پر اس کو کچھ اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق ان کی شان کے مطابق قرآن میں بھی خوف کا لفظ مذکور ہے۔ اس طرح صابر شخص پر بھی کسی عزیز و بزرگ کی جدائی یا قتل کی مصیبت کا غم غالب نہیں ہوتا۔ گو طبعی طور پر اس کو غم لاحق ہو جاتا ہے لیکن خوف و حزن دونوں حالتوں میں عوام و خواص ایک جیسے نہیں ہوتے۔ عوام کے دلوں پر پریشانی کا غلبہ ہو جاتا ہے لیکن خواص یعنی اولیاء اللہ کے قلوب مطمئن رہتے ہیں گو جسمانی تکلیف و اذیت ان کو بھی پہنچتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (جو لوگ ایمان لائے اور ان

کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ خبردار (آگاہ رہو) کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلوب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔) اور جب کہ خارجی اسباب کا اثر اولیاء اللہ کے دلوں پر غالب نہیں ہوتا تو پھر مصائب کے بارے میں بھی ان کی یہی خصوصیت

ہوگی کہ ان پر غم و غم غالب نہ ہو۔ لیکن مائتی فلسفہ تو ہے کہ مصائب کی وجہ سے جتنا مومنین پر رنج و غم غالب ہو اور پھر وہ اس کے قلعے سے دیواروں کے ساتھ ٹکریں ماریں تو وہ صابرین اور کاملین میں سے ہیں۔ حالانکہ امام الانبیاء المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی بھی غم غالب نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی آپ نے منہ پٹیا اور نہ سینہ کو پی کی لہذا مومنین کا حال یہی ہے کہ رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و کمالات سے ان کو زیادہ مناسبت و مشابہت نصیب ہو جائے۔ اَلَيْسَ مِنْكُمْ ذُو جَبَلٍ وَ شَيْبَانٍ (کیا تم میں کوئی شخص بھی عقل و فہم رکھنے والا نہیں ہے؟) (د) اور اگر انبیاء و اولیاء کو طبعی طور پر کسی موقع پر خوف و حزن لاحق ہوا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دور کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (ا) فرعون کے جادو گردوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی (آپ مت ڈریں۔ آپ ہی غالب ہونے والے ہیں) (۲) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو بھی فرمایا لَا تَخَفْ (آپ خوف نہ کریں) (۳) حضرت لوط علیہ السلام کو ارشاد ہوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ (آپ خوف بھی نہ کریں اور غم بھی نہ کریں) (۴) امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (آپ ان (شہداء) پر غم نہ کھائیں)۔ (۵) اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (جو اولیاء اللہ سے افضل ہیں) فرمایا لَا تَهْمِسُوا وَلَا تَحْزَنُوا (اور سست مت ہو اور نہ غم کرو) ان آیات میں انبیائے عظام اور صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوف یا غم نہ کرنے کے ارشاد سے ہر صاحب عقل و انصاف یہی نتیجہ نکالے گا کہ خوف و حزن کو طبعی حالتیں ہیں لیکن ان کا باقی رکھنا مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے اور اگر آپ یا دوسرے مائمی لوگ اپنے خود ساختہ نظریہ یا تم سے بلند تر ہو کر غور فرمائیں تو آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو اتنا تو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے خوف و حزن دونوں سے نبی فرمائی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ غم کے جلوس نکالتے ہیں اور مجالس غم قائم کرتے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ مجالس خوف بھی قائم کریں اور ڈر اور خوف کے جلوس بھی نکالیں

ہم نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں یہ بھی دلیل پیش کی تھی کہ:۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غار ثور

رد ماتم کی قرآنی آیت نمبر

کانوا بیکذیون وہ ان کے دلوں میں بیماریا ہے سوائے اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری اور بھی بڑھادی ہے اور ان کیلئے دردناک علاج ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے لیکن آپ کا جواب آسان ہے

کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا تفسیر بسم نے کیا تھا ہمیں ثواب ملا

لا تحزن کا معنی زیر بحث پوری آیت ہے **إِنَّا نَنْصُرُهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ**

إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (سورۃ توبہ رکہ ۶۶) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر نے یہ لکھا ہے اگر تم رسول خدا کی مدد نہ کرو گے تو کچھ پرواہ نہیں اللہ نے تو اس کی مدد ایسے وقت کی تھی جب کہ ان لوگوں نے جو کافر ہو گئے تھے اسے ایسی حالت میں نکالا تھا کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے اس وقت ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ افسوس نہ کر۔ بے شک اللہ تم دونوں کے ساتھ ہے پس اللہ نے اپنے رسول پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر دل سے ان کو مدد پہنچائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو اس نے پست کر دیا اور اللہ ہی کا بول بالا رہا۔ اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے

ترجمہ مقبول الامام مولوی امداد حسین صاحب کاظمی مفسر شیعہ نے لا تحزن کا ترجمہ غم نہ کر کیا ہے (۳) مولانا اشرف علی صاحب خان مولوی کا ترجمہ یہ ہے "تم کچھ غم نہ کرو" اور تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس میں قصہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے یہ غار مکہ معظمہ سے قریب ہے اس میں آپ اور حضرت صدیق تین روز تک رہے کفار آپ کو دھونڈتے دھونڈتے ایک تافلیبہ نشان شناس کے بتلانے سے اس غارت تک پہنچے اس وقت حضرت صدیق کچھ آپ کی وجہ سے ٹکر ہوئی آپ نے ان کی تسلی کی **لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا** چونکہ وہ بن غار پر عنکبوت (یعنی لکڑی) نے جلانا رکھا تھا اس لئے کفار کو شبہ نہیں ہوا۔ سب لوٹ گئے اور اس قافلہ کو بے وقوف بنایا پھر آپ وہاں سے نکل کر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے الخ تفسیر بیان القرآن دم حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کا ترجمہ یہ ہے جب کہنے لگا اپنے رفیق کو تو غم نہ کیا علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری جوف چٹان ہے جس میں داخل ہونے کا راستہ صرف ایک تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا صرف لیٹ کر داخل

ہونا ممکن تھا۔ اول حضرت ابو بکر نے اندر جا کر اسے صاف کیا۔ سب سوراخ کپڑے سے بند کئے کہ کوئی کیڑا کاٹنا نہ کرے نہ بیچا کے ایک سوراخ باقی تھا اس میں اپنا پاؤں اڑا دیا سب انتظام کر کے حضور سے اندر تشریف لانے کو کہا آپ صدیق کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے کہ سانپ نے ابو بکر کا پاؤں ڈس لیا مگر صدیق پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے مبادا حضور کی استراحت میں خلل پڑے جب آپ کی آنکھ کھلی اور قصہ معلوم ہوا تو آپ نے لعاب مبارک صدیق کے پاؤں کو لگا دیا جس سے فوراً شفا ہو گئی۔ اور کفار "تائف" کو ہمراہ لے کر جو نشان ہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا حضور کی تلاش میں نکلے۔ اس نے غارتوں تک نشان قدم کی شناخت کی مگر خدا کی قدرت کو غار کے دروازہ پر لکڑی نے جلا تین دیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دے دیئے یہ دیکھ کر سب نے قافلہ کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ لکڑی کا جالا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح و سالم رہ سکتے تھے۔ ابو بکر صدیق کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر پڑتے تھے انہیں ٹکڑی کی جان سے زیادہ محبوب جس کے لئے سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں کو نظر نہ پڑ جائیں گھر کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہم کو دیکھ پائیں گے حضور نے فرمایا کہ ابو بکر تیرا کیا خیال ہے ان دو کی نسبت جن کا قیر اللہ ہے یعنی جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون و اطمینان حضور کے قلب مبارک پر اور آپ کی برکت سے ابو بکر کے قلب مقدس پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت تائید کی انہوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب بدایونی نے یہ ترجمہ کیا ہے جیب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ دیکھ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے قرآن مجید میں صرف اتنا ہی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر سے فرمایا **لَا تَحْزَنْ**۔ اور اس کا معنی مفسرین نے یہی بیان کیا کہ غم نہ کیا افسوس نہ کر اور حزن کا لغوی معنی غم ہی ہے لیکن مامی مصنف اس سے مراد دھونا مراد لیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں: اگر حزن کے معنی غم داندہ رونا۔ دھونا نہیں تو پھر آپ بتائیں کہ آپ نے یہ دلیل گریہ و بکا کی ممانعت میں کیوں پیش کی۔ (فلاح الکونین ص ۱۳۳) آپ کی یہ کتنی بڑی جہالت یا تلبیس ہے کہ حزن کا معنی تو کرتے ہیں غم داندہ۔ لیکن بریکٹ میں اس سے مراد لیتے ہیں (رونا۔ دھونا) حالانکہ رونے کے لئے لفظ بکا

مامی مصنف کی کج فہمی

ہے۔ نہ کہ حزن۔ حزن صرف غم کو کہتے ہیں جو دل میں ہوتا ہے۔ اور رونا دھونا اس کے لئے لازم بھی نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے دل میں غم و اندہ ہو تا ہے لیکن وہ روتا نہیں۔ اس لئے قرآن مجید کے الفاظ لائحہ عمل سے حضرت ابو بکر کا رونا ثابت نہیں ہوتا (ب) میں نے یہ آیت ماقم کی ترویج کے لئے اس لئے پیش کی تھی کہ آپ کے ماقم کی بنیاد ہے شہادت حسین کی مصیبت کا غم و اندہ تو جب اللہ تعالیٰ غم باقی رکھنے سے ہی منع فرما رہے ہیں جو بنیاد ماقم ہے تو ماقم کی ممانعت بھی اس سے ثابت ہو گئی۔ کیا کوئی عمارت بغیر بنیاد کے کھڑی ہو سکتی ہے جب قرآن عظیم نے ماقم کی بنیاد ہی گڑی تو پھر ماقم کی عملی ضرورت برباد ہو گیا (۲) آپ نے جواب الجواب میں حضرت ابو بکر صدیق کے رونے کے ثبوت میں مدارج النبوت کی عبارت کا ایک حصہ پیش کیا ہے یہاں ہم اس کے علاوہ باقی عبارت بھی پیش کرتے ہیں:- غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق راتوں رات اس نشیبی کھڑکی راہ سے نکلے جو حضرت ابو بکر کے گھر میں تھی اور اب تک وہ مکان اور کھڑکی قائم ہے جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں۔ اس کے بعد دروغ غارتور کی طرف روانہ ہو گئے مسیدہ عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نہایت سرعت اور جلدی میں سالن سفر اور زاد راہ تیار کیا تھا ہمارے پاس اس وقت ایسی کوئی دوری نہ تھی جس سے زاد راہ کو باندھتے۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنا کمر بند کھولا۔ عرب کی عورتوں کی عادت ہے کہ وہ تہبند کے اوپر کمر بند باندھتی ہیں پھر اس کمر بند کے دو کڑے کئے ایک سے نوشہ دان کا دمانہ باندھا اور دوسرے کڑے سے کمر باندھی۔ اس بنا پر ان کو نہ اتنا طمانین یعنی دو کمر بند والی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کو جو جوان اور عقلمند و ہوشیار شخص اس پر مقرر کیا کہ وہ دن تو قریش کے پاس گذاریں اور رات کے وقت غارتور میں آکر کفار کی خبریں پہنچا کر دیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھنے گھنے پانچ ہزار درہم رکھا کرتے تھے جن کو انہوں نے ساتھ لے لیا اور راہ میں جائے پناہ کے مقام تک کبھی آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلتے تھے منقول ہے کہ راہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے اقدس مجروح ہو گیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کو اپنے کاٹھنوں پر اٹھایا اور غارتور کے دمانہ تک لائے۔ غارتور میں حضرت صدیق پہلے داخل ہوئے تاکہ کوئی آنت اور تکلیف حضور کو نہ پہنچے کیونکہ حشرات الارض اس غار میں رہا کرتے ہیں اس کے بعد حضرت صدیق نے

احتیاط کے ساتھ اپنی قیمتی چادر مبارک بچا کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا غار میں اندھیرا تھا سورخ رہ گیا اور چادر کا کپڑا ختم ہو گیا۔ تو انہوں نے اپنے پاؤں کی اٹھنی مضبوطی سے لگادی اور رسول اللہ اندر تشریف لے آئے حضور اندر تشریف لے آئے اور اپنا مبارک حضرت صدیق رکھ کر آرام فرما ہو گئے۔ سانپ اور کچھوٹوں نے حضرت ابو بکر صدیق کے پاؤں پر ڈنسا شروع کر دیا۔ ناف کی اور نہ جفتش کی مبادا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں اور غینہ میں خلل واقع نہ شدت تکلیف سے آنکھوں سے آنسو نکل کر حضور کے چہرہ انور پر گرے جس سے حضور بیدار ہوئے فرمایا۔ ابا بکر لا تحزن ان اللہ معنا۔ اسے ابو بکر غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمایا اور ان کے دل میں آرام و قرار پیدا ہوا اور پھر سانپ اور کچھ نقصان نہ پہنچا یا حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا غار میں جب میرے اندر صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہ رہا ہے تو مجھے روناء جانتا تھا کہ حضور کو اتنی محنت و مشقت کی عارت نہیں ہے مدارج النبوة حصہ دوم ص ۹۸۱ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں سے آپ نے صرف یہ کٹ کر پیش کیا ہے بچھوڑیں نے حضرت ابو بکر صدیق کے پاؤں پر ڈنسا شروع کر دیا۔۔۔۔۔ یا ابا بکر لا تحزن معنا! اس پر آپ لکھتے ہیں کہ اگر ہم کسی کو سانپ کے کانٹے اور کچھو کے ڈسنے کی بنا پر کرتے تو قرآن کریم کی آیت لا تحزن کی رو سے یہ مجالس ماقم ناجائز ہوتیں۔۔۔۔۔ ایسی تکلیف کا کام ہے۔ بڑے بوڑھوں کو اگر اس طرح کی کوئی تکلیف پیش آجائے تو ان کے لئے صبر کرنا لازم الکوین (۱۷) الجواب: ۱۔ اس سانپ اور کچھو کاٹ رہے تھے اور حضرت ابو بکرؓ نے ناف کی او کہ مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں۔ کیا بچوں کا صبر و ضبط ایسا ہی ہوتا اگر آپ جیسے کرتے ہوئے غار سے باہر بھاگ جاتے (ب) آپ نے یہ بھی مان لیا کہ بڑوں بوڑھوں کو اس سے ہے یعنی صبر کا تقاضا یہ ہے کہ رویا بھی نہ جائے۔ لہذا منہ بیٹھا اور سینہ کو ٹٹا تو یقیناً صبر کے خلاف ہو کے بڑے بوڑھے کیوں ماقم کرتے ہیں (ج) حضرت صدیق کی آنکھوں سے سانپ بچھوڑیں کے ڈسے

آنسو نکلنا یہ بے صبری کی بالکل دلیل نہیں ہے صبری ہوتی تو ہجرات اور حرکت تک نہ کرنے کا مطلب کیا ہے اس طرح اتنی شدید تکلیف میں آنسو نکلنا ایک غیر اختیاری طبعی اثر ہے جو کمال صبر کے بھی خلاف نہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ پیاز کاٹنے سے بھی آدمی کے آنسو نکل آتے ہیں کیا یہ بھی بے صبری کا نتیجہ ہوتا ہے (دوبعد میں حضرت شیخ عبدالحی محدث دہلوی نے حضرت صدیق کے رونے کی بحوالہ حدیث یہ وجہ بھی لکھ دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی پاؤں مبارک سے خون بہتا دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کو رونا آگیا۔ لہذا ان دونوں جہول کی بنا پر آپ کا یہ نظریہ تو باطل ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ دشمنوں کے خوف سے رونے لگے جیسا کہ آپ نے شروع میں بطور طعن پیش کیا (۲) مدارج النبوۃ کی پوری عبارت سے تو حضرت صدیق کا انتہائی عشق ثابت ہوتا ہے (۱) حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی گھر کی سے ہی رسول اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے (ب) حضرت عائشہؓ اور ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ نے فوراً زاد سفر تیار کیا اور حضرت اسماءؓ نے اپنا کمر بند بچھا کر استعمال کیا۔ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہؓ بھی رازدارانہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روزانہ کفار کی خبریں پہنچاتے تھے۔ تو یہ سارا کتبہ رحمۃ اللعالمین کی خدمت میں مصروف ہو گیا۔ کیا خوب دشمنی ہے۔ (ج) راہ میں حضرت ابوبکرؓ نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کاندھے پر اٹھالیا۔ اور یہ مانیوں کے نظریہ میں سخت عداوت ہے۔ (د) غار میں پہلے خود گئے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزند سے محفوظ رہیں (س) اپنا کپڑا بچھا کر سوراخ بند کئے اور ایک سوراخ میں اپنی ایڑی رکھ دی تاکہ کوئی سانپ بچھو آئے تو پہلے ان کو کاٹے۔ کیا یہی بغض و عناد کا مظاہرہ ہے؟ (س) آخر سانپوں اور بچھوؤں نے حضرت ابوبکرؓ کو ڈسنا شروع کر دیا اور آپ نے اُف تک نہ کی، کتنی کمزوری اور بے سببی ہے کیا نامی ساجان بھی اپنے کسی نہ بھی دشمن کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔ جو واقعہ غار حضرت صدیق کے کمال عشق و محبت پر قطعی دلیل تھا اور اسی بنا پر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ اللہَ مَعَنَا فَمَا يَغْزَاكَ اِنَّ اللہَ تَعَالٰی ہِمَّ دُونُوْكَ سَاحِدٌ ہِیْ اِس دَافِعٌ کُوْیَارِ اِنْ مَاتُمْ حضرت ابوبکرؓ کی دشمنی اور بے صبری کی دلیل بنا دیا۔ آخر اس کچھ نہیں اور بیجا بغض و عناد کا کیا علاج؟

یار غار خواجہ فرید الدین عطار کی نظر میں۔

خواجہ اولیٰ کراہی یار اہست

چوں سبکدہ شد ز حق منزل برو گشت مشکلمہائے عالم حل برو
مولانا نظری علی خاں مرحوم نے واقعہ غار کے متعلق کیا خوب لکھا ہے۔ در نزدان اسلام جن کی بیکسی کچھ جیش کی مسیحی سرزمین پر سر چھپانے پر مجبور ہوئی تھی۔ اب کفر کی آنکھ بچا کر دارالاسلام مدینہ کا عزم کرتے ہیں اداسخبر میں ان کا سردار ملائکہ مقررین کی مدد سے دشمنان دین سے قاتلانہ منصوبوں کو زک دے کر رات کی تاریکی میں اپنے نئے وطن کی طرف ہجرت کر جاتا ہے۔ اس سفر میں اس کے صرف دو رفیق ہیں ایک صدیق اکبر دوسرا رب اکبر۔

شان نزول

یہ آیت غزوہ تبوک کے کس موقعہ پر نازل ہوئی ہے اس کے متعلق مولانا اشرف علی صاحب تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ تبوک ایک مقام ہے ملک شام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ وغزوہ حنین وغیرہ سے فارغ ہوئے آپ کو خبر معلوم کہ روم کا نصرانی بادشاہ مدینہ پر فوج بھیجنا چاہتا ہے۔ اور فوج تبوک میں کہ اس کی عداوت کے حدود میں ہے جمع کی جاوے گی۔ آپ نے خود ہی قصد سفر کے مقابلہ کے لئے فرمایا اور مسلمانوں میں اس کا اعلان عام کر دیا۔

اچونکہ وہ زمانہ گرمی کی شدت کا تھا مسلمانوں کے پاس سامان بہت کم تھا اور سفر بھی در دراز کا تھا اس لئے اس غزوہ میں جانا بڑی ہمت کا کام تھا اس لئے ان آیات میں اس کی بہت ترغیب دی گئی ہے اور چونکہ منافقین و جہود عدم ایمان و عدم اخلاص کے اس میں طرح طرح کے بیانات پیش لائے اور ان کی طرح طرح کی خباثتیں ظاہر ہوئیں اس لئے ان آیات میں ان پر بھی بہت تشفیغ ہوئی ہے غرض آپ اس مقام تبوک تک تشریف لے جا کر لشکر نصاریٰ کے منتظر رہے مگر وہ ایسے غروب ہوئے کہ ان کا حوصلہ نہ پڑا اور آپ وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہ کر خیر و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ جب مشہور ہوا۔ (تفسیر بیان القرآن) (۲) مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر لکھتے ہیں تفسیر قمی میں ہے کہ اس غزوہ کے موقعہ پر لوگوں کی حسرتی کا باعث یہ تھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سفر اس سے زیادہ طویل اور اس سے زیادہ سخت نہیں کیا تھا اور وجہ اس غزوہ کی یہ تھی کہ موسم گرما میں شام کی طرف سے مدینہ منورہ میں محالہ النسل لوگوں کا ایک قافلہ بغرض تجارت آیا کرتا تھا۔ اس سال میں لوگوں نے یہ خبر پھیلانی کہ اہل روم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے بہت بڑا لشکر جمع کر رہے ہیں

اور ان کے بادشاہ ہرقل نے اپنے بہت سے لشکر اور اپنے ماتحت قبائل ممالک بلقائیں بھیج دیئے
اور خود محض میں آگیا ہے پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کو جنگ تبوک کی
تیاری کے لئے حکم دیا (حاشیہ ترجمہ مقبول)

آیت غار سے فضائل صدیق کا ثبوت

مذکورہ آیت کے ترجمہ اور شان نزول
سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) اللہ تعالیٰ منافقین کو تنبیہ فرما رہا ہے ہیں کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت نہیں کرو گے تو ان
کا وبال تم پر ہی آئے گا۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے (۲) جیسا کہ اس
وقت بھی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی مدد فرمائی تھی جبکہ کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ
شریف سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا (۳) جب کافروں کی شدید مخالفت کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم
خداوندی مکہ کو چھوڑا اور غار ثور میں پناہ لی تو اس وقت آپ کے ساتھ ایک دوست بھی تھا اور غار میں صرف
یہی دونو ساتھی تھے اور گویا نام نہیں ہے لیکن مخالفین بھی یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ غار میں نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ ہی تھے۔ اور خود مصنف نلاح الکونین نے بھی اس حقیقت کو تسلیم
کر لیا ہے اس سے اہل انصاف یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ غار کے ساتھی یعنی حضرت ابوبکر صدیق یقیناً مومن
ہیں کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے کافر ہی نکالیں اور پھر نفوذ باللہ حضور کفار کی پارٹی
میں سے ہی ایک مخالف شخص کو اس مشکل ترین اور زار دارانہ سفر میں اپنا رفیق بنالیں اور حضرت ابوبکر کو ساتھ
لینے سے یہ بھی ثابت ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت ابوبکر انتہائی وفادار بھی تھے اور
قوی القاب بہادر بھی۔ ورنہ ایسے نازک موقع پر کوئی سمجھ دار آدمی ایسے شخص کو ساتھ نہیں رکھتا جو بزدل بھی
ہو اور اس کی وفاداری بھی مشکوک ہو۔ (۴) چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علم ازلی کی بنا پر یہ معلوم تھا کہ سفر ہجرت میں
حمیوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رفیق خاص کو بھی مخالفین اپنے بغض و عناد کی بنا پر طعن کریں گے
اس لئے آیت میں لصاحبہ فرمایا یعنی حضرت ابوبکر صاحب رسول ہیں نہ کہ دشمن رسول۔ اس کا مخالفین یہ
جواب دیتے ہیں کہ غار میں اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے سے حضرت ابوبکر کا مومن ہونا ثابت

نہیں ہو تا جس طرح ان دو قیدیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانہ میں رہنے کی وجہ سے جن
کو خوابوں کی تعبیر بتلائی تھی مومن لازم نہیں آتا۔ حالانکہ وہاں بھی لفظ صاحب ہی مذکور ہے یہاں صاحب کی تفسیر
اسے میرے قید خانے کے ساتھیہ۔ آیا جبراً اور پروردگار اچھے میں یا خدا نے مکتا ترجمہ مولوی مقبول احمد
مولوی فرمان علی صاحب شیخی کا ترجمہ یہ ہے۔ اے میرے قید خانہ کے دو رفیقو! اور مولوی امداد حسین صاحب
کاظمی لکھتے ہیں۔ اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ را حضرت یوسف
علیہ السلام کے قید خانہ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کا ساتھی نہیں فرمایا بلکہ قید خانہ کے ساتھی فرمایا
کیونکہ صاحبی دراصل صاحبین ہے جو اسجن کی طرف مضاف ہے اور اس اضافت کی وجہ سے صاحبین کا نون
ساقط ہو کر صاحبی رہ گیا یعنی دو ساتھی قید خانہ کے۔ اور برعکس اس کے آیت غار میں لصاحبہ میں لفظ صاحب
کی اضافت غیر کی طرف ہے اور ضمیر کا مرجع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے لہذا صاحبہ کا معنی ہے صاحب
الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب ان دو قیدیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام گھر سے ساتھی بنا کر نہیں لے گئے تھے بلکہ
وہ تو اپنے اپنے جرم کی بنا پر قید خانہ میں ڈالے گئے تھے۔ لیکن حضرت ابوبکر کو تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
گھر سے بلا کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے ہمراہ لائے تھے اور حضرت صدیق نے اپنے عشق و محبت کی بنا پر
اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھا کر ایک دشوار گزار اونچی پہاڑی کو طے کر کے غار ثور میں پہنچایا تھا
چنانچہ شیعہ مصنف "حملہ حیدری" میں بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

چہیں گفت راوی کہ سالار دین	چوں سالم بحفظ چہاں اقرین
ز نزدیک آن قوم پُر مکر رفت	بسوئے سرائے ابوبکر رفت
پئے ہجرت او نیز استادہ بود	کہ سابق رسولش شب راہ بود
نبی بردر حناہ اش چوں رسید	بگوشش ندائے سفر در رسید
چوں بوجہ نزال حال آگاہ شد	زخانہ بردوں رفت و ہمراہ شد
چوں رفتند چندیں بدامان دشت	قدم فلک ساجد و جگشت
ابوبکر آگاہ بدوشش گرفت	دے زیں حدیث است جائے گفت
کرد کس چنان قوت آمد پدید	کہ بار نبوت تواند کشید

ترجمہ: راوی نے اس طرح روایت کی ہے کہ جب دین کے سردار اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے سلامتی کے ساتھ اس پر فریب قوم سے نکل کر حضرت ابوبکر کے گھر پہنچے۔ تو وہ ہجرت کے لئے تیار تھے کیوں کہ حضور نے ان کو پہلے سے خبر دی تھی جب نبی کریم حضرت ابوبکر کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر ہجرت کی اذان سن لی اور اس حال سے آگاہ ہو کر اپنے گھر سے نکلے اور حضور کے ہمراہ ہو گئے جب آپ نے حضورؐ کو دشت کاٹے کیا تو حضور کے قدم مبارک زخمی ہو گئے جو شب معراج میں آسمانوں پر پہنچے تھے اس وقت حضرت ابوبکر نے حضور کو اپنے کندھے پر اٹھالیا اور یہ امر بہت ہی عجیب ہے کہ حضرت ابوبکر میں ایسی طاقت آگئی کہ آپ نے نبوت کا بوجھ اٹھالیا۔

(۵) جہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اس غزوہ تبوک میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے میں سستی کر رہے تھے وہاں یہ بھی بتا دیا کہ حضرت ابوبکر تو ہرگز ان لوگوں میں شمار نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ تو ساہا سال پہلے کے رفیق خاص ہیں اور آپ نے اس کٹھن مرحلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا جبکہ تمام کفار مکہ حضور کی گرفتاری اور قتل کے لئے کوششیں کر رہے تھے۔ اور آپ نے تنہا مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ صبر آزما سفر اختیار کیا۔ اور یہ وہ خصوصی فضیلت ہے جو تمام صحابہ کرام میں سے سفر ہجرت میں صرف حضرت ابوبکر صدیق کو ہی نصیب ہوئی۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے یساحیح اور اور ثانی انہیں وغیرہ مبارک الفاظ سے یار غالی خصوصی فضیلت کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ (۶) گو شب ہجرت میں آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہی حضرت علی المرتضیٰ کم شریف میں بستر نوئی پر سوتے تھے اور بیشک یہ بھی حضرت علی کی دنداری اور شجاعت کی دلیل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے شب ہجرت میں حضرت علی کے بستر پر سونے کا واقعہ قرآن حکیم میں بیان نہیں فرمایا کیونکہ یہ ایک وقتی ضرورت کے لئے تھا۔ علاوہ ازیں کفار کی امانتیں جو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں وہ حضرت علی المرتضیٰ کے سپرد فرمائی گئیں تاکہ آپ وہ امانتیں ادا کر کے مدینہ منورہ کو ہجرت کریں لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت یعنی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کو صدیق اکبر کے سپرد کیا۔ تاکہ حفاظت وہ اس امانت خداوندی کو مدینہ منورہ تک پہنچائیں اور گو کفار کی امانتوں کا جس کو امین بنایا گیا وہ بھی صدق و امانت میں ممتاز ہے لیکن

جس کے سپرد خود اللہ تعالیٰ کی امانت ہوئی وہی افضل امت ہے اور وہی افضل الخفاء ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
(۷) اگر حضرت علی المرتضیٰ کو بستر نوئی پر سونے کی وجہ سے کوئی یہ نتیجہ لگاے کہ

خلافت صدیقی میں روم و شام کی فتوحات

اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کا اشارہ تھا تو یہ صحیح نہیں اور شاید اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غزوہ تبوک میں مدینہ منورہ میں شہر کی حفاظت اور امانت کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا لیکن رفیق ہجرت اور یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے اس تاریخی سفر پر اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ جہاں شاہ روم سے مقابلہ کی توقع تھی۔ تاکہ اس موقع پر بھی ثانی انتہیں کی خصوصیت حضرت ابوبکر صدیق کو ہی نصیب ہو۔ اور چونکہ حضرت صدیق نے ہی آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اول خلیفہ بننا تھا اس لئے آپ کو ہی اس سخت معرکہ میں لشکر اسلام کی قیادت کا تجربہ کرنا مقصود تھا۔ اور گو اس موقع پر قیصر شاہ روم مرعوب ہو گیا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر نہ آیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں صدیق اکبر کی وہ عظیم ثانی انتہیں کی شخصیت ہے جنہوں نے اپنے قلیل اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں فتوحات عراق کے علاوہ ہر قریب ضرور کی حدود سلطنت کو بھی پامال کرنا شروع کر دیا تھا چنانچہ شاہ روم نے مسلمانوں کے مقابلے میں لاکھوں کی تعداد میں فوج بھیج دی اور اس کا بھائی پتھوڑوس رومی افواج کا سپہ سالار اعظم تھا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے مقابلہ میں مجاہدین اسلام کے مختلف لشکر بھیجے۔ ایک لشکر کے سالار حضرت یزید بن ابی سفیان تھے۔ دوسرا لشکر حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں تھا۔ تیسرے لشکر کے قائد حضرت عمرو بن العاص تھے اور چوتھے لشکر کے سالار حضرت شرجیل بن حسنہ تھے۔ ایک اسلامی لشکر حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں بھی تھا۔ ان تمام لشکروں کی کل تعداد تقریباً بیس ہزار تھی۔ آخر میں حضرت صدیق اکبر کے حکم سے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے جو عراق کے محاذ کو چھوڑ کر شام کے محاذ پر تشریف لائے۔ اور رومی افواج کو شکست دے کر اجنادین کا عظیم معرکہ فتح کیا۔ اور بعض مورخین کے نزدیک رومیوں کے مقابلہ میں یروشلم کی عظیم فتح بھی حضرت صدیق کے عہدِ خلافت میں ہی ہوئی تھی۔ اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت صدیق نے بن اسلامی لشکروں کو رومیوں کے مقابلہ میں ترتیب دیا تھا ان کو مختلف راستوں سے روانہ کیا گیا تھا۔

اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ جو حضرت امیر معاویہؓ کے بڑے بھائی ہیں کو بتوک کے راستہ جانے کا حکم دیا تھا۔ اور یہ وہی مقام بتوک ہے جس کی نسبت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہ روم کے مقابلہ میں یہ سفر غزوہ بتوک کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کا ذکر مشہور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی آیت غار کی شان نزول میں ان الفاظ سے کیا ہے: اس سال میں لوگوں نے یہ خبر پھیلانی کہ اہل روم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے بہت بڑا لشکر جمع کر رہے ہیں اور ان کے بادشاہ ہرقل نے اپنے بہت سے لشکر اور اپنے ماتحت قبائل ممالک بلقا میں بھیج دیئے ہیں اور خود حمص میں آگیا ہے پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کو جنگ بتوک کی تیاری کے لئے حکم دیا۔ رحاشیہ ترجمہ مقبول تعصب سے بالاتر ہو کر مصنف فلاح الکونین بھی کچھ سوچیں کہ یہ جو افواہ پھیلی تھی کہ خود ہرقل شاہ روم حمص میں آگیا ہے یہ حمص وہی مقام ہے جہاں شام کی بہت بڑی چھاؤنی تھی اور حضرت صدیق اکبرؓ کے اسلامی لشکروں کے مقابلہ میں رومیوں کے لشکروں کو ترتیب دینے کے لئے ہرقل شاہ روم خود حمص میں آگیا تھا۔ اور اس نے وہاں سے نوے ہزار فوج صرف حضرت عمر بن العاصؓ کے مقابلہ میں بھیجی تھی حالانکہ حضرت عمر بن العاصؓ کے پاس اس وقت زیادہ سے زیادہ سات آٹھ ہزار کا لشکر تھا تو جب آئندہ حضرت صدیق نے ہی ہرقل کے مقابلہ میں اسلامی لشکر بھیجے تھے۔ اور ملک شام کی حدود میں پرچم اسلام لہراتا تھا تو پھر پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الہی یا رنار کو بھی اس خصوصی سفر میں اپنے ساتھ رکھنا تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اہل کی حیثیت سے شاہ روم کا مقابلہ کرنا تھا اور جو مکہ من جانب اللہ حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق اول خلیفہ ہونے کا فیصلہ نہ تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ مطلوب نہ تھا کہ حضرت علی پہلے خلیفہ بنیں۔ اس لئے شاہ روم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کو ہمراہ لیا اور حضرت علی المرتضیٰ کو شہر کی حفاظت کے لئے اپنا نائب بنا دیا۔ اور اپنے ہونے والے جانشین اعظم کو اپنے ہمراہ لے گئے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ثانی رسول اور نائب مطلق ایسی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے فاروقؓ کو انصاف کرس کہ یہ وہی حضرت ابوبکرؓ ہیں جن کو مصنف فلاح الکونین یہ لکھ رہے ہیں کہ غار میں دشمنوں کے خوف کی وجہ سے آپ دل چھوڑ گئے تھے اور جی ہانپیٹھے تھے۔ یہ جملہ اراصل ابوبکرؓ پر نہیں اس ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے جنہوں نے حضرت علیؓ پر بھی ترجیح دے کر حضرت

ابوبکر صدیقؓ کو اس سفر ہجرت میں اپنا رفیق بنایا تھا۔ اور یہ وہی ابوبکر صدیقؓ ہیں جو ہجرت کے اس سارے طویل سفر میں اللہ تعالیٰ کی وحی کے امین تھے کیونکہ اس دوران میں اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنی وحی نازل ہوئی تھی اس کے براہ راست سننے والے صرف صدیق اکبرؓ ہیں۔ اور اس خصوصیت میں بھی ان کے ساتھ اور کوئی صحابی شریک نہیں ہے۔

یار غار و یار مزار علامہ اقبالؒ کی نظر میں

من شے صدیق را دیدم بخواب گل ز خاک راہ او چیدم بخواب
آں آمنت انسانس بر مولائے ما آں کلیم اول سینائے ما
ہمت او کشت ملت را چو ابر ثانی اسلام و غار و بدر و قبر
گفتش اے خاصہ خاصان عشق عشق تو سر مطلع دیوان عشق
پختہ از دستت اساس کار ما چارہ فرما از پئے آزار ما
گفت تاکہ در بوس گردی اسیر آب و تاب از سورہ اخلاص گیر (رموز بخودی)

(۸) یہ بھی عجیب فلسفہ امامت و خلافت ہے کہ جس نے غزوہ بتوک کی تکمیل کی۔ اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی ہرقل شاہ روم کے لشکروں کو شکست دی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آنا چاہتا تھا۔ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح جانشین اور امت کا امام اول تسلیم کیا جائے۔ بلکہ اس کے ایمان میں بھی شک کیا جائے۔ لیکن جس نے ۲۲ سالہ خلافت تکرار کے بعد اپنے دور خلافت میں بھی ملک کفر میں سے کچھ بھی نہ فتح کیا ہو۔ اور بزعم شیعہ اپنی خلافت بلا فصل بھی چھوٹی ہو اور ۲۲ سال کا طویل عرصہ یوں بے بسی اور لے یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اَمْتِ السَّامِیَةِ عَلٰی صَحْبَتِهِ وَمَا لَهَا اَبُو بَکْرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ صَیِّحٌ بِنَہَارِیٍّ وَمِشِکٌ تَمَامٌ لِّوُکُلٍ مِّنْ سَیِّئِیْنَ رَنَاتٍ اور اپنے مال کے ذریعہ مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکرؓ ہیں۔

بیکسی میں گذار آہو۔ کہ بظاہر دشمنان اسلام کے مذہب کا یہی پیرو کار رہا۔ اور اپنا سچا مذہب ظاہر کرنے کی بھی توفیق نہ ملی ہو جس کو تفتیش سے تعبیر کیا جاتا ہے تو ایسا شخص خواہ انفرادی علم و عمل اور ذہن و تقویٰ میں کتنا ہی عظیم سمجھا جائے رحمت اللعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اول اور خلیفہ فصل کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اس ماضی نظریہ کی بنا پر تو حضرت علی المرتضیٰ اپنے ہمدغانت میں بھی برحق خلیفہ تسلیم نہیں کئے جاسکتے کیونکہ انہوں نے اپنے اقتدار میں بھی مذہب اہل سنت ہی پر عمل کیا اور وہ مذہب اہل بیت جس کو ماضی گروہ اپنا سچا مذہب تسلیم کرتا ہے اس کی تائید کی اور اس پر عمل کر سکے۔ باتوں کے عقیدہ کے پیش نظر کیا اس سے زیادہ کمزور اور ناکام خلیفہ کی مثال اسلامی تاریخ پیش کر سکتی ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت شہر خدا رضی اللہ عنہ کی عظمت شان بھی اس وقت تسلیم کی جاسکتی ہے جبکہ ان کو مذہب اہل سنت کے مطابق خلیفہ چہارم تسلیم کیا جائے۔

دور خلافت کی سچی تصویر (از مولانا حالیؒ)

جب امت کو سب مل چکی تھی کی نعمت	اور اگر چکی فسر اس پنا رسالت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی	کردنیا میں جس کی مثل الیں ہیں تھوڑی
خدا اور نبی کے وفادار بندے	قیموں کے رائیوں کے غم خوار بندے
جہالت کی رسمیں مٹ دینے والے	خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے
اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا	تو بالکل مدار ان کا احتلاص پر تھا
خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہبان	ہو گلہ کا جیسے نگہبان چوپاں
کثیر اور بانو تھی آپس میں ایسی	زمانہ میں مائی جائے مہنیں ہوں جیسی
کیا امیتوں نے جہاں میں اجالا	ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
زمانہ میں پھیلائی تو حید مطلق	لگی آنے گھر گھر سے آواز حق حق
رہی حق پر باقی نہ بندوں کی حجت	نئی نے کیا خلق سے قصد رحلت
سب اسلام کے حکم بردار بندے	سب اسلاموں کے مددگار بندے

رہ کفر و باطل سے بیزار سارے	نفس میں نے حق کے سرشار سارے
ہر آنست میں سینہ سپر کرنے والے	فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑاؤں میں نہ تھا	خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا
بجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں	نہ تھا عید و حر میں تفاوت نمایاں
رہ حق میں تھی دوڑا درجہاں ان کی	شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
بزل کو عرب اور عجم سے نکالا	ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جہاں سنبھالا

(۹) آیت غار کے الفاظ **وَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ** تو دشمنان صدیق کے مخالفانہ پروپیگنڈہ کی جڑ ہی کاٹ دی۔ چنانچہ خود مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ بیشک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے (ترجمہ مقبول) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ عام معیت نہیں جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہو معکم اینما کنتم۔ تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے کیونکہ یہ معیت (ساتھ ہونا) تو بوجہ خالق ہونے کے اللہ تعالیٰ کو اپنی ہر مخلوق کے ساتھ ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے اور انسان کی شد و رک سے بے نسبت اس کے زیادہ نزدیک ہے بلکہ یہاں معیت (ساتھ ہونے) سے مراد اس کی خاص رحمت و مدد کا حاصل ہونا ہے جیسا کہ فرمایا **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ** (بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے) (رب) **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کے ساتھ ہے۔ تو اب اس معیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اپنی خصوصی نصرت و رحمت کی وجہ سے اسی طرح حضور کے طفیل حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی ہے اور چونکہ حضور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ معیت ہمیشہ کے لئے ہے اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ خاص معیت اللہ تعالیٰ کی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی ہمیشہ ہمیشہ تاک کے لئے ہے اور صدیقی خلافت کی کامیابی بھی اسی خداوندی معیت کی وجہ سے ہی ہوئی ہے اور معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی معیت میں بھی حضرت ابوبکرؓ ثانی اتین میں اور آپ کو معیت ربانی کے کلمات میں بھی آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے۔ اور باقی امت کے اعتبار سے آپ اس میں اولی درجہ پر نائز ہیں۔ اب قارئین خود فرمائیں کہ قرآن عظیم میں **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ** کے بعد بھی کیا کوئی مومن حضرت

صدیقؓ کی نیت و نداداری۔ صداقت و شجاعت میں شبہ کر سکتا ہے ع۔ نہ سوچو گے تو پھر سوچو گے تم پر امتثال کرنا
مفسرین شیعہ کی پریشانی
 اس لئے اس میں طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں
 ان کے بیانات بھی متضاد ہیں، مصنف فلاح الکونین تو یہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ پر کفار کا خوف طاری ہو گیا
 تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لا تحزن فرمایا۔ لیکن یہ ایک بہتان ہے جو الفاظ قرآن سے ثابت نہیں
 ہو سکتا۔ جس کی تفصیل گندھکی ہے (ب) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی لکھتے ہیں کہ۔ خداوند تعالیٰ نے یہاں
 لا تحزن فرمایا لا تحزن نہیں فرمایا۔ حزن اس امر پر افسوس کرنے کو کہتے ہیں جو ہاتھ سے نکل گیا ہو اور خوف
 آنے والے واقعات کے متعلق ہوا کرتا ہے۔ دیکھو تفسیر بیضاوی اہل سنت

پس اگر حضرت ابو بکر کو رسول اللہ کے گرفتار یا قتل ہو جانے کے متعلق خوف ہوتا تو رسول لا تحزن فرماتے لا تحزن نہ کہتے۔
 آنحضرت کا لا تحزن فرمانا صاف بتلا رہا ہے کہ حضرت ابو بکر کو کسی ہاتھ سے نکلے ہوئے واقعہ کا افسوس تھا۔ (تفسیر زوار القرآن)
 تو کاظمی صاحب نے مصنف فلاح الکونین کے نظریہ کی تردید کر دی اور یہ مان لیا کہ حضرت ابو بکر کو کسی ہاتھ سے نکلے ہوئے
 واقعہ کا افسوس تھا۔ چونکہ مقصود حضرت صدیق کو صرف مطمئن کرنا ہے۔ اس لئے حزن کا معنی کسی بات کا افسوس
 کرنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کی یہ کیفیت تھی کہ انہیں پکپی لگی ہوئی تھی اور انہیں کسی طرح سکون نہیں
 آتا تھا۔ لیکن کاظمی صاحب کو یہ پش نہ رہا کہ اگر حضرت ابو بکر کو کسی بات کا افسوس تھا تو پھر آپ پر پکپی طاری ہونے کا کیا مطلب
 پکپی تو آدمی کو کسی کے خوف کی وجہ سے لگتی ہے۔ غم اور افسوس میں تو پکپی نہیں لگتی۔ اور یہ تو کاظمی صاحب ہی جانیں کہ
 حضرت ابو بکر کو کس واقعہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا افسوس تھا۔ اگر وہ اس کو ظاہر کر دیتے تو اس کا جواب بھی دے دیا
 جاتا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ جس بات کا آپ کو علم ہو گیا ہے کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ ہوا تھا۔ اگر
 اس بات کا علم تھا کہ حضرت ابو بکر کو کسی واقعہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا افسوس لاحق تھا اور کاظمی صاحب کا وہم ثابت
 یہی ہو کہ حضرت ابو بکرؓ جو نقصان حضور کو پہنچا سکتے تھے وہ نہ پہنچا سکے۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر
 سے یہ کیوں فرمایا کہ لا تحزن (تو غم نہ کر) اس ارشاد نبویؐ کا آپ کی اس نکتہ سنجی سے کیا جوڑ ہے۔ اور اس کے ساتھ
 ہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا اِنَّ اللہَ مَعَنَا۔ اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ

مان لیا۔ کہ (اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے) تو اس ارشاد نبویؐ نے تو کاظمی ہوں یا مصنف فلاح الکونین سب کی رگ بھل
 کاٹ دی ہے

خدا ہی ملانہ وصال صنم * نادر کے رہے نادر کے رہے

کاش کہ آپ صاف دلی سے اس قرآن پر ایمان رکھتے تو سب شبہات ختم ہو جاتے۔ پھر اس اظہار عناد کے
 بعد کاظمی صاحب نے ایک اور بات کا بھی انکشاف فرمادیا چنانچہ بحوالہ کافی امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا (یعنی حضرت ابو بکر کا) حال دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ انصار میں سے جو میرے اصحاب
 ہیں تمہیں ان کو مجلسوں میں بیٹھ کر باتیں کرتے دکھلا دوں اور حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھیوں کو سمندر میں جاتے ہوئے
 دکھا دوں۔ انہوں نے عرض کی۔ ہاں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے چہرہ پر پھیرا تو انصافاً
 بھی اپنی مجلسوں میں باتیں کرتے نظر آنے لگے اور حضرت جعفر طیار بھی سمندر میں جاتے ہوئے دکھائی دینے لگے (حاشیہ ترجمہ قرآن از
 مولوی امداد حسین کاظمی) فرمائیے۔ اور تو حضرت ابو بکرؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ثابت کر رہے ہیں اور ادھر یہ بھی
 نیکم کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ فرمایا کہ اے ابو بکر افسوس نہ کر۔ بلکہ آپ کے چہرہ پر رحمت
 کا ہاتھ پھیر کر بطور کشف حضرت ابو بکرؓ کو انصار کا اپنے گھروں میں بیٹھ کر باتیں کرنا اور حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھیوں
 کا سمندر میں چلنا بھی دکھا دیا۔ اس سے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے متعلق جو غم لاحق ہوا تھا۔ اس کا ازالہ حضور صلی نے نہ صرف لا تحزن کے ارشاد سے کیا بلکہ آپ کو کشتی مناظر دکھا کر
 بالکل ہی غم کا ازالہ فرمادیا۔ رہے شان ابو بکرؓ۔ رہے نصیب ابو بکرؓ۔

(۱۰) اِنَّ اللہَ مَعَنَا کے بعد آیت غار کے الفاظ یہ ہیں۔ فَاَنزَلَ اللہُ سَکِیْنَتَہُ عَلَیْہِ وَاَیَّدَاہُ بِخُفُوٰیہٖ
 تَوَّحَّاهَا۔ مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے۔ پس اللہ نے اپنے رسول پر اپنی تسکین نازل فرمائی
 اور ایسے لشکروں سے ان کو مدد پہنچائی جن کو تم نے نہیں دیکھا (ترجمہ مقبول) عام مفسرین نے علیہ کی ضمیر کا مرجع ہے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو قرار دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی سکینت
 نازل فرمائی۔ لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس علیہ کی ضمیر کا مرجع حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات کو قرار دیتے
 ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت حضرت ابو بکرؓ پر نازل فرمائی۔ اور اس کی وجہ حسب ذیل بیان فرماتے

ہیں (۱) علیہ کی غیر سے پہلے لصاحبہ میں حضرت ابوبکر ہی کا ذکر ہے اس لئے غیر انہی کی طرف راجع ہونی چاہیے (۲) غم اور اندیشہ حضرت ابوبکر ہی کو لاحق تھا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکہ حضور کو تو پہلے ہی سکون قلب حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت اور خصوصی تسلی حضرت ابوبکرؓ پر ہی نازل ہونی چاہیے (۳) اگر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینت کا نازل ہونا مراد ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم اور پریشانی لاحق ہوتی تھی۔ حالانکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکرؓ کو لا تحزن فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور خود مطمئن القاب تھے درنہ جو آدمی خود پریشانی میں مبتلا ہو وہ دوسرے کو کیا تسلی دے سکتا ہے اور امام رازی کے نزدیک **وَالَّذِي بَعْدُ لَمْ يَتْرُكْهَا كَالْعَلَقِ جُفَا** بدر سے ہے جس کا ذکر ان آیات سے پہلے ہے۔ بہر حال امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو توجہات پیش کی ہیں ان سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت صدیق اکبر کے قلب پر ہی نازل کی گئی ہو۔ واللہ اعلم (ب) اور اگر آیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی سکینت کا نزول ہو تو پھر بھی حضرت ابوبکرؓ اس سکینت سے محروم نہیں رہ سکتے کیونکہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وہ خاص سکینت الہی حضرت صدیق کے قلب پر بھی نازل کی گئی۔ اور حضور کے لا تحزن اور ان اللہ معاف فرمائے سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ جب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تسلی دے رہے ہیں اور اپنے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اسی میں حضرت ابوبکرؓ کو بھی شامل فرمایا ہے ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سکینت نازل ہو وہ حضرت صدیق کو نصیب نہ ہو اور وہ جو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پریشان ہو رہے ہیں ان کو اطمینان قلب نہ عطا کیا جائے۔

(ج) اور شیعوں کے شیخ طبرسی فا نزل اللہ سکینتہ علیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: یعنی علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم **أَمَى الْقَلْبُ فِي قَلْبِهِ مَا سَكَنَ بِهِ وَعِلْمُ أَنْهُمْ غَيْرُ وَاصِلِينَ إِلَيْهِ**۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جس کی وجہ سے آپ کو سکون حاصل ہو گیا اور آپ نے جان لیا کہ کفار آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے) اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ طبرسی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو بھی اس سے پہلے سکون حاصل نہ تھا۔ تو اب مصنف فلاح الکونین ہی بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس بات کی پریشانی اور بے چینی تھی جس کو نازل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت نازل فرمائی۔

حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کا منکر کافر ہے

زیر بحث آیت میں لصاحبہ سے چونکہ صراحتاً حضرت ابوبکر صدیق کا صاحب رسول ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے علمائے اہل سنت کے نزدیک جو شخص حضرت ابوبکر کے صحابی ہونے کا انکار کرے وہ اس آیت کے منکر کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا فتویٰ

بریلوی علماء کے پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ مفتی محمد طہر صاحب مدنی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔ ان انکو بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر بہا لقولہ ان اللہ تعالیٰ جسم کا لا جسام اذ انکر صحبۃ الصدیق (اگر ضروریات دین سے کسی چیز کا منکر ہے تو کافر ہے مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے مانند جسم ہے یا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہونا۔ (رسالہ رد الرافضہ ص ۲۷)

(۲) مولانا مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت اس آیت سے ثابت ہے حسن بن فضل نے فرمایا جو شخص حضرت صدیق اکبرؓ کی صحابیت کا انکار کرے وہ نص قرآنی کا منکر ہو کر کافر ہے (تفسیر خزان العرفان)

کتب شیعہ حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت

(۱) شیخ طبرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ ان اذل من اسلم بعد خدیجۃ ابوبکرؓ (تفسیر مجمع البیان ج ۳)

خدیجہ کے بعد جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے وہ ابوبکرؓ ہیں (تفسیر مجمع البیان ج ۳)

حضرت ابوبکرؓ کو حضرت علیؓ نے صدیق فرمایا

(۲) حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔ وکان افضلہم فی الاسلام کیا زعمت وانصحبہم اللہ ورسولہ الخلیفۃ الصدیق و خلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانہما فی الاسلام عظیم وان المصاب بہما الجرح فی الاسلام شدید وحمہما اللہ وجزاہما باحسن ما عملک (حضرت ابوبکرؓ ان سب سے اسلام میں افضل تھے جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ اور ان سب میں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ خیر خواہ خلیفہ (ابوبکر صدیقؓ تھے اور ان کے خلیفہ (عمر) فاروق

تھے۔ اور میری عمر کی قسم کے ان دونوں کا اسلام میں عظیم رتبہ ہے اور بے شک ان دونوں کی موت سے اسلام کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائیں اور ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں۔ (ابن میثم بحرانی شرح نہج البلاغہ)

شیخ قمی اپنی تفسیر میں آیت غار کے تحت یہ لکھنے کے بعد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو از روئے کشف حضرت جعفر اور ان کے

رسول اللہ نے ابوبکر کو صدیق فرمایا

ساتھیوں کی کشتی کو دکھلادیا۔ لکھتے ہیں: فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم انت الصديق۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا۔ آپ صدیق ہیں۔ تفسیر قمی سورہ التوبہ مطبوعہ ایران ص ۵۷۱) اسی طرح کشف الغم میں لکھا ہے کہ امام محمد باقر نے حضرت ابوبکر کو تین بار صدیق فرمایا۔ (مطبوعہ ایران ص ۲۲۱) ہم نے بخوف طوالت صرف یہی سوالات اہل تشیع کی کتب معتبرہ سے حضرت ابوبکر کے صدیق اور افضل ہونے میں نقل کر دیے ہیں درناور بھی بہت سی عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ کاش کہ فلاح الکونین کے مامی مصنف از روئے تفسیر ہی حضرت صدیق کی کچھ فضیلت مان لیتے۔

گر زبید برد ز پیرہ چشم - چشمہ آفتاب را سپر گاہ

علامہ اقبال آیت لا تحزن کے تحت فرماتے ہیں :-

اے کہ در زندان غم باشی اسیر - از نبی تعلیم لا تحزن بجیسر

ایں سبق صدیق را صدیق کردو - سرخوش از بیمانہ تحقیق کردو

(رموزیہ خودی)

ہم نے لکھا تھا کہ: اللہ تعالیٰ نے امتحانی مصائب میں مبتلا کرنے کی حکمت بتواتر ہوتے مومنوں کو تسلی دی ہے۔ لیکلّا تأسوا علی ما فاتکم ولا تحزنوا بما آتاکم (سورہ الحدید رکوع ۱۹)۔ تاکہ غم نہ کھاؤ اور اس چیز کے جو تم سے فوت ہو گئی ہے اور نہ اتراؤ اور اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے۔ یعنی خوشی اور نعمت پر فخر نہیں کرنا چاہیے اور تکلیف اور مصیبت پر غم نہیں کھانا چاہیے۔ (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۹)

اس کے جواب الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں: عربی میں ما غیس ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور "من" ذوی العقول کے لئے چنانچہ آیت میں ما ہے نہ کہ من۔ یا استدلال عربی زبان کی اسجہ سے بھی عدم واقفیت

کی دلیل ہے۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ دنیا کا مال و منال حاصل ہو جائے تو اس پر اترا نا نہیں چاہیے اور اگر کچھ مال و دولت صنائع ہو جائے تو اس پر حزن و ملال نہ کرنا چاہیے۔ آمیت غیر ذوی العقول کے لئے ہے ہم ماتم ذوی العقول کا کرتے ہیں۔ لہذا ہمارے ماتم سے اس آیت کا کیا ربط اور کیا تعلق۔ اللہ بس۔ باقی ہوس۔ (فلاح الکونین ص ۵۷)

الجواب (۱) آپ اپنے ادہام و دساوس کو علم سمجھنے لگ جاتے ہیں مامی مصنف کی ایک اور جہالت آپ نے یہاں عربی قاعدہ سے اپنی واقفیت کے متعلق لاف زنی

کر دی اور خوشی میں پھولے نہ سماتے ہوئے مجھ پر طعن بھی کر دیا لیکن آپ کو خوشی نصیب ہی کیا ہو سکتی ہے جبکہ ماتم ہی آپ کا اڑھنا بچھونا ہے آخر پھر آپ کو مغرم و مظلوم بننا پڑتا ہے۔ کاش کہ آپ کسی عربیت سے واقف شیعہ عالم سے ہی دریافت کر لیتے تو یوں آپ کی جہالت نمایاں نہ ہوتی۔ آپ نے جو قاعدہ بیان کیا ہے کہ ما غیر ذوی العقول کے لئے اور من ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر ہے کیونکہ بعض دفعہ ما ذوی العقول کے لئے بھی آتا ہے۔

چنانچہ علم نحو کی مشہور کتاب شرح جامی میں ہے: وما بمعنی الذی فیما لا یعقل غالباً نحو عرفت ما عرفتہ وجاء فیما یعقل نحو السماء وما بنہا یعنی ما جو الذی کے معنی میں آتا ہے وہ غالباً یعنی اکثر تو ان ہی چیزوں کے لئے آتا ہے جن میں عقل نہیں ہے (یعنی غیر ذوی العقول کے لئے) مثلاً عرفت ما عرفتہ۔ اور ان چیزوں کے لئے بھی آتا ہے جو عقل رکھتی ہیں مثلاً والسماء وما بنہا۔ مطلب یہ ہے کہ آیت والسماء وما بنہا میں جو ما آیا ہے یہ غیر ذوی العقول کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے چنانچہ (۱) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر اس آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں: قسم ہے آسمان کی اور اس کی جس نے بنایا۔ (ترجمہ مقبول) (ب) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: اور قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بنایا۔ (سورہ الشمس) فرماتے ہیں ذات نے آسمان بنایا اس کے لئے ما قرآن مجید میں آیا ہے۔ اور اگر آپ کا قاعدہ مانا جائے کہ ما غیر ذوی العقول ہی کے لئے آتا ہے تو کیا آپ کے نزدیک اس آیت کا یہ مطلب ہو گا کہ جس نے آسمان کو بنایا ہے وہ غیر ذوی العقول میں سے ہے۔ کیا آپ کا خدا ایسا ہی ہے؟ خدا جانے آپ کی یہ جہالت

آپ کو کس مقام پر پہنچائے گی؟ تو بکر وک موت ہے سر پر پھری ہوئی

یہ تو قرآن مجید کی اس آیت میں ما موصولہ کا استعمال ہے جو شرح جامی میں بطور مثال پیش کی گئی ہے۔ (۲) قرآن مجید میں فرمایا: فانکحوا ما طاب لکم من النساء منی وثلث وربع (پ ۴ سورہ النساء ع ۱) مولانا اشرف علی

صاحب نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھا ہے۔ اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرو۔ دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے (ب) مولوی مقبول احمد دہلوی شیعہ مفسر کا ترجمہ یہ ہے۔ اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو (اور) عورتوں میں سے جو تم کو پسند آجائیں دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرو اس آیت میں ما طاب کم من النساء میں مائے مراد عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنے کا حکم ہے۔ لہذا قرآن مجید سے ماذوی العقول کے لیے ثابت ہو گیا فرمائیے کیا آپ کے نزدیک عورتیں غیر ذوی العقول میں شامل ہیں۔ انسان نہیں ہیں بلکہ ریت اور پتھر ہیں جن سے اہل ایمان کو نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ع عقل بڑی یا بھینس

یہ ہے آپ کا مبلغ علم جس کے بھروسہ پر آپ نے ایک دینی علمی موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ انجمن حیدری حوالہ نے آل پاکستان شیعہ علماء میں سے مصنف فلاح الکونین کا بھی خوب انتخاب کیا ہے۔

(۳) تیسری آیت یہ ہے۔ فَاثَابَكُمْ غَمًّا بِخَبْرٍ لِّكَيْلًا تَتَحَنَّنُوا عَلٰی مَا فَاٰتَكُمْ وَلَا مَا اَصَابَكُمْ (سورۃ الن عرمان رکوع ۱۶) مولانا اشرف علی صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے تاکہ تم مغموم نہ ہو اگر وہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس پر جو تم پر مصیبت پڑے (ب) مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ ترجمہ لکھا ہے: پھر خدا نے تم کو رنج پر رنج پہنچایا تاکہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے نکل گیا ہے اس پر جو مصیبتیں تم پر پڑی ہیں ان پر افسوس نہ کرو (ج) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی لکھتے ہیں: پھر خدا نے تمہیں رنج پر رنج پہنچایا تاکہ جو چیز تمہارے پاس سے جاتی رہی اور جو مصیبت تم پر پڑی اس پر غم نہ کرو اس کی تفسیر میں کاظمی صاحب لکھتے ہیں: غمًا بِخَبْرٍ تفسیر صافی ص ۱۹ پر بحوالہ تفسیر قمی جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلا غم تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان میں سے بعض قتل ہو گئے اور دوسرا غم یہ تھا کہ خالد بن ولید نے ہزار سواروں سے ان کو پیچھے سے گھیر لیا (تفسیر المتقین) (د) آپ کے قدیم ترین مفسر شیخ قمی (جو امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: لِّكَيْلًا تَحْزَنُوا عَلٰی مَا فَاٰتَكُمْ مِنَ الْغَنِيْمَةِ (وَلَا مَا اَصَابَكُمْ) یعنی قتل انہم (تفسیر قمی جلد اول - مطبوعہ نجف اشرف)

اس آیت میں دو جگہ مآ آئے ہیں۔ شیخ قمی نے پہلے مآ سے مراد مال غنیمت لیا ہے۔ اور دوسرے مآ سے جگہ

احد میں مومنین کا قتل ہونا مراد لیا ہے۔ یعنی مآ اصابکم سے مراد شہداء کے قتل کا قتل ہے۔ تو جب قرآن مجید میں یہ فرمایا کہ جنگ احد میں تم کو اپنے مومن بھائیوں کے قتل و شہادت کی جو مصیبت پہنچی ہے تم اس پر غم اور افسوس مت کرو۔ تو کیا آپ یہاں بھی یہ فرمائیں گے کہ مآ اصابکم سے مراد غیر ذوی العقول کی مصیبت ہے۔ کیا جنگ احد کے شہداء آپ کے نزدیک غیر ذوی العقول ہیں جن میں سید الشہداء حضرت حمزہ بھی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنہیں یہی مطلب زیر بحث سورۃ الحدید کی آیت کا ہے جس میں فرمایا گیا کہ لِّكَيْلًا تَأْسُوْا عَلٰی مَا فَاٰتَكُمْ وَلَا تَحْزَنُوا بِمَا اٰتَاكُمْ اس آیت کا ترجمہ (د) مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ لکھا ہے تاکہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اس پر غم افسوس نہ کرو اور جو کچھ اس نے تم کو عطا کیا ہے اس پر آپ سے باہر نہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسے شیخی باز کو دوست نہیں رکھتا۔

(ب) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: تفسیر صافی ص ۱۹ پر بحوالہ نہج البلاغۃ منقول ہے کہ تمام زہد قرآن مجید کے ان دو کلموں میں آگیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِّكَيْلًا تَأْسُوْا . . . بَمَا اٰتَاكُمْ۔ پس جو شخص گذشتہ کا افسوس کرے اور جو کچھ ہونے والا ہے اس پر غم نہ کرے تو گویا زہد کے دونوں پہلو اس کے ہاتھ آ گئے (تفسیر المتقین)

(۴) اگر آپ اس آیت کے ابتدائی الفاظ قرآنی دیکھ لیتے تو اپنی باطل تاویل کی وجہ سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی چنانچہ پوری آیت یہ ہے۔ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی الْاَنْفُسِ الْاَلَا فِیْ کِتَابٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَبْرَاھِمَ اَنْ ذٰلِكَ عَلٰی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ لِّكَيْلًا تَأْسُوْا عَلٰی مَا فَاٰتَكُمْ وَلَا تَحْزَنُوْا بِمَا اٰتَاكُمْ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے۔ کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک خاص کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں۔ یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے (یہ بات بتلا اس واسطے دی ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی ہے

لہ نہج البلاغۃ کی عبارت یہ ہے: قَالَ الزَّهْدُ کَلِّهِ بَيْنَ کَلْتَيْنِ مِنَ الْفُرْقَانِ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ لِّكَيْلًا تَأْسُوْا عَلٰی مَا فَاٰتَكُمْ وَلَا تَحْزَنُوْا بِمَا اٰتَاكُمْ وَمَنْ لَمْ یَأْسُ عَلٰی الْمَاضِیْ وَلَمْ یَفْرَحْ بِالْاٰتِیِ فَقَدْ اخَذَ الزَّهْدَ بِطَرَفِیْهِ (ص ۳۸ مطبوعہ کلکتہ)

تم اس پر رنج (انا) نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراد نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا (پ ۲۷ - الحدید ص ۳)

اس آیت میں ما اصابکم من مصیبتہ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو آگاہ کر دیا ہے کہ جو مصیبت بھی تم پر آئے وہ مقدر ہے تمہاری پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں بھی اس کو لکھ دیا ہے اس لئے وہ مصیبت ضرور آکر رہے گی۔ اس طرح جو نعمت بھی ہمارے لئے مقدر ہے وہ ضرور تمہیں ملے گی۔ لہذا اگر مصیبت آئے تو اس پر افسوس نہ کرو اور اگر کوئی نعمت ملے تو اس پر شیشی نہ بکھاؤ۔ اور بحوالہ نہج البلاغہ ثابت ہوا کہ اس آیت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زہد کے دو پہلو بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ گذشتہ پر افسوس نہ کرو۔ اور دوسرا یہ کہ آنیوالی پر اتراد نہیں۔ اب مصنف فلاح الکونین فرماتے ہیں کہ کیا شہادت حضرت حسین قرآن مجید کے ارشاد ما اصابکم من مصیبتہ کی مصیبتوں میں شامل نہیں۔ یہ مصیبت کیا تقدیر خداوندی کے خلاف ہے۔ اگر دوسری مصیبتوں کی طرح حضرت حسین کی یہ مصیبت بھی یقیناً مقدر ہے جس نے ضرور واقع ہونا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہی ہے کہ کسی مصیبت پر بھی افسوس نہ کرو خواہ وہ جنگ احد کے شہیدوں کی مصیبت ہو یا کر بلا دلوں کی۔ لیکن اس آیت کے خلاف آپ کا مشن تو یہ ہے کہ شہادت حسین کا غم و افسوس قیامت تک منائیں گے اور اس سے زائد منہ اور سینہ بھی ہمیشہ پیٹتے اور کوٹتے رہیں گے بلکہ یہ ماتی گردہ اللہ تعالیٰ نے پیٹنے کوٹنے کے لئے ہی بنایا ہے۔ تو کیا یہ قرآن دشمنی کا مظاہرہ نہیں جس کو محبت حسین کی آڑ میں آپ نہرا ہا نہرا روپیہ خرچ کر کے پاکستان میں پھیلا رہے ہیں۔ نہ قرآن و حدیث کا لحاظ۔ نہ حضرت علی المرتضیٰ کے ارشاد کا پاس۔ نہ مقام صبر و شہادت کی فضیلتوں کا احساس۔ آخر یہ مذہب کہاں سے نکلا اور کس مقصد کے تحت اس خلاف اسلام نظریہ کی تحریر و تقریر کے ذریعہ اشاعت کی جا رہی ہے۔ مانا کہ عوام جذباتی طور پر اور کم علمی کی بنا پر افعال ماتم میں شریک ہو جاتے ہیں لیکن شیعہ علماء و مجتہدین کیا اس آیت کو نہیں جانتے اور کیا نہج البلاغہ میں حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد ان کو

لے جلا والیون مترجم میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا۔ میری پیاری پروردگار عالم نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے میرے حبیب ہم ایک قوم پیدا کریں گے جن کے جوان تیری اہل بیت کے جوانوں کو رو با کریں گے۔ جن کے بچے تیری اہل بیت کے بچوں کو جن کے پوتے تیری اہل بیت کے پوتوں کو جن کی عورتیں تیری اہل بیت کی عورتوں کو رو با کریں گی (جلد دوم ص ۱۱۱ مقدمہ از سید ظہر العین زیدی)

معلوم نہیں ہے اور کیا تفسیر فی ان کے مطالعہ سے نہیں گذری۔ یا الکافی۔ اور من لایحضر الفقیہ کی احادیث سے وہ نا واقف ہیں۔ پھر وہ اس خلاف شریعت ماتم کی کیوں تصدیق و تائید کرتے ہیں؟ کیا اس معرکہ کا کوئی اسلامی حل ہے؟

چار لاکھ روپیہ انعام

ماتی ٹریکٹ حصہ دوم یعنی کھلی چھٹی بنام مظہر حسین مولوی چودھویں صدی میں ملک غلام عباس صاحب بی اے ساکن تلہ لنگ نے مجھے یہ لکھا تھا کہ مولوی صاحب۔ آپ کے خلاصہ جوابات میں تحریر ہے کہ اگر رسول اکرم امام حسین کا ماتم اور مجلس بپا کرتے تو آج ماتم کرنا جائز ہوتا "عقل کے ناخن لیں۔ نبی پاک نے واقعہ کربلا سے پہلے رحلت فرمائی تو واقعہ سے پہلے ہی کیسے مجلس اور ماتم کیا جاتا" اس کے جواب میں بعنوان "ملک صاحب کی بدحواسی" میں نے لکھا تھا کہ: ملک صاحب آپ نے خواب میں میری یہ تحریر پڑھی ہے یا بیداری میں۔ اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ میں نے یہ لکھا ہے کہ: اگر رسول اکرم

امام حسین کا ماتم اور مجلس بپا کرتے تو آج ماتم کرنا جائز ہوتا" تو آپ کو ۲ لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ایک مہینہ تک آپ کے لئے مہلت ہے" (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۳) اب چاہیے تو یہ تھا کہ ملک صاحب موصوف یا فلاح الکونین کے ماتی مصنف صاحب اپنا الزام ثابت کر کے مجھ سے دو لاکھ روپیہ انعام لیتے یا اپنے اس الزام سے توبہ کرتے لیکن بجائے اس کے ماتی مصنف لکھتے ہیں: آپ دو لاکھ کیا دس لاکھ روپیہ بھی انعام دیں تو بھی ملک صاحب آپ کی تحریر سے ایسا فقرہ کہ "اگر رسول اکرم امام حسین کا ماتم اور مجلس بپا کرتے تو آج ماتم کرنا جائز ہوتا" نہیں دکھا سکتے۔ یہ ملک صاحب کی غلط فہمی ہے۔ ہم تو آپ کی تحریر کو پڑھنے کے بغیر ہی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے قلم سے ایسا حقیقت پر مبنی فقرہ صفحہ قرطاس پر ضبط تحریر میں آنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ چاہے وہ اگر مگر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ آثار و قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اگر رسول اکرم کربلا کے واقعہ ہائے مکہ کے وقت موجود بھی ہوتے حسین کا ماتم بھی کرتے اور مجلس بھی بپا کرتے۔ پھر بھی آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر ہرگز عمل نہ کرتے" (فلاح الکونین ص ۱۱)

ماتی مصنف کی بوکھلاہٹ

آپ نے جواب اب جواب میں جو کچھ لکھا ہے اس میں آپ کی بوکھلاہٹ کا اظہار تو ہے لیکن میرے چیلنج کا جواب نہیں۔ اور

آپ کو حق کوئی کی اتنی بھی توفیق نہیں ملی کہ یہی کہہ دیتے کہ ملک صاحب سے غلطی ہو گئی ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ کے لئے اعتراف حق صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اور اس کی توفیق آپ سے اس لئے سلب کر لی گئی ہے کہ آپ نے امدال بیت پر یہ افتراء باندھا ہے کہ ان کا دین حق کو چھپانا اور خلاف حق کا ظاہر کرنا تھا۔

شیعہ مذہب کے اہل مکرو فریب نے ظاہر کیا ہے | چنانچہ شیعہ مذہب کی حدیث ہے کہ، عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال لی ما زال سرنا مکتوما حتی صار فی یدی ولد کیسان فتحد ثوابہ فی الطریق وقوی السواد را اصل کافی کتاب الایمان (دکفر) اس کا ترجمہ آپ کے ادیب اعظم لکھتے ہیں: فرمایا ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ ہمارا معاملہ ہمیشہ پوشیدگی کے ساتھ رہا ہے لیکن اہل مکرو فریب نے شیعیت کو لیا تو گوی کوچوں میں اور گاؤں گائوں اعلان کر دیا۔ (ولد کیسان سے مراد بعض نے اولاد مختار علیہ الرحمت لی ہے) جنہوں نے شیعیت کا اعلان بابگاہی کیا "ثانی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص ۲۴) اور دین چھپانا ہی یہی وہ افضل عبادت ہے جس کا نام مذہب شیعہ میں تقیہ ہے۔ اب غور فرمائیں کہ امام جعفر صادق کے فرمان کے تحت آپ کس شمار میں ہیں۔

آپ ہی اپنے ذرا طرز عمل کو دیکھیں۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

رسول خدا پر افتراء | آپ نے لکھا ہے کہ: اگر رسول اکرم کر بلا کے واقعہ ہانڈ کے وقت موجود ہوتے تو حسین کا ماتم بھی کرتے الخ۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کا افتراء ہے کیونکہ جزع فرزع کرنا ہی صبر کے خلاف ہے جیسا کہ لغت۔ قرآن اور حدیث شیعہ کی بنا پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ صبر اور جزع آپس میں ضدیں ہیں۔ صبر کرنے والا جزع فرزع نہیں کرتا جو آپ کے ماتم کی ایک جزو ہے اور جو جزع کرے وہ صابر نہیں ہوتا۔ اور مذکورہ زیر بحث آیت لکھا تا سوا علی ما فا تشکد کی روشنی میں حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد بھی بیخبر البلاغتہ سے نقل کر چکا ہوں کہ گذشتہ مصیبت پر افسوس نہ کرنا نیز کی ایک صفت ہے۔ تو پھر امام الصابریں۔ سید الزاہدین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسینؑ کی شہادت پر خلاف قرآن ایسی مجالس ماتم کیوں قائم فرماتے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد کے ان شہید اہل

شامل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور حضرت حمزہؑ کے شہید ہونے کے بعد ہند نے آپ کا سینہ چیرا اور کھینچ نکال کر دانتوں میں چبا یا۔ اور آپ کے ناک کان وغیرہ اعضاء کاٹ دیتے گئے تھے حتیٰ کہ آپ کی لاش بچانی نہیں جاتی تھی۔ کیا یہ واقعہ ہانڈ نہ تھا۔ لیکن باوجود اس کے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ المناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے چچا حضرت حمزہؑ کو سید الشہداء کا اقیب بھی عطا فرمایا لیکن نہ منہ پٹیا نہ سینہ کو لی۔ اور نہ زنجیر زنی ہوئی نہ سیاہ کپڑے پہنے گئے غرضیکہ یہ مجلس ماتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؑ کی ایک دفعہ بھی قائم نہیں کی چہ جائیکہ مجالس ماتم کا سلسلہ قائم کیا جاتا۔ اور سیرت النبی کے جس حوالہ سے آپ نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے طور پر مجلس غم کا استدلال کیا تھا۔ اس میں بھی خود شریک نہیں ہوئے بلکہ عورتوں کو آئندہ کے لئے نوحہ کرنے سے بھی منع فرمایا۔ جیسا کہ ابن ہشام اور مدارج النبوة کے حوالہ سے اس کا ثبوت پہلے پیش کر دیا گیا ہے۔ تو فرمائیے اپنی اتنی حیثیت کی بنا پر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہتان تراشی کرنا کیا محبت نبوی پر مبنی ہے یا سنت مطہرہ کی تعقیص و توہین پر ہے ہاں ایک راستہ تقیہ کا آپ کے لئے کھلا ہوا ہے جس کو ہم کیونکر بند کر سکتے ہیں۔

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات

دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

ماتم میں جان دینا | آپ نے فخر سے لکھا ہے کہ: ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اور اب پھر آپ کی یاد دہانی کے لئے اپنی اس بات کو دہراتے ہیں کہ پاکستان میں ہر سال ماتم کرتے ہوئے کئی ماتمی جان سے گذر جاتے ہیں۔ دور کیوں جائیں کچھ سال ہی کی بات ہے آپ نے بھی یقیناً سنا ہوگا کہ ڈھڈیال تحصیل پکوال میں ایک ماتمی مظلوم کر بلا سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماتم کرتے ہوئے جان بحق ہو گیا تھا ایمان سے کہیں اتنی بناوٹ بھی کبھی ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے کہ انسان بناوٹ بناتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ (فلاح الکونین ص ۱۳۸)

الجواب (۱) ڈھڈیال میں ہوا کسی اور جگہ۔ اگر کوئی ماتمی مجتہدین شیعہ کے نزدیک زنجیر زنی ناجائز ہے | زنجیر زنی کرتے ہوئے یا اپنے بدن پر چھریاں مارتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے تو یہ سب گناہ آپ جیسے ماتمی علماء و ذاکرین پر ہے جو عوام شیعہ کو اس قسم

کے ماتم کرنے کا عظیم ثواب بتلاتے ہیں۔ حالانکہ مند پٹینا اور سینہ کوٹنا ہی جب امام جعفر صادق کے فتویٰ کے مطابق حرام اور خلاف ایمان ہے تو زنجیر زنی وغیرہ کیونکہ جائز ہوگی چنانچہ اخبار دینے کے سیکڑ کے ایڈیٹر سید عنایت علی شاہ صاحب نے فتویٰ بخاری ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں (سوال) ایام محرم پر جو عجمان ال عبا کشر زنجیر زنی وغیرہ کرتے ہیں اس پر عام اعتراض ہے از روئے شریعت اس کی وضاحت کریں شکور ہونگا؟

(الجواب) زنجیر زنی سے مجتہدین منع فرماتے ہیں۔ باقی سینہ زنی۔ پٹینا۔ کوٹنا۔ نوہ کہنا۔ داویلا کرنا۔ کپڑے پھاڑنا۔ پیرا بن چاک کرنا۔ بال بچنا۔ خاک اڑانا وغیرہ وغیرہ افعال مردہ کے لئے از روئے شریعت اسلامیہ ناجائز اور حرام ہیں اور یہ کفار و مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں ان سے ہر مسلمان کو اجتناب لازم ہے کیونکہ یہ جملہ امور دنیا کی غرض مطلب اور مفاد کے مفعول ہونے پر ظاہر کے جلتے ہیں۔ لیکن شعائر اللہ کے نقصان پر کسی نبی کی وفات یا قتل پر۔ بیت اللہ کے انہدام پر۔ کتاب خدا کی توہین پر ہے۔ مساجد اللہ کی بربادی پر ہتک و تباہی اسلام پر انقطاع وحی پر۔ قتل امام پر وغیرہ وغیرہ کہ جن کی فرقت و حزن کا مظاہرہ محض روحانیت سے متعلق ہو اور اس میں کوئی دینی غرض اور نکات نقص دنیا نہ ہو سب کچھ جائز بلکہ ثواب عظیم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرام کے ٹوٹے مرنے۔ ان کی تباہ حالی۔ کپڑوں کا پھاڑنا۔ بالوں کا نوچنا۔ خاک اڑانا۔ بعض کا لنگ ہو جانا۔ بعض کا بھونکنا ہونا دنیائے اسلام کا داویلا۔ یہ سب کچھ شعائر اللہ کی محبت میں اور نقصان روحانیت روحی کا مظاہرہ تھا جو جائز ہے۔

(خزینۃ المسائل جلد اول صفحہ ۱۲)

(۲) زنجیر زنی سے جب مجتہدین شیعہ منع کرتے ہیں تو یہ اس بنا پر ہوگا کہ شرعاً یہ حرام ہے۔ اور ممکن ہے کہ جو مجتہدین ہاتھوں سے مند اور سینہ کوٹنے کو جائز بلکہ عبادت سمجھتے ہیں انہوں نے زنجیر زنی اس لئے ناجائز قرار دی ہو کہ اس میں کوئی ایسا زخم لگ جلتے جو جان لیوا ثابت ہو اور یہ خود کشی کے حکم میں آجائے۔ اور بعض جذباتی جو اس طرح کی موت کو شہادت کی موت سمجھتے ہیں وہ اپنے شیعہ مجتہدین کے اس فتویٰ سے عبرت حاصل کریں کہ زنجیر زنی منع ہے جب زنجیر کا مارنا منع ہے تو ہجریاں مارنا کیونکہ جائز ہوگا۔ تو اگر کوئی ماتمی زنجیر یا پھری سے ماتم کرتے ہوئے مر گیا تو یہ گناہ کی موت ہوگی کیونکہ اس نے ناجائز طریقے سے ماتم کیا ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے شہید کے متعلق فرمایا، لَا تَقُولُوا لِمَن یَقْتُلُ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اُحْیَآءٌ

وَلٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝ (پ ۲۷) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ لکھا ہے۔ اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم نہیں سمجھتے۔ (ترجمہ مقبول) اس میں فی سبیل اللہ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ جس کام میں وہ مارا گیا ہے وہ شریعت کے مطابق اور اللہ کے لئے ہو۔ اور قتل رقتل کیا جائے ہے معلوم ہوا کہ اس کو کوئی دوسرا آدمی قتل کرے۔ کیونکہ وہ تو مقتول ہے اس کا قاتل کوئی اور ہے۔ لیکن ماتم میں مرنے والا خود ہی قاتل ہے اور خود ہی مقتول ہے۔ اس لئے یہ شہید کے حکم میں نہیں آتا بلکہ خود کشی کرنے والے کے حکم میں شمار ہوتا ہے

در نجف کے ایڈیٹر صاحب موصوف نے ماتم حسین کے کار ثواب ہونے میں بھی عجیب علمی جوہر دکھایا ہے

مشرکے جاہلیت کے کام کیوں کا ر ثواب ہیں

پہلے تو فرما رہے ہیں کہ:۔ سینہ زنی۔ پٹینا۔ کوٹنا۔ نوہ کہنا۔ داویلا کرنا۔ کپڑے پھاڑنا۔ پیرا بن چاک کرنا۔ بال بچنا۔ خاک اڑانا وغیرہ افعال مردہ کے لئے از روئے شریعت اسلامیہ ناجائز اور حرام ہیں اور یہ کفار و مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں۔ اور پھر انہی ناجائز اور حرام افعال کو جو کفار و مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں۔ شعائر اللہ اور انبیاء و اولیاء کی موت و شہادت وغیرہ کے لئے نہ صرف جائز بلکہ ثواب عظیم کا باعث بتلا رہے ہیں۔ یہ بھی عجیب عقیدہ ہے۔ جب یہ افعال ماتم کفر و شرک کی رسموں میں سے ہیں تو انبیاء و اولیاء کے لئے یہ جائز کیسے ہو جائیں گے۔ حرام اور کار ثواب؟ اگر اس کے جواب میں یہ فرمائیں کہ خنزیر اور مردار حرام ہے لیکن قرآن میں اس کو بھی اضطراری موت میں جائز قرار دیا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ حرام کھانے کا جواز تو اس شخص کے لئے ہے جس کو حلال چیز نہیں مل سکی تو حرام چیز صرف اتنی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ سکے کیا اس اضطراری صورت سے کوئی ماتمی یہ دلیل قائم کر سکتا ہے کہ حرام خوری کی مجالس بھی جایز کی جائیں اور جس میں بھی نکالے جائیں۔

(ب) اگر آپ نے ان افعال ماتم کا حرام ہونا کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قصوں سے ثابت کیا ہے تو کیا قرآن و حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ عام مردوں کے لئے تو یہ ناجائز ہیں لیکن انبیاء و اولیاء اور شہداء وغیرہ کے لئے عبادت ہیں۔

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرام کی جو حالتیں آپ نے لکھی ہیں ان میں گناہ ہونا یا مجبوز ہونا تو اس عظیم صدمہ کے اثر سے ہے نہ کہ ماتم کی وجہ سے۔ کیا اصحاب و اہل بیت نے مردہ کا نکات

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی ایسی مجلس ماتم بھی باقی تھی جس میں منہ پٹینا اور سینہ کو ٹٹنا ہو۔
(د) اگر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ کفر و شرک کے افعال جائز ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کو ان سے کیوں منع فرماتے (ملاحظہ ہو۔ فروع کافی اور جلاء العیون وغیرہ)
(ر) ہنج البلاغت میں حضرت علی کا یہ ارشاد ہے کہ اگر آپ نے ہمیں صبر کا نہ حکم دیا ہوتا اور جہنم سے نہ منع کیا ہوتا تو ہم رور و کر آنکھوں کا بانی خشک کر دیتے۔ اور اگر حضور کے لئے یہ ماتم جائز ہوتا تو حضرت علی ایسا کیوں فرماتے بلکہ آپ کے فتویٰ کے مطابق تو حضرت علیؑ بھی کپڑے بھاڑتے سینہ کو ٹٹتے۔ خاک اڑاتے وغیرہ۔ کیا ان افعال میں سے کوئی ایک فعل بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صادر ہوا۔ اگر یہ ثواب عظیم ہوتا تو حضرت علیؑ اس سے کیوں محروم رہتے۔

ماتمی علماء و مجتہدین سے ایک سوال
اس حقیقت سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ مروجہ افعال ماتمی یعنی منہ پٹینا اور سینہ کو ٹٹنا وغیرہ اسلام سے پہلے کفار و مشرکین کی رسمیں تھیں اور کسی کی موت و قتل پر وہ ان افعال کا مظاہرہ کرتے تھے۔ تو آپ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ جب نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کفر و شرک کے تمام عقائد و اعمال کی اصلاح فرمائی۔ شرک کی جگہ توحید اور کفر کی جگہ ایمان کو اسلام کی بنیاد قرار دیا۔ عبادات۔ اخلاق۔ معاشیات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی۔ جنگ و قتال۔ سیاست و غیرہ انسانی زندگی کے تمام اہم شعبوں کی شریعت اسلامیہ نے بذریعہ وحی اصلاح فرمائی اور اسلام قیامت تک انسان کے لئے مکمل دین اور جامع ضابطہ حیات قرار دیا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کفر و جاہلیت کے مذکورہ افعال منہ پٹینے اور سینہ کو ٹٹنے کی اپنے قول اور عمل سے کیا اصلاح فرمائی۔ تاکہ مسلمان کتاب و سنت کی ان خصوص کی روشنی میں اپنے کسی عزیز کی موت و قتل یا کسی دوسرے بزرگ و ولی کی موت و شہادت کے موقع پر کوئی ایسا عمل پیش کر سکیں جو قرآن کریم کے ارشاد **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** (ب ۲۔ ۳) اے ایمان والو۔ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ سے مدد مانگو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" (ترجمہ مقبول) کے خلاف نہ ہو ہاتھ اٹھانا **إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ**

ایک اصفہانی شیعہ مجتہد کا فتویٰ

"ایک اصفہانی شیعہ مجتہد کا فتویٰ" بہت عرصہ ہوا کہ مصر ماتم حسین میں سینہ کو بی بھی حرام ہے کے ایک شیعہ اخبار "چہرہ نما" مورخہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۹ء اپریل میں ایک شیعہ مجتہد شیخ محمد تقی اصفہانی کا ایک فتویٰ رد ماتم مروجہ میں شائع ہوا تھا جس کو دائرۃ الاصلاح لاہور نے تقسیم کیا تھا۔ اس کے چند اقتباسات کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے مجتہد موصوف تہجد کے بعد ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اب اپنے سوالات کا جواب سنئے سینہ کو بی اور بدن کو زنجیروں قفلوں۔ آہنی سلاخوں سے زنجی کرنا اور سر کو تلوار سے مجروح کرنا یہ سب وحشیانہ حرکات خلاف شریعت اسلام و خلاف قرآن و حدیث و عرف عام ہیں۔ حسین ابن علی نے صرف اعلا کلمتہ اللہ کے لئے بڑی بیعت نہ کی اور خود شہید ہو گئے۔ بھلا ایسی وحشیانہ حرکات پر کب راضی ہوتے ہیں۔ جس کا نام عزاداری رکھ لیا گیا ہے (فارسی اصل عبارت یہ ہے) چگونہ راضی است بر این نوع وحشت گری کہ نام اور اعزاز داری گذاشتہ اند اگر ہم قرآن کی درق گردانی کریں تو ہمیں اس سے سینہ کو بی ٹٹنے کی بھی اجازت نہیں مل سکتی چہ جائیکہ زنجیر قفل۔ تلوار سے بدن کو زخمی کرنا جائز ثابت ہو۔ خدا کا فرمان ہے۔ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو **(وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ)** اخبار و احادیث میں وار د ہے کہ عزیز ترین خویش و اقربا کی وفات پر بھی ایسی حرکات نہیں کرنی چاہئیں۔ اگر ایسی حرکات سے بدن پر تھوڑی سی خراش بھی آجائے تو انسان گناہگار اور خلاف شرع جرم کا مرتکب ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ پڑا چاک کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ خود حضرت سید الشہداء نے آخری دم جب اہل بیت کو اوداع کیا اپنی ہمشیرہ حضرت زینب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ہمشیرہ جان۔ زمین و آسمان اور مافیہا سب فنا ہو جائیں۔ سوائے خدائے حی و قیوم کوئی باقی نہ رہیگا ایسا نہ ہو کہ میری وفات کے بعد تو اپنے منہ پر ٹاپچے مارے یا چہرہ کو زخمی کرے" ملاحظہ کیجئے ایسی ہدایت اہم کے باوجود ایسے وحشیانہ افعال کب روا ہو سکتے ہیں۔ حضرت امام کا حکم سن چکے پھر جو شخص اس کے خلاف کرے وہ گناہگار اور جواب دہ ہے۔ یہ لوگ ایسی حرکات کے مرتکب ہو کر دین اسلام میں رخنہ ڈالتے ہیں جہاں کی ان حرکات کے عکس نہ کر یوروپ والے سینما میں پیش کرتے اور دین اسلام کا مسخر اڑاتے ہیں۔ سب سے

اول علماء کا فرض ہے کہ ان افعال کے عدم جواز کا فتویٰ صابر کر بن اور مبروں پر بیٹھ کر عوام کو سنائیں پھر حکومت سے ان وحشیانہ حرکات کے انسداد کا تقاضا کریں۔ افسوس علماء چاہتے ہیں کہ یہ لوگ گدھے بنے رہیں اور سوارانہ دیتے رہیں۔ نذر دنیا زلّتی رہے ان حرکات شیعہ کا موجب صرف علماء ہیں جو اپنی دکانداری کے لئے ان کے سدراہ نہیں ہوتے۔ حرام چیز قیامت تک حرام ہے اور حلال چیز قیامت تک حلال۔

(ب) دوسرے ممالک میں ایسی سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں جو حیوانات کی ایذا دہی کو روکتی ہیں ان کو کوئی زخمی نہیں کر سکتا۔ مگر ایران میں دوپائے حیوان موجود ہیں جو زنجیر ہزار شانہ لے کر اپنی پیٹھ اور سینہ کو زخمی کرتے ہیں مگر محافظان شریعت نہیں بتاتے کہ بھائی زنجیر تو گدھے کو مارنا بھی منع ہے پھر بنی آدم کے لیے یہ کب زیبا ہے کہ گدھے کی طرح اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو زنجیر سے پٹا جائے۔ آخر اسلام کا کہاں حکم ہے کہ زنجیر اورو۔ تلوار مارو۔ چاقو مارو۔ خدا کی قسم بے عقل عقلمند ہو گئے ہیں اور ہم زیادہ بے عقل (ذرت) ہو رہے ہیں۔ گو گوتم خود ہی سوچو یہ خود غرض علماء بہشت و جہنم کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے ہیں ان کے کہنے پر مت چلو۔ چلم کے موقع پر دوگوں سے چندے بڑ کر لوگوں کو عورتوں کا لباس پہنانا۔ دلدل۔ نیزہ۔ خیمہ۔ تنور۔ طشت۔ زنجیر وغیرہ کی نمائش کر کے واقعات کو بلا کی نقلیں اتارنا اور اس طرح غریب لوگوں کے کاروبار بند رکھنا اور ٹکے بڑنا بالکل خلاف شریعت ہے۔ زیارت کو جانا اور مرثیہ خوانی کرنا بھی واجب نہیں ہے۔ روضہ خوانی صرف اس حد تک جائز ہے کہ فلسفہ شہادت بیان کیا جائے کہ زور و ظلم اور باطل کے آگے جھکنا نہیں چاہیے اور بس۔ نہ یہ کہ ہر ایک مرثیہ خوان منبر پر بیٹھ کر یہود و کوئی کر کے اخلاق عامہ کو خراب کرے اور اگر یہو بلکا کی گرم بازاری کرنے کے لئے ایسی موضوع حدیثوں سے کام لے کہ جو روئے یا ردائے یارونی صورت بنائے وہ قطعی جنتی ہے یعنی خواہ کتنے ہی گناہ کر دو۔ دو ایک قطرہ آنسو بہانے سے سب کچھ بخشا جائیگا اور یہ شخص جنت کا ٹھیکیدار بن جائے گا۔ دیکھئے ایسے خرافات کس قدر اخلاق عامہ کو خراب کرنے والے ہیں حتیٰ سبحانہ فرماتا ہے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکتا ہے (من ذا الذی یشفع عندی الا باذنہ) سعدی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

اگر خدائے بانشد زندہ اش خوشنود شفاعت ہم پر غیران مدار و نمود

(اگر خدائے بانشد زندہ سے راضی نہ ہو تو تمام پیغمبروں کی شفاعت کیا فلاح پہنچا سکتی ہے، ہاں اپنی دکان رزق

دینے والا مرثیہ خوان ایک قطرہ آنسو پر انسانی اخلاق کو تباہ کر دیتا ہے۔ (ج) خدا ہمارے متقدّمین مصنفین اور مرثیہ خوانوں پر رحم فرمائے کہ انہوں نے جو کچھ کہیں سے سن لیا۔ کتابوں میں لکھ دیا۔ ایسی احادیث و اخبار و دراز عقل کو پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان کے راوی ایسا غیر انتھو خیر وضعی (رباؤٹی) لکھ لئے جاتے ہیں اور ان کو قوم کا رہنما تصور کیا جاتا ہے اور مبالغہ سے کام لے کر ان کو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے حالانکہ ان فرضی رہنماؤں کو خود منزل مقصود کا کچھ پتہ نہیں ایسے ہی اشخاص کے حق میں حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے شیعوں کے حق میں لشکرِ یزید سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ اگر حکومت کا دخل بھی نہ ہو تو معلوم نہیں کیا کچھ ناسخ بد رونما ہوں بالآخر نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ ہر ایک انقلاب سے آدمی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ہم (شیعہ) سال میں تین ماہ انقلاب دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ (منقول از رسائل ثلثہ مصنفہ حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب مصنف آفتاب ہدایت)

اصفا مانی شیعہ مجتہد کا یہ فتویٰ تمام مامی علماء و مجتہدین کے لئے ایک عبرت کا ناز یا نہ ہے مصنف فلاح الکونین کے سارے استدلالات اور ان کے اختراعی مامی فلسفہ کا مکمل رد اس میں موجود ہے۔ اور اگر مذہب شیعہ کا تعلیم یافتہ صحت و عصب سے بالاتر ہو کر اس کو سمجھے تو اتم مروجہ کی حرمت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ واللہ العادی۔

ملک صاحب کے چیلنج کا جواب

ملک غلام عباس صاحب نے مامی جوش کے غلبہ میں یہ چیلنج دیا تھا کہ: اگر تم قرآن مجید میں الحمد سے والناس تک ایک آیت بھی ماتم حسین یا کسی شہید کے ماتم کا حرام ہونا یا ناجائز ہونا ثابت کر دو تو تمہیں ایک لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ: اگر ملک صاحب کا مطالبہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ماتم حرام کے الفاظ دکھائے جائیں تو یہ لغو سوال ہے کیونکہ اس طرح تو آپ قرآن مجید میں کتا حرام ہونے کا بھی ثبوت پیش نہیں کر سکتے حالانکہ آپ کے نزدیک بھی کتا حرام ہی ہوگا۔ اور اگر یہ مطالبہ ہے کہ قرآنی اصول کے تحت مروجہ ماتم کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت کیا جائے تو اس کا ثبوت میں اپنے رسالہ میں دے چکا ہوں جس کا جواب آپ نہیں دے سکے۔ اور اب پھر پیش خدمت کرتا ہوں۔ (رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" ص ۳۵) اس کے جواب الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں: ملک صاحب کا سوال بقول آپ کے لغو ہوگا مگر جواب دینے میں آپ نے بھی کمال کر دیا چنانچہ ملک صاحب کا سوال ہے

اس حسینؑ کے ماتم کا جو کہ بنص آیت تطہیر انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیراً (پ ۲۲ - سورہ الاحزاب - آیت ۳۳) تفصیل کے لئے تفسیر درمنثور کی پانچویں جلد ملاحظہ کریں) الخ

الجواب (۱) آپ کا یہ الزام آپ کی کج فہمی پر مبنی ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنی شخصیت واجب الاحترام ہے۔ اور میں نے یہاں جواب میں حضرت حسینؑ کی ذات کے متعلق کچھ نہیں لکھا بلکہ میں نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے وہ آپ کا فعل ماتم ہے۔ نہ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ اور پھر میں نے آپ کے اس فعل حرام کو بھی کتے سے تشبیہ نہیں دی۔ بلکہ میں نے تو آپ سے ایک سوال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سے اگر ان الفاظ کا ثبوت مطلوب ہے کہ ماتم حرام ہے تو یہ الفاظ تو نہیں ملیں گے۔ لیکن ان الفاظ پر ماتم کا حرام ہونا موقوف نہیں۔ ورنہ آپ قرآن مجید سے یہ الفاظ نہیں دکھلا سکتے کہ کتا حرام ہے تو کیا پھر کتا آپ کے نزدیک حرام نہیں رہ جائیگا۔ تو کتے کا حرام ہونا ہی جس طرح ہم قرآن کے اصول سے ثابت کریں گے اسی طرح ماتم کا حرام ہونا بھی آپ نے لکھا ہے کہ: ممکن ہے ملک صاحب کا یہ خیال درست ہو کہ قاضی صاحب کے جوابی رسالہ کی اشاعت کا اصل مقصد روپیہ کمانا ہے

حق تصنیف کا معاملہ

مگر ہمارے خیال میں جوابی کاروائی کی غرض دغایت صرف دھن دولت کمانا نہیں۔ بلکہ اصل مطلب مسلمانوں میں چھوٹ ڈالنا اور خاص کر بریلوی حضرات کو شیعوں سے برگشتہ کرنا ہے۔ (فلاح الکونین ص ۱۱)

الجواب (۱) میں نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" یا مودودی مذہب وغیرہ جو کتا میں تصنیف کی ہیں وہ جماعت کی طرف سے چھپوائی جاتی ہیں۔ اور میں نے ان میں ایک پیسہ تک بھی بطور حق تصنیف نہیں لیا۔ حتیٰ کہ کتاب آفتاب ہدایت جو میرے والد ماجد حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب مرحوم کی لاجواب تصنیف ہے اس کے دواڈیشن میری اجازت سے مکتبہ رشیدیہ چکوال نے چھپوائے ہیں لیکن ان سے بھی میں نے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ بلکہ ان سے خود بھی قیمتا آفتاب ہدایت لیتا ہوں۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ کیا کوئی کتاب آپ نے بلا معاوضہ لکھی ہے؟ (۲) میری دوسری غرض آپ نے کچھ سمجھ لی ہے کیونکہ میرا مقصد اس جوابی رسالہ کی اشاعت سے وہی تھا کہ دیوبندی ہوں یا بریلوی اہل سنت عوام آپ کے ماتم کا حرام ہونا سمجھ لیں۔ اور الحمد للہ میں اس میں کامیاب رہا ہوں

اور آپ کی پریشانی بھی اسی وجہ سے ہے۔

دولاکھ کا دوسرا انعام

میں نے لکھا تھا کہ:۔۔۔ ملک صاحب اگر قرآن مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت کر دیں کہ مصیبت اور قتل و شہادت کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے

کا حکم دیا ہے تو ان کو دولاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۳۸) اس کے جواب الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں:۔۔۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ اللہ قاضی صاحب کی دولت کا کوئی شمار نہیں اس لئے ان کی طرف سے دوا دو چار لاکھ روپیہ کے انعاموں کا اعلان کیا جا رہا ہے۔۔۔ ہم آپ کے چیلنج کو قبول کرتے ہیں اور قرآن حکیم سے اس کا جواب پیش کرتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ النساء میں ارشاد فرماتا ہے۔

لَا يَحِبُّ اللَّهُ الْجَهْلَ بِالسَّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ (فلاح الکونین ص ۱۱)

الجواب (۱) یہ دو دولاکھ روپیہ کے انعام کا اعلان تو اپنے دعویٰ کی صداقت کی بناء پر کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے لئے اس چیلنج کا جواب ناممکن ہے (۲) جو آیت آپ نے اپنے ماتم کے ثبوت میں پیش کی ہے اس کا مفصل و ہم آیات قرآنی کی روشنی میں ثابت کریں گے۔ اور پیش کردہ آیات سے اسی طرح ثابت کیا جا چکا ہے۔ گذشتہ مفصل بحث کو دوبارہ پڑھ لیں۔ کیا آپ کے پاس ان کا کوئی علمی صحیح جواب ہے۔ ہرگز نہیں۔

حرمت ماتم پر ایک ہی آیت کافی ہے

یہاں آپ کی خواہش کے مطابق میں صرف ایک ہی آیت پیش کرتا ہوں:۔۔۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا

تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَلٰٓئِقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ (سورۃ النحل - ع ۱۴ - پارہ ۱۴ آخری رکوع) آپ کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی اس آیت کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں:۔۔۔ اور (لے رسول) صبر کرو اور تم سے صبر نہ ہوگا مگر اللہ ہی کی مدد سے اور ان (شہداء کے) متعلق رنج نہ کرو اور کافر جو چاہے چلتے ہیں اس سے دل تنگ نہ ہو ترجمہ مقبول) فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ احد کے ستر شہیدوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیا اور رنج کرنے سے منع فرمایا۔ لہذا ارشاد خداوندی اس آیت سے شہیدوں کے متعلق صبر کا واجب ہونا اور رنج رکھنے کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت ہو گیا۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس سے رنج کرنا صبر کے خلاف بھی ثابت ہو گیا۔ (صبر کرو اور رنج نہ کرو) یہ آیت ماتم کے مسئلہ میں مذہب اہل سنت

کے حق میں نص قطعی ہے۔ اور اگر مائیں کا مذہب ماتم کے مسئلے میں صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے۔ "صبر کرو اور ہمیشہ جزع فزع اور سینہ کوئی کرتے رہو" العیاذ باللہ کیا اس ارشاد خداوندی کے بعد بھی آپ محبت اہل بیت کی آڑ میں ماتم کو سنت اور عبادت قرار دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ البتہ ایک راستہ خلاصی کا آپ کے لئے کھلا ہوا ہے اور وہ یہ کہ اصلی قرآن میں تو آیت کے الفاظ یہ نہ تھے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیے۔ اور اب تفسیر کی بنا پر شیعہ علماء بھی اس قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھ رہے ہیں۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

بہر حال ملک صاحب کے مطالبہ کے تحت ہم نے مذکورہ آیت سے ماتم اور جزع فزع کا حرام ہونا ثابت کر دیا ہے اور علم و دیانت کی روشنی میں شیعہ علماء ہمارے استدلال کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس لئے حسب اعلان ایک لاکھ روپیہ کی ذمہ داری اب ملک صاحب پر عائد ہوتی ہے۔

مکمل جواب دلائل ماتم نمبر ۲۰ میں دے چکا ہوں۔ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر بالرائے کا مطلب

میں نے لکھا تھا کہ ملک صاحب نے مجھ پر تفسیر بالرائے کرنے کا الزام لگایا ہے حالانکہ میں نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ حضرت امام جعفر صادق کی بیان فرمودہ صبری تعریف پیش کی تھی ملک صاحب بیچارے کیا جانیں تفسیر بالرائے کیا ہوتی ہے انج (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۳۳) اس کے جواب ابجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: آپ نے ملک صاحب کے عائد کردہ الزام کو تو لکھ دیا ہے مگر ملک صاحب کے جواب میں تفسیر بالرائے کا مطلب بیان نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تفسیر بالرائے کے مطلب کو آپ بھی نہیں جانتے اسی لئے آپ نے صرف اتنا لکھ کر کہ ملک صاحب بیچارے کیا جانیں کہ تفسیر بالرائے کیا ہوتی ہے "جواب کو گول کر دیا۔ لیجئے ہم آپ کو تفسیر بالرائے کا مطلب بتاتے ہیں غور سے پڑھیں اور خوب ذہن نشین کر لیں تاکہ بوقت ضرورت کما آئے (تفسیر بالرائے کا مطلب) انسان کس مطلب پر دو طرح سے استدلال کرتا ہے ایک یہ کہ دلیل کی روشنی میں پہلے منزل کو تلاش کرتا ہے اور آخر کار کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ لیکن نتیجہ پر پہنچنے کے لئے جس کلام سے دلیل قائم کی جاتی ہے اس کے متکلم کی رائے کو معلوم کرنا لازمی ہے ورنہ نتیجہ اخذ کرنے والا اپنی منزل کو آخری اور یقینی منزل قرار نہیں دے سکتا۔ دوسرا پہلے مطلب

قائم کیا جائے پھر تلاش کرے اور آیات کا رخ ادھر پھیرے مطلب یہ کہ بجائے دلیل سے نتیجہ نکالنے کے پہلے ہی نتیجہ قائم کیا جائے اور پھر دلیل تلاش کی جائے۔ یہیں پہنچ کر متجسس کو تفسیر بالرائے کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ مطلب فوت نہ ہو جائے۔ اب آپ دوسرے طریقہ استدلال کو پیش نظر رکھ کر ان آیات پر غور کریں جو آپ نے ماتم حسین کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنائی ہیں۔ آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی تفسیر بالرائے ہے پھر بھی اگر آپ نہ سمجھیں تو ہم سے رجوع کریں ہم آپ کو بالتفصیل سمجھا دیں گے" (فلاح الکونین ص ۱۱۱)

انجواب (۱) تفسیر بالرائے کا مطلب بیان کرنے میں بھی آپ نے اپنی روایتی جہالت سے کام لیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: "لیکن نتیجہ پر پہنچنے کے لئے جس کلام سے دلیل قائم کی جاتی ہے اس کے متکلم کی رائے کو معلوم کرنا لازمی ہے" اس میں تو بحث ہی نہیں کہ متکلم کی رائے یعنی مراد معلوم کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ بلکہ بحث اس میں ہے کہ متکلم کی مراد کیسے معلوم کی جائے۔ یعنی قرآن مجید کی صحیح تفسیر معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ لیکن آپ نے خود بھی تفسیر قرآن کا صحیح طریقہ پیش نہیں کیا تاکہ جو اس کے خلاف ہو اس کو تفسیر بالرائے پر محمول کیا جائے۔ اگر آپ تفسیر بالرائے کا مطلب خود سمجھتے تو ایسی لائینی عبارت نہ پیش کرتے۔ اب سمجھئے جو کہ قرآن مجید عربی لغت اور محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ" (سورۃ یوسف ع ۱) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی (زبان کا) تاکہ تم سمجھو اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر کا ترجمہ یہ ہے: بیشک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تم لوگ سمجھو اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "الحاصل میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عربی سیکھو کیونکہ یہ وہ زبان ہے جس میں اللہ نے اپنی مخلوق سے باتیں کی ہیں" (ترجمہ مقبول) اس لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ الفاظ قرآنی کا مطلب عربی لغت اور محاورہ کے مطابق معلوم کیا جائے (ب) اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام الہی کی مراد کو بذریعہ وحی صحیح طور پر سمجھنے والے ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث

لہ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ "وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الْتِبْتِينَ لِّلنَّاسِ مَا تَوَلَّى إِلَيْهِمْ دَلِيلًا لِّعَلَّاهُمْ يَتَّقُونَ" (سورۃ الضلح ع ۶) اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کریں اور تاکہ وہ فکر کیا کریں (ترجمہ مولانا تھانوی) اور تہاہری طرف یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ تہاہری طرف نازل کیا گیا ہے اسے تم لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر دو کہ وہ غور و فکر کریں" (ترجمہ مقبول)

سے قرآن مجید کا مطلب حاصل کیا جائے گا۔ اگر لغوی معانی مختلف ہوں تو صحیح حدیث کے مطابق جو معنی ہوگا اس کو ترجیح دی جائے گی۔ لہذا تفسیر بالرأے وہ ہوگی جو عربی قواعد کے خلاف ہو یا ان ضروریات دین کے خلاف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ حدیث قطعی طور پر ثابت ہیں۔ اس بنا پر اگر دلائل کا موازنہ کیا جائے تو میں نے حرمت ماتم پر جن آیات سے استدلال کیا ہے۔ وہ تفسیر بالرأے نہیں بلکہ لغوی معنی کے مطابق ہے اور احادیث صحیح کے مضامین کے موافق ہے۔ میں نے جو آیات صبر پیش کی ہیں۔ ان سے ماتم کا ناجائز ہونا ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ لغت اور قرآن سے پہلے تفصیلاً یہ ثابت کر چکا ہوں کہ جزع کا معنی بے صبری ہے اور جزع اور صبر دو حالتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں قرآن کا لفظ صبر ہی آپ کے ماتم اور جزع فزع کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ علاوہ ازیں احادیث اہل سنت اور احادیث شیعہ دونوں سے جزع کا صبر کے خلاف ہونا ثابت کر دیا گیا ہے۔ پھر آپ اس کو تفسیر بالرأے کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ البتہ آپ نے ماتم کے لئے جن آیات سے استدلال کیا ہے وہ

یقیناً آپ کی تفسیر بالرأے ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی جن آیات میں حزن اور بکا کے الفاظ آئے ہیں۔ آپ نے لغوی معنی کے خلاف ان سے پٹینا مراد لیا ہے۔ اور احادیث مرویہ اہل بیت بھی آپ کی اس تفسیر کے خلاف ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ الزام مجھ پر لگا رہے ہیں۔ ع۔ وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

آپ اپنے علماء کی تفسیریں پڑھیں جو تفسیر بالرأے سے بھری پڑی ہیں۔

تفسیر بالرأے اور مفسرین شیعہ

(۱) سورۃ فاتحہ کی آیت اهدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں آپ کے شیخ قمی (رحو امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ اور شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے بھی الکافی میں ان سے روایات نقل کی ہیں) کہتے ہیں: عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ الصراط المستقیم قال هو امیر المؤمنین و معرفتہ (امام جعفر صادق سے روایت ہے۔ کہ صراط مستقیم سے مراد حضرت علی اور ان کی معرفت ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں۔ والدلیل علی انہ امیر المؤمنین قولہ و انہ فی ام الکتاب لَدَیْنَا لَعَلَّیٰ حَکِیْمٌ۔ اور اس بات کی دلیل کہ صراط سے مراد حضرت علی ہیں یہ آیت ہے وَاِنَّہٗ فِیْ اَمْرِ الْکِتَابِ لَدَیْنَا لَعَلَّیٰ حَکِیْمٌ۔ (تفسیر قمی) یہ ہے تفسیر بالرأے۔ کہ صراط سے علی مراد

لیدیا۔ حالانکہ صراط مستقیم کا معنی ہے سیدھا راستہ۔ اور حضرت علی خود صراط مستقیم نہیں بلکہ صراط مستقیم پر چلنے والے ہیں چنانچہ اس کے بعد فرمایا۔ صراط الذین انعمت علیہم (میں ان لوگوں کے راستہ کی ہدایت کر جن پر تو نے انعام کیا ہے) تو سورۃ فاتحہ کی آیت سے ہی معلوم ہو گیا کہ صراط مستقیم اور بچے اور اس پر چلنے والے اور ہیں۔ (ب) اور اس پر جو سورۃ الزخرف کی آیت سے دلیل قائم کی ہے وہ بھی بالکل غلط ہے چنانچہ آیات حسب ذیل ہیں: حَمْدٌ ۝ وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِیًّا لِّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّہٗ فِیْ اَمْرِ الْکِتَابِ لَدَیْنَا لَعَلَّیٰ حَکِیْمٌ ۝ (پ ۲۵۔ سورۃ الزخرف ع ۱) مولانا خاں نووی اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں۔ حم۔ قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ (اے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو۔ اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے (ب) مولوی مقبول احمد صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ حم۔ قسم ہے واضح کتاب کی۔ بیشک ہم نے اس کو عربی قرآن مقرر کیا تاکہ تم سمجھو۔ اور بیشک وہ ہمارے پاس ام الکتاب میں ضرور عالی شان (ارد) حکمت والا ہے (ب) اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

معانی الأخبار میں جناب امام جعفر صادق سے نیز تفسیر قمی میں منقول ہے کہ جس کا ذکر ام الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ میں ہے وہ جناب امیر المؤمنین ہیں کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ کا یہ قول درج ہے اهدنا الصراط المستقیم اور الصراط المستقیم سے خود جناب امیر المؤمنین اور ان کی معرفت مراد ہے (ترجمہ مقبول) مولوی مقبول احمد صاحب نے بھی شیخ قمی کی پیروی میں لعلی حکیم سے مراد علی بن ابی طالب ہی بتایا۔ حالانکہ ان آیات میں حضرت علی کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی یہاں صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ شروع میں وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ فرمایا کہ کتاب مبین یعنی قرآن مجید کی قسم۔ اور اس کا ترجمہ مولوی مقبول صاحب نے بھی یہی کہا ہے۔ قسم ہے واضح کتاب کی اور اس کے بعد کی ساری صفیں اسی کتاب کی طرف راجع ہوتی ہیں۔ اور لعلی حکیم بھی کتاب اللہ کی صفتیں ہیں یعنی بڑے رتبہ والی اور حکمت والی کتاب ہے۔ لہذا لعلی حکیم سے حضرت علی مراد لینا تفسیر بالرأے اور تحریف معنوی ہے۔

وَلَاکَ الْکِتَابُ سِیْرٌ عَلَیْکَ (۲) سورۃ البقرہ کی پہلی آیت ہے۔ اَلَمْ ۝ ذٰلَکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب یہ

کہتے ہیں۔ الم۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں لیکن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ اس سے مراد علی بن ابی طالب ہیں (ترجمہ مقبول)

الشجرة سے مراد محمد و آل محمد کا درخت ہے (۳) قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا کو فرمایا: وَلَا تَقْعُدَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ۔

اس کا ترجمہ تو مولوی مقبول احمد صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں: مگر اس درخت کے پاس نہ جانا لیکن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: الشجرة۔ محمد و آل محمد کے علم کا درخت مراد ہے جو انہی حضرت کے لئے مخصوص تھا اور یتیم و مسکین و اسیر کو کھانا کھلانے کے بعد محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے لئے خدا نے اس درخت سے تحفہ بھیجا تھا یہ درخت جنت کے اور درختوں سے اس بات میں ممتاز تھا کہ اس میں گہیوں۔ انگوٹھیں۔ عتاب اور ہر قسم کے طعام۔ میوے اور پھل گتے تھے۔ اسی وجہ سے جب درخت کا ذکر کیا ہے تو کسی نے گہیوں مراد لی ہے۔ کسی نے انجو۔ کسی نے انگوٹھ اور کسی نے عتاب فرمائیے کیا عجیب تفسیر ہے۔ پہلے تو کہتے ہیں کہ اس درخت سے مراد محمد و آل محمد کے علم کا درخت ہے اور پھر اسی کو گہیوں اور انجو وغیرہ والا درخت بنا لیا۔ جس درخت پر یہ گوناگوں پھل گتے ہوں کیا اس کو علم کا درخت بھی کہہ سکتے ہیں کیا گہیوں۔ انجو کسی علم کے نام ہیں یہ ہے نمونہ شیعہ تفاسیر کا۔ اس کو ہم تفسیر بالرائے کا نام دیں یا کوئی اور۔ بہر حال عجیب مضحکہ خیز تفاسیر ہیں کیا ائمہ اہل بیت کے فضائل قرآن حکیم کی معنوی تحریف کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے؟

غزوہ حنین اور حضرات صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مامی مصنف نے آیت لا تخرجن کے تحت جو طعنہ زنی کی تھی اس کا مفصل جواب

گزر چکا ہے مامی ٹریکیٹ کے مصنف ملک غلام عباس صاحب کے ایک طعن کے جواب میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ: ملک صاحب یہ تو بتائیں کہ اگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھاگ جانے والے ہوتے تو آپ کے عقیدہ کے مطابق کیا ان بھاگنے والوں نے ہی نعوز باللہ شیر خدا حضرت علی کی خلافت چھین لی تھی اور ان کی موجودگی میں خاندان رسالت پر ظلم کیا تھا اور حضرت علی نے باوجود اس کے صبر کیا تھا اور کیا یہی وہ بھاگنے والے اصحاب تھے جنہوں نے قیصر و کسریٰ کے تحت پر قبضہ کر لیا تھا۔ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۱۳۳) اس کے جواب

الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں: صحابہ کے میدان جنگ سے فرار کے تاریخی شواہد تو ہم دلیل نمبر ۱۲ کے جواب الجواب میں بیان کر چکے ہیں یہاں قرآن کریم کی ان آیات کو پیش کرتے ہیں جن میں صحابہ کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا بیان کیا گیا ہے۔ اِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُودُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرٰكُمْ (پ ۴)۔ سورہ آل عمران آیت ۱۵۷۔ وہ دقت یاد کرو جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور رسول تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے (جنگ۔ احمد)۔ احد کے بعد حنین کا نظارہ کیجئے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَصَافَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَنَازِلِهَا ثُمَّ وَلَيْتُمْ عَلَيْكُمْ جَنَّةُ بَرٍّ (پ ۱۰)۔ سورہ توبہ۔ آیت ۲۵)۔ تم کو خدا تعالیٰ نے (لڑائی) کے بہت موقعوں میں کفار پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے فوج کی کثرت پر غرور ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگی کرنے لگی۔ پھر آخر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

اب ان بھاگنے والوں کے نام اور فاصلہ جتنی دور تک بھاگ کر گئے تفاسیر و تواریخ میں خود پڑھ لیں۔ ہم نام اس لئے نہیں بتاتے کہ اگر ہم نے نام بتائے تو جس طرح مولانا شبلی نعمانی نے سیرت النبی جلد اول میں جنگ خیبر کے دوران حضرت عمر کا علم پھینک کر بھاگنا لکھ کر دیا کہ اس روایت کا راوی شیبان نامی ایک شیعہ ہے۔ لہذا کسی شیعہ کی زبان سے حضرت عمر کے فرار کا بیان اچھا معلوم نہیں ہوتا یونہی آپ کو بھی کہنا پڑے۔ اُحُد اور حنین سے صحابہ کے فرار کا بیان اچھا معلوم نہیں ہوتا اس سے مابعد کے سوال کا جواب دے کر ہم ایک اور بحث کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتے۔ یہ وہی سوال ہے جس کا جواب ہمارے علمائے کرام سینکڑوں مرتبے پہلے ہی لکھ چکے ہیں لیکن ایک آپ ہیں کہ ایسے دال اور مسکت جواب پا کر بھی وہی مرے کی ایک ٹانگ کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔ الجواب (۱) جنگ احد کے سلسلہ میں آپ کے طعن کا مفصل جواب دلیل نمبر ۱۲ میں گزر چکا ہے۔ دوبارہ ملاحظہ کر لیں (فلاح الکونین ص ۱۳۳) (۲) جنگ حنین کے متعلق آپ نے ثُمَّ وَلَيْتُمْ عَلَيْكُمْ جَنَّةُ بَرٍّ سے بعد کی حسب ذیل آیات چھوڑ دی ہیں جن میں آپ کے طعن کا جواب بھی مل جاتا ہے۔ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَابًا الَّذِينَ كَفَرُوا بِهِ وَذَلِكَ جَزَاءُ

الکافرين ثم يتوب الله من بعد ذلك على من يشاء والله غفور رحيم (الترجمہ ۴)
 ان آیات کا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ لکھا ہے :- اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور دوسرے
 مومنین پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور ایسے شکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی سزا ہے
 پھر خدا تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑے رحمت کرنے والے ہیں؛ اور آپ
 کے شیخ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب یہ ترجمہ لکھتے ہیں :- پھر اللہ نے اپنی تسلی اپنے رسول اور مومنین پر نازل کی اور
 ایسے شکر اتارے جن کو تم نے کبھی نہ دیکھا تھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی سزا (بھی) یہی ہے۔ پھر اس کے بعد اور
 جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بڑا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔ (ترجمہ مقبول) ان آیات سے ثابت ہوا کہ
 (۱) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی نصرت فرمائی تھی (لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرہ ویدیوم حنین)
 فرمائی تھی اللہ تعالیٰ کی نصرت مومنین کو ہوتی ہے یا کافرین اور منافقین کو۔ (ب) قرآن مجید میں بھاگنے والوں کا نام نہیں
 لیکن یہ فرمایا کہ ان پر اللہ نے اپنی تسلی نازل فرمائی جس کے بعد ان کے قدم جم گئے یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دلیل ہے۔
 (ج) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی فرشتوں کے لشکروں سے مدد فرمائی۔ کیا کفار اور منافقین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی فرشتوں کے
 ذریعہ مدد فرمائی جاتی ہے؟ (د) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے مقابلہ میں رٹنے والے کافروں کو سزا دی کہ ان میں سے کئی قتل ہوئے اور
 کئی گرفتار کر لئے گئے۔ ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اللہ تعالیٰ کی مقبول اور پسندیدہ
 تھی اگر ان میں سے وقتی طور پر کسی سے غلطی بھی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی خصوصی رحمت نازل فرمادی۔ اس کے بعد بھی
 اگر آپ اس جماعت صحابہ سے بدظن ہیں اور بیک ان کو طعن کرنا آپ کا مذہبی مشن ہے تو پھر آپ کو اس قرآن مقدس کے
 کلام الہی ہونے میں شبہ ہے اور آپ کا موجودہ قرآن پر ہرگز ایمان نہیں ہے۔ یہی وہ مقدس جماعت صحابہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے
 بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کفار کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمایا۔ اور قرآنی پیشگوئیوں کے تحت ان کے ذریعہ اسلام و شریعت
 کا نور اطراف عالم میں پھیل گیا۔

جنگ حنین کی نوعیت | جنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ مولانا شبلی نعمانی سیرت
 النبی میں لکھتے ہیں کہ :- شوال ۶۰۰ھ مطابق جنوری و فروری ۶۰۰ھ میں اسلامی
 فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس سفر سامان سے حنین پر بڑھیں کہ (بعض) صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل

گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی۔ (ص ۳۳) آیت سے معلوم ہوتا ہے
 کہ بعض سے ایسے الفاظ نکل گئے تھے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئے اس لئے مسلمانوں کی فتح کو شکست سے بدل دیا گیا۔ اور یہ ان کی
 اصلاح کے لئے تھا۔ لیکن اسباب کے تحت مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :- شکست کے مختلف اسباب تھے۔ مقدمۃ الجیش میں
 جو حضرت خالد کی افسری میں تھا زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے۔ وہ جوانی کے غرور میں اسلام جنگ پہن کر بھی
 نہیں آئے تھے (بخاری باب الجہاد) فوج میں دو ہزار مطلقاً یعنی وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے جو ان
 تیر اندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا۔ کفار نے
 معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی کھائیوں، کھدو اور دروں میں
 جا بجا جمادئے تھے۔ فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا۔ میدان جنگ اس قدر نشیب
 میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکے تھے۔ حملہ آوروں کا بڑھا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ ادھر کینٹنوں
 سے قدر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مقدمۃ الجیش اتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا
 اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکٹھے گئے۔ صحیح البخاری میں ہے فادبروا احسنہ حتی یبقی وحده۔ یعنی سب
 لوگ ٹل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے۔ (سیرت النبی ص ۵۲۸) مولانا سید سلیمان صاحب ندوی
 حاشیہ میں اس روایت کی توجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :- سند احمد ج ۱ ص ۲۵۷ و حاکم میں حضرت عبداللہ بن
 مسعود سے مروی ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسی آدمی باقی رہ گئے تھے (فتح الباری ج ۸
 ص ۲۳) یہ بتی نے حارثہ بن نعمان سے روایت کی ہے کہ سو آدمی باقی رہ گئے تھے (زر قانی ج ۳ ص ۲۲) ابو نعیم
 نے دلائل میں سنو کی تفصیل بتلائی ہے کہ تیس سے کچھ زائد ہاجرین تھے بقیہ انصار تھے (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲)
 ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت مہاجرین۔ انصار اور اہل بیت۔ میں سے
 حسب ذیل اصحاب موجود تھے۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس بن عبد المطلب، حضرت
 ابوسفیان بن الحارث، حضرت جعفر بن ابی سقیان بن حارث، حضرت فضل بن عباس، حضرت ربیعہ بن حارث
 حضرت اسامہ بن زید، حضرت امین بن ام امین۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انس کے الفاظ یعنی دھڑ
 (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے تھے) اپنے ظاہری معنی پر باقی نہیں رہ سکتے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی یہ توجیہ

کی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضور آگے اور بقیہ لوگ پیچھے تھے لیکن اس کی صاف توجیہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والوں کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہے ورنہ حقیقت یہ نہ تھی دوسری روایات میں ثابت قدم رہنے والوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں (ملاحظہ ہو زرقانی ج ۳ ص ۳۲) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں حضور کے پاس پہنچنے لگے۔ یہاں تک کہ خاصی جماعت حضور کے گرد جمع ہو گئی۔ اس وجہ سے مختلف لوگوں نے مختلف تعداد بتلائی ہے چاشیر سیرت النبی جلد اول ص ۲۸ اور تاریخ ابن خلدون میں غزوہ حنین کے سلسلے میں لکھتے ہیں: "ثبت معه ابو بکر وعمر وعلی والعباس وابو سفیان بن الحارث وابنه جعفر والفضل وقسم ابنا العباس وجباة سواهم اربع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت رہنے والے حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت علی حضرت عباس حضرت ابوسفیان اور جعفر بن ابی سفیان اور حضرت عباس کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کے علاوہ اور جماعت بھی تھی اور طبقات ابن سعد جلد اول میں لکھا ہے کہ: "اس روز آپ کے ہمراہ عباس بن عبد المطلب - علی بن ابی طالب - فضل بن عباس - ابوسفیان بن الحارث ابن عبد المطلب - رسیع بن الحارث بن عبد المطلب - ابوبکر و عمر اور اسامہ بن زید اپنے چند گھر والوں اور ساتھیوں کے ہمراہ ثابت قدم رہے" (ص ۲۹) فرمائیے ثابت قدم رہنے والوں میں جب حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت علی کے ناموں کی تصریح پائی جاتی ہے پھر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ پھر اس موقع پر جس نے جو کچھ دیکھا وہ بیان کر دیا ہے اس لئے صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون کون ساتھ تھے اور کون کون نہ تھے۔ علاوہ ازیں جس طرح کفار کے تیر اندازوں نے سخت حملہ کیا تھا اور مومنین نشیب میں بھی تھے اور مقدمۃ الجیش میں نو مسلم جو شیلے نوجوان تھے جن کے پاؤں پہلے اکھڑے اور ان کی وجہ سے سارے لشکر کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ ایسا بھانگنا نہ تھا کہ بالکل ہی میدان چھوڑ کر کہیں دور نکل گئے ہوں۔ اسی لئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عباس نے پکارا تو سب لشکر جمع ہو گیا۔ چنانچہ علامہ شبلی مرحوم لکھتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا یا محشر الانصار۔ آواز کے ساتھ صدا آئی "ہم حاضر ہیں" پھر آپ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا "اب بھی وہی آواز آئی" آپ سواری سے اتر پڑے اور جلالت نبوت

کے لہجہ میں فرمایا۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں" (صحیح بخاری جلد دوم) بخاری کی دوسری روایت میں ہے انا للہی لا کذب۔ انا بن عبد المطلب۔ (میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں) حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے آپ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انہوں نے نعرہ مارا۔ یا محشر الانصار۔ یا اصحاب الشجرہ (او گروہ انصار۔ او اصحاب الشجرہ) بیعت رضوان والے اس پر اثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعۃً ہلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھسان کی وجہ سے مڑنے لگے انہوں نے زبر میں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔ دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں الخ (سیرت النبی ص ۲۹) تو جب حسب ارشاد ربانی تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینت اور تسلی نازل ہوئی اور پھر ان کی مدد کے لئے ملائکہ بھی نازل ہوئے تو جن کے قدم اکھڑ چکے تھے وہ بھی جم گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے کفار سے میدان خالی ہو گیا۔ اور صحابہ کرام کو فتح کا بل نصیب ہو گئی تو پھر طعن کی کیا گنجائش ہے۔ دراصل دیکھو تو آپ کو صحابہ کرام کی ان فتوحات کا ہے جو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حق تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھیں۔ لیکن ان غازیان اسلام سے بدظن کرنے سے اگر کوئی لفظ ایسا ملتا ہے جس سے نادانف لوگوں کو شبہ ڈالا جاسکے تو اسی کو لے کر اس مقدس جماعت کے خلاف زبان درازی شروع کر دیتے ہیں۔ مگر از روئے ایمان و انصاف اگر دیکھا جائے تو یہی آیات صحابہ کرام کی مقبولیت پر دلالت کرتی ہیں۔

”تمام علمائے اہل سنت کے نزدیک ماتم مرقہ حرام ہے“

میں نے ماتمی ٹریکٹ کے مصنف ملک غلام عباس صاحب کے جواب میں لکھا تھا کہ :- ملک صاحب اپنے سوائے اپنے فرقہ کے باقی تمام مسلم فرقوں کے خلاف یہ ٹریکٹ لکھا تھا کیونکہ سوائے آپ کے قبیل فرقہ کے اور کوئی فرقہ آپ کے مروجہ ماتم کو عبادت نہیں سمجھتا حتیٰ کہ مسلمانان اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر خواہ حنفی ہوں یا شافعی۔ دیوبندی ہوں یا بریلوی) اس مروجہ ماتم کو شرعاً ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں چنانچہ بریلوی علماء کے امام مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم نے اس سوال کے جواب میں کہ ”مجلس مرثیہ خوانی اہل شیعہ میں اہل سنت کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں“ لکھا ہے کہ :- حرام ہے ۔۔۔۔۔۔ کچھ نہ ہو تو روایات موضوعہ و کلمات تشبیہ و ماتم حرام سے غالی نہیں ہوتی اور یہ دیکھیں گے سنیں گے اور منع نہ کر سکیں گے۔ ایسی جگہ جانا حرام ہے در سالہ تعزیر داری اور ملک صاحب یہ خوب جانتے ہیں کہ پاکستان، ہندوستان، افغانستان اور تمام دنیا اسلام میں مسلمانان اہل سنت والجماعت کی اکثریت کے نزدیک یہ ماتم ناجائز ہے باقی رہا ملک صاحب کا یہ لکھنا کہ ”ہند میں ہندو بھی امام حسین کا ماتم کرتے ہیں۔ تو کیا ملک صاحب کے نزدیک ہندوؤں کا فعل اسلامی عبادت میں شمار ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا ہندو اسلام اور قرآن کو بھی مانتے ہیں کہ امام حسین کے ساتھ ان کو مذہبی عقیدت ہو۔ کیا ہندوستان کے ہندو وہی تو نہیں جنہوں نے اسلام دشمنی میں مشرق پاکستان پر قبضہ کر لیا ہے؟ ملک صاحب کی پریشانی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اتحاد کے پردے میں انہوں نے جو کوشش اہل سنت کو ماتمی بنانے میں شروع کر رکھی تھی اس پر ملک صاحب متناہم کریں وہ معذور ہیں“ درہم ماتم کیوں نہیں کرتے (ص ۲) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- یہ بات بھی قابل تسلیم نہیں کہ یہ ٹریکٹ تمام اسلامی فرقوں کے خلاف ہے کیونکہ ہزاروں اہل سنت والجماعت و بریلوی مجالس ہائے حسین میں شریک ہوتے ہیں اور مصائب حسین کو سن کر اپنی آنکھوں سے قطرات اشک بہاتے اور اس عظیم محسن اسلام کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ علم اور تعزیر پر پندریں چڑھاتے ہیں بلکہ کئی مقام کے اہل سنت حضرات بانی مجالس اور تعزیر دار بھی ہیں۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے علاقے میں ایسی مثالیں موجود ملے ہائے علاقے سے مراد اگر سکول کا علاقہ ہے تو ہمارے علم میں یہاں کہیں بھی ایسے اہل سنت نہیں جو تعزیر داغی۔ کاش کہ مصنف اس کی مثال پیش کر دیتے۔ اگر غیر شعوی طور پر ہمارے علاقے کے الفاظ لکھے گئے ہیں۔ تو اصل مصنف جس علاقہ کے ہیں ممکن ہے وہاں ایسے اہل سنت موجود ہوں۔ واللہ اعلم ۱۲۔

میں۔ ملتان میں تو اہل سنت تعزیر داروں کی اکثریت ہے۔ اگر آپ اہل سنت کو ماتم (زنجیر زنی) کرتے دیکھنا چاہیں تو ایام محرم الحرام میں پشاور تشریف لے جائیں اور پچھتم خود ملاحظہ کر کے یقین کریں۔ کیا واقعی ماتم کرنے اور مجالس سننے والوں میں اکثریت اہل سنت والجماعت کی ہے یا نہیں الخ (فلاح الکونین ص ۲۱)

الجواب (۱) تعجب ہے کہ میرے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں بریلوی مسلک کے پیشوا مولانا احمد رضا خان صاحب کے درج شدہ حرمت ماتم کے فتویٰ کے بعد بھی آپ بریلوی عوام کے ماتمی مجالس میں شریک ہونے کو جواز ماتم کی تائید میں پیش کر رہے ہیں کیا عوام کا یہ فعل شرعی حجت سے رب (کیا سنی عوام سینماؤں تھیٹر ڈراموں اور خلاف شرع میلوں میں شریک نہیں ہوتے تو کیا ان کی وجہ سے برخلاف شرع امور مذہب اہل سنت میں جائز ہو جائیں گے۔ رج عموماً سنی عوام اپنے مذہب سے ناواقفیت کی بنا پر ماتم میں شریک ہوتے ہیں اور ان کو سمجھانے کے لئے ہی تو حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے مذکورہ فتویٰ میں یہ لکھا ہے کہ :- شیعوں کی مجلس مرثیہ خوانی میں اہل سنت کا جانا حرام ہے“ تو پتہ دار کے سنی مسلمان ہوں یا ملتان کے ان کی نادانی اور جہالت کی وجہ سے آپ کے ماتم حرام کو حلال کی سید تو نہیں مل سکتی (د) آپ ماتم میں زنجیر زنی کے تماشا کو بطور فخر بیان کر رہے ہیں حالانکہ دُرُجھ کے ایڈیٹر صاحب کی کتاب خزینۃ المسائل کا حوالہ یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ شیعہ مجتہدین کے نزدیک زنجیر زنی منع ہے۔ اور شیخ محمد تقی اعظمی نے بھی درج کیا گیا ہے کہ زنجیر زنی تو کجا سینہ کو بھی خلاف شریعت ہے۔ اور فرور کا فی۔ تفسیر قمی ص ۱۸۱ حضرت الفقیہ کی احادیث سے بھی ماتم مروجہ کے افعال کا حرام ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے۔ تو اس کے باوجود بھی آپ جیسے شیعہ علماء جب ماتم حرام کے عبادت ہونے پر کتابیں شائع کرتے ہیں تو اگر سنی عوام اپنی کم علمی کی وجہ سے ماتمی مجالس میں شریک ہو جائیں تو کیا عمل تعجب ہے؟ (د) سنی عوام ماتم کو عبادت سمجھ کر بھی شریک نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک ماتمی تماشا دیکھنے اور ذکرین کی مرثیہ خوانی سننے کے لئے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی تو دیکھیں کہ رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کی وجہ سے کئی سنی عوام ماتمی مجالس سے توبہ بھی کر گئے ہیں۔ خصوصاً تلنگ کے اہل سنت کیلئے تو یہ رسالہ ایک ایسا رہنما ثابت ہوا ہے کہ انہوں نے ماتمی مجالس کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ ماتمی چند سے بند کر دیئے ہیں جس کی وجہ سے تلنگ کی ماتمی مجالس اور وہاں کے ماتمی جلوس بے رونق ہو گئے ہیں اور ماتمی مجالس کے مقابلہ میں اب وہاں کے سنی مسلمان دیوبندی ہوں یا بریلوی) متحدہ طور پر عظیم الشان سنی کانفرنس منعقد کرتے ہیں۔ اور چکوال اور اس

کے نواحی علاقوں میں بھی یہی حال ہے۔ خدام اہل سنت کی جدوجہد نتیجہ میں دیہات کے سنی عوام اب بیدار ہو چکے ہیں۔ اور مذہب اہل سنت کا پرچم بلند ہو رہا ہے۔ حق چار یار کا غلغلہ بلند ہے اور بریلوی علماء بھی اپنے جلسوں کے اشتہاراً کو ”حق چار یار“ سے مزین کر رہے ہیں۔ بلکہ اب تو پاکستان بھر میں خلفائے راشدین کی صداقت و حقانیت کا اعلان اور مذہب اہل سنت کا امتیازی نشان پھیل رہا ہے مگر کیوں چھٹ رہی ہیں اور سنت رسول اور حیات رسول یعنی صحابہ کرام اور اہل بیت عظیم کے صبر و استقامت کے انوار پھیل رہے ہیں۔ اور ان شاء اللہ مذہب اہل سنت کا پرچم بلند ہو کر تاجا جائے گا۔ اور ان شاء اللہ خدام اہل سنت کی سرگرمیوں کا اعتراف کرنے پر آپ بھی ان الفاظ میں مجبور ہو گئے ہیں کہ: اگر بقول قاضی صاحب یتیم بھی کر لیا جائے کہ ٹریکٹ مذکور سوائے فرستہ شیعہ کے باقی تمام مسلم مکاتب فکر کے خلاف نہیں ہے تو ہم قاضی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ کی یتیمی کافر نہیں۔ تبلیغی جلسے اور ان میں ہونے والی وصال و حار تقریریں۔ آپ کے مکتبوں میں شائع ہونے والی کتابیں۔ رسالے۔ پمفلٹ اور اشتہار وغیرہم کیا دوسرے اسلامی فرقوں کے خلاف نہیں؟ (فلاح الکونین ص ۱۱۱) الجواب: ہمارے یتیمی جلسے اور سنی کافر نہیں۔ کتابیں اور پمفلٹ بلکہ سنی کینڈر سب مذہب اہل سنت کی حقانیت کی تبلیغ و تحفظ کے لئے ہیں جو ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ ہم خلافت راشدہ۔ حق چار یار اصحاب رسول کے معیار حق ہونے۔ ازواج مطہرات کے جنتی ہونے اور اہل بیت کے اہل سنت ہونے وغیرہ عقائد و مسائل کی تقریراً و تحریراً تبلیغ کرتے ہیں اور اس کی زد اگر پڑتی ہے تو اس فرقہ پر جو سنت رسول یا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا مخالفت ہے۔ ہم ختم نبوت کے بنیادی عقیدہ کا بھی تحفظ کرتے ہیں جس کی زد مرزائی پارٹی پر پڑتی ہے لیکن مرزائیوں کو ہم مسلم فرقوں میں شمار نہیں کرتے۔ پھر آپ کو کیا اعتراض ہے؟

پیشاؤ کے سنی مسلمانوں کی خدمت میں

صوبہ سرحد میں سنی حنفی مسلمانوں کی عظیم اکثریت پائی جاتی ہے اور علمائے اہل سنت کے بڑے بڑے دینی ملازم بھی موجود ہیں جن سے ہر سال سینکڑوں علماء۔ محفاظ اور قراء فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور حضرات علمائے کرام میں دارالعلوم دیوبند کے فضلاء بکثرت ہیں اور ان میں بھی زیادہ تر وہ حضرات ہیں جن کو شیخ العرب والعم حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے شرف تلمذ اور شرف بیعت حاصل ہے لیکن افسوس ہے کہ عوام اہل سنت میں اہل سنت کے نام و عنوان سے تبلیغ کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی گئی اور سنی مسلمانوں کی ناواقفیت اور غفلت کی وجہ شیعیت

کے اثرات پھیل رہے ہیں۔ چنانچہ پیشاور شہر میں ماہ محرم میں مندر ماتمی جلوس نکالے جاتے ہیں اگر سنی عوام ماتم کی قباحت محض سمجھتے تو آج ماتمی مصنف کی طرف سے پیشاؤ کے سنی عوام کے ماتمی جلوس میں شریک ہونے کا یوں طعنہ نہ دیا جاتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر محاذ پر سنی مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین۔

۱۔ خدانے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا۔ اسی سلسلے میں انتہائی پریشانی کے عالم میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: بقول آپ کے پاکستان۔ ہندوستان اور افغانستان بلکہ دنیائے اسلام میں مسلمانان اہل سنت والجماعت کی عظیم اکثریت کے نزدیک یہ ماتم حرام ہے، لیکن ملک صاحب کیا جانیں۔ انہوں نے پاکستان سے باہر ماقبوں کو ماتم کرتے دیکھا اور نہ کسی اہل سنت کو نواسرہ رسول کی عزاداری اور ماتم کو ناجائز اور حرام کہتے سنا۔ انہوں نے تو صرف آپ کو ہی عزاداری کی مخالفت کرتے دیکھا اور آپ کو ہی ماتم کو ناجائز اور حرام کہتے سنا۔ کیونکہ آپ ہی ایک ایسے سنی مسلمان ہیں جن کا رسالہ دہم ماتم کیوں کرتے ہیں، کو کچھ کر غصہ کا پارہ چڑھ گیا اور اس کے جواب میں، ہم ماتم کیوں نہیں کرتے، لکھ مارا۔ اسی بنا پر جو تمام مسلمانان اہل سنت والجماعت سے صرف آپ کو ہی عزاداری کا دشمن سمجھے پر مجبور ہیں۔ لیکن آئیے یاد رکھیں کہ اگر عیسائیت۔ یہودیت اور ہندویت کی عظیم اکثریت باوجود ہزارہا گوشتشوں کے اسلام کو ختم نہ کر سکی تو جس اکثریت کا ڈھول آپ پیٹ رہے ہیں وہ ہم حسین کو ان شاء اللہ العزیز کبھی ختم نہیں کر سکتی، (فلاح الکونین ص ۱۱۱) الجواب (۱) ہمارے چھوٹے سے رسالہ دہم ماتم کیوں نہیں کرتے، سے آپ اتنے گھبرائے ہیں تو جب بشارت الدارین بالصبر علی شہادت الحسین شائع ہوگی تو خدا جلنے آپ کا کیا حال ہوگا۔ ماتم حسین ختم ہو یا نہ ہو۔ ہم نے تو اپنا مذہبی فریضہ ادا کرنا ہے، اور حیثیت کا صاف و شفاف چہرہ دکھانا ہے جن پر ماتم اور بعض صحابہ کے تہ برتر پڑے پڑے ہوئے ہیں۔

۲۔ اگرچہ ثبت میں جماعت کی استینوں میں ہمیں ہے حکم اذال لا الہ الا اللہ

اور اب آپ کا یہ حربہ کام نہیں دے سکتا کہ صرف دیوبندی علماء ماتم کے خلاف ہیں اور بریلوی علماء اس کو ناجائز نہیں کہتے کیونکہ صرف سنی عوام کی غفلت کی وجہ سے آپ اس پروپیگنڈے سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں ورنہ دیوبندی ہوں یا بریلوی۔ حنفی ہوں یا شافعی اہل سنت کے تمام علماء کے نزدیک آپ کا مروجہ ماتم حرام ہے۔

سنی مطالبات کی تحریک | تحریک خدام اہل سنت کی جدوجہد سے ہزاروں کی تعدادیں ملک کے مختلف طبقوں

میں "سنی مطالبات" کی اشاعت نے شیعہ پروپیگنڈا کی خوب فلاحی کھول دی ہے۔ کیونکہ ان مطالبات پر دیوبندی علماء کے علاوہ بریلوی مسلک کے ممتاز علماء کے دستخط بھی موجود ہیں۔ اور مسلکی اختلاف کے باوجود علماء اہل حدیث نے بھی ان مطالبات پر دستخط کر دیئے ہیں۔ بلکہ قومی اسمبلی کے سات علماء ارکان کے بھی ان سنی مطالبات پر سرپرست دستخط موجود ہیں جن میں مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث، اکوڑہ خٹک، مولانا صدر الشہید صاحب بنوی مولانا عبدالحکیم صاحب (راولپنڈی)، مولانا نعمت اللہ صاحب کوٹلی، مولانا عبدالحق صاحب، بلوچستانی دیوبندی مسلک کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور مولانا شاہ احمد صاحب نورانی صدر جمعیت علماء پاکستان بریلوی مسلک کے رہنما ہیں علاوہ ازیں مذہبی اور سیاسی جماعتوں میں سے تنظیم اہل سنت، جمعیت علماء اسلام، رد و نوکر و پابجیت علماء پاکستان، مجلس تحفظ ختم نبوت، مجلس احرار اسلام، انجمن تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان سنی پارٹی، مرکز مجیدین صحابہ پاکستان سنی کانفرنس اور تحفظ ناموس صحابہ کے علماء و علماء کے بھی دستخط ہیں۔ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان چاروں صوبوں کے علماء نے اس سنی دستاویز پر دستخط کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سولے ایک قلیل بلکہ اقل فرقہ شیعہ کے باقی تمام مسلم فرقوں اور جماعتوں کے نزدیک یہ روجہ مآثم حرام ہے۔ اور مآثمی جگہوں پر پابندی لازمی ہے۔

دیوبندی بریلوی اختلاف اہلسنت کا داخلی معاملہ ہے

حرمات مآثم کے دلائل کی کتاب نہ لاکر مآثمی مصنف صاحب دیوبندی بریلوی اختلاف کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ:-
اپنے بریلوی علماء کے امام حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا جو فتویٰ مجلس مرثیہ خوانی اہل شیعہ کے متعلق نقل کیا ہے ہم اس فتویٰ کے جواب میں قلم اٹھانے کو اسلئے تیار نہیں کہ فتویٰ دینے والے مفتی کا آپ کے فرقہ سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں کیونکہ یہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی وہی ہیں جنہوں نے آپ کے اکابرین سلف پر علماء حرمین شریفین سے کفر کے فتوے جاری کرائے اور ان فتاویٰ کو جمع کر کے "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کرایا۔ ان سے چند ایک فرقے پیش خدمت ہیں الخ رنلاح الکونین ص ۱۱) اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں:- اسبم آپ سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ عزا داری حضرت امام حسین علیہ السلام کو حرام اور ناجائز ثابت کرنے کے لئے آپ کے ضمیر نے ایسے مفتی کے فتوے کو نقل کرنے کی کیسے اجازت دی جس نے آپ کے مسلک کو فرقہ واریہ کہا "ص ۱۱۱

الجواب - ۱۱) میں نے بریلوی علماء کے پیشوا مولانا احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ روم مآثم میں اس دعویٰ کی تائید میں پیش کیا تھا کہ سب اہل سنت مآثم روجہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ (ب) اس فتویٰ کو نقل کرنے سے آپ کے اس پروپیگنڈے کو باطل کیا کہ شیعہ اور بریلوی تو ایک ہی ہیں ان میں کوئی خاص اختلاف نہیں۔ اور اس فتوے کی اشاعت کے بعد آپ کا وہ جال تار تار ہو گیا جس سے آپ ناواقف بریلوی عوام کو شکار کیا کرتے تھے۔ اور الحمد للہ بہت سے بریلوی سنی پہلی بار اس حقیقت سے واقف ہوئے کہ ان کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی شیعہ مجالس اور مآثم کے اتنے سخت مخالف ہیں اور آپ کی اس ساری بوکھلاہٹ کی وجہ بھی یہی امر ہے۔ چنانچہ آپ نے بے اختیار ہو کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ:- ممکن ہے ملک صاحب کا یہ خیال درست ہو کہ قاضی صاحب کے جوابی رسالہ کی اشاعت کا اصلی مقصد روپیہ کمانا ہو مگر ہمارے خیال میں جوابی کاروائی کی غرض و غایت صرف دھن دولت کمانا نہیں بلکہ اصل مطلب مسلمانوں میں چھوٹ ڈالنا اور خاص کر بریلوی حضرات کو شیعوں سے برگشتہ کرنا ہے۔ "رنلاح الکونین ص ۱۱۱ میرے جوابی رسالہ کی پہلی وجہ جو ملک صاحب نے بیان کی ہے وہ تو بے بنیاد ہے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میری تصانیف جماعتی ہیں اور ان پر میں کچھ معاوضہ نہیں لیتا۔ اور دوسری وجہ آپ نے کچھ سمجھ لی ہے کیونکہ اس رسالہ کی بنا پر بریلوی عوام و خواص میں ایک خاص احساس پیدا ہو گیا ہے اور مخالفین اصحاب و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور منکرین خلافت راشدہ کو انہوں نے تار لیا ہے۔ اور آپ کی نگاہ میں میرا یہ قصور ہے تو مجھے اس پر ناز ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو اس امر کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اور میری توبہ گاہ خداوندی میں یہ دعا ہے۔

توبہ خدام کو توفیق دے اپنی عبادت کی	رسول پاک کی عظمت و محبت اور اطاعت کی
ہماری زندگی تیری رضا میں صرف ہو جائے	تیری راہ میں ہر اک سنی مسلمان وقف ہو جائے
تیری توفیق سے ہم اہل سنت کے رہیں حاتم	ہمیشہ دین حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم
نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہر ناداں	تیری نصرت ہو دنیا میں قیامت میں تیری رضوان

(۲) دیوبندی ہوں یا بریلوی علماء شیعہ فرقہ کے تقابل میں حسب ذیل امور پر متفق ہیں۔ (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مآنا علیہ واصحابی کے تحت امت کے ۳ فرقوں میں سے ناجی فرقہ اہل سنت والجماعت ہے۔ (۲) کتاب اللہ کے بعد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم شرعاً حجت ہے (۳) اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مجاہدین اور جنتی ہیں (۱۲) چاروں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم میں سے اور بترتیب خلافت ان کو باہمی نصیحت حاصل ہے (۵) افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق ہیں (۶) انسانوں میں سوائے انبیائے علیہم السلام کے اور کوئی معصوم نہیں ہے (۷) مقام نبوت سب سے بڑا مقام ہے۔ امامت و خلافت کا درجہ نبوت سے نیچے ہے۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جو امامت ملی وہ نبوت کی امامت تھی نہ غیر نبوت کی (۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ قطعی کافر ہے مثلاً مسلمان کذاب۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی۔ اور اس کو نبی یا مجبور ماننے والے بھی قطعی کافر ہیں (۹) قادیانی ہوں یا لاہوری، (۱۰) انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کوئی خلیفہ اور امام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل نہیں ہو سکتا۔ (۱۱) رسول اکرم رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں حضرت خدیجہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ وغیرہ قطعی جنتی ہیں اور حسب ارشاد قرآنی و ادراجہ امہاتہم تمام مومنین مومنات امت کی مائیں ہیں (۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار ہیں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ الزہراء اور سب جنتی ہیں۔ البتہ ان سب میں بڑا درجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے۔ سیدۃ النساء اہل الجنة فاطمہ (جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ ہوں گی) (۱۳) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم، طیب، طاہر اور ابراہیم بچپن میں ہی وفات پا گئے یہ سب پیارے اور جنتی ہیں (۱۴) انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسن اور امام حسین جنتی ہیں اور حسب ارشاد نبوی جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ سید شباب اہل الجنة الحسن والحسین، (۱۵) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو خلفائے اربعہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلح کے بعد بالاتفاق خلیفۃ اسلام اور قطعی جنتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد رضا خان صاحب
مولانا بریلوی کے نزدیک امیر معاویہ پر طعن کرنے والا و فرج کا کتا ہے
بریلوی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر غنائین کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ

شان اللہ عزوجل بتاتا ہے تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد ثبہا رکھ دے گا اسے اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کا ذہب ہیں ارشاد الہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی ایت میں اس کا منہ بھی بند کر دیا ہے کہ دو فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا۔ واولئک یاتعلمون خبیثون۔ اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے۔ بائیں ہمہ میں تم سب بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد جو کوئی کہے وہ اپنا سر کھائے خود جہنم جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الزین مخرج شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں۔ ومن یکن یطعن فی معاویۃ فخذ لک من کلاب السباعۃ۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کنول سے ایک کتا ہے۔ (احکام شریعت حصہ اول ص ۵۵)

ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:-
مولانا بریلوی کے نزدیک صدیق و فاروق کا گستاخ کافر ہے
تحقیق مقام تفصیل مرام سے کہ رافضی تہرئی
جو حضرت یحییٰ صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواہ ان میں سے ایک کی شان میں گستاخی کرے اگر صرف اس قدر کہ امام و خلیفہ جنتی نہ مانے۔ کتب معتبرہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عامۃ تزیج و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے (رد المحتار ص ۳۱)

(ب) اسی رسالہ میں مولانا بریلوی لکھتے ہیں:- رافضی اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل جانتے تو بدعتی گمراہ ہے اور اگر خلافت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر ہو تو کافر ہے۔ (ص ۱۷) اسی طرح خلافت فاروق اعظم کا منکر بھی صحیح تر قول میں وہ کافر ہے، (ص ۱۸) جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہو کافر ہے، (ص ۱۹) اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہے باجماع مسلمان کافر ہے، (ص ۲۰) اس رافضیوں تہرائیوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ علی العموم کفار مرتدین ہیں۔ ان کے ہاتھ دیو مزار سے۔۔۔ ان کے مرد و عورت عالم جاہل کسی سے میل جول سلام کلام سب سخت کبیرہ۔ اشدرام جوان کے ان ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو کر بھی انہیں مسلمان جانے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے باجماع تمام ائمہ دین خود کافر ہے دین ہے اور اس کے لئے بھی سب احکام میں جو ان کے لئے مذکور ہوئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس فتویٰ کی ککوش ہوش سنیں اور اس پر عمل کر کے سچے کئے سنی بنیں
(رد المحتار ص ۲۳-۲۴) مطبوعہ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب (لاہور) مولانا بریلوی مرحوم کے ان فتاویٰ

پر آپ ضرور ماقم کریں گے اور اپنی مظلومیت کے لئے چیخ و پکار کریں گے۔ لیکن آپ اپنی مذہبی کتابیں دیکھیں کہ حضرات خلفائے کرام کے خلاف کیا کچھ لکھا ہے۔ اور آپ نے خود بھی فلاح الکونین میں خلفائے ثلاثہ پر طعن کرتے ہیں کچھ کمی نہیں کی اور صاف طور پر لکھ دیا کہ: حقیقت میں یہی لوگ تارک مبروئے سچائی سے دور ہوئے۔ جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، (فلاح الکونین ص ۹۸) تو علمائے اہل سنت جو حضرات صحابہ اور خلفائے راشدین کو مومن کامل اور قطعی حجتی مانتے ہیں کیا وہ ان پر طعن کرنے والوں پر پھول برسائیں گے؟ مزید بحث مسئلہ تو ماقم مروجہ کا تھا لیکن آپ نے اس کی آڑ میں اصحاب و خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت طعن بنایا اسلئے عجیب بھی آپ کے الزامات کا جواب دینا پڑا۔ کیا آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار کی فہرست میں شمار نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو: حق سے باطل کی ٹکر و ستیزہ کاری کوئی نئی چیز نہیں۔ ابتدائے آفرینش کائنات سے یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور آفتاب قیامت کے طلوع کرنے پر جاری رہے گا۔ (دلائل ان غلغلیہ، آدم و ابلیس۔ بائبل و تائیل فوج و سرکشان قوم۔ ابراہیم و نمرود۔ موسیٰ و فرعون۔ محمد مصطفیٰ و ابوجہل۔ علی مرتضیٰ و معاویہ۔ حسین و یزید و امثالہم) اسی ناقابل رد حقیقت کے علمی مظاہرے نہیں ہیں، (تقریظ فلاح الکونین از مولوی محمد حسین صاحب شیعہ علامہ المعروف: ڈھکڑ صاحب ص ۵) علامہ محمد حسین صاحب ڈھکڑ نے اپنے قبلی تقاضے سے عبور ہو کر معرکہ حق و باطل اور ایمان و کفر کی یہ فہرست درج کر دی ہے حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مومن مانتے ہیں اور اپنے اور ان کے ایمان کو مساوی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ پنج البلاغۃ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے اہل صفین سے اپنی جنگ کے متعلق شہروں میں یہ چھیڑی ارسال کی تھی۔ وکان بدءاً موفوا انا المتقینا والقوم من اهل الشام والظاهر وان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا في الاسلام واحدة لا نستؤيدهم في الايمان بالله والتدين بامرجه ولا يستؤيدوننا والاصو واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن ندينه بآء (ص ۵۷ مطبوعہ طہران) :- اور ہمارے اس معاملہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہماری اور شما والوں کی لڑائی ہوئی اور ظاہر ہے کہ رب ہمارا ایک ہے اور نبی ہمارا ایک ہے اور اسلام کی دعوت بھی ہماری ایک ہے۔ اللہ پر ایمان رکھنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں ہم ان سے زیادہ نہیں چاہتے اور نہ ہی وہ ہم سے اس میں زیادتی کے طلبگار ہیں اور امر و بن ہمارا ایک ہی ہے۔ مگر ہمارا اختلاف صرف حضرت عثمان کے قصاص کے بارے میں ہے حالانکہ ہم

اس سے برتری ہیں، اس سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ کا حضرت معاویہ اور اہل شام سے دین و ایمان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ صرف جھڑا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص لینے کی بنیاد پر ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضرت امام حسینؑ نے حضرت امیر معاویہ سے صلح کر کے ان کی بیعت کر لی جیسا کہ رجال کثی کا حوالہ گذر چکا ہے۔ لیکن آپ اگر اپنی کتاب سے بھی حضرت علیؑ کا ارشاد دہم کریں اور نہ ہی اہل سنت کی کتاب کو مانیں اور نہ ہی قرآن حکیم کا فرمان تسلیم کریں تو اس کا کیا علاج ہے؟ بہر حال علمائے دیوبند اور علمائے بریلوی جن طرح خلفائے اصحاب۔ ازواج مطہرات۔ بنات پاک اور اہل بیت کے متعلق ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں اسی طرح دونوں کے نزدیک فروعی اور اجنبی دی مسائل میں غیر مجتہد کیلئے کسی مجتہد کی تقلید لازمی ہے اور ہر دو مساک کے علماء کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل چار ایسے مجتہدین ہیں جن کے فقہی مذاہب مدون و مرتب ہیں۔ اور یہ دونوں گروہ فقہ ہیں امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متقلد ہیں۔ چنانچہ عقائد اکابر علمائے دیوبند کی متفقہ دستاویز المہند علی المہند میں ہے کہ:- اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے بلکہ واجب ہے کہ جو کم ہم نے تجربہ کیا ہے کہ ائمہ کی تقلید چھوڑنے اور اپنے نفس و ہوا کے اتباع کرنے کا انجام الحاد و زندقہ کے گڑھے میں جا کرنا ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے۔ اور باقی وجہ ہم اور ہمارے متنازع تمام اصول و فروع میں امام المسلمین ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متقلد ہیں۔ خدا کرے اس پر ہماری موت ہو اور اسی زمرہ میں ہمارا حشر ہو۔ اور اس بحث میں ہمارے متنازع کی بہترین تصانيف و مانیاس مشہور شائع ہو چکی ہیں“ (ص ۳)

اسی طرح دونوں فریق اولیاء اللہ کے سلسلہ بیعت و ارشاد کو

اولیاء اللہ کے چاروں روحانی سلسلے تسلیم کرتے ہیں اور چار مشہور سلاسل طریقت حضرت محبوب سبحانی

غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی۔ سید الاولیاء حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی۔ شیخ المشائخ حضرت خواجہ بابا ولد علی نقشبندی اور قدوة الصلحاء حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے نسبت رکھتے ہیں۔ اور ہمارا اکابر دیوبند بھی ان روحانی سلسلوں سے فیضیاب ہیں۔ ہمارے پیر و مرشد شیخ العرب العجم حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند رجن کو اللہ تعالیٰ نے ۱۴ سال مسیحی نبوی میں روضہ قدس کے سامنے بیٹھ کر دوسری قرآن و حدیث کی توفیق عطا فرمائی، ان سلاسل طیبہ کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس میں چاروں

اسلام لریقت کے شجرے اردو فارسی نظم اور نثر میں موجود ہیں۔

حضرت پیر مرزا علی شاہ صاحب کو طرہ کی خوشی
پیر صاحب کو طرہ کی خوشی نے حضرت گنگوہی کو مقتدرائے زمان لکھا ہے

طاعون میں تخریری مباحثہ ہوا تھا جس میں حضرت پیر صاحب اپنے موقف کی تائید میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب
گنگوہی کی تحقیق پیش کئے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ: لہذا ہم نے سائیں عن الصورة المسطورة کو اجتناب از تعقیب المکتہ
متعنه دارا وہ تبدیل ہوا جو از خروج از مقام الطاعون کا فتوے دیا ہے جیسا کہ مقتدرائے زمان حضرت مولوی رشید احمد صاحب
گنگوہی مرحوم و مولوی شیخ محمد عبدالغفار صاحب نے دوبارہ جو از خروج فتویٰ دیا ہے جس کی نقل ذیل میں موجود ہے: ”
واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم“ العبد الملتجی الی اللہ المذنب بھو علی شاد عنی عندہ ربحہ بقلہ خود (سارا اظہار)

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب
مولانا اسماعیل شہید پر انکار شفاعت کا بہتان

اخراج کیا۔ یہی عبارت اب بھی آپ نے پیش کی ہے حالانکہ اس کا مفصل جواب وہاں دیا جا چکا ہے دوبارہ ملاحظہ
کریں۔ علاوہ ازیں آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ: آپ جب انکار پر آتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیع المذنبین
اور شافع عشر ہونے کا بھی انکار کر دیتے ہیں چنانچہ آپ کے ایک بزرگ عالم ربانی مہاجر جلیل حضرت مولانا شاہ
اسماعیل شہید تقویۃ الایمان کے ص ۳ پر شفاعت کی حقیقت کے عنوان کے تحت شفاعت و سفارش کی تشریح
کرتے ہوئے فرماتے ہیں:- اور جو کوئی نبی و ولی کو یا امام و شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس
قسم کا شفیع سمجھے تو وہ اصل مشرک اور بڑبلا بل ہے۔۔۔۔۔ اس سے بڑھ کر شفاعت کا اور کیسے انکار کیا جائے۔

بہر حال جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار کر دے اس کے لئے چودھویں صدی کے علمائے سوء کے وجود
سے انکار کرنا کوئی تعجب خیز امر نہیں، ”فلاح الکونین ص ۹۹، الجواب ۱۱، آپ نے ماتم کے گنبد میں بیٹھ کر
مولانا شاہ اسماعیل شہید اور ہمارے اکابر علماء پر انکار شفاعت کا اتنا عظیم بہتان لگایا ہے کہ اسی سے آپ کے صدق یا
کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ گو آپ کے نزدیک یہ سفید جھوٹ تقیہ میں شمار ہو کر اجر عظیم کا سبب بن جائے گا (۲) مندرجہ
عبارت کے یہ الفاظ کہ: اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھنا اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت مولانا شہید شفاعت

کی کسی خاص صورت کو مشرک قرار دے رہے ہیں نہ کہ ہر قسم کی شفاعت کو۔ (۳) اسی تقویۃ الایمان میں مولانا شہید نے واضح
طور پر شفاعت بالاذن کا اقرار کیا ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے (سفارش) کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہوئے بادشاہ
اور مجرم (مثلاً چور) کی مثال کے تحت لکھتے ہیں کہ: جو کوئی امیر و وزیر اس کی (یعنی بادشاہ کی) مرضی پا کر اس تقصیر وار کی
سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر ہیں اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر
دیتا ہے۔ سو اس امیر نے اس چور کی سفارش اس لئے نہیں کی کہ اس کا قریبی یا آشنا یا اس کی حمایت اس نے اٹھائی بلکہ
محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر۔ کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ چوروں کا بھائی۔ جو چور کا حمایتی بن کر اس کی سفارش کرتا
ہے تو آپ بھی چور ہو جاتا ہے۔ اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں یعنی یہ سفارش خود مالک کی پروا لگی سے ہوتی ہے۔ واللہ
کی جناب میں اسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی
یہی ہیں الخ (تقویۃ الایمان ص ۱۱) فرمائیے۔ یہاں قرآن و حدیث میں مذکور نبی و ولی کی شفاعت کو مولانا اسماعیل شہید
نے صراحتاً تسلیم کیا ہے یا نہیں؟ کیا یہ عبارت آپ کو نظر نہیں آئی تھی؟ اور جس شفاعت کو مولانا شہید نے مشرک کہا ہے
اس کے متعلق لکھتے ہیں:- سو جاننا چاہیے کہ شفاعت کہتے ہیں سفارش کو اور دنیا میں سفارش کی طرح کی ہوتی ہے
جیسے ظاہر کے بادشاہ کے ہاں کسی شخص کی چوری ثابت ہو جائے اور کوئی امیر و وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچا لے
تو ایک تو یہ صورت ہے کہ بادشاہ کا جی تو اس چور کو کچلنے ہی کو چاہتا ہے اور اس کے ایمان کے موافق اس کو سزا پہنچتی
ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے اور اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے۔ فرمائیے اگر کسی کا
یہ عقیدہ ہو کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بھی العیاذ باللہ کسی نبی و ولی سے دب کر مجرم کی سفارش مان لے گا تو کیا آپ کے نزدیک
یہ اعتقاد کفر و مشرک نہیں ہوگا۔

۴۔ آپ کے علامہ محمد حسین صاحب دھکونے بھی (جو آپ کی کتاب پر تقریظ لکھنے والے ہیں) اسلام کا عقیدہ یہی
شفاعت بالاذن ہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:- اسلام نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کچھ ذات مقدسہ ایسی ہیں جن کا سوا
خدا دائرہ ہدی اور کاملین مومنین باصفا۔ ملائکہ جو بیروز قیامت صحیح العقیدہ گناہگاروں کی شفاعت و سفارش کریں گے
مگر یہ شفاعت خداوند عالم کے اذن سے ہوگی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے مَنْ ذَا الَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ
جہاں تک مسئلہ شفاعت کے اثبات کا تعلق ہے یہ مسئلہ تمام مکاتیب فکر کے مسلمانوں کے درمیان اتفاقی ہے کسی

فرقہ نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ آیات قرآنیہ و احادیث متواترہ اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں، ”واحسن القول“ (۲۸۱) توجہ قرآن مجید میں الابدانہ کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ تعالیٰ کی اجازت کے کوئی بھی سفارش نہیں کر سکیگا اور مولانا اسماعیل شہید نے بھی یہی لکھا ہے اور آپ کے علامہ محمد حسین بھی یہی لکھ رہے ہیں تو اپنے ان اکابر پر جھوٹ باندھ کر کیا چل گیا؟ اور یہاں علامہ محمد حسین صاحب ڈھکوسے میں ہمارا سوال ہے کہ جب آپ تمام مکاتیب فکر کو شفاعت کے مسئلہ پر متفق مان رہے ہیں اور مولانا اسماعیل شہید کے مطابق ہی آپ نے بھی لکھا ہے تو پھر فلاح الکونین کی آپ نے تقریظ و تصدیق کیوں تحریر فرمائی ہے جس میں مسئلہ شفاعت کے سلسلہ میں حضرت مولانا شہید وغیرہ اکابر پر بہتان تراشی کی گئی ہے۔ کیا علم و دیانت کا یہی تقاضا ہے یا آپ بھی تقیہ کا ثواب لوٹ رہے ہیں؟ (ب) جبکہ فلاح الکونین کے مصنف جیسے علماء موجود ہیں تو میں چودھویں صدی کے علماء و سودا کا کیسے انکار کر سکتا ہوں، ہاں یہ جدا امر ہے کہ کسی حدیث میں چودھویں صدی اور اس کے علماء کا تذکرہ نہیں ہے۔ جس کا وہی زبان میں آپ نے بھی اقرار کر لیا ہے۔ اسی لئے تو میرے جواب میں کوئی حدیث نہیں پیش کر سکے۔

(۵) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ زیارت روضہ مقدسہ کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:- اب جان لے کہ زیارت روضہ مطہرہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضل المستحبات ہے بلکہ بعض نے قریب واجب کے لکھا ہے اور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میری قبر کی زیارت کرے اس کے واسطے میری شفاعت واجب ہوگی“ (زبدۃ المناسک ص ۸۶) نیز فرماتے ہیں: پھر رخصت ہوا تو پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرے اور شفاعت چاہے اور بہت پکار نہ بولے بلکہ اسے رخصت ہو اور ادب سے برز می عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو عرض کرے، ”۶۹، المہند علی المہند میں بھی متعدد مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ شیعہ المذنبین لکھا ہوا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ تمام اکابر و پویند حضور رحمت للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر مثل جہود اہل سنت کے ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی باقی مصنف انکار شفاعت کا الزام ان پر لگائیں تو اس کا کیا علاج ہے۔

دیوبندی اور بریلوی دونوں مسلک کے علماء اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت پر متفق ہیں!

مرزا غلام احمد قادیانی اور لکھنوی یا مجدد مانتے والوں کو قادیانیوں یا لاہوری، قطعی کافر

مسئلہ ختم نبوت

ہیں۔ چنانچہ المہند میں ہے:- ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ ہے کہ ہمارے سرور و آقا اور پیارے شفیق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین میں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے، فلا یصل رسول اللہ وذا تھا النبیین (ولیکن محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) اور یہی ثابت ہے کہ بکثرت حدیثوں سے جو معنی حد تو از تک پہنچ گئی ہیں اور نیز اجماع امت ہے۔ سو حاشا کہ ہم میں سے کوئی اس کے خلاف کہے۔ کیونکہ جو اس کا منکر ہے وہ ہمارے نزدیک کافرب اس لئے کہ منکر ہے نص صریح قطعی کا۔ ہمارے شیخ و مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وقت نظر سے عجیب دقیق مضمون بیان فرما کر آپ کی خاتمت کو کامل و تمام ظاہر فرمایا ہے (ص ۱۳) دب، مرزا قادیانی کے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:- جب اس نے نبوت و مسیحیت کا دعویٰ کیا اور عیسیٰ مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے کا منکر ہوا۔ اور اس کا خبیث عقیدہ اور زندقہ ہونا ہم پر ظاہر ہوا تو ہمارے مشائخ نے اس کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا۔ قادیانی کے کافر ہونے کی بابت ہمارے حضرت مولانا گنگوہی کا فتوے تو طبع ہو کر شائع بھی ہو چکا ہے، (المہند ص ۵۷)

محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت بعد عبدالمقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فضائل روافض کے خرافات پران پیر کا فتویٰ

صاحب کی بحث میں فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے اصحاب کے گالی نہ دو پس جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر خدا کی لعنت ہے۔ اور حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خداوند کریم نے مجھ کو چن لیا ہے اور میرے واسطے میرے بار بھی چن لئے ہیں اور پسند کر لئے ہیں ان کو میرا مددگار بنایا ہے اور ان کو میرے سسر اور رشتہ دار بنایا ہے اور اخیر زمانہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوا کہ وہ اصحابوں کے رتبہ کو کم کر گیا۔ خیر دار تم نے ان کے ساتھ ہرگز کھانا پینا نہیں۔ ہرگز ان کے ساتھ نکاح کرنا کرنا نہیں ان کے ساتھ نماز بھی نہ پڑھنی اور ان پر لعنت کرنی حلال ہے، (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۱۳)

حضرت غوث الاعظم پر بہتان

مولانا اسماعیل شہید تو اس حدی کے بزرگ ہیں۔ لیکن پیران پیر حضرت

میں را اور مولانا اسماعیل شہید نے بھی آپ کو صراط مستقیم پر غوث الاعظم لکھا ہے، ماتی علماء تو ان پر بھی بہتان لگانے سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ ایک شیعہ مصنف محمد حنفی نے اس نے اپنی کتاب خلاصۃ المصائب میں لکھا ہے کہ:- ولے ہے

ان لعینوں پر جو روز قتل فرزند رسول کو روز بکرت جانتے ہیں اور سرور و شادی کرتے ہیں اور خدا اور رسول خدا کو غضبناک کرتے ہیں۔ فقط اطاعت عبدالقادر جیلانی سے۔ چنانچہ عید عاشورا اہل مکہ نے شہادت امام حسین سے موقوف کی تھی جب زمانہ عبدالقادر جیلانی لیکن کا ہوا جسے اہل باطل و شر پر دستگیر کئے ہیں تو اس نے کہا وفات ابوبکر بانی ظلم و مکر سے عید و شنبہ موقوف نہ ہوئی پھر قتل امام حسین سے عید عاشورا کیوں موقوف ہوئی اور لکھا ہے غنیۃ الطالبین میں حسینؑ کیوں خروج کیا خلیفہ وقت و امام عصر پر۔ فقتل الحسین بسیف جدہ پس قتل ہوئے امام مظلوم معاذ اللہ شمشیر رسول خدا یعنی ان کے گمان باطل میں یزید خلیفہ رسول تھا۔ حسین بن علی خلیفہ رسول کے ہاتھ سے مارے گئے۔ پس پھر دشمنان آل رسول نے عید کرنا شروع کی۔ (اصحاح ۲۲۲) (الجواب - ۱) خلاصۃ المسائب کے رافضی مصنف نے ایک تو حضرت غوث الاعظم کو لعین اور حضرت ابوبکر صدیق کو بانی ظلم و مکر لکھ کر اپنی سیاہ باطنی کاشتوت دیا ہے اور دوسرا حضرت پیران پیر محبوب باندھا ہے کہ اپنے غنیۃ الطالبین میں حسین و یزید کے بارے میں مندرجہ الفاظ لکھے ہیں۔ حالانکہ غنیۃ الطالبین میں یہ الفاظ بالکل نہیں ہیں کہ۔ حسینؑ نے کیوں خروج کیا خلیفہ وقت و امام عصر پر، بلکہ حضرت غوث الاعظم نے تو امام حسینؑ کو شہید تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: خداوند تعالیٰ نے حضرت امام حسینؑ کو عاشوراکے روزوں میں جو بزرگ دن تھے شہادت پانے کے واسطے منتخب کیا ہے کہ اگر ایسے بزرگ دنوں میں شہید ہوں گے تو اس سے آپ کی شہادت کا درجہ اور بھی بلند ہوگا اور ان کی کرامت اور بزرگی میں اضافہ کیا جائے گا۔ اور وہ شہید شدہ خلفائے راشدین کے مقام پر پہنچیں گے۔

غنیۃ الطالبین ص ۳۴ فرمائیے خلاصۃ المسائب کے مصنف نے حضرت جیلانی قدس سرہ پر کتنا عظیم بہتان لٹا ہے۔ (۲) دراصل ان کو حضرت غوث الاعظم سے اس لئے بغض و عناد ہے کہ آپ اہل سنت کے عظیم روحانی پیشوا ہیں اور چاروں خلفائے راشدین اور تمام صحابہ و اہل بیت کو برحق اور قطعی جنتی مانتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ بالاتفاق تمام مملکت اسلامیہ کے خلیفہ تھے۔ علاوہ ازیں حضرت پیران پیر نے شہادت امام حسینؑ کے ماتم کو بھی ناجائز لکھا ہے اور اپنی کتاب میں شیعوں کے متعدد فرقوں کے نام اور ان کے عقائد باطلہ درج کئے ہیں۔ اس بنا پر اہل تشیع حضرت غوث الاعظم کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حتیٰ اور حینی سید ہیں لیکن اہل تشیع حضرت پیران پیر سید ہیں آپ کے بارے میں یہی پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ آپ سید نہیں تھے چنانچہ ایک شیعہ عالم مولیٰ

نجم الحسن کراروی نے اپنی کتاب "چودہ ستارے" میں لکھا ہے کہ:- برادران اہل سنت کے عوام کا خیال ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور بروایت ابن جگ دوست سید تھے اور ان کا نسب جناب حسن مثنیٰ بن حسن بن علی عظیم السلام تک پہنچتا ہے لیکن ان کے علماء اس سے انکار کرتے ہیں، (چودہ ستارے ص ۱۳۴ مؤلفہ ۱۹۵۹ء مطبوعہ شیعہ حوزہ بک ائینسی لاہور) لیکن کراروی صاحب نے یہ غلط لکھا ہے کیونکہ عوامی علماء اور مشائخ حضرت غوث الاعظم کو فائسہ تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ امام غنیۃ الدین عبداللہ بن اسعد یافعی مثنیٰ نے "روضۃ الریاحین" کے تتمہ میں حضرت غوث الاعظم کا شجرہ نسب یہ لکھا ہے:

السید محی الدین ابو محمد عبدالقادر بن ابی صالح موسیٰ بن سید عبداللہ بن سید یحییٰ زاہد بن السید محمد بن السید داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ بن سید موسیٰ الجون بن سید عبداللہ بن سید امام حسن مثنیٰ بن سید امام حسن بن الامام الحسام امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب - (۲) اور مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ نغاث الانس میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت سید عبدالقادر جیلانی ثابت الثب سید ہیں فانہ علوی حسنی من جانب الالب، نقلہ العللہ القادری - (۳) حضرت غوث الاعظم کا مادری نسب نامہ یہ ہے:- عبدالقادر ابن فاطمہ بنت عبداللہ صغریٰ بن ابی جہال بن محمد بن محمود بن طاہر بن ابی عطاب بن عبداللہ بن ابی کمال بن عیسیٰ بن ابی علاؤ الدین بن محمد بن علی بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب - اور حضرت غوث الاعظم کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق - حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین سے بھی ملتا ہے چنانچہ آپ کے والد صاحب کی والدہ کا نام ام سلمہ تھا جو امام محمد کی صاحبزادی تھیں اور امام محمد کا شجرہ یہ ہے:- امام محمد بن امام طلحہ بن امام عبداللہ بن عبدالمطلب بن حضرت ابی بکر صدیق - اور آپ کے جد امجد حضرت عبداللہ بن علی بن ابی طالب - اور حضرت عبداللہ بن مظفر سے نکاح ثانی کر لیا تھا جن کا نسب نامہ یہ ہے:- عبداللہ بن مظفر بن عمر بن ہفث عثمان - اور حضرت عبداللہ بن مظفر کی والدہ کا نام حفصہ تھا جو حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کی صاحبزادی تھیں۔ ان سبقتوں سے حضرت غوث الاعظم صدیقی فاروقی اور عثمانی بھی ہیں۔ (۴) اور شیعہ مذہب کی کتاب کنز الانساب میں بھی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی کا نام آتا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانی منسوب است بہ عبداللہ بن یحییٰ بن محمد الرومی بن داؤد الامیر محمد بن موسیٰ ثانی (۵) اور امام عبدالوہاب شمرانی نے بھی آپ کا یہ نسب نامہ لکھا ہے:- عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ بن یحییٰ زاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب (الطباقات، البکری)

ایک شبہ کا ازالہ چونکہ عموماً حضرت پیران پیر کے نام کے ساتھ شیخ کا لفظ آتا ہے یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی۔ اس کے مخالفین عام طور پر یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ آپ سید نہیں تھے شیخ تھے۔ اور شیخ تو مسلم کو کہا جاتا ہے۔ حالانکہ لفظ شیخ عربی میں بزرگ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور خود شیعہ مشاہیر علماء کے نام کے ساتھ بھی شیخ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے مثلاً اصول و فروع کافی کے مولف کو شیخ محمد بن یعقوب کلینی لکھتے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان کے مصنف کو شیخ طبرسی اور تفسیر قمی کے مصنف کو شیخ ابن ابراہیم قمی لکھتے ہیں جو امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ (دب) اور سادات کے شجرہ نسب یعنی کنز الانساب میں جیلانی سادات کو شیخ کہنے کی یہ وجہ لکھی ہے کہ بعض بادشاہوں کے خوف سے سادات کے بعض خاندانوں کو ان کے اپنے لوگوں نے ہی بجائے سید کے شیخ کہا شروع کر دیا تھا تاکہ وہ قتل سے بچ جائیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ: مردمان ولایت رستاق نزادیں ملعون آمدند و مستم باو کردند کہ اینہا نیکہ درودہ رستاق می باشند شیخ اندو سید نیستند چون اس منافقین این سخنان لبشیدند دست از کشتن سادات بازداشتند و از آن زمان القاب ایشان بشیخ مذکور است سیات ایشان غنی بماند“ (کنز الانساب فارسی ص ۱۷۱)۔ جب سادات کو داروگیر ہوئی تو رستاق کے باشندوں نے اس ملعون بادشاہ کے پاس آکر کہا کہ یہ لوگ جو موضع رستاق میں بستے ہیں متین نہیں ہیں بلکہ شیخ ہیں اس ان منافقین نے انکو قتل نہ کیا۔ اور شیعہ مجتہد حسین بخش صاحب جہاڑا نے بھی سادات کے تعلق کے تحت لکھا ہے کہ:۔ خوف کا یہ عالم تھا کہ سادات انیاں اپنے خور و سال بچوں کو گھر سے باہر قدم رکھنے سے روکتی تھیں اور بالفرض بچہ باہر جانے پر مصر ہو جاتا تو مائیں بار بار سمجھا یا کرتیں کہ دیکھو بیٹا اگر کوئی تم سے اپنا نسب پوچھے تو یہ نہ کہنا کہ میں سید ہوں اور سادات نے ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بہت سادات اپنے نسب کو چھپانے میں اس قدر محتاط و رویدار اختیار کرتے تھے کہ اپنی بیوی تک کے سامنے اپنا سید ہونا ظاہر نہ کر سکتے تھے جس کی وجہ سے اولاد کو بھی اپنے سید ہونے کا علم نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بن زید لڑکی کی ولادت کے بعد بھی درد نکیر دنیا سے گئے کہ تائے میری لڑکی کو تے دم تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ میں سید زادی ہوں اور علی و فاطمہ کی اولاد سے ہوں، (مقدمہ تفسیر انوار لنبی ص ۱۱)

ماشاء اللہ مجتہد صاحب نے اولاد حضرت علی المرتضیٰ کی شجاعت اور بے خونی کا بھی کیا خوب

مقام عبت

نقشہ پیش کیا ہے اگر تقیہ کی ریشم تسلیم کر لی جائے کہ سادات اپنی بیویوں کو بھی اپنا سید ہونا

نہیں بتاتے تھے اور اپنی صاحبزادیوں کو بھی تو پھر دین حق انہوں نے کس کو بتایا ہوگا۔ اور شیعہ فرقہ جو اس پر زور دیتا ہے کہ قرآن اور عزت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک ایک ساتھ رہیں گے۔ یہ سنی سادات کے متعلق تو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن شیعہ سادات کا قرآن کے ساتھ کیونکہ تبلیغ و اتباع کا تعلق باقی رہ سکتا ہے جو اپنا سید ہونا اپنی بیوی اور اپنی اولاد پر بھی ظاہر نہ کر سکے۔ علاوہ ازیں اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ شیعہ سادات کی خواج کل کثرت ہے یہ سب فرضی ہے کیونکہ جب سادات خود اپنی بیویوں پر بھی سید ہونا ظاہر نہیں کر سکتے تھے تو بعد میں کسی کے سید ہونے کی تحقیق کس طرح کی جاسکتی ہے۔ (قاعدہ بودا یا اولی الالبصار)

ہم نے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں صرف ایک حوالہ ماتم و تعزیر کے خلاف مولانا بریلوی کا فتویٰ بریلوی مسلک کے امام مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا حرمت ماتم کے سلسلہ میں پیش کیا تھا جس کی وجہ سے فلاح الکونین کے ماتمی مصنف صاحب نے بہت زیادہ پریشانی کا اظہار کیا۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے علماء کے نزدیک ماتم مرد حرام ہے۔ دیوبندی علماء کے متعلق تو خود بھی ماتمی مصنف یہ تسلیم کرتے ہیں البتہ بریلوی علماء کے متعلق عموماً یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ وہ ماتم کے خلاف نہیں۔ اس لئے یہاں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی مزید عبارتیں پیش کی جاتی ہیں جن سے صراحتاً ماتم و تعزیر کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۱) (مسئلہ) محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ (الجواب) ناجائز ہے کہ وہ مناجاتی اور منکرات سے مملو ہوتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم (عرفان شریعت ص ۱۷۱) (۲) (مسئلہ) کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں افضلیوں کی مجلس میں مسلمانوں کا جانا اور مرثیہ سننا۔ ان کی نیاز کی چیز لینا۔ خصوصاً عٹھویں محرم کو جبکہ ان کے یہاں حاضری ہوتی ہے۔ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مزم میں بعض مسلمان ہر رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں اور سیاہ کپڑوں کی بابت کیا حکم ہے؟ بیٹو! توجروا۔ (الجواب) جانا اور مرثیہ سننا حرام ہے۔ ان کی نیاز کی چیز نہ لی جائے ان کی نیاز نہ کرنا نہیں اور وہ غالباً نجاست سے خالی نہیں ہوتی کم از کم ان کے ناپاک قلعتیں کا پانی ضروری ہے اور وہ حاضری سخت ملعون ہے۔ اور اس میں شرکت موجب لعنت۔ محرم میں سیاہ اور سر بر کپڑے علاوہ سب کچھ گنہگار ہے خصوصاً سیاہ کہ شعار رافضیانِ ثام ہے واللہ اعلم (احکام شریعت حصہ اول ص ۱۷۱) (۳) (مسئلہ) بعض اہل سنت و جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے

اور نہ بھڑو دیتے ہیں کہتے ہیں بعد دفن تعزیر روٹی پکائی جائے گی (۲) ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے (۳) ماہ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے (۴) ان ایام میں سولے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کسی کی نیاز و فاتحہ نہیں دلاتے۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ (الجواب) پہلی تینوں باتیں سوگ میں۔ اور سوگ حرام ہے اور پڑھتی بات جہالت ہے۔ ہر مہینے میں برتاریخ ہر دن کی نیاز اور مسلمان کی فاتحہ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالحکم شریعت حصہ اول (۵) (دس) رافضیوں کے یہاں محرم میں ذکر شہادت و مصائب شہدائے کربلا و سوز خوانی و مراثیہ مصنف انیس و دہیر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (الجواب) حرام ہے۔ ع۔ کذہم جنس باہم جنس پرواز۔ حدیث میں ارشاد ہوا لَا تَجَاسُفُوهُمْ۔ ان کے پاس نہ بیٹھو۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔ من کثر سواد قوم فهو منہم۔ جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انہی میں سے ہے۔ (الحکم شریعت حصہ دوم ص ۱۱۱) اور مجموعہ سیرہ حصہ ۸۷ (۵) تعزیر اتادیکہ کمر اعراض و روگردانی کریں۔ اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہیے۔ (عرفان شریعت حصہ اول ص ۱۱۱)

(۶) تعزیر بنانا اور اس پر نذر نیا کرنا۔ عراض بائید حاجت برآرسی لگانا اور برنیت بدعت حسنا اس کو داخل حسنا جاننا۔ گنا گناہ ہے۔ (الجواب) افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعت و ممنوع و ناجائز ہیں۔ انہیں داخل ثواب جاننا اور موافق شریعت اور مذہب اہل سنت ماننا اس سے سخت تر و خطائے عقیدہ جہل اشد ہے۔ (رسالہ تعزیر داری ص ۱۱۱) (۷) شہادت نامے نذر جوں یا نظم جو آج کل عوام میں رائج ہیں اکثر روایات باطلہ و بے سرو پائے مملو اور اکاذیب موضوعہ پر مشتمل ہیں ایسے بیان کا پڑھنا سنا خواہ کہیں ہو۔ مطلقاً حرام و ناجائز ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ بیان ایسی خرافات کو متفق ہوجن سے عوام کے عقائد میں تزلزل واقع ہونے پر تو اور بھی زیادہ زہر قاتل ہے۔ ایسے وجوہ پر نظر فرما کر امام غزالیؒ وغیرہ ائمہ کرام نے حکم فرمایا ہے کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے۔ یونہی جبکہ اس سے مقصود غم پروری و تصنع حزن ہو یہ نیت بھی شرعاً ناجائز و غیرہ۔ شرع مطہر نے غم میں صبر و تسلیم اور غم مہربان کو حسی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے نہ غم معدوم کو نہ تکلف و زور لانا۔ نہ کہ یہ تصنع بنانا۔ نہ کہ اسے باعث قربت و ثواب ٹھیرانا۔ یہ سب بدعات شنیعہ و روافض ہیں جن سے سنی کو احتراز لازم۔ مجلس خوان اگرچہ بالفرض صرف روایات صحیحہ و بوجہ صحیح پڑھیں تاہم جو ان کے حال سے آگاہ ہے خوب جاننا ہے کہ ذکر شہادت پڑھنے سے ان کا مطلب بھی یہ تصنع و زور نہ تکلف و زور لانا اور اس رونے رولانے سے رنگ جانا ہے۔

اس کی شجاعت و برائی، میں کیا شبہ ہے۔ ذکر فرائض شریف مقصود ہوتا تو کیا ان عیوب ان خدائی فضیلت صرف یہی شہادت تھی۔ بے شمار مناقب عظیم اللہ عز و جل نے انہیں فرمائے ہیں۔ انہیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اس میں طرح طرح سے بالفاظ رقت خیز و نوحہ نما و حزن انگیز و غم افزا بیان کو وسعتیں دینا۔ انہی مقاصد فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے۔ غرض عوام کے لئے اس میں کوئی وجہ سالم آنا دشوار ہے۔ (رسالہ تعزیر داری ص ۱۱۱) مامی مصنف نے فلاح الکونین میں جن موضوع روایات کا سہارا لے کر غم حسین کی مجالس کو عبادت قرار دیا ہے اور تعزیر و ماتم مروجہ کے اثبات کیلئے اپنا مامی فلسفہ بار بار پیش کیا ہے اور ان کتابوں سے استدلال کیا ہے جو بعض علمائے اہل سنت کی طرف منسوب ہیں یا ان شیعہ علمائے لکھی ہیں جو تفتیش کی بنا پر سنی و حنفی بنے رہے۔ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ کی مراثیہ خوانی اور نوحہ و ماتم کو بھی بعض روایات سے ثابت کرنے کی مامی مصنف نے کوشش کی تھی اور مروجہ ماتم و نوحہ کو نہ صرف سنت و عبادت قرار دیا تھا۔ ان سب استدلال کا بریلوی علماء کے پیشوا و امام مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی مرحوم نے اپنے مذکورہ فتاویٰ میں ہر پہلو سے پورا پورا رد و ابطال کر دیا ہے۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اہل سنت کی کسی قابل اعتماد عالم کے نزدیک ماتم و تعزیر وغیرہ رسوم محرم جائز نہیں ہو سکتے۔ کیا اس کے بعد بھی آپ کی اس بات میں کئی صداقت کا شائبہ رہ جاتا ہے کہ۔ اسی بنا پر ہم تمام مسلمانان اہل سنت و الجماعت سے صرف آپ کو ہی عزاداری کا دشمن سمجھنے پر مجبور ہیں۔ (فلاح الکونین ص ۱۱۱)

جس طرح مامی مصنف نے صرف علمائے حرمت ماتم و تعزیر میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ دیوبند کو حرمت ماتم کی بحث میں ہدف طعن بنا کر بریلوی علماء کو اس سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کی ہے اس طرح انہوں نے کتاب سرائے شہادتین اور فتاویٰ عزیزیہ کی عبارتیں نقل کر کے مغالطہ دینے کی لا حاصل کوشش کی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی مروجہ ماتم اور مراثیہ خوانی کو جائز سمجھتے تھے بلکہ آپ خود مجلس غم منایا کرتے تھے سرائے شہادتین کے متعلق تو پہلے یہ لکھ چکا ہوں کہ یہ کتاب حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب ہے لیکن یہ نسبت صحیح نہیں کیونکہ اس کتاب میں ایسی روایات مذکور ہیں جو حافظ ابن کثیر محدث کے نزدیک ماتمیں کا کذب و افراہیں اور حضرت شاہ صاحب جیسے سنی محقق ان روایات کو کذب و افراہیہ کہہ سکتے ہیں۔ اور فتاویٰ عزیزیہ کے متعلق دو عدالت صحابہ کی بحث میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

مہتمم دارالعلوم کراچی (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں :- اسی طرح کا ایک مضمون ایسا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دیوبند جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کس طرح سمجھ میں نہیں آتی اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ وفات کے معلوم نہیں لکنا عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدبیر اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کیلئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دیا ہے اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز نامی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔ واللہ اعلم۔ (مقام صحابہ ص ۶۸)

مقامی مصنف نے فتاویٰ عزیزی سے یہ عبارت پیش کی ہے:

شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرف منسوب عبارت | فقیر عبدالعزیز کی طرف سے بعد سلام مسنون کے واضح کرائے۔

عالی ہو کہ جناب کا گرامی نامہ دہری مرتبہ مرثیہ خوانی وغیرہ کے متعلق موصول ہوا۔ اس کے بارے میں فقیر کا جو معمول ہے اُسے لکھا جاتا ہے۔ اسی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ پورے سال میں فقیر خانہ پر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں ایک فطر و وفات شریف کی مجلس دوسرے شہادت حسین کے ذکر کی مجلس جو عاشورا کے دن یا اس سے ایک دو دن پہلے ہوتی ہے۔ اس میں چار سو اور کبھی پانچ سو اور کبھی کبھی ہزار کے قریب لوگ جمع ہوتے ہیں اور جب فقیر باہر آتا ہے اور بیٹھا ہے اور حشمتین کے وہ فضائل جو حدیث میں مذکور ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔ ان بزرگواروں کا شہادت کے متعلق اور ان کے قاتلوں کی بد انجامی کے متعلق جو کچھ اخبار و اسامیت میں ہے وہ بھی بیان کیا جاتا ہے جو احادیث معتبرہ کی رو سے آپ حضرات پر گزرتے ہیں اور وہ مرثیے بھی ذکر کئے جاتے ہیں جنہیں حضرت ام سلمہ اور دوسرے صحابیوں نے جتوں اور پرپوں سے سنا۔ اس کے بعد ختم قرآن اور پنجسورہ پڑھا جاتا ہے اور حاضرین پر فاتحہ پڑھائی جاتی ہے۔ اس وقت میں اگر کوئی شخص یا شخص سلام یا مرثیہ شروع کرتا ہے تو اس کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ و بکا طاری ہو جاتا ہے۔ اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک جائز نہ ہوتیں تو کبھی ان پر اقدام نہ کرتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں ان کے بیان کی حاجت نہیں ہے امام شافعی فرماتے ہیں۔ اگر آل محمد کی دوستی رخص ہے تو دونوں جہاں گواہ ہیں کہ میں رافضی ہوں فقط شاہ صاحب کا یہ مکتوب گرامی ان کی فقہ کی مشہور و معروف کتاب دو فتاویٰ

عزیز مطبوعہ مطبع مجتہبی دہلی کے ص ۱۲ پر مندرج ہے۔ (فلاح الکونین ص ۱۲) (الجواب) ۱، ہمارے پاس جو فتاویٰ عزیزی مترجم ہے وہ سید کمپنی کراچی کا مطبوعہ ہے۔ اس میں اور آپ کے مندرجہ ترجمہ کے الفاظ میں کچھ فرق ہے۔ کراچی کے مطبوعہ نسخہ میں آخری خط کشیدہ الفاظ یہ ہیں :- تو اکثر حضرات مجلس اور اس فقیر کو بھی حالت رقت اور گریہ کی لائق ہو جاتی ہے۔ اس قدر عمل میں آتا ہے۔ اگر یہ سب فقیر کے نزدیک اس طریقہ سے جس کا ذکر کیا گیا ہے جائز نہ ہوتا تو ہرگز فقیر ان چیزوں پر اقدام نہ کرتا ۱ (ص ۱۲) (۲) جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب موصوف نے فرمایا کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی کتاب نہیں بلکہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مکتبیب و فتاویٰ کا مجموعہ شائع کیا گیا ہے اس لئے احتمال ہے کہ یہ خط بھی حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ (۳) اس خط سے بھی آپ کا نام مرتبہ اور تعویذ یا مرثیہ خوانی ثابت نہیں ہوتی۔ اس میں تو صرف یہ ہے کہ شہادت حسین کے صحیح حالات پڑھے جاتے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب کو بھی رقت اور گریہ لائق ہو جاتا تھا۔ لیکن نہ پیٹنے کا ذکر ہے اور نہ جزع جزع کرنے کا۔ نہ ہائے ہائے اور نہ وادیا۔ پھر آپ کے موقف ماتم کو اس مکتوب سے کیا تاخیر حاصل ہوئی جو زیر بحث ہے۔ کیونکہ جس مجلس کا ذکر حضرت شاہ صاحب کے مندرجہ خط میں ہے وہ رونے اور رولانے کے لئے تو نہیں قائم کی جاتی تھی۔ وہ تو صرف حالات و واقعات شہادت بیان کرنے کے لئے تھی (۴) اسی فتاویٰ عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دیوبند کے دوسرے مکتبیب میں آپ کے ماتم و تعزیر کی واضح تردید موجود ہے۔ چنانچہ سوال و جواب کے تحت لکھتے ہیں سوال کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت و جماعت اس مسئلہ میں کہ دوبارہ تعزیر داری عشرہ محرم اور بنائے مزاج و صورت قبور و علم وغیرہ کے شرعاً کیا حکم ہے؟ (الجواب) تعزیر داری جو عشرہ محرم میں معمول ہے اور بنانا مزاج و صورت قبور وغیرہ کا درست نہیں اس واسطے کہ تعزیر داری سے مراد یہ ہے کہ ترک لذت اور ترک زینت کرے اور اپنی صورت محزون و غمگین کی صورت کے مانند بنے۔ یعنی عورت سوگ کرنے والی کی مانند بیٹھے۔ حالانکہ مرد کے لئے یہ کسی حالت میں شرعاً ثابت نہیں ہوتا۔ . . . اور تعزیر داری بدعت ہے اور ایسا ہی بنانا مزاج اور صورت قبور اور علم وغیرہ کا ہے یعنی یہ سب بھی بدعت ہے۔ اور نہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ نہیں کہ جس میں موافقہ نہیں ہوتا بلکہ بدعت سیئہ ہے اور حال بدعت سیئہ کا یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے۔ شر لا امور محد قاتلہا وکل بدعتی ضلالۃ وواہ مسدود یعنی بدترین امور وہ امور ہیں جو شرع میں جدید بنائے جائیں اور سب بدعت گمراہی ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے۔ اور حال

بدعتی کا کہ اس طرح کی بدعتیں اختیار کرنا ہے کہ وہ بدعتی بدعت کی وجہ سے خدا کی لعنت میں گرفتار ہوتا ہے اور فرائض و نوافل اس کے ورگاہ الہی میں قبول نہیں ہوتے الخ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۲ مطبوعہ کراچی) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث موصوف ایک دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :- جب منارح وغیرہ نہ بنائے جائیں بلکہ کسی مکان میں تبرک سمجھ وہاں رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔ مجلس گریہ زاری کی ترتیب دی جائے تو یہ بھی ناجائز ہے اس دلیل سے کہ یہ سب بدعت ستیہ ہے۔ البتہ اسی میں منافیہ نہیں کہ احادیث صحیحہ کا ذکر ہو جو شہادت میں وارد ہے اور اس میں بھی منافیہ نہیں کہ ختم کلام اللہ اور فاتحہ وغیرہ کیا جائے۔ اور تبرک صحیح مثلاً موئے مبارک اس کی صحت ثابت نہیں ہوتی اس بنا پر عوام کا لانا عام کے وہم پر ہے۔ جب تک کوئی تبرک صحیح طور پر ثابت نہ ہو جائے اس کی صحت کا اعتقاد نہ کرنا چاہیے اور جب تبرک کی اصلیت ثابت نہیں تو باقی رہا یہ امر کہ صرف مجلس گریہ زاری کی منعقد کرنا کیا ہے تو ایسی مجلس بھی گریہ زاری کے لئے منعقد کرنا سلف سے ثابت نہیں۔ البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ تبرک صحیح مثل موئے مبارک اس مجلس میں ہے یا کسی دوسری جگہ ہو تو اس کی زیارت کے لئے جائے میں کچھ منافیہ نہیں، (فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۵) (۵) سوال کیا حکم ہے اس شخص کے بارے میں جو مرثیہ و کتاب پڑھتا ہے۔ اور نوحہ خوانی کرتا ہے خواہ کچھ اجرت لینا ہے یا نہیں؟

جواب :- مرثیہ و کتاب پڑھنا جس میں احوال واقعی نہ ہوں ناجائز ہے اور ایسا ہی نوحہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اور احادیث میں اس بارہ میں وعید وارد ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النافیۃ والمستمعہ۔ رواہ ابوداؤد وکذا فی مشکوٰۃ۔ یعنی لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی پر اور اس عورت پر جو نوحہ سنے۔ روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد نے۔ ایسا ہی مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ اور اجرت لینا مرثیہ خوانی اور نوحہ وغیرہ پر حرام ہے اس واسطے کہ اصول شرع سے ہے کہ معصیت پر اجرت لینا درست نہیں چنانچہ من امیر وغنا پر اجرت لینا حرام ہے ایسا ہی ان چیزوں پر بھی اجرت لینا حرام ہے۔ (۱) ایضاً ص ۱۲۶

(۶) فرماتے ہیں :- اس مجلس میں بریت زیارت و گریہ زاری کے بھی حاضر ہونا ناجائز ہے اس واسطے کہ اس جگہ کوئی زیارت نہیں کہ زیارت کے واسطے جائے اور وہاں چند لکڑی جو تعزیر دار کی بنائی ہوئی ہوتی ہیں وہ قابل زیارت نہیں بلکہ مٹانے کے قابل ہے، (ص ۱۲۷) اور فاتحہ و درود پڑھنا فی نفسہ درست ہے لیکن ایسی جگہ یعنی مجلس تعزیر داری میں پڑھنے سے ایک طرح کی بے ادبی ہوتی ہے اس واسطے کہ ایسی مجلس اسس قابل ہے کہ مٹا دی جائے اور

ایسی مجلس میں نجاست معنوی ہوتی ہے اور فاتحہ و درود اس جگہ پڑھنا چاہیے جو نجاست ظاہری و باطنی سے پاک ہو پس جو شخص یا خانہ میں تلاوت قرآن شریف کی کرے اور درود پڑھے و مستوجب ملامت و طعن ہوگا۔ اس واسطے کہ بے عمل وہ پڑھنا ہوگا، (ص ۱۲۸)

فرمائیے :- کیا آپ نے فتاویٰ عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی یہ عبارتیں نہیں پڑھی تھیں پھر آپ نے وہ مکتوب اپنی تائید میں کیسے پیش کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب نے تو مذکورہ جوابات میں گریہ زاری کی مجلس کو بھی ناجائز قرار دیا۔ اور ان میں درود و فاتحہ پڑھنے سے بھی منع فرمایا۔ کیونکہ اس قسم کی مامی مجالس میں معنوی پلیدی ہوتی ہے اس لئے وہاں قرآن شریف اور درود شریف پڑھنا بے ادبی ہے۔

علاوہ ازیں روشنیجیت میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث

تحفہ اثنا عشریہ میں حرمت تمام کی تصریح

دہلوی کی جولا جواب کتاب تحفہ اثنا عشریہ ہے۔ جس میں سنی و شیعہ کے اختلافی مباحث پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں :- اکثر شیعہ ان خیالات کی عادتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں مثلاً ہر سال دسویں محرم کی ہوتی ہے۔ ہر سال اس کو روز شہادت حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام کا گمان کرتے ہیں اور احکام قائم اور نوحہ اور شہادوں اور گریہ زاری اور فغان ثبے قراری شروع کرتے ہیں۔ عورتوں کی طرح ہر سال اپنی میت پر ریر عمل کرتے ہیں حالانکہ عقل صریح جانتی ہے کہ زمانہ ہر سال کا بغیر قار ہے یعنی قرار نہ پکڑنے والا ہے کوئی جزو اس کا ثابت و قائم نہیں رہتا اور اس زمانے کا ٹھکانا بھی محال اور شہادت حضرت امام کی جس دن ہوئی اس دن سے اس دن تک فاصلہ گیارہ سو پچاس برس کا ہوا۔ پھر یہ اور وہ دن کیسے ایک ہو گیا اور کونسی مناسبت ہو گئی۔ عید الفطر اور عید قربان کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہیے کہ اس میں خوشی اور شادی سال در سال نئی ہے یعنی روزے رمضان کے ادا کرنا اور حج خانہ کعبہ کا بجالانا کہ شکرًا للنعمة المتجددة۔ یعنی شکر ہے نئی نعمت کا سال در سال فرحت و سرور نیا پیدا ہوتا ہے اس واسطے عیدین بشریت کی اس وہم فاسد پر مقرر نہیں ہوئی ہیں۔ . . . ایسے ہی کسی نبی کے تولد اور وفات کے دن کو عید نہ ٹھہرایا اور روز عاشورا کا کہ اول سال یہود کی موافقت سے آنحضرت نے رکھا تھا کیوں منسوخ ہوا۔ ان سب باتوں میں یہی بعید تو ہے کہ وہم کو دخل نہ ہونے پائے بغیر کسی نئی نعمت حقیقیہ کے فرحت اور سرور کا ہونا یا نعم اور کام کرنا مثلاً اس عقل کے ہے جو امیزش وہم سے خالص ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۲۶) مطبوعہ مطبع مصطفائی لکھنؤ

(۲) فرماتے ہیں: کسی چیز کی صورت کو وہی چیز سمجھنا اور اس کا حکم دینا اس وہم نے بت پرستی کی راہ بہت مادی ہے اور گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور بچے کم عمر بھی اس وہم میں بہت گرفتار ہوتے ہیں۔ گھوڑوں اور ہتھیار اور چیزوں کو جو لکڑی مٹی کی بنی ہوئی ہیں کیسے ان سے خوش ہوتے ہیں گویا سچ مچ کی پاکٹے۔ اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گھوڑیوں کی شادی نکاح کرتی ہیں اور کیسی خوش ہوتی ہیں اور شیعوں میں یہ وہم بہت غلبہ کئے ہوئے ہے۔ حضرات امامین اور حضرت امیر اور حضرت زہراء کی قبروں کی صورت بناتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ درحقیقت یہ قبریں مجمع النور ان بزرگوں کی ہیں اور بڑی تعظیم کرتے ہیں بلکہ مسجدوں کی نوبت پہنچتی ہے اور فاتحہ پڑھتے ہیں اور سلام و درود پڑھتے ہیں۔ اور اچھے اچھے چوڑا اور موچیل منش نیکر آس پاس ان کے کھڑے ہوتے ہیں۔ مجاوروں کی طرح اور حق شرک کا اد کرتے ہیں۔ عقلمندوں کے نزدیک بچوں کی حرکت ان پر نابالغوں کی حرکت میں کچھ فرق نہیں ہے، تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۴۰) قادریین حضرات غور فرمائیں۔ فتاویٰ عزیزی اور تحفہ اثنا عشریہ کی جو عبارتیں یہاں درج کی گئی ہیں کیا ان کو پڑھنے کے بعد بھی کوئی صاحب علم و فہم مسلمان یہ باور کر سکتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس نوحہ و ماتم کے قائل تھے جو فلاح الکونین کے مصنف ثابت کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے فتاویٰ عزیزی کا ایک مکتوب اپنی تائید میں پیش کر دیا تاکہ قاضی مسلمان فریب میں آجائیں اسی پر ان کی دھڑی عبارتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیئے جو انہوں نے بعض اکابر علمائے سنت کی طرف منسوب کر کے اپنے موقف کی تائید میں پیش کی ہیں۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب اہل سنت کے اصول کے تحت یہ مروجہ مجالس غم اور تعزیر اور جلوس ماتم بالکل حرام ہیں اور کوئی سنی محقق عالم ان کے جواز کا بھی قائل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ان امور محرمہ کے سنت اور عبادت ہونے کا قائل ہو اگر کسی کتاب میں کسی اہل سنت کے بزرگ عالم کی طرف ایسی بات منسوب کی گئی ہے تو یا تو اس کی تاویل کی جائیگی یا اس کو بالکل رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں کوئی بات حجت نہیں ہو سکتی۔

”بحث ماتم کا خلاصہ“
تک گنگ سے شائع کردہ ماقہ طریکٹ مصنف ملک غلام عباس صاحب بی لے کے دعویٰ کی بنیاد پر مصنف فلاح الکونین پر لازم تھا کہ وہ ماتم و وجہ یعنی منہ پیٹنے۔ سیدہ کوئی کرنے وغیرہ کو شرعی دلائل سے سنت و عبادت ثابت کرتے لیکن اپنی ساری کاوشوں کے باوجود وہ ایک بھی صحیح دلیل پیش نہیں کر سکے۔ انہوں نے قرآن مجید اور حدیث و سیرت کی کتابوں میں مذکورہ الفاظ نہ مل سکے۔ چنانچہ عموماً سہارا لیا ہے۔ حالانکہ حزن قلبی غم کو

کو کہتے ہیں اور بکاء آنکھوں سے آنسو بہنے کو جس کو رونا کہا جاتا ہے۔ اور یہ کسی مصیبت اور صدمہ کے لاحق ہونے پر انسان کے غیر انتہائی طبعی تاثرات ہیں جن کو پیٹنا اور سینہ کوئی نہیں کہا جاتا جو ماتم کے مروجہ افعال ہیں۔ اور خوشی اور مسرت کے موقع پر انسان کا مسکراتا اور ہنسنا بھی ایک طبعی تاثر ہے لیکن جب خوشی میں اگر آدمی ناچنے اور کونے لگ جائے تو یہ انسانی وقار اور فطرت کی سلامتی کے خلاف سمجھا جاتا ہے جو شرعاً مذموم اور ممنوع ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حزن و بکا کی حدود سے تجاوز کر کے منہ پیٹنے۔ سینہ کوٹنے اور اپنے بدن کو اہولہاں کرنے لگ جائے تو اس کا یہ فعل بھی انسانی فطرت کی صحیح حدود کے خلاف ہو گا۔ اسی بنا پر شریعت مقدسہ نے غم و اندوہ کے اس مظاہرہ کو حرام قرار دیا ہے۔ (۲) سنت وہ عمل ہے جو نبی کریم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے یا اس کا حکم دیا ہے یا کسی کو کوئی عمل کرتے دیکھ کر پسند فرمایا ہے یا منع نہیں فرمایا۔ لیکن مانیوں کے ان افعال مروجہ میں سے نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصیبت کے وقت اپنا منہ پیٹا ہے نہ ہی سینہ کوئی کی ہے۔ نہ ان امور کا حکم دیا ہے۔ اور نہ ہی پسند فرمایا ہے اور نہ ہی صحابہ کرام اور اہل بیت عظام نے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان افعال کا ارتکاب کیا ہے۔ بلکہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کتب تفاسیر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال ماتم سے صراحتاً منع فرما دیا ہے۔ خصوصاً فتح مکہ کے موقع پر جو الممتحنہ کی آلاء یُعْصِدُنَاکَ فی حِجْرٍ وِفِّ کے تحت عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت و کفر کے ان مروجہ افعال ماتم سے ممانعت فرمادی ہے چنانچہ تفسیر قمی اور فروغ کافی کی احادیث تفصیلی بحث میں نقل کر دی گئی ہیں۔ اور سورۃ الممتحنہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر اتنی مستند ہے کہ دور حاضر کے ایک مشہور متعصب شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ: کافی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جب جناب رسول خدا نے مکہ فتح کیا تو مردوں نے بیعت کی۔ پھر عورتیں بیعت کرنے آئیں تو خدا نے یہ پوری آیت نازل فرمائی یا ایہا النبی! الخ اس وقت ہند نے تو یہ کہا کہ ہم نے اپنے بچوں کو جبکہ وہ چھوٹے چھوٹے تھے پرورش کیا اور جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے قتل کر ڈالا اور امام الحکم بنت حارث بن ہشام نے جو عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھیں یہ عرض کی کہ وہ نیکی جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے۔ فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اپنے رخصتوں پر ملنا چنے مارو اور اپنے منہ نہ نوچو۔ اپنے اپنے بال دکھو اپنے گریبان چاک نہ کرو۔ اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہاتھ دسے کر کے نہ روؤ۔ پس انحضرت

نے انہی باتوں پر جو آیت و حدیث میں مذکور ہیں بیعت لینی چاہی۔ (ترجمہ مشکوٰۃ)۔ استقلال پریس لاہور باب نمبر
تعداد ایک ہزار)

(نوٹ) ترجمہ کی بعد کی طباعتوں میں مندرجہ عبارت نکال دی گئی ہے۔ لیکن سابقہ نسخوں سے تو یہ ثابت ہے۔ علاوہ
انہی تفسیر قلمی اور فروع کافی میں موجود ہے جس کے حوالہ سے مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ حاشیہ لکھا تھا۔
بہر حال فتح مکہ کے اس تاریخی اہم موقع پر جب قرآنی آیت کے تحت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو
اسلام میں داخل کرتے ہوئے ان افعال ماتم سے واضح طور پر منع فرما دیا تھا تو اب کسی مومن کی کیا مجال ہے کہ اس
ارشاد نبوی کے خلاف ان افعال ماتم کو سنت اور عبادت قرار دے۔ اور اگر فتح مکہ سے پہلے کسی روایت سے ان افعال
ماتم کا صدور مذکور بھی ہو تو وہ اس آیت کے تحت منسوخ ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد بھی اگر کوئی روایت اس قسم
کی پائی جائے جس میں کسی صحابی مرد یا صحابیہ عورت کی طرف یہ افعال منسوب ہوں تو وہ حجت نہیں ہوگی۔ اس میں باتائیل
کی جانب کی بات قرآن و حدیث کی نصوص کے مقابلہ میں اس کو رد کر دیا جائیگا۔ اور مذہب شیعہ کے اصول میں بھی یہی
ہے کہ:- ”فرمایا صادق آل محمد نے جو حدیث موافق قرآن نہ ہو وہ جھوٹ ہے“ (دب) حضرت رسول خدا نے
خطبہ میں فرمایا جو حدیث میری تمہارے سامنے آئے اگر وہ کتاب خدا کے موافق ہو تو میری ہے اور اگر مخالف کتاب
خدا ہے تو میری نہیں“ (رج) میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا اختلاف حدیث کے بارہ میں کہ
جن کو ایسے لوگ بیان کرتے ہیں جن پر آپ کا اعتماد ہے تو اس صورت میں کیا ہو۔ فرمایا اگر حدیث کی تصدیق کتاب خدا
یا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتی ہے تو اسے لے لو ورنہ اس کو رد کر دو۔ (شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول
ص ۷۷) حرمت ماتم پر کتاب و سنت کے دلائل قاطعہ کے سامنے جب مانی علماء عاجز آگئے تو عقیدہ فقہ کی طرح ایک
یہ نظریہ ایجاد کیا جو ماتمی مصنف صاحب نے بھی فلاح الکونین میں پیش کیا ہے کہ ادوں کا ماتم تو جائز نہیں لیکن حضرت
حسینؑ کی مصیبت شہادت کا ماتم جائز ہے۔ لیکن یہ نظریہ تاریک بکوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ کیونکہ جذبات کتا اللہ
اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر حرام ہے وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ کیا شہادت حسین کا مقصد یہ تھا کہ
حرام امور حلال اور عبادت بن جائیں۔ العیاذ باللہ یہ نظریہ تو توہین مقام حسین پر مبنی ہے نہ کہ عظمت حسین پر۔
جنوں کا نام خرد رکھ دیا حسرت کا جنوں جو جی میں آئے تہا رے حلال بن جائے

(۳) قرآن مجید میں قریباً ستر بار صبر کا لفظ مذکور ہے اور صبر کے لغوی اور شرعی معنی کی تفصیل گذشتہ مباحث میں بیان
ہو چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صبر سکون و قرار کو کہتے ہیں اور جزع کرنا اس کی ضد ہے کیونکہ جزع بے قراری کے اظہار
کو کہتے ہیں۔ لہذا صبر اور جزع دو متضاد ہیں ہو سکتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صبر کا حکم دیا ہے۔ اور صبر کے
فضائل بیان فرمائے ہیں اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (یشیک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) لہذا یہ نہیں
ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ جزع و ماتم کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو۔ بلکہ مذکورہ آیت سے لازم آتا ہے کہ جزع و ماتم کرنے والے
اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائیں۔

(۴) گو غیر اختیاری طور پر کسی مصیبت و مصدمہ کے موقع پر دل میں غم لاحق ہو جائے یا آنکھوں سے آنسو جاریں تو یہ
صبر کے خلاف نہیں لیکن اس غم کا باقی رکھنا مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے لا تحزنوا۔ لا
تخذون وغیرہ آیات میں غم کو دل سے نکلنے کا حکم فرما دیا ہے۔ جس سے مصنف فلاح الکونین کے بیان کردہ فلسفہ ماتم
کی بنیاد بالکل منہدم ہو جاتی ہے۔

(۵) جنگ احد سے لے کر جنگ موتہ تک اور موتہ سے لے کر غزوہ حنین تک حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفر طیار وغیرہ
سیکڑوں اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دُور مبارک میں شہید ہوئے لیکن اس ماتم مروّجہ کا وہاں کوئی ثبوت نہیں
ملا۔ سیرت النبیؐ کی عبارات سے ماتمی مصنف نے جو استدلال کیا تھا اس کا سابقہ مباحث میں پوری طرح ابطال
کر دیا گیا ہے۔

(۶) احادیث شیعہ کی رو سے بھی امام الانبیاء المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت
ہے۔ لیکن اس موقع پر بھی حضرت علی المرتضیٰؑ، حضرت حسن اور حضرت حسینؑ نے منہ نہ پٹیا اور سینہ کو بی نہ کی۔ گریبان
چاک نہ کئے اور سیاہ کپڑے نہیں پہنے۔ بلکہ نہج البلاغۃ کے حوالہ سے حضرت علی المرتضیٰؑ کا یہ قول نقل کیا جا چکا ہے کہ:-
لَوْلَا اَنْتَ اَمَمْتُ بَا الصَّبْرِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْجُوعِ لَا نَقْدُ نَاعِلِيْكَ صَاۤءَ الشَّوْبِ:- اے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم رور و کر آنکھوں کا پانی خشک کر دیتے۔
اس ارشاد مرتضوی کے بعد بھی کیا کسی شیعہ عالم کے لئے ماتم مروّجہ کے سنت و عبادت ہونے کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ یا حضرت فاطمہ الزہراءؑ کے متعلق اگر کسی روایت سے جواز ماتم کا شہید ہوتا

تو اس کی تاویل کی جائے گی یا اس روایت کو دوسری نصوص کے مقابلہ میں رد کر دیا جائے گا۔

(۷) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے۔ لیکن امام حسینؑ اور امام حسینؑ نے کوئی مجلس ماتم بیان نہیں کی۔ نہ کوئی ماتمی مجلس کا مظاہرہ کیا نہ ہی پھر ہر ماہ شہادت علی المرتضیٰ کے سلسلہ میں ماتمی مجالس منعقد کی گئیں۔ اور اگر ماتمی مجلس یا ماتمی مجلس یا ماتمی مجلس کی شرعا کوئی اہمیت ہوتی تو شیر خدا خلیفہ چہارم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے عظیم سانحہ پر جنت کے جوانوں کے سردار حضرت حسن اور حضرت حسین کیوں نہ اس قسم کی مجالس کا اہتمام کرتے؟ تو جب دور رسالت و عہد خلفائے ثلاثہ۔ عہد خلافت مرتضوی اور دور حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اچھیں میں اس قسم کی عبادت یعنی مجالس ماتم کا ثبوت نہیں ملتا حالانکہ ہزار ہا غازیان اسلام اللہ کی راہ میں شہید ہوئے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ حب حسین اور حب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے یہ ماتمی تحریک دراصل اعدائے اسلام کی جاری کردہ ہے جس سے جذباتی قسم کے سطح بن مسلمان متاثر ہو جاتے ہیں اور وہ ماتم کو حصول جنت کا ذریعہ سمجھ کر ان خلاف شریعت افعال ماتم کے مرتکب ہوتے ہیں ورنہ صبر و شہادت کے مخصوص شرعی فضائل کے پیش نظر دین الہی اور شرع محمدی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اصل اشیا میں اباحت ہے یا توقف

ماتمی مصنف لکھتے ہیں کہ :- اصولاً یہ ثبوت پیش کرنا بھی فریضہ حرمت کے قائلوں کا ہے کیونکہ جب تک کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو جائے تب تک شرعی قواعد کی رو سے اُسے جائز اور مباح سمجھا جاتا ہے جبکہ علم اصول فقہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کل شئی مطلقاً حرام یا حلال نہیں۔ یعنی جب تک شرعی ممانعت وارد نہ ہو اس چیز کو مباح سمجھنا چاہیے (فلاح الکواہل ص ۱۰۱) الجواب :- آپ کا دعویٰ ماتم کے سنت و عبادت ہونے کا ہے مگر صرف اباحت و جواز کا۔ اور یہ آپ پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ کو شرعی دلائل سے ثابت کریں (۲) ہم نے شرعی دلائل سے اور آپ کے نائب کی ان روایت سے ماتم مزبور کا رد کر دیا ہے۔ آپ کا یہ پیش کرنا شرعی مطلقاً یعنی جب تک شرعی ممانعت وارد نہ ہو اس پر مباح سمجھنا چاہیے مفید نہ رہا۔ (۳) یہ مسئلہ بھی اختدائی ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے یا توقف یا حرمت۔ اور چھوڑا (اہل سنت کے نزدیک اصل اشیا میں توقف ہے چنانچہ در مختار میں ہے۔ الصحيح من مذهب اہل السنة ان الاصل في الاشياء التوقف والاباحة رافی

المحتنلة۔ اور اہل سنت والجماعت کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اصل اشیا میں توقف ہے اور اباحت کا قائل متزلزل کی رائے ہے۔“

”ماتمی تحریک پر ایک اجمالی نظر“

مسئلہ ماتم مروجہ پر تفصیلی بحث گزری ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت مقدسہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحمیۃ میں اس ماتم کے جواز کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے نہ جانیکہ اس کو سنت و عبادت قرار دیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ علم ذاکرین یکمہ شیعہ علماء و مجتہدین بھی ماتم حسین پر زور دیتے اور اس کو محبت امام حسین کا ایک نشان قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر اس ماتمی تحریک کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ تحریک شروع ہی اس لئے کی گئی ہے کہ امت مسلمہ قتال فی سبیل اللہ کو کوئی اہمیت نہ دے۔ مجاہدین حق کے مقام صبر و استقامت اور شہداء فی سبیل اللہ کے فضائل و درجات شہادت سے اس کی توجہ ہٹ جائے کہ غزوہ کلم کے ابتدائی تاریخی عظیم معرکوں بدر و احد اور فتح مکہ اور غزوہ موتہ کے نقوش مٹ جائیں اور مسلم قوم سانحہ کربلا کی ہشیاد پر ساری عمر رٹنے دھونے۔ منہ پیٹنے۔ سینہ کوئی کرنے۔ ہائے داویلا اور دلدل و تغزیر کے ہنگاموں میں اپنی قیمتی اور امتحانی زندگی کے لمحات ضائع کرے۔ حالانکہ قرآن مجید میں جہاد و شہادت کے احکام اور ان کی تلکونی اور شرعی حکمتوں کی جو معجزانہ تفصیل ملتی ہیں ان کی روشنی میں پھر سے مسلم قوم علیہ اسلام کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بطور امتحان چونکہ اپنے بندوں کو مصائب و آلام میں مبتلا کرنا مقصود ہے اس لئے پہلے ہی آگاہ کر دیا کہ جو مصیبت مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔ (۱) آھا اصاب من مصیبت فی الارض ولا فی انفسکم کما لا فی کتب من قبل ان یبعثواھما ان ذلک علی اللہ یسیر (پ ۲۷ - سورۃ الحديد ۳) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر اس کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں کہ :- جو مصیبت بھی زمین پر اور تمہاری ذات پر گذرتی ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ہمارے پاس ایک نوشتہ میں لکھی ہوئی (موجود ہے)۔ بیشک یہ امر اللہ کے لئے آسان ہے (رب) اس کے ساتھ ہی اس مصیبت مقدرہ کی اطلاع دینے کی یہ حکمت فرمائی ہے کہ مصیبت آنے پر اللہ کے بندے صبر کریں اور رنج و غم کا سلسلہ جاری نہ رکھیں۔ لکھنا

تَأْكُلُوا عَلَى مَا قَاتَلْتُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا ۝۱۱
اور جو کچھ اُس نے تم کو عطا کیا ہے اُس پر آپ سے باہر نہ ہو جاؤ“ (ترجمہ مقبول)

جو مصیبتیں تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں ان کے ذریعہ
مصیبتوں کے ذریعہ مومنین کا امتحان مقصود ہے

الخوف والجوع ونقص من الأموال والأفئدة والشجرات (پ ۲-۳) اور ہم تمہارا امتحان کریں گے
کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے، (ترجمہ مولانا مٹھانوی)

(ب) اور ہم ضرورتاً تم کو خورے سے خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے
آزمائیں گے، (ترجمہ مقبول)

چونکہ مصیبتوں کا نزول مومنین کے امتحان کے لئے
ہوگا اس لئے ان میں کامیاب ہونے والوں کو بشارت

دی گئی ہے اور انعامات خداوندی سے ان کو نوازا گیا ہے وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ - أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (اور اے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کی ملک میں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی رسانی ہوگی) (ترجمہ مولانا مٹھانوی)

(ب) اور اے پیغمبر! ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری پہنچا دو جو مصیبت پڑنے کے وقت یہ کہتے ہیں کہ
بے بیشک ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اُسی کے حضور میں پلٹ کر جانے والے ہیں وہ ہیں جن پر ان کے پروردگار

کی جانب سے صلوة اور رحمت ہے، اور ہدایت یافتہ ہیں، (ترجمہ مقبول) ان امتحان مصائب میں صبر کرنے والوں
کو کامیاب قرار دیتے ہوئے ان کو اس دنیوی زندگی میں اپنی رحمتوں سے مشرف کرنے اور ان کے ہدایت یافتہ ہونے

کی سند عطا فرمائی ہے اور چونکہ مصائب کے طبعی حد کے بعد صبر کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے اس منہمک کی ابتداء
میں مومنین کو صبر کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو اپنی خصوصی معیت کی بشارت عطا فرمائی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (پ ۲-۳) اے ایمان
والو صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو۔ بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں، (ترجمہ مولانا مٹھانوی) اے ایمان
والو صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ سے، اور مانگو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، (ترجمہ مقبول)

ان امتحانی تکالیف و مصائب میں سب بڑی مصیبت قتل و قتال ہے
شہداءِ زندہ ہیں ان کو مردہ مت کہو

اس لئے ان مومنین کے فضائل بھی بیان فرماوے جو اللہ کی راہ میں قتل
کر دیئے جائیں تاکہ ان کے احباب و اقارب کا رنج و الم دور ہو جائے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَاتٌ بَلْ أحيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (پ ۲-۳) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی

نسبت یوں محض کہو کہ وہ مرے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اُدا کی نہیں کر سکتے
(ب) اور جو لوگ راہِ خدا میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔ (ترجمہ مقبول)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحيَاءٌ ۚ
عند ربهم يرزقون ۚ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيُبَشِّرُونَ

بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ
وَاللَّهُ وَفِيلٌ ۚ أَلَّا يَضِيعَ أَجْرُ الْمُحْسِنِينَ (پ ۲-۴) آل عمران ع ۱۴) اور اے مخاطب! جو لوگ اللہ کی

راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں۔ اپنے پروردگار کے مقرب میں ان کو رزق بھی ملتا
ہے۔ وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی۔ اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے

پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ
وہ غمغموں ہونگے۔ وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت و فضل خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع

نہیں فرماتا، (ترجمہ مولانا مٹھانوی) (ب) اور جو لوگ راہِ خدا میں قتل کئے گئے ہیں ان کو ہرگز ہرگز مردہ نہ گمان کرنا بلکہ
وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ اس سے خوش ہیں

اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں اور اب تک ان سے نہیں ملے ہیں ان کے بارے میں خوشخبری پاتے ہیں کہ ان پر کس طرح کا
خون نہیں ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہونگے۔ خدا کی نعمت اور فضل کی خوشخبری پاتے ہیں اور اس کی کہ اللہ مومنین کے لیے جو کو مانع نہیں کرتا۔ (ترجمہ مقبول)

مومنین کو شہداء کا غم نہ کھانے کا حکم | رپ ۴- آل عمران ع ۱۴۲) تم بہت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔ (ترجمہ مولانا مختار نووی) (ب) اور بہت نہ ہارو اور رنجیدہ نہ ہو حالانکہ اگر مومن ہوتو تم ہی غالب آؤ گے۔ (ترجمہ مقبول)

رسول خدا بھی غم نہ کھائیں | رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چونکہ اپنی خصوصی شفقت و رحمت کی بنا پر سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداءؓ اُحد کا طبعی غم لاحق تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور کو بھی ان کے متعلق رنج نہ کرنے کا حکم فرمایا۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ ۱۴۔ سورۃ النحل ع ۱۶ مولوی مقبول احمد صاحب اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں:- اور ان شہداءؓ اُحد کے متعلق رنج نہ کرو اور کافر جو چال چلتے ہیں اس سے دل تنگ نہ ہو

جنگ اُحد کی مصیبت کی حکمتیں | چونکہ غزوہ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم تلے ستر اصحاب کو مار شہید ہوئے تھے جن میں حضرت زہریؓ بھی تھے جن کے ناک کان کاٹ دیئے گئے تھے اور ہندہ نے جوش انتقام میں آپ کا سینہ چیر کر کلیجہ نکال کر دانتوں میں چبایا تھا۔ اور جو اصحاب زندہ رہے ان میں بھی اکثر زخموں سے چور چور تھے۔ خود رسول کریم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید ہوئے اور پیشانی مبارک شدید زخمی ہوئی۔ ان حالات کی بنا پر مسلمانوں کو شدید صدمہ لاحق تھا۔ اور کفار و منافقین خوشیاں منا رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس عظیم مصیبت اور عارضی ظاہری شکست کی حکمتیں حسبِ اہلِ ایمان بیان فرما کر اہل ایمان کو تسلی ویدی تاکہ وہ اس شدید رنج و اندوہ کو اپنے دلوں سے نکال دیں۔ اِنْ يَكْسِبُ كُلُّكُمْ قَرْحًا فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ تَرْجُومٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْيَوْمِ نَذَارٌ لِّهَآئِينَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۚ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَآهَدُوْا مِنْكُمْ وَرَ لِيَعْلَمَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (سورہ آل عمران ع ۱۶۲) دل، اگر تم کو زخم پہنچ جاوے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ جائیگا۔ تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے (یعنی جنگ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے تھے) اور ہم ان آیات کو ان لوگوں کے

درمیان اولے بدلے رہا کرتے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان نبویں اور تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ غم نہ کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے اور تاکہ میل کچیل سے صاف کر دے ایمان والوں کو اور مٹا دیں کافروں کو ہاں کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہوا اور نہ ان کو دیکھا ہے جو ثبات قدم رہنے والے ہوں۔ (ترجمہ مولانا مختار نووی) (ب) اگر تم کو زخم لگا تو ان لوگوں کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ تو اتفاقات زمانہ ہیں جو ہم آدمیوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں اور اس لئے کہ خدا جان لے کہ ایمان والے کون ہیں اور تم ہی میں سے بعض کو گواہ بنائے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور اس لئے دہی، کہ خدا ایمان والوں کو خلاص کرے اور کافروں کو مٹائے کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ تم بہشت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اس وقت تک اللہ نے ربذیر امتحان (ندان لوگوں کو جانا تھا جنہوں نے تم سے جہاد کیا اور نہ ان لوگوں کو جو ثبات قدم رہے۔ (ترجمہ مقبول) مولوی مقبول احمد صاحب نے ویتخذ منكم شهداء کا معنی گواہ ہونا لکھا ہے اور مولانا مختار نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شہید ہونا۔ اور یہی اس مضمون کے مناسب ہے۔ چنانچہ مولوی فرمان علی صاحب شبلی مفسر نے بھی اس سے شہادت پانا ہی مراد لیا ہے۔ اور تم سے بعض کو درجہ شہادت پر فائز کرے۔ (ترجمہ مولوی فرمان علی)

ایمان کی حقیقت سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:- اللہ نے مومنین کے جان مال خرید لیے ہیں | اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ يَّخْلُصُوْا السَّيْطٰنَ ۚ فَيَقْتُلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعَدَّ اللّٰهُ اَنْفُسَهُمْ حَقًا فِيْ التَّوْبَةِ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَنْفُسُهُمْ ۚ فَاَسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (پہ ۱۱ سورۃ التوبہ ع ۱۱) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملیگی وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں (جس میں) قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اس پر سچا وعدہ (کیا گیا) ہے توراۃ میں (دہی) اور انجیل میں (دہی) اور قرآن میں (دہی) اور (پرستہم ہے) کہ اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے۔ تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جن کا تم نے اس سے (یعنی اللہ تعالیٰ سے) معاملہ ٹھیرا ہے۔ خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (ترجمہ مولانا مختار نووی) اب بیشک

اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے معاوضہ میں خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے وہ راہ خدا میں لڑتے ہیں۔ پس وہ قتل کریں گے بھی اور قتل کئے جائیں گے بھی۔ اس پر سچا وعدہ تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں موجود ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا عہد پورا کرنے والا کون ہوگا۔ پس یہ سودا جو تم نے کیا ہے اس سے خوش ہو جاؤ اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے، تفسیر قمی میں منقول ہے کہ یہ آیت ائمہ معصومین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں وہ صفات بیان ہوئی ہیں جو ان کے غیر میں جائز نہیں، (ترجمہ مقبول)

خلاصہ آیات مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ (۱) جو مصیبت مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔ (۲) مصیبتوں کے ذریعہ مومنین کا امتحان مقصود ہے۔ (۳) اس امتحان میں کامیاب ہونے والے وہ ہیں جو صبر کرنے والے ہیں۔ (۴) اس جہان میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں صابریں پر نازل ہوتی ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں (۵) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (۶) اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت سمجھو۔ (۷) شہداء زندہ ہیں (۸) اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھنا ہے کہ اس کی راہ میں لڑنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں (۹) شہداء کو اللہ کے ہاں رزق ملتا ہے (۱۰) وہ جنت میں اللہ کی نعمتوں کی وجہ سے بہت خوش ہیں (یہاں یہ ملحوظ ہے کہ وفات کے بعد جنت میں شہداء کی ارواح باقی ہیں۔ اور ان کے ابدان اپنی جگہ پر مدفون ہوتے ہیں البتہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجسام سے فی الجملہ باقی رہتا ہے) (۱۱) شہداء کو اس بات سے بھی خوشی ہوتی ہے کہ ان کے بعد زندہ رہنے والے مسلمان اللہ کی راہ میں شہید ہوں اور وہ بھی یہ بلند درجات حاصل کریں۔ (۱۲) شہداء اُمم کا گم کھانے سے مومنین کو منع فرما دیا ہے۔ (۱۳) رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حق تعالیٰ نے فرما دیا کہ شہداء کے احکام کو نہ کھائیں۔ (۱۴) قتل و شہادت کی مصیبتوں میں مبتلا کر کے مومن و منافق میں تمیز کرنا مقصود ہے۔ (۱۵) ان سب کے ذریعہ مومنین کے قلوب کو مزید پاک کرنا ہے۔ (۱۶) ان میں سے بعض کو شہادت کے درجات عطا کرنے میں (۱۷) اللہ تعالیٰ مومنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (۱۸) مومنین کی جانیں اور ان کے مال اللہ تعالیٰ نے خرید لئے ہیں اور اس کے بدلے میں ان کو جنت ملتی ہے۔

قرآن حکیم کی مذکورہ آیات سمجھتے اور ماننے کے بعد بھی کیا کوئی مومن تسلیم کر سکتا ہے کہ عہد رسالت کے شہداء ہوں یا دور خلافت کے کہ ہر بلا کے شہید ہوں یا مابعد کے ان کی یادگار میں ماتمی مجلس پانے کرنا۔ منہ پیٹنا۔ سید کوٹنا۔ دیوار سے

ٹکریں مارنا۔ سر پر خاک ڈالنا۔ بدن پر زنجیریں اور پھریاں مارنا۔ وغیرہ افعال ماتم جائز ہیں یا کار ثواب ہیں اور سنت عبادت ہیں۔ ہرگز نہیں

ماتمی تحریک کی ابتداء انتہا

چونکہ جہاں و شہادت کے متعلق قرآنی تعلیمات کی روشنی میں رسول خدا نے ولادت حسینؑ کو ناپسند کیا | بشور مسلمان مروجہ ماتم کو نیکی نہیں قرار دے سکتا تھا۔ اس لئے ماتم حسینؑ کا فلسفہ تجویز کیا گیا اور اس کی تائید و تصدیق کے لئے ہزار ہا سن گھڑت روایتیں مشہور کی گئیں اور حضرت حسینؑ کی ولادت کے ساتھ ہی ماتم حسینؑ کا رابطہ قائم کر دیا گیا۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی سب سے زیادہ صحیح کتاب حدیث جس کو کم از کم امام غائب حضرت مہدیؑ کی رضا سے سکوئی حاصل ہے۔ اس میں حسب ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں۔ (۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان جبرئیل نزل علی محمدؐ فقال کذا یا محمد ان اللہ یشترک، بولود لولد من فاطمة تقتله امتک من بعدک، فقال یا جبرئیل علیٰ ربی السلاہ لاجل حاجۃ لی فی مولود تقتله امتی من بعدی فعرج جبرئیل الی السماء ثم صبط فقال یا محمد ان ربک یقرئک السلاہ ویشترک بانہ جاعل فی ذریئہ الامامة والولایۃ والوصیۃ فقال قد رهنیتہ راہل الکافی کتاب الحجۃ۔ باب مولد الحسین (شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امر دہی نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے۔ فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ جبرئیل حضرت رسول خدا پر نازل ہوئے اور فرمایا اللہ آپ کو بشارت دیتا ہے ایک مولود کی جو بطن فاطمہ سے ہوگا آپ کے بعد اسکو آپ کی امت قتل کریں فرمایا جبرئیل میرے رب کو میرا سلام پہنچا دو اور کہو مجھے بطن فاطمہ سے ایسے مولود کی ضرورت نہیں جس کو میرے بعد میری امت قتل کرے۔ جبرئیل نے پرواز کی اس کے بعد پھر آئے اور ایسا ہی کہا۔ فرمایا۔ اے جبرئیل میرے رب سے میرا سلام کہو اور کہنا مجھے ایسے مولود کی ضرورت نہیں۔ جبرئیل گئے اور واپس آکر کہا۔ خدا کا آپ پر سلام ہو۔ وہ آپ کے بشارت دیتا ہے کہ آپ کی ذریت میں وہ امامت و ولایت و وصایت کو قرار دے گا۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا۔ میں راضی ہوں“ (شانی ترجمہ اصول کافی جلد اول ص ۵۵) اس روایت سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے

حضرت حسین کی پیدائش کی بشارت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ قبول نہیں کیا۔ کیا اس میں رسالت محمدیہ کی توہین نہیں پائی جاتی ہے حالانکہ اللہ کے رسول تو وہ ہوتے ہیں جو اس کے پیغام حق کو قبول کریں نہ یہ کہ روکر دیں۔ (۱) (۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین کے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کو ناپسند فرمایا۔ حالانکہ شہادت ایک بلند مقام ہے جو شرکاً مقصود و مطلوب ہے۔ شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن۔ (اقبال)

(ب) سورۃ توبہ کی مذکورہ آیت ان اهلل استغری من المومنین انفسهم واهوالهم بان لھم الجنة سے ثابت ہے کہ اللہ کی راہ میں مال و جان قربان کرنے کے عوض جنت ملتی ہے لیکن العیاذ باللہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نواسے کی جان بہ نسبت حکم خداوندی کے زیادہ پیاری تھی۔ تو کیا اللہ کی راہ میں قربان ہونا قدر و کمرے مومنین کے لئے فضیلت ہے (ج) اللہ کے ساتھ مال جان دینے کے اس سوئے پر مومنین کو خوشی منانے کا حکم دیا۔ فاستبشروا ببعکم۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب نواسے حضرت حسین کے لئے یہ سودا پسند تھا۔ (د) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے تو ان آیات کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ:۔ تفسیر قمی میں منقول ہے کہ یہ آیت ائمہ معصومین کی شان میں نازل ہوئی ہے اس میں وہ صفات بیان ہوئی ہیں جو ان کے غیر میں جائز نہیں، لیکن اصول کی مندرجہ حدیث تو ظاہر کرتی ہے کہ معصومین کے لئے راہ خدا میں جان دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے۔ (ر) اگر یہ آیت اور اس کی صفات صرف ائمہ معصومین کے لئے ہیں تو پھر یہ حضرات ائمہ مذہب شیعہ کی رو سے بجائے جان دینے کے ساری عمر تقیہ کیوں کرتے رہے؟ حتیٰ کہ امام حسین نے بھی سانحہ کربلا سے پہلے ساری عمر تقیہ میں گزار دی۔

حضرت فاطمہؑ نے بھی پیدائش حسین کو پسند نہیں کیا
اسی اصول کافی میں روایت ہے۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لما حملت فاطمة علیہا السلام بالحسین جاء جبرئیل الی رسول اللہ فقال ان فاطمة علیہا السلام ستکمل عذھا تقتلھ امتک من بعدک فھما حملت فاطمة بالحسین کوھت حملھ وحین وضعته کوھت وضعته ثم قال ابو عبد اللہ لم توفی الدنیا ام تلد علافاً تکرھه ولكنھا کوھتھ لما حملت اخذ سیقنل قال وبنیہ نزلت هذه الآية ووهینا الانسان بوالدیه حسناً حملته امه کوھا ووضعتھ کوھا وحملھ وفضلھ ثلثون شهراً۔ ترجمہ: فرمایا ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے جب امام حسین کا حمل قرار پایا تو جبرئیل رسول خدا کے پاس

آئے اور کہا مغرب فاطمہ ایک لڑکے کو پیدا کریں گی۔ جس کو آپ کے بعد آپ کی امت قتل کر دیگی۔ جب فاطمہ حاملہ ہوئیں تو رنجیدہ ہوئیں اور جب امام حسین پیدا ہوئے۔ تب رنجیدہ رہیں حضرت ابو عبد اللہ نے فرمایا کوئی ماں سوئے فاطمہ کے اپنے لڑکے کے پیدا ہونے پر رنجیدہ نہیں ہوئی ہوگی۔ ان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا یہ بیٹا قتل کر دیا جائے گا امام حسین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ہم نے انسان کو وصیت کی اپنے والدین سے احسان کے بارے میں اس کی ماں بچاوت حمل بھی رنجیدہ رہی اور وضع حمل کے وقت بھی اور اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کی مدت تین مہینے تھے۔ ترجمہ اصول کافی ص ۵۵۵) اس حدیث میں بھی تصریح ہے کہ حضرت فاطمہ نے بھی تصریح ہے کہ حضرت فاطمہ نے بھی شہادت حسین کی وجہ سے آپ کی پیدائش پر ناگواری کا اظہار کیا۔ (ب) شہادت حسین کو باعث ناپسندیدگی ثابت کرنے کے لئے سورۃ الاحقاف کی مندرجہ آیت حملتھ امھ کوھا کے ساتھ اس روایت کا جوڑ ملا لیا کہ آیت سے حضرت حسین کا حمل مراد ہے جس کو حضرت فاطمہ نے ناپسند قرار دیا تھا۔ اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی۔ مولوی فرمان علی صاحب اور مولوی امجد حسین صاحب کاظمی نے بھی اپنے تراجم میں اس آیت سے حضرت حسین کی پیدائش مراد لی ہے اور تائید میں اصول کافی کی مذکورہ حدیث درج کی ہے۔ حالانکہ اس آیت کا حضرت حسین کی ولادت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس میں حملتھ امھ کوھا کا مطلب تو وہ تکلیف و مشقت ہے جو ماں کو بچے کے حمل میں ہوتی ہے۔ چنانچہ مولوی مقبول احمد صاحب موصوف خود اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں۔ اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے اس کو جنا اور مولانا تھانوی اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں:۔ اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا۔

شیعوں کے رئیس المجتہدین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: ابن بابویہ نے بسند معتبر جناب صادق سے روایت کی ہے کہ جبرئیل خدمت رسول میں قبل ولادت حسین آئے اور کہا آپ کے ہاں ایک فرزند متولد ہو گا کہ آپ کی امت اُسے شہید کرے گی۔ حضرت نے فرمایا مجھے ایسے فرزند کی حاجت نہیں۔ جب تین مرتبہ یہی خطاب ہوا۔ اوتیسری مرتبہ کہا کہ اس فرزند اور اس کی ذریت اور اولاد میں امامت و وراثت و آثار پیغمبران ہونگے اور خازن علم اولین و آخرین ہوں گے۔ یہ سن کر جناب رسول خدا نے فرمایا۔ جناب امیر کو بلاؤ اور کہا جبرئیل نے خدا کی جانب سے تجھے یہ خبر دی ہے۔ ایک فرزند

تمہارے یہاں متولد ہوگا کہ میری امت بعد میرے اسے شہید کرے گی۔ جناب امیر نے کہا مجھے ایسے فرزند کی حاجت نہیں یہاں تک کہ تین مرتبہ یہ کلام ہوا اور تیسری مرتبہ فرمایا کہ اس فرزند اس کے فرزندوں میں امامت و درانت و انجمن اور خاندان اربعین و آخرین ہوں گے۔ پھر جناب فاطمہ سے کہلا بھیجا کہ خاتم کو بشارت دیتا ہے کہ میری امت اس کو بعد میرے شہید کرے گی۔ جناب فاطمہ نے عرض کی۔ بابا ایسے فرزند کی مجھے حاجت نہیں الخ رجاء العیون مترجم حصہ دوم ص ۱۷ مطبوعہ انصاف پریس لاہور

مندرجہ روایات سے ثابت ہوا کہ حضرت حسین کی پیدائش کو بجز شہادت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت فاطمہ الزہراء تینوں نے العیاذ باللہ ناپسند کیا۔ یہ ماتم حسین کی پہلی کڑی تھ۔

ماتم حسین کی دوسری کڑی سلسلہ ماتم حسین کی دوسری کڑی ثابت کرنے کے لئے یہ روایت وضع کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین کی پیدائش پر روئے۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی ولادت

حسین کے واقعات میں لکھتے ہیں۔ شیخ طوسی وغیرہ نے بعد بسند ہائے معتبر جناب امام رضا سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین متولد ہوئے۔ رسول خدا التشریف لائے اور آسمان بت عیس سے کہا۔ اے آسمان میرے فرزند کو لاؤ۔ آسمان کہتی ہیں میں جامہ سفید میں لپیٹ کر امام حسین کو خدمت آنحضرت میں لے گئی۔ حضرت نے امام حسین کو لے کر اپنے دامن میں رکھا۔ دہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی ناگاہ جبریل اُسے اور کہا۔ حق تعالیٰ بعد اسلام کے ارشاد فرماتا ہے جبکہ علی کو تم سے نسبت مثل بارون کے ہوئی ہے تو اس فرزند کو بنام پسر کو چک ہارون مسمی کرو۔ اس کا نام شہیر ہے اور اس کو تمہاری زبان میں حسین کہتے ہیں۔ یہ سن کر رسول خدا نے امام حسین کو پیار کیا اور رو کر فرمایا اے فرزند مجھے مصیبت عظیم درپیش ہے خداوند اس کے قاتل پر لعنت کر۔ پھر فرمایا۔ آسمان۔ فاطمہ سے یہ خبر نہ کہنا۔ بعد اس کے امام حسین کو دامن میں لیا اور کہا۔ ابا عبد اللہ کس قدر تیرا قتل ہونا مجھ پر گراں ہے۔ یہ کہہ کر بہت روئے۔ آسمان نے کہا میرے پدر و مادر آپ پر سے قربان ہوں یہ کیا خبر ہے کہ پہلے ہی دن آپ دیتے ہیں۔ اور بجائے مبارک بادی کے گریز مالتے ہیں۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا میں اس اپنے فرزند پر اس لئے روتا ہوں کہ گروہ کافر سنگار بنی امیہ ہیں۔ اس کو شہید کرے گا۔ رجاء العیون جلد دوم ص ۱۷

ماتم حسین کی تیسری کڑی مذکورہ روایت میں صرف رونے اور گریہ کا ذکر تھا۔ اس لئے ماتم کی تکمیل کے لئے یہ روایت

وضع کر لی گئی۔ بسند معتبر جناب صادق سے روایت ہے ایک روز جناب فاطمہ خانہ رسول میں آئیں اور دیکھا۔ آنسو چشم مبارک آنحضرت سے جاری میں جناب فاطمہ نے سب گریہ پوچھا۔ جناب رسول خدا نے فرمایا جبریل خیر لائے میری امت حسین کو شہید کرے گی۔ جب جناب فاطمہ نے غرضی بیقرار ہو کے اپنا گریبان چاک کیا الخ رجاء العیون ص ۱۷

شیعہ مذہب کا عقیدہ ہے کہ بارہ امام سولے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ لیکن

شہادت حسین کے بارے میں جو روایات وضع کی گئی ہیں ان سے تو ثابت ہوتا ہے کہ مقام صبر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حضرت علی المرتضیٰ بلکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ انہی حضرت حسین پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے جب شہادت حسین کی اطلاع دی تو حضور خاتم الانبیاء حضرت علی۔ حضرت فاطمہ الزہراء نے نفس

غیر شہادت پر ہی اظہار افسوس کیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمیں ایسے فرزند کی حاجت نہیں۔ لیکن اس کے برعکس قرآن مجید میں مذکور ہے کہ محض خواب کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم خداوندی اپنے پیارے بچے حضرت اسمعیل کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کی فرزند کے بارے میں دعا اور اس کی قبولیت کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔ وبت

هَبْ لِي مِنْ الصَّالِحِينَ ۝ فَبَشِّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنِي اَنِي اِدْرِي فِي الْمَنَامِ اَنِي اَذْجَلُكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَوَلَّى ۖ وَ قَالَ يَا بَتِ اَفْعَلْ مَا تَوْهَمُ ۚ وَ سَجَدَ فِي اَن شَاءَ اللّٰهُ مِنْ

الصُّبُرِ ۝ فَلَمَّا اسْلَمَا وَقَلَّ لِلْجَبِينِ ۝ وَفَادَيْتَهُ اَن يَّابْرٰهِيْمَ ۝ قَدْ صَدَقْتَ التَّوْبٰه ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَحُوْلُ الْبَلٰءِ الْمُبِيْنِ ۝ فَنَدَيْتَهُ بِذِي عَظِيْمٍ ۝ وَ بِ ۲۳ سورۃ صافات

مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسران آیات کا ترجمہ لکھتے ہیں: اے میرے پروردگار مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ پس تم نے ان کو ایک برادر فرزند کی بشارت دی۔ پس جب وہ فرزند ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے لائق ہوا تو آپ

نے فرمایا کہ اے میرے پیارے بیٹے خواب میں دیکھا گیا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں تو اب غور کرو کہ تمہاری رائے کیا ہے انہوں نے عرض کی کہ بابا جان آپ کو جو حکم ملتا ہے بجا لائیے۔ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں

سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے اظہار اطاعت کیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل ٹا دیا اور ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے بیشک اپنا خواب سچا کر دیا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک یہ کھلی

ازمائش ضرور ہے اور ہم نے اس کا فدیہ ایک بڑی قربانی مقرر کی ہے ان آیات سے صراحتاً ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم کے تحت اپنے نکت جگر اسماعیل کو زمین پر لٹا کر اپنے ہاتھ سے بخوشی ذبح کیا۔ (ب) حضرت اسماعیل نے باوجود بچہ ہونے کے محض اللہ کے حکم کے تحت اپنے باپ کی چھری سے بخوشی ذبح ہوا قبول کیا لیکن اس کے برعکس شیعہ احادیث وراثت کرتی ہیں کہ بخوشی ذبح ہونا یا ذبح کرنا تو کجا۔ صرف اس اطلاع خداوندی کی بنا پر کہ حسین کو قتل کر دیا جائیگا حضرت علی المرتضیٰ - حضرت فاطمہ الزہرا - بلکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ جواب دیدیا کہ ہمیں ایسے فرزند کی حاجت نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خبر کی وجہ سے روتے رہے اور حضرت فاطمہ نے تو گریاں بھی چاک کر دیا۔ تو اس بنا پر امام الصابریں سید الانبیاء والمرسلین - شیر خدا اور خاتون جنت کے میر کی حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے مقابل میں کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ یہ ہیں تفاوت راد انہ کجاست تا کجا۔ (ج) یہ بھی ملحوظ رہے کہ دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کی مصیبت بہ نسبت اس کے بہت کم ہے جو باپ اپنے ہاتھ سے اپنے پیارے اکلوتے بچے کو ذبح کرے۔ اور بچہ بھی وہ جو رشتائے الہی کے سامنے تسلیم خم کرے۔

چونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبح حضرت ابراہیم نے بھی شہادت حسین کا نام کیا | فرزند کے تذکرہ سے آپ کا اطاعت خداوندی میں کامل ہونا اور رشتائے الہی کے تحت انتہائی صبر و ضبط والا ہونا ثابت ہوتا ہے جس سے فلسفہ ماتم کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اسلئے مامی تحریک نے حضرت خلیل اللہ کی عظمت نشان کو گھٹانے اور ان کو بھی مامی ثابت کرنے کے لئے یہ روایت بھی وضع کر دی کہ انہوں نے اپنے فرزند اسماعیل کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا تو برداشت کر لیا لیکن حضرت حسین کی شہر شہادت کو وہ بھی برداشت نہ کر سکے چنانچہ مولوی امجد حسین صاحب کائنات ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر تفسیر صفائی ص ۲۶۹ کے حوالہ سے ایک طویل روایت امام رضا سے نقل کرتے ہیں جس کا آخری حصہ یہ ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ ابراہیم کیا تمہیں محمد مصطفیٰ زیادہ محبوب ہیں یا اپنی ذات - عرض کی - وہ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ پھر وحی ہوئی کہ کیا تمہیں اپنی اولاد زیادہ پیاری ہے یا ان کی - عرض کی ان کی اولاد۔ پھر ارشاد ہوا کہ کیا محمد مصطفیٰ کے بیٹے کا ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے ظلم و ستم سے قتل ہونا تمہارا دل زیادہ دکھائے گا یا تمہارے اپنے بیٹے کا تمہارے اپنے ہاتھ سے ہماری اطاعت میں ذبح ہونا۔ عرض کی باز الہام ان کے بیٹے کا ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے ظلم و ستم سے ذبح ہونا ضرور

میرا دل زیادہ دکھائے گا اس وقت فرمایا: اے ابراہیم - ایک گروہ ایسا بھی ہوگا جو اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ کی امت سے سمجھے گا اور ان کے بعد ان کے فرزند حسین کو ظلم و زیادتی سے اس طرح قتل کر دے گا ایسا جیسے کہ مینڈھے کو ذبح کیا جاتا ہے اور وہ اس طرح میرے سخت عذاب کا مستوجب ہوگا۔ ابراہیم یہ سن کر سخت پریشان ہوئے۔ ان کے دل میں ایک درد اٹھا اور وہ داڑھیں مار مار کر روتے لگے، "العیاذ باللہ یہ ہے مامی ذہنیت کی افترا پر وازی کہ قرآن میں مذکور ذبح اسماعیل کے لئے نظر و اتعذر و اطاعت کے باوجود بھی ہزار ہا سال بعد میں ہونے والی ایک مصیبت کے تصور میں حضرت خلیل اللہ علیہ وسلم کو داڑھیں مار مار کر روتے والا ثابت کر دیا" اور صرف یہ نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مامی ثابت کیا بلکہ ماتم حسین کے لئے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کر بلا میں پہنچا دیا۔

علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: روایت ہے کہ جب حضرت آدم زمین پر گئے حضرت کر بلا میں حضرت آدم کا نام | حوالہ کراطراف زمین میں تلاش کر رہے تھے یہاں تک کہ صحرائے کر بلا میں گزر ہوا اور جب اس صحرائے پہنچے۔ افواج حزن و اندوہ نے گھیر لیا اور جب مقتول امام حسین میں پہنچے ایک پتھر کی ٹھوک کھائی اور قدم ہائے مبارک سے خون جاری ہوا۔ حضرت آدم نے آسمان کی طرف منہ بلند کیا اور عرض کی - پروردگار! میں تمام زمین میں پھرا مگر جو اندوہ و ستم مجھے اس زمین پر پہنچا اور کس زمین پر نہ پہنچا۔ حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو وحی فرمائی کہ اس زمین پر میرا برگزیدہ بندہ حسین بن علی قتل ہوگا میں نے جہاں کہ حسین کے اندوہ و غم میں تم کو بھی شریک کر دیا اور تمہارا خون بھی اس زمین پر جاری ہو جس طرح حسین کا خون اس زمین میں بہے گا جلاء العیون جلد دوم ص ۱۹۱) اس من گھڑت روایت سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ماتم حسین تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا ہے اور مامی لوگ جو آجکل انجیروں اور پھریوں سے اپنا بدن ہولہان کرتے ہیں یہ بھی حضرت آدم کی سنت ہے۔ لاجل و لا قوۃ الا باللہ

اب آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ بھی سن لیں: جب نوح علیہ السلام حضرت نوح صحرائے کر بلا میں | کشتی میں سوار ہوئے اور جب کشتی زمین کر بلا پر پہنچی ایک موج ایسی آئی کہ قریب تھا کہ کشتی ترقی ہو جائے اور نوح پر ترس و بیم و اطمینان طاری ہوا۔ کہا پروردگار! کسی زمین پر یہ واقعہ نہیں گذرا جو اس زمین پر گذرا۔ ناگاہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ نوح یہ وہ جگہ ہے جہاں فرزند زادہ قائم الانبیاء و فرزند بہترین اوصیاء شہید ہوگا نوح نے کہا پروردگار! ان کا قاتل کون ہوگا۔ حکم ہوا ان کا قاتل یزید ہے۔ (ایضاً ص ۱۹۱)

از روئے قرآن جو کشتی نوح معجزانہ طور پر امن و سلامتی کا نشان تھی اس کو بھی ماتیوں نے کربلا کی موجوں میں غرق ہونے کے قریب پہنچا دیا۔

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بھی ماتی افسانہ حضرت ابراہیم کو بلا میں گھوڑے سے گر پڑے سن لیجئے :- ایک روز حضرت ابراہیم گھوڑے پر سوار ہو کر صحرائے کربلا میں پہنچے۔ ناگاہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ حضرت ابراہیم گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور سر مبارک ایک پتھر پر لگا اور خون جاری ہو گیا۔ حضرت ابراہیم نے استغفار شروع کی اور کہا خداوند مجھ سے کونسا گناہ سرزد ہوا کہ اس عقوبت کا مستحق ہوں۔ ناگاہ جبریل نازل ہوئے اور کہا اے ابراہیم آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا لیکن یہ وہ جگہ ہے جہاں نور دیدہ محمد مصطفیٰ و فرزند پسندیدہ علی مرتضیٰ بجاور جفا شہید ہوگا۔ اور خدا نے چاہا کہ آپ بھی ان کی مصیبت میں موافقت کریں (صلیٰ) گویا کہ بدن سے خون بہانا حضرت ابراہیم کی بھی سنت ثابت ہوا۔

ایسا روایت ہے ایک روز گو سفند ان اسمعیل کو نزل کر بلا میں حضرت اسمعیل کی بھیڑوں کا سوگ

سے گو سفند (یعنی بھیڑیں) وہاں نہیں چرتے۔ ہر چند میں ان کو دریا کے کنارے لے جاتا ہوں مگر پانی نہیں پیتے یہ سن کر حضرت اسمعیل نے خدا سے اس حال کا سوال کیا۔ جبریل نازل ہوئے اور کہا اے اسمعیل تم اپنے گو سفندوں سے خود یہ کیفیت دریافت کرو۔ جب حضرت اسمعیل نے ان گو سفندوں سے سوال کیا۔ ان جانوروں نے بزبان فصیح کہا ہم کو خبر پہنچی ہے کہ آپ کا فرزند حسین جگر گوشہ پیغمبر آخر الزمان اس زمین پر پیاسا شہید ہوگا۔ لہذا ہم نے اس حزن و اندوہ کے سبب پانی نہ پیا اور چاہا پیاس میں ان کی موافقت کریں (صلیٰ) بجائے حضرت اسمعیل علیہ السلام کے بھیڑوں کو اللہ تعالیٰ نے پہلے شہادت حسین کی اطلاع دیدی۔ اور جب بھیڑیں غم حسین منافی میں تو ان کی پیروی میں ماتی کیوں نہ ہمیشہ سوگواری رہیں۔ ع۔ بسوخت عقل نہ جرت کہ ایں چرواہا بھی است۔

” ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر سوار تھے اور حضرت سلیمان کا تخت کربلا میں گر پڑا

تخت اڑا جا رہا تھا جب وہ تخت مقابل صحرائے کربلا پہنچا۔ اس وقت ہوا کے جھونکے سے تین مرتبہ تخت کو تزلزل ہوا۔ حضرت سلیمان خائف و ترساں ہوئے کہ کہیں تخت ہوا سے نیچے نہ

گر پڑے۔ پھر ہوا ختم گئی اور تخت زمین پر آگرا۔ حضرت سلیمان نے ہوا پر غصہ و عتاب کیا کہ تو کیوں ختم گئی اور تیرا سبب اضطراب کیا تھا۔ ہونے کہا اس کا سبب یہ تھا کہ اس جگہ نور دیدہ محمد مختار و فرزند گرامی حیدر کو شہید ہوگا۔ سلیمان نے کہا ان کا قاتل کون ہے۔ ہونے کہا ان کا قاتل یزید پلید ہوگا کہ ساکنان آسمان و زمین اس پر لعنت کرتے ہیں یہ سن کر حضرت سلیمان نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور قاتلان حسین پر بہت لعنت و نفرین کی اور جن دانش مرغان ہوا جو آنحضرت کے ہمراہ تھے سب نے آمین کہی۔ پھر اس لعنت کی برکت سے ہوا پل اور اس تخت کو اس صحرا سے باہر لے گئی۔ (ایضا جلاء العیون ص ۳۱) سبحانک هذا بہتان عظیم۔ ماتیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے معجزات تخت کو بھی معاف نہ کیا۔ اور جو ہوا اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے مسخر کردی تھی۔ ماتم حسین کی برکت سے وہ حضرت سلیمان پر غالب آگئی اور اس نے آپ کو تخت سمیت زمین پر گرادیا۔ اور خدا کی پناہ۔ ماتیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی عبادت لغت میں شریک بنا دیا۔ حتیٰ کہ لعنت کی برکت سے پھر ہوا چلنے لگی۔ سبحان اللہ لعنت اور برکت کیا خوب جوڑ ملا یا ہے۔ کیا تو یوں انبیاء معصومین میں کچھ کی رہ گئی ہے؟

سورۃ مریم کی ابتدا میں حروف مقطعات لکھی ہیں مذکور حضرت زکریا اور کر بلا کہ بعض کی ماتی تفسیر ہیں۔ ان کی عجیب و غریب ماتی تفسیر بھی سن لیجئے۔ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ :- شیخ طبرسی وغیرہ نے محمد بن عبداللہ سے روایت کی ہے۔ کہا میں خدمت امام حسن عسکری میں گیا اور حضرت سے میں نے چند مسائل دریافت کئے۔ حضرت امام حسن عسکری نے فرمایا۔ اپنے مولا صاحب العصر سے دریافت کرو۔ اس وقت حضرت صاحب العصر دین امام غائب حضرت مہدی (خرو سال تھے۔ اور امام حسن عسکری کے سامنے کھیل رہے تھے۔ حضرت صاحب العصر کعبہ کی تفسیر پوچھی۔ حضرت نے فرمایا یہ حروف اخبار غیب سے ہیں کہ خدا نے حضرت زکریا کو خبر دی اور بعد ازاں جناب رسول خدا کو وحی فرمائی اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت زکریا نے خدا سے طلب کیا کہ اسمائے مقدسہ آل عبا ان کو تعلیم کرے کہ شائد وہ مصائب میں ان کی برکت سے خدا سے پناہ چاہیں۔ جبریل اُسے اور اسماء آل عبا ان کو تسلیم فرمائے۔ جب حضرت زکریا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم و علی وفاطہ و حسین علیہم السلام یاد کرتے تھے غم و الم ان سے دُور ہو جاتا تھا اور خوشحال ہوتے تھے اور جب نام مبارک امام حسین یاد کرتے تھے انہیں شدت گریہ ہوتی تھی۔ ایک روز مناجات کی۔ خداوند احباب میں ان چار بزرگوں کا نام لیتا ہوں میرا غم و الم برطرف ہو جاتا ہے

اور مجھے سرور حاصل ہوتا ہے اور جب نام بزرگوار امام حسین یا ذکرنا ہوں مجھ پر نسیم عالم طاری ہوتا ہے اور اگر مجھے بجمال کر دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قصہ شہادت و مظلومیت امام حسین - ذکر یا کو وحی کیا اور کبھی میں کاف کا اشارہ کر بلا سے ہے اور ہمارے ہلاکت عزت طاہرہ ہے۔ اور یا یزید پلید ہے کہ ان کا قاتل تھا۔ اور عین عطش و تشنگی امام حسین اور ان کے عزت و اصحاب سے مراد ہے جو اس صحرا میں گزے اور حق صبر آنحضرت سے مطلب ہے کہ مصائب پر صبر کیا۔ جب حضرت زکریا نے برقصہ دردناک سنا۔ تین روز تک مسجد سے نہ نکلے اور کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیا اور مشغول گریہ و زاری و نالہ و سہے قرار دی رہے اور مرتبہ مصیبت امام حسین پر پڑھتے تھے، ”رجلا العیون جلد دوم ص ۶۰“ فرمائیے۔ وہ حضرت زکریا علیہ السلام جو اسے سے چہرے گئے لیکن اُن تک نہ کی۔ ان کو محض شہادت حسین کے تصور سے ماتی تحریک کا ایک رکن قرار دیدیا گیا۔

حضرت عیسیٰ کا کر بلا میں شیر نے گھیرا کر لیا

اب داستان کر بلا میں حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا تذکرہ بھی سن لیجئے فرماتے ہیں ۱۰، ایک روز حضرت عیسیٰ مع حواریوں کے سیر و سیاحت کر رہے تھے ناگاہ صحرائے کر بلا میں گزر ہوا۔ اور جب اس صحرا میں داخل ہوئے چاہا باہر نکل جائیں۔ ناگاہ ایک شیر ان کے سامنے اکھڑا ہوا۔ حضرت عیسیٰ نے بنا اسے شیر تو نے میرا راستہ کیوں روکا۔ شیر حکم خدا گویا ہوا اور بزبان فصیح کہا میں آپ کو اس صحرا سے باہر نہ جانے دوں گا۔ جب تک حسین بن علی کے قاتل پر لعنت نہ کیجئے گا۔ عیسیٰ نے کہا حسین کون ہے۔ شیر نے کہا حسین فرزند زوہ نبی امی فرزند علی ولی ہے۔ عیسیٰ نے کہا ان کا قاتل کون ہے شیر نے کہا قاتل حسین کا یزید پلید ہے الخ (منک)

لیجئے :- صاحب معجزات حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ السلام کا کر بلا میں ایک شیر نے گھیرا کر لیا اور نعوذ باللہ جب تک لعنت جیسی ماتی عبادت میں شریک نہ بنایا ان کو جانے نہ دیا۔

کر بلا کی یہ داستانیں اور ماتم کے یہ افسانے کیا اسی لئے نہیں گھڑے گئے کہ انبیائے معصومین کی عظمتیں مجروح کی جائیں۔ کمالات نبوت سے اعتقاد اٹھایا جائے۔ اور ان مقبولان بارگاہ بزدی کو بطور ماتی گروہ کے قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور یہ سب کچھ شہادت حسین کی بنیاد پر کیا گیا۔ تاکہ عبدیت و اطاعت۔ صبر و استقامت اور تسلیم و رضا جیسے کمالات کو انبیائے کرام علیہم السلام کی تاریخ سے خارج

کر دیا جائے۔ اور باقی صرف ماتم ہی ماتم رہ جائے۔ وہ ماتم جس کے ناپاک خباہت سے انبیاء اولیاء کا دامن پاک ہے۔ یہ ہے وہ ماتی تحریک جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے دکھائی گئی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکروں میں سانحہ کر بلا کو اس طرح سے افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا ہے جس نے الف یلیٰ یسیٰ فرضی داستانوں کو مات کر لیا ہے۔ اور جب شہادت حسین سے ہزار ہا سال پہلے کی ماتی داستانوں کو انتہائی چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے تو نہ کر بلا کے بعد کے جو ماتی افسانے تراشے گئے ہوں گے ان کا کیا رنگ و ڈھنگ ہوگا۔ حج قیاس کن ز گلستان من بہار را۔ حضرت امام حسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں :- کمالات ایمانی میں آپ کو قیامت تک نام ہی نام بلند مقام حاصل ہے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق سے لے کر حضرت عثمان ذوالنورین

کی خلافت راشدہ تک ۲۴ سال ان خلفائے عظام کی بیعت و اطاعت میں گزار دئے اور کسی قسم کا اختلاف و نزاع نہیں کیا۔ بعد ازاں حضرت علی المرتضیٰ کے قریباً چھ سالہ دور خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ سے دم عثمان کی بنیاد پر نزاع رہا حتیٰ کہ جنگ و قتال تک نوبت پہنچی۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد چھ ماہ خلافت پر فائز رہ کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تو جنت کے جوانوں کے ان دونوں سرداروں حضرت حسن۔ حضرت حسین نے حضرت معاویہ کی بیعت کر لی۔ حتیٰ کہ حضرت حسین نے قریباً ۲۰ سال خلافت معاویہ میں گزارے لیکن اُن سے کسی طرح کی کوئی مخالفت نہ کی اور بیت المال سے وظیفہ لیتے رہے۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہونا رہا حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے۔ اور جب یزید نے مملکت اسلامیہ کا اقتدار سنبھالا تو حضرت حسینؑ نے اختلاف کیا اور آخر دم تک اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور اپنے اس موقف حق پر ثابت قدم رہتے ہوئے ۱۰ محرم ۶۰ھ کی جنگ کر بلا میں اپنے اعزہ و اقارب سمیت شہید ہو گئے۔

ان للہم وانا الیہ راجعون

اللہ کی راہ میں مارنے والے شہید مقتول ہوتا ہے۔ اس کا بدن زخمی ہوتا ہے۔ خون بہتا ہے۔ اس کی بیوی بیوہ ہوتی ہے اس کے بچے یتیم ہوتے ہیں پس اندگان کو اس کی مصیبت کا عظیم حدمہ ہوتا ہے۔ غزوہ بدر میں ۱۴ اصحاب شہید ہوئے تو جنگ احمد میں شہداء اصحاب نے حام شہادت نوش فرمایا۔ نیزوں سے سب کے بدن زخمی ہوئے۔ چور چور ہوئے۔ بعد از حضرت حمزہ کے اعضاء کاٹ دیئے گئے۔ سینہ چیر کر کھینچا گیا۔ بعد ازاں جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیار

اور دوسرے جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے۔ اس عظیم معرکہ میں حضرت خالد ولید کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں جس کی بنا پر دربار رسالت سے آپ کو سبقت اللہ کا لقب عطا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یسایوس یرموک اور ابرائیوس سے فساد سیہ جیسی عظیم تاریخی جنگیں غازیان اسلام نے لڑیں۔ ہزار ہا مسلمان شہید ہوئے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مجاہدین اسلام نے خلفائے ثلاثہ حضرت صدیق اکبر حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین کے پرچم خلافت کے سایہ میں کلمہ اسلام بلند کیا۔ دین حق غالب ہوا۔ شیطانی اور طاغوتی لشکر مغلوب ہو گئے۔ حقانیت اسلام کے انوار اطراف عالم میں پھیل گئے۔ لیکن نہ مامی مجاہدین قاتل کی گئیں۔ نہ مامی جلوس نکالے گئے۔ نہ ہائے داویلا کا شور ہوا۔ نہ زنجیر زنی اور سبیلہ کوبی کے تماشے دکھائے گئے۔ کفار سے جنگ و قتال کرنے والا مسلمان زندہ رہتا تھا تو غازی کہلاتا تھا اور قتل ہو جاتا تھا تو شہید قرار دیا جاتا تھا۔ رحمت للعالمین خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پچاس سال حضرت حسین زندہ رہے۔ ان کی مقدس زندگی میں اس مامی تحریک کا سراغ نہیں ملتا۔ لیکن جب کر بلا میں یہی امام حسین شہید ہوتے ہیں۔ آپ کا بدن زخموں سے چور چور ہوتا ہے۔ اعزہ کی لاشیں میدان جنگ میں تڑپتی ہیں اور عقیدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی یہ قربانی اصول اسلام کی سر بلندی کے لئے تھی۔ مگر اسلامی نظریات کے بالکل برعکس مامی تحریک کے تحت مجاہدان اہل بیت میں صفت مامی بچھ جاتی ہے۔ صبر و نماز کی بجائے سبیلہ کوبی شروع ہو جاتی ہے۔ کلمہ حق اور جہاد فی سبیل اللہ کو تقیہ کی چادریاں بھسادی جاتی ہے۔ صبر و استقامت کے حبیبی روشن چہرہ پر ظلمات مامی کے پرے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ مامی فلسفہ ایجاد ہوتا ہے۔ اس مامی حسین کی کڑیاں حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر مقدس انبیائے کرام کے ساتھ ملائی جاتی ہیں۔ اور پھر اس قسم کی روایات وضع کی جاتی ہیں۔ کہ نوری ملائکہ بھی مامی کرتے دکھائی دیتے ہیں جن دامن اور زمین و آسمان۔ شجر و حجر وغیرہ ساری کائنات مامی حسین میں مبتلا ہے۔ اور اس مامی کے تحفظ و بقا کے لئے قیامت تک ایک مامی گروہ کی پیدائش کی خبریں دی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ جن یزید پر سابقہ انبیائے کرام کی مبارک زبانوں سے بھی لعنت کرنے کی روایتیں پیش کی جاتی ہیں اس یزید کی بیوی کا بھی مامی

سے عموماً مرثیہ خوان یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین کی لاش کو گھوڑوں سے پامال کر دیا گیا لیکن ان کے علامہ باقر علی نے بجا ان کا نظریہ روایت لکھی ہے کہ دشمنوں نے یہ ارادہ کیا تو ایک شیر نوادر ہوا جس کے خوف دشمن اس ارادہ سے باز آ گئے۔ (ج ۲ جلد ۱ العیون ص ۲۱۹)

ہونا ثابت کیا جاتا ہے اہل کوفہ جو قاتلان حسین ہیں وہ بھی مجاہدین مامی ہوا کرتے ہیں۔ اور خود یزید مارنا اس تحریک میں دکھایا جاتا ہے حتیٰ کہ یزید کی اجازت سے مخدرات اہل بیت اس کے شاہی روز نک کا لے کپڑے پہنے ہوئے مامی حسین میں مشغول رہتی ہیں۔ گویا اپنے بھی مامی کر رہے ہیں اور پرلے ہیں۔ پس ساری کائنات میں مامی ہی مامی ہے۔ مامی بس باقی ہو س۔

نعوذ باللہ جب انبیائے کرام علیہم السلام کو مامی تحریک کے سلسلہ میں مسلمان جہنم کا مامی کی کیا مجال تھی کہ غم حسین کا مامی نہ کرے۔ چنانچہ مامی قلوب میں یہ وحی نازل کی گئی کہ امام حسین کو شہید کیا۔ جہنم نے ایک ایسا نعرہ مارا کہ قریب تھا کہ زمین کو شگافہ کر دے اور جب بن زیاد و یزید بن معاویہ و عمرو بن سعد و شمران کے بد نہائے عیس سے نکل گئیں۔ جہنم جوش و خروش خدا خیزہ داران جہنم کو حکم نہ کرتا کہ اُسے خوب اچھی طرح سے بند رکھیں پس جو کوئی زمین پر تھا اس سے جل جاتا اور اگر اُسے اجازت دیتے جو کوئی زمین پر تھا اُسے وہ نکل جاتا لیکن اپنے خدا کے خزینہ داران جہنم کو زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں اور چند مرتبہ خزینہ داران پر جہنم نے زیادتی کی دلا سکے تا آنکہ جبرئیل اُٹھے اور اپنے بازو سے اس کے شعلے کو دھپکا کر کے اُسے ساکن کر دیا مصائب امام حسین پر کرتا ہے۔ اور ان کے قاتلوں پر جوش و خروش کرتا ہے۔ اور اگر نبائے خدا زمین کو سرنگوں کر دیتا، (جلال العیون جلد دوم ص ۸۷ مطبوعہ لاہور) پر جہنم کی روایت تمام مامی روایا کیونکہ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ جہنم خدا کے حکم پر مامی ہے پھر بھی حکم الہی کے خلاف سرکشی کرتے ہیں۔ فرشتے بھی اس سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔

(ب) اگر جہنم کے محافظ فرشتے اس کو زنجیروں سے نہ جکڑے ہوں تو وہ زمین اور اہل زمین بھوکھ جلا (ج) جہنم مصائب امام حسین پر گریہ و نوحہ کرتا ہے۔

ہم نے سنا ہے کہ پاکستان میں بعض مامی ٹولیاں آگ پر بھی مامی کرتی ہیں۔ اور شیعہ اخباریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اگر ان خبروں میں کچھ صداقت ہے تو پھر آگ کے مامیوں کو کوئی اس سلسلہ میں جہنم سے فیض پہنچتا ہے۔ اور جہنم کے خوف سے زمین کی آگ

جب جہنم ماتم کرتا ہے تو اس کے اندر رہنے والی مخلوق بھی تو اس ماتم میں شریک ہوتی ہوگی۔ اور ماتمی کمال بھی انہی کو حاصل ہے کہ اوپر بھی آگ ہے اور نیچے بھی۔ دائیں بھی آگ اور بائیں بھی آگ بھی اور پیچھے بھی۔ ہر طرف آگ ہی آگ ہے لیکن وہ نہایت جوش و خروش سے اپنے ماتم میں محو ہیں۔ اور یہی ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

شیعیت کی رفتار

ماتمی مصنف لکھتے ہیں: ہم قاضی صاحب کا جواب الجواب اس لئے نہیں لکھ رہے کہ ہمیں بھی ان کی طرح اپنے عوام کے غلط فہمی میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہے عاقلانہ و کلام۔ ہمیں ایسا ہرگز کوئی خوف لاحق نہیں کہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے۔ ایسے بے بنیاد اور کمزور استدلال کے حامل رسالہ سے متاثر ہو کر کوئی شیعہ اپنا مسلک ترک کر دے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ کے والد بزرگوار انجہانی مولوی کرم دین صاحب کی کتاب ”آفتاب ہدایت“ سے رجوع تقریباً نصف صدی پہلے لکھی گئی اور اس عرصہ میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ اب تک سینکڑوں شیعہ اپنا مذہب چھوڑ چکے ہوتے۔ اگرچہ برعکس اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد صرف تحصیل چکوال میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شیعہ ہوئے۔ لاتعداد بستیاں جہاں شیعہ مذہب کے نام سے بھی کوئی واقف نہ تھا آج وہاں مساجد اور امام کوٹ موجود ہیں۔ تعز واری اور عباسی ہو رہی ہیں۔ عوام کا ذکر ہی کیا آپ کے بے شمار علما اپنے آبائی مذہب سے منہ موڑ کر مذہب حقہ شیعہ اختیار کر چکے ہیں۔ جن سے مشہور و معروف علماء کی ایک مختصر فہرست پیش خدمت ہے۔ مولانا حکیم سید احمد شاہ صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ۔ مولانا حافظ مقبول احمد صاحب دہلوی اعلیٰ اللہ مقامہ۔ مولانا ملک فیض محمد صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ۔ مولانا ڈاکٹر نور حسین صابر جھنگ سیال مصنف ثبوت خلافت۔ مولانا حکیم امیر الدین صاحب مصنف فلک النجاة۔ مولانا امیر محمد صاحب تونسوی۔ مولانا غلام محمد صاحب محمودی تونسوی۔ مولانا غلام حسین میانوی۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب۔ مولانا تاج الدین حیدری۔ مولانا حافظ سیف اللہ صاحب جعفری۔ مولانا سعید الرحمن علوی۔ مولانا عبدالمجید حسین ساہیوال۔ مولانا عبدالمجید اداکڑہ۔ مولانا محمد مظہر الحق صاحب۔ مولانا قاری جان محمد صاحب۔ مولانا حکیم سید محمود صاحب گیلانی معراج کے سابق ایڈیٹر اخبار الہدایت آپ کے خاص اعزہ سے قاضی رشید عسکری بیڑھیال (جنہوں نے اس رسالہ کے لکھنے میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا،

اور حال ہی میں آپ کے خلفاء سے مولانا اللہ بخش صاحب جعفری نے سابقہ مسلک کو ترک کر کے مذہب حقہ شیعہ اختیار کیا ہے۔ مشتے نمونہ از خروائے (فلاح الکونین ص ۹۳)

الجواب (۱)، آپ تو لکھتے ہیں کہ رسالہ درہم ماتم کیوں نہیں کرتے، سے شیعہ عوام کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں۔ لیکن آپ کے علامہ مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو لکھتے ہیں کہ: اگرچہ رسالہ اپنے دلائل کی پختگی اور طرز تحریر کی ناشائستگی کی وجہ سے محتاج جواب نہ تھا مگر چونکہ بعض نا پختہ اذہان کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے ابھی مقررہ کی آواز فضاٹے محیط میں گونج رہی تھی کہ ایک غیور سید اپنی غیرت قومی و ملی کے نشتر سے سرشار ہو کر اور دلائل قاطعہ سے مسلح ہو کر عرصہ پیکار میں کود پڑا۔ (تقریظ فلاح الکونین ص ۱۱) فرمائیے آپ دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے۔ مصنف کی یا مقررہ کی (۲)، آپ نے علماء کی جو فہرست پیش کی ہے کہ وہ مذہب امت ترک کر کے شیعہ بنے ہیں ان میں سے بعض کی تصانیف مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ اور بعض سے پہلے تعارف نہیں ہے۔ لیکن آخری دو حضرات کا جو آپ نے فہرست میں نام پیش کیا ہے۔ اگر باقی بھی ایسے ہی علماء ہیں پھر تو مذہب شیعہ کا خدا حافظ۔ (۱) ماسٹر رشید عسکری ساکن بیڑھیال جے ڈی کی سند رکھتے ہیں اور پرائمری سکول امیر پور منگن میں ٹیچر ہیں قبل ازیں چند سال پرائمری سکول چٹال میں ٹیچر رہ چکے ہیں۔ غالباً قرآن ناظرہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے البتہ ذاکر مرثیہ خوان ضرور بنے ہوئے ہیں (ب) ان کے ساتھ میری کوئی قرابت داری نہیں۔ اور میں تو عسکری صاحب کی شکل بھی نہیں پہچانتا۔ لیکن جب انہوں نے شیعہ مذہب کا اعلان کیا ہے تو تفتیہ کا ثواب بھی تو حاصل کرنا ہے۔

(۲) ماشاء اللہ مولوی اللہ بخش جعفری بھی شیعوں کو ایک تحفہ مل گیا ہے۔ یہ شخص نہ میرا شاگرد ہے نہ مرید۔ نہ وہ حافظ ہے نہ قاری۔ نہ ہی وہ عالم ہے۔ وہ توفیق کی کتاب مینڈا المصلیٰ بھی پڑھا ہوا نہیں ہے۔ تقریباً دو سال ہوئے کہ وہ سروپوں میں اچانک میرے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں آپ کے عقیدہ کا ہوں۔ اپنا سارا خاندان بھی مخالف ہے صنغ نظر گڑھی میں لٹن بلکہ کارتہ والا ہوں۔ اب صنغ گوجرانوالہ کے ایک چک میں امام مسجد تھا وہاں بھی لوگ میرے مخالف ہو گئے ہیں کوٹے امت کی جگہ مل جائے تو یہ دن گذاروں پھر کوئی اور جگہ بنا لوں گا۔ مجھے اُس کی حالت پر رحم آگیا۔ اپنے گاؤں میں ہیں بلکہ خالی تھی وہاں عارضی طور پر بھیجے دیاتاکہ نماز پڑھاتا رہے اور بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا رہے۔ بعد ازاں وہ جوہر بھی مجھ سے چکوال ملنے آیا خواہ کہ ہونے کی شکایت کرتا رہا۔ میں اس سے مطمئن نہ رہا۔ یہی ارادہ تھا کہ اس کو درخت

کر دیں گے۔ اس طرح ۱۳ ماہ گزر گئے۔ اور اچانک یہ اطلاع ملی کہ اس نے ڈھوڈیال کے شیعوں کی مجلس چلیم میں اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے اس نے نہ کبھی مذہب اہل سنت کے متعلق مجھ سے کوئی استفسار کیا اور نہ ہی اور کسی اپنے منہات کا اظہار کیا (ب) جب اُس نے شیعہ ہونے کا اعلان کیا اس وقت اس کے ذمہ ہیں کے دکانداروں کا سات اٹھ سو پچیس قرض تھا۔ جن میں سے غالباً ایک سو روپیہ ایک دکاندار کو دیا ہے اور باقی رقم اس کے ذمہ ہے۔ (ج) اس کی کوئی علمی حیثیت نہیں تھی یہی وجہ ہے کہ خدام اہل سنت کے کسی تبلیغی جلسہ یا تبلیغی دورہ میں اس کا نام کبھی بھی شائع نہیں کیا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ پہلے سے شیعہ تھا کسی سازش کے تحت تقیہ کر کے وہ ہمیں رہا ہے اور بعض کا قیاس ہے کہ وہ محض لالچ کی بنا پر شیعہ بنا ہے اور پہلے مرزائی وغیرہ بھی رہ چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ جو شیعہ نمونہ از خروائے نامی مصنف نے پیش کیا ہے اس کے دودانے تو عسکری اور جعفری مذکور ہیں اور باقی افراد سے بھی اکثر غالباً اسی نمونہ کے مولانا ہوں گے۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ چنانچہ ان میں سے ایک مولوی غلام حسین میدوی کا نام لکھا ہے۔ جو موضع میال علاقہ سواں ضلع کیلپور کا رہنے والا تھا۔ وہ گو شیعوں کا مقرر تھا لیکن مستند عالم نہ تھا بعد میں اس نے اپنے سنی ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور آزاد کشمیر کے ایک نقشبندی پیر صاحب کا مرید ہو گیا تھا جن کی اس علاقہ میں آمدورفت تھی۔ ان کے ہمراہ وہ سنی مذہب کی حقانیت پر تقریریں بھی کرتا رہا۔ لیکن آخر اس نے پھر شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا جس کے بعد جلد ہی ہی مرگیا۔ کیا اس قسم کے افراد شیعہ مذہب کے لئے قابلِ فخر ہیں۔

(۳) آفتاب ہدایت رورفع و بدعت میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ جو آج سے قریباً پچاس سال پہلے برطانوی حکومت میں لکھی گئی تھی۔ اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس تصنیف سے شیعہ علماء اتنے پریشان ہوئے تھے کہ لکھنؤ کے شیعہ رسائل و اخبارات میں اس کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا تھا اور اس کی مضبوطی کے لئے گورنمنٹ برطانیہ کو درخواستیں دی گئی تھیں۔ لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ فرمایاے اگر آفتاب ہدایت سے شیعہ مذہب کو کوئی خطرہ نہیں لاحق ہوا تھا تو اس کی مضبوطی کے لئے شیعوں نے کیوں کوششیں کیں۔ الحمد للہ یہ کتاب عوام و خواص میں مقبول ہوئی ہے اور اس کے مطالعہ سے ہزاروں سنی مسلمانوں نے مذہب اہل سنت کی حقانیت کو سمجھا ہے اس کتاب کے سنی علماء و مناظرین نے بھی بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے نہ صرف یہ کہ رافضیت کو بے نقاب کیا اور خلفائے راشدین اور اصحاب و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی بلند

مقام کا تحفظ کیا بلکہ آپ نے فتنہ مرزائیت کا بھی انتہائی عزم و استقامت سے مقابلہ کیا۔ جنہی کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی سے آپ کا دو سال تک مقدمہ چلتا رہا۔ جس میں آپ نے خداداد علم و ذکاوت کی بنا پر مرزا قادیانی کو بھی کمرہ عدالت میں جواب کیا۔ مرزائی علماء کو اپنی علمی جرح سے بدحواس کر دیا۔ چنانچہ آخر میں گورداسپور کے مجسٹریٹ لالہ آتام نے مرزا انجمن کو اس مقدمہ میں چھ ماہ قید محض یا پانچ سو روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی جس سے بمشکل ایک انگریز وکیل کے ذریعہ پیل میں رہائی حاصل کی۔ اس مقدمہ کی مفصل روئداد سرکاری ریکارڈ کے ساتھ جناب والد مرحوم کی کتاب ”تازیانہ عبرت“ میں موجود ہے جس کا آج تک مرزائی جواب نہیں دے سکے شیعوں کے ایک اشتہار سے معلوم ہوا کہ کوئی شیعہ مجتہد آفتاب ہدایت کا جواب ”تجلیات صداقت“ کے نام سے لکھ رہے ہیں۔ اگر یہ کتاب شائع ہوئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ حسبِ ضرورت اس کا جواب الجواب بھی شائع کر دیا جائے گا۔ بہر حال قارئین حضرات اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر آفتاب ہدایت اپنے موضوع پر کوئی مؤثر کتاب نہ ہوتی تو نصف صدی کے بعد آج شیعہ علماء کو اس کا جواب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ سچ ہے۔

آفتاب آمد و دلیل آفتاب گروہیت باید از حقے روضت

اب ہم شیعوں کے وجود ان کی ترقی کا جائزہ لیتے ہیں جس سے نامی مصنف کے ذہنی کیفیت دور رسالت میں شیعہ معلوم ہو جائیگی۔ رسول کریم رحمت للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال تبلیغ رسالت کے فرائض سرانجام دیئے۔ اس دور رسالت میں قرآن مجید نازل ہوتا رہا۔ آخر کار شیعہ میں کہ شریعت فتح ہوئی۔ کفار و مشرکین مغلوب ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام کی جماعت ان پر غالب آگئی۔ لیکن اس ۲۳ سالہ دور نبوت میں نہ کوئی شیعہ تھا اور نہ ہی شیعہ مذہب کا کوئی وجود تھا۔ اگر کوئی ایک فرد مسلم بھی شیعہ مذہب رکھتا تھا تو کسی اہل بیت یا حدیث صحیح سے اس امر کا ثبوت دیں کہ کسی مسلمان نے شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ یا لفظ شیعہ بحیثیت مذہب کسی نے استعمال کیا ہو۔ اگر یہ مذہب حضرت علی المرتضیٰ کا ہے تو ثابت کریں کہ شیعہ خدا نے کہیں اپنے شیعہ ہونے کا اظہار و اعلان کیا ہے۔ یا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شیعہ ہونے کا کہیں ذکر ہی فرمایا ہے ہا تو ابوہریرہ ان کنتہم صدقین۔

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور رسالت کے بعد صرف تین چار شیعہ تھے دیکھ کر کہنے والے مومنین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد

تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور یہ سب بتی ہیں جن میں خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمانؓ ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ کا درجہ بڑی ترتیب خلافت باقی صحابہ کرام سے بڑا ہے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی ساری عمر لفظ شیعہ کا بحیثیت مذہب ذکر نہیں فرمایا۔ اور شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خلفائے اربعہ میں سے صرف حضرت علی المرتضیٰ بلا فصل خلیفہ برحق ہیں۔ بالقرن ان عقیدہ کو صحیح تسلیم کیا جائے اور حسب دعویٰ شیعہ حضرت علی کو مذہب شیعہ کا پیر و تسلیم کیا جائے تو پھر لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صرف چار پانچ افراد شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ چنانچہ (۱) فروغ کافی جلد سوم کتاب الروضہ ص ۱۵۱ میں ہے: عن ابی جعفر علیہ السلام قال کان الناس اهل ردة بعد النبی صلی علیہ والہ الا ثلثة فقلت ومن الثلثة فقال مقداد بن الاسود والبذر الغفادی وسلمان الفارسی رحمتہ اللہ علیہم وبوکاتہم، (توجہ) امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے تین کے باقی سب مرتد ہو گئے تھے۔ پس میں نے کہا وہ تین کون ہیں تو امام موصوف نے فرمایا۔

مقداد۔ ابوذر غفاری اور سلمان فارسی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ جن حسینؓ کے علاوہ صرف تین مومن تھے۔

(۲) ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امر و عبوی اصول کافی کی ایک روایت کا ترجمہ لکھتے ہیں: میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے کیا ہماری جماعت کس قدر قلیل ہے کہ اگر دسترخوان پر ایک بکری کھانے بیٹھیں تو اسے تمام نہ کر سکیں فرمایا میں تم کو اس سے زیادہ عجیب بات بتاؤں۔ آنحضرت کے بعد مہاجرین و انصار ایمان سے پھر گئے اور پھر ان تین انگلیوں سے اشارہ کیا حمران کہتا ہے میں نے کہا ستمار کا کیا حال رہا۔ فرمایا اللہ ان پر رحم کرے ان کی کفایت ابوالیقظان ہے۔ انہوں نے امیر المومنین کی بیعت کی اور جنگ صفین میں شہید ہوئے، (دشانی ترجمہ اصول کافی جلد دوم کتاب الایمان والکفر ص ۲۹۸) اس روایت سے معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ تین کے علاوہ حضرت عمار بن یاسر بھی مومن تھے۔ اور تین انگلیوں سے مراد وہی تین صحابی ہیں یعنی سلمان۔ مقداد۔ ابوذر۔ (انصافی شرح اصول الکافی ص ۱۹۷ جلد دوم)

(۳) شیعوں کے خاتم المحدثین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکثر مہاجرین و انصار نے وصیت احمد مختار اور بیعت جید کرار کو ترک کر کے خدا سے شرم نہ کی اور ابوبکر سے بیعت کر لی اور جب سید اولیاء و فن سرور انبیاء سے فارغ ہوئے اور بے وفائی اصحاب اور کفر و نفاق ان لوگوں کا مشاہدہ کیا انگلیں ہوئے۔ جب رات ہوئی۔ جناب امیر حسین کو ہمراہ لے کر ایک ایک گھر میں مہاجر و انصار کے تشریف لائے

اور ان کو عقوبات الہی سے ڈرایا اور وصیت رسول خدا کو جو بقائم غلیظ مائی تھی پڑھ کر سنایا اور ان سے نصرت و یاری چاہی۔ مگر سوائے چوبیس آدمیوں کے اس گروہ بے شرم سے کسی نے قبول نہ کیا اور جب صبح ہوئی چار آدمیوں سے زیادہ بیعت جناب امیر پر قائم نہ تھے۔ اسی طرح تین رات تک ہر شب جناب امیر ان لوگوں کو دعوت بیعت فرماتے اور ان سے طلب یاری کرتے تھے مگر بغیر چار آدمیوں کے اور بروایت دیگر تین آدمیوں کے سوا کسی نے بیعت قبول نہ کی۔ (جلد العیون جلد اول مطبوعہ مکتبہ ص ۱۸۹)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلا فصل حضرت علی المرتضیٰ کو ماننے والے صرف تین چار گنتی کے مومن تھے یعنی شیعوں کی اصطلاح میں صرف تین چار شیعہ تھے۔

خلفائے ثلاثہ کے ۲۲ سالہ دور خلافت راشدہ کے بعد جب حضرت علی المرتضیٰ کے دور خلافت کے شیعہ خود حضرت علی المرتضیٰ کو اقتدار خلافت نصیب ہوا۔ اس

وقت بھی حقیقی شیعہ برائے نام تھے چنانچہ حضرت علی نے خود فرمایا کہ: قد عملت الولاۃ قبلی اعمالا و اخلافا فیہا رسول اللہ متعمدین لخلایفہ فاقصین لعلہذا مغیرین لسننہ و لو حملت الناس علی ترکھا و حوتھا ای مواضعھا وانی ما کانت فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ لتفرق عینی جندی حتی البقی و ہدی اؤ قلیل من شیعتی الذین عرفوا فحلی وفروض امامتی من کتاب اللہ عز و ذکرہ و سنتہ بنیدہ صلی اللہ علیہ والہ، (فروغ کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۲۹۹ مطبوعہ مکتبہ)؛ بیشک مجھ سے پہلے والیوں (یعنی خلفاء) نے ایسے کام کئے ہیں جن میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بوجھ کر مخالفت کی ہے اور آپ کے عہد کو توڑا ہے۔ آپ کی سنت کو تبدیل کرنے والے ہوئے ہیں۔ اور اگر میں لوگوں کو ان خلافت شرع کا مول کے چھوڑنے پر آمادہ کر دوں اور ان کو اپنی اپنی جگہوں پر لے آؤں جس طرح کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ اعمال تھے تو مجھ سے میرا لشکر جدا ہو جائے۔ حتیٰ کہ میں تنہا باقی رہ جاؤں یا تھوڑے سے میرے شیعہ میرے ساتھ باقی رہ جائیں جنہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری فضیلت اور میری امامت کی فرضیت پہنچی ہے۔ فرمائیے: خلافت حیدر کرار کے زمانہ میں بھی شیعوں کا یہ حال تھا کہ اگر آپ صحیح احکام شریعت نافذ فرماتے تو وہ سب چھوڑ جاتے اور آپ تنہا یا چند مخلص شیعہ آپ کے پاس

باقی رہ جاتے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے بیچ المبالغتہ کے مندرجہ خطبوں میں اپنے ان شیعوں کو علامت کی ہے۔ اور ان کے بیزاری کا اعلان کیا ہے۔ بخوف طوالت ہم نے وہ عبارتیں یہاں درج نہیں کرتے۔

خلافت امام حسن میں شیعوں کا کردار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریباً ستشش سالہ دور خلافت کے بعد جب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے جانشین بنے تو آپ نے اپنے شیعوں کی بے وفائی اور بزدلی سے تنگ آکر اپنی خلافت کو ہی چھوڑ دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ اسلام تسلیم کر لیا۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: ایضاً روایت ہے کہ جب امام حسن پر مدائن میں خنجر مارا۔ زید بن وہب جہنی امام حسن کی خدمت میں آیا اس وقت حضرت کو دردِ عالم تھا۔ زید نے کہا یا ابن رسول اللہ کی مصلحت سے بدشیکہ لوگ اس کام میں متغیر ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ بخدا سوگند اس جماعت سے میرے لئے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا میرا مال لوٹ لیا۔ بخدا سوگند اگر معاویہ سے میں عہدوں اور اپنا خون حفظ کروں اور اپنے اہل و عیال میں امین ہو جاؤں اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں اور میرے اہل و عیال و عزیز و قریب ضائع ہو جائیں۔ بخدا سوگند اگر میں معاویہ سے جنگ کروں یہی لوگ مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر معاویہ کو دیدیں جلا العیون اردو جلد اول ص ۲۶۶) یہ ہیں امام حسن کے دور کے شیعہ جن سے آپ جان چھڑا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کر رہے ہیں اور حضرت معاویہ کو ان سے بہتر فرما رہے ہیں۔

حضرت امام حسین کا دور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ توجہ اس گروہ نے کیا وہ اظہر من الشمس ہے کہ وہ ہیں امام مسلم کو شہید کر لیا اور مزید سے حضرت حسین کو کوہنہ میں بلایا۔ اور رستہ میں میدان کربلا میں پھر آپ کے مقابلہ میں آئے اور آپ کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اہل کوفہ کے ان واقعات کے متعلق گذشتہ مباحث میں عبارتیں درج کی جا چکی ہیں۔ جن کے مکرر درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شہادت حسین کے بعد صرف پانچ شیعہ رہ گئے قاضی نور اللہ شوشتری لکھتے ہیں: از حضرت زین العابدین روایت کردہ اندک سے فرماید کہ تمام مردم بعد از قتل حسین مرتد شدند الا پنج کس۔ ابو خالد و یحییٰ بن اُم الطویل۔ و جبر بن مطعم و جابر بن عبد اللہ انصاری و شبکہ حرم محرم حضرت

امام حسین بود رجائس المؤمنین مجلس پنجم ص ۱۳۵

ترجمہ مکمل :- اور امام زین العابدین سے روایت کی ہے کہ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام سب مرتد ہو گئے لیکن پانچ آدمی۔ ابو خالد کاہلی و یحییٰ بن اُم الطویل اور جبر بن مطعم اور جابر بن عبد اللہ انصاری اور شبکہ کہ جو حرم محرم امام حسین علیہ السلام تھے۔ رجائس المؤمنین مترجم ص ۱۳۵ مطبوعہ شمس شین پریس اگرہ ہندوستان) فرمایا جب امام حسین کی عظیم قربانی کے باوجود بھی صرف پانچ شیعہ باقی رہ گئے تو آپ کی شہادت سے امت کو کیا فائدہ پہنچا اور اسلام کیسے زندہ ہو گیا۔ ع۔ نہ سوچو گے تو پھر سوچو گے تم یہ داستان کب تک

فرمایا ابو عبد اللہ ربی امام جعفر صادق (نے ابو بصیر خدا امام جعفر صادق کے ماننے میں تین بھی خالص شیعہ تھے) کی تم اگر میں تم میں ہیں شیعہ امامیہ پالیتی جواز راہ تقیہ

ہماری بات کو بصیرت راز رکھتے تو میرے لئے اپنی بات کو ان سے چھپانا جائز رہتا۔ رشتہ فی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص ۲۶۶) امام زین العابدین کے زمانہ میں پانچ تو تھے لیکن بعد میں امام جعفر صادق کے زمانہ میں آپ کو صرف تین رازدار شیعہ بھی نہ مل سکے۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت رب! سدید صیرفی کی ایک طویل روایت کے آخری حصہ میں ہے کہ امام جعفر صادق نے: ایک لڑکے کو کربیاں چراتے دیکھا۔ فرمایا۔ اے سدید اگر میرے شیعہ بقدر ان بکریوں کے ہوتے تو میں خروج کرتا یعنی حکومت سے جنگ کرتا۔ ہم وہاں سے اترے اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد میں نے ان بکریوں کو شمار کیا تو ان کی تعداد سترہ تھی، ایضاً شانی ترجمہ اصول کافی ص ۲۶۶، توجب ۱۷ شیعہ بھی آپ کے پاس نہیں تو تقیہ کیوں نہ فرماتے۔

قاضی نور اللہ شوشتری لکھتے ہیں: دشمنی نے امام امام موسیٰ کاظم کو صرف ایک مخلص شیعہ نصیب ہوا

موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرماتے تھے عبد اللہ بن ابی یعفور سحر الدین امام محمد باقر دام جعفر صادق علیہم السلام میں سے تھے اور حضرت فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ جو میری وصیت قبول کرے اور میرے امر کی اطاعت کرے سوائے عبد اللہ بن ابی یعفور کے اور جب انہوں نے وفات کی تو حضرت نے ان کے لئے دعلت رحمت کی، رجائس المؤمنین مترجم ص ۱۳۹، دعب، اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ جو میرے امر کو اختیار کرے اور میرے پدر بزرگوار کے اصحاب کے قدم بقدم چلے سوائے دو شخصوں کے کہ خدا ان پر اپنی رحمت فرمائے۔

ایک عبداللہ بن ابی یعفور۔ دوسرے حمرا بن اکین لیکن یہ دونوں ہمارے شیعوں میں مومنین خالصین میں سے ہیں الخ
 (ایضاً ص ۲۹) ایسے امام موسیٰ کاظم کے مخلص شیعہ کی تعداد ۲۰ تک پہنچ گئی۔

(ج) اور جو بڑے نام محب بنے ہوئے تھے ان کی حقیقت امام موسیٰ کاظم خود یہ فرماتے ہیں :- لو میتون شیعتی
 ما وجدتمہ الا واصفۃ ولوا متحنتہم لما وجدتمہ الا مرتدین دفوع کانی جلد ۲ کتاب الرد منہ ص ۱۸
 دینی اگر میں شیعوں میں امتیاز کروں تو نہ پاؤں ان کو مگر صرف زبانی تعریفیں کرنے والے۔ اور اگر میں ان کا امتحان لوں تو
 ان سب کو مرتد پاؤں۔ یہ ہیں امام کاظم کے دور کے شیعہ حضرات۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ غضبناک ہوا ہمارے شیعوں
اللہ تعالیٰ شیعوں پر غضبناک ہوا پر در سبب ترک تقیہ، پس اختیار دیا مجھے اپنے اور ان کے قتل ہونے کے درمیان
 پس میں نے اپنی جان فیکر کر لیا دشمنی ترجمہ اصول کافی جلد اول کتاب الحجۃ ص ۲۹) یہ ہے امام کاظم کے دور
 میں شیعوں کا حال کہ مغضوب علیہم ٹھہرائے گئے۔ اور بعد کے ادوار میں بھی شیعوں کا یہی حال رہا۔ اس لئے امام کاظم
 تقیہ جیسی عبادت میں ہی زندگیاں گزارتے رہے اور حتی گوئی اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرا نہ چاہا۔

اور امام حسن عسکری کے بعد از روئے عقیدہ شیعہ آخری امام حضرت مہدی پیدا ہو کر بچپن
دور امام غائب ہی میں ۲۳ رمضان ۲۵۹ھ سے غائب ہو گئے ہیں کہ غیبت صغریٰ کے زمانے میں تو سفراء کے
 از رویہ ان کے حالات شیعوں کو کچھ معلوم ہو جاتے تھے لیکن جب سے غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوا ہے صدی پہ صدی
 گزر رہی ہے کہ امام غائب کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ شیعہ علماء و مجتہدین آپ کے جلدی ظہور کے لئے دعائیں بھی بہت
 مانگتے رہتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتیں۔

بقول شیعہ حضرت امام مہدی اس وقت ظاہر ہوں گے
۳۱۳ شیعہ پورے ہوں گے تو امام غائب ظاہر ہوں گے جب آپ کے مخلص شیعوں کی تعداد تین سو تیرہ پوری
 ہو جائے گی۔ چنانچہ علامہ غلیل قزوینی صافی شرح اصول کافی میں لکھتے ہیں کہ:- منقول است کہ اگر عدد الیشان بسی عدد
 سیزدہ کس باقیست اجتماعی رسد امام ظاہری شود کتاب الحجۃ ص ۳۱ (منقول ہے کہ اگر اجتماعی حیثیت سے آپ کے
 تابعداروں کی تعداد تین سو تیرہ کو پہنچ جائے تو امام غائب ظاہر جائیں گے)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواہ شیعیت کے مدعی مآثری صاحبان کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں سے بھی متجاوز ہو جائے
 حقیقتاً شیعہ نہیں ہیں۔ ورنہ حضرت مہدی ضرور ظاہر ہو جاتے۔ یہ صرف تماشائی شیعہ ہیں۔ جو مآثری ہنگاموں کی پیداوار ہیں۔
 پھر مآثری مصنف صاحب شیعوں کی تعداد میں اضافہ ہونے پر کس وجہ سے نازاں ہیں۔ خدا جانتے وہ خود بھی حضرت امام غائب
 کے رجسٹر میں درج شدہ شیعہ حضرات میں شامل ہیں یا نہیں۔

(۲) آپ کے علامہ محمد حسین صاحب المرقیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:- امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ: ہمارے شیعہ
 نفس وہی ہیں جو ہماری متابعت کرتے ہیں اور مخالفت نہیں کرتے اور حب ہم خوف زدہ ہوں تو وہ بھی مخالف ہوتے ہیں اور
 جب ہم امن و اطمینان سے ہوں تو وہ بھی امن سے ہوتے ہیں۔ یہی ہیں ہمارے شیعہ (احسن الفوائد ص ۲۸۸)

مولوی محمد حسین صاحب موصوف لکھتے ہیں:-
بے نماز اور مخالف شریعت شیعوں کا نام خارج کر دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص عمداً احکام شریعہ
 کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ اور واجبات کی بجائے آوری اور محرمات کے ارتکاب کی کوئی پروا نہیں کرتا تو اس کا نام شیعیان
 علی علیہ السلام کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس لئے ان کی شفاعت کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ
 جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ لا تنال شفاعتنا من استخف بجماعہ جو شخص نماز کو خفیت
 و سبک سمجھ لگا اس کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ ایسا ہی جناب سرور کائنات سے مروی ہے رسائل النبی ص
 وغیرہ (احسن الفوائد ص ۲۸۸) لیجئے شیعیت کی اس کسوٹی پر مائیموں کو پرکھ لیجئے کہ کن کن کا نام شیعیان علی کی فہرست میں
 باقی رہ سکتا ہے۔ اور کتنے وہ ہیں جن کے نام اس فہرست سے خارج ہو چکے ہوں گے۔ تو پھر مائیموں کو سیدہ کوئی اور نیرازی
 بلکہ آگ میں مائیم سے کیا فائدہ، کیونکہ عموماً یہ لوگ بے نماز ہوتے ہیں۔ اور سنت و شریعت کے ساتھ ان کی زندگی کا کوئی رابطہ
 نہیں ہوتا۔ وہ بیچارے تو اس خوشی میں مائیم کرتے ہیں اور اپنے بدن کو ہوا بہانہ کرتے ہیں کہ نماز و روزہ وغیرہ فرائض اسلام
 کی بجا کر دی نہ ہیں۔ جب غم حسین میں ایک قطرہ آنسو بہانے سے جنت مل جاتی ہے۔ تو ہمارے اس پُر زور خونیں مائیم سے تو
 ہمارے درجات جنت میں اور زیادہ بلند ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کرایہ کے مآثری بھی در آمد کئے جاتے ہیں جن کو باضابطہ
 فنی طور پر مائیم کی ٹریننگ دی جاتی ہے وہ دُور دُور تک مجالس حسین میں اپنے فن مائیم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور جو لوگ
 اپنا مال خرچ کر کے ایسے مائیموں کو مہیا کرتے ہیں وہ خود تو بڑے نام حسین پر اہستہ اہستہ ہاتھ مالتے ہیں اور ذکرین و علما

اور مجتہدین حضرات تو منہ اور سینہ کو کٹنے کی کوئی تکلیف نہیں اٹھاتے۔ محض ایک رسم کے کاؤ پر پوری کر لیتے ہیں۔ اور ان سب مامی حضرات کو خواہ وہ ماتم کرنے والے ہوں یا ماتم کرانے والے ہوں یا ماتم مروجہ کے سنت و عبادت ہونے پر دھواں دھار لٹا کر کرنے والے ہوں یہی امید ہوتی ہے کہ ہماری آخرت میں بخشش ہو جائے گی اور حضرت علی المرتضیٰ کے دست مبارک سے ہم سب کو جنت کا ٹکٹ نصیب ہو گا۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ شیعہ علامہ مولوی محمد حسین صاحب نے احادیث ائمہ پیش کر کے ان سب مامیوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ کیا اس کے بعد بھی خلافت شرع اور بے نماز مامیوں کو ماتم سے کوئی مذہبی آخری فائدہ پہنچ سکتا ہے اور سنی مذہب کے ترک کر کے جو لوگ عموماً شیعہ بنے ہیں وہ تو شریعت کی بندشوں سے آزادی کے طالب ہوتے ہیں یا تماشا بینی میں مبتلا ہو کر شیعہ بن جاتے ہیں وہ بھی اپنا انجام سوچ لیں کہ سنی مذہب چھوڑ کر شیعہ بن جانے کا ان کو کیا فائدہ ہوا ہے۔

۷ نہ خدا ہی ملانہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے لہے

مامی مصنف انصاف فرمائیں کہ جب چوری۔ ڈاکہ زنی۔ اغوا۔ جوا۔ شراب۔ بیویانہتی۔ حرام خوردی۔ رشوت۔ جھوٹ۔ بے حیائی۔ بے پردگی۔ سینما۔ تھیٹر۔ میوں۔ تماشوں سب شرعی منکرات میں ترقی ہو رہی ہے۔ اور علمائے اسلام زعمائے ملت لیڈران قوم وغیرہ مصلحین کی مساعی کے باوجود ان میں کمی نہیں آ رہی تو اگر اس بگڑے ہوئے معاشرہ میں مامی نیگا مول میں شدت پیدا ہو جائے تو اس کی بنا پر کتنا بے سنت کے اصول پر ماتم حرام کو اباحت و عبادت کی سند کیسے مل سکتی ہے۔ اور اس سے مذہب اہل سنت و جماعت کی حقانیت میں کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ ماتم کی انہیال نجوم ہدایت کی روشنی کو کیونکر زائل کر سکتی ہیں۔

۸ نور خدا ہے کفر کی حرکت پر چند دن

پھونکوں سے یہ چپراغ بجھایا نہ جائیگا۔
(ظفر علی خاں مرحوم)

لفظ شیعہ کی بحث

عموماً مامی ڈاکرین و علماء اپنے عوام کو یہ تسلی دیتے رہتے ہیں۔ کہ مذہب شیعہ کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے۔ اور

اہل سنت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لیکن یہ محض طفل قستی کی باتیں ہیں جن میں کوئی حقیقت نہیں۔

۹ :- دل کے خوش کرنے کو غائب یہ خیال اچھا ہے۔

شیعہ کا لغوی معنی

اور مددگاروں پر۔

چنانچہ دل (المجد میں ہے۔ الشیعۃ اتباع الرجل والنصاراء۔ ج۔ شیعۃ واند کے پیروں اور مددگاروں کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع شیعۃ اور اشباع ہے۔ (الفوقہ) شیعہ۔ فرقہ میں (ج) منہی الارب میں ہے۔ شیعۃ الابدل بالکسر پیرداں دیلان مرد۔ کسی مرد کے شیعہ پیرداں اور مددگار ہوں (رج) بیان اللسان میں ہے۔ شیعہ۔ پیچھے چلنے والا اور مددگار۔ گروہ۔ ناموس میں ہے۔ وشیعۃ الرجل بالکسر اتباعہ وانصارہ والفرقة علی حدۃ۔ جمع کسی مرد کے شیعہ اس کی پیروی اور مدد کرنے والوں کو کہتے ہیں۔ اور شیعہ کسی علیحدہ فرقہ اور گروہ اس کی جمع اشباع اور شیع آتی ہے۔ کتب لغت سے معلوم ہوا کہ عربی زبان میں لفظ شیعہ کسی گروہ یا تہذیب سے لیا گیا ہے۔

اور لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ شیعہ قرآن مجید

قرآن مجید میں لفظ شیعہ کا استعمال

۱۰ (۱) فروعون علای فی الادحق وجعل اھلھا شیعاً، (پارہ ۲۰۔ سورۃ القصص رکوع لفظ شیعاً جمع شیعہ کی ہے بمعنی گروہ۔ مولانا اشرف علی صاحب حقانوی کا ترجمہ یہ ہے:- فرعون بہت چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو بہت قہمیں کر رکھا تھا، تفسیر میں لکھتے ہیں قہمیں کو معزز بنا رکھا تھا۔ اور سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کو پست اور خوار کر رکھا تھا، بیان ان مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر نے یہ ترجمہ لکھا ہے:- بیشک فرعون اس سرزمین میں غالب تھا اور اس نے کئی گروہ بنا دیا تھا۔

(۲) (۱) الذین کہتوا دینہم دکانو شیعیاً المست صہم فی شیبی (پارہ ۸۔ سورۃ

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ترجمہ مولانا تھانوی،
(ب) بیشک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ ہو گئے۔ تم کو ان سے کسی معاملہ میں سرکار
نہیں، (ترجمہ مقبول)

(۳) وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا (پ ۲۱ - سورۃ الروم ع ۴۲)
اور مشرک کرنے والوں میں سے مت رہو جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کر لیا اور بہت سے گروہ ہو گئے، (ترجمہ مولانا تھانوی)
(ب) اور مشرکوں میں سے نہ ہونا یعنی ان میں سے جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ ہو گئے،
(ترجمہ مقبول)

(۴) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ هَ وَمَا يَتَّبِعُهُمْ مِنَ الرُّسُلِ إِلَّا كُنُوفًا يُهَيَّجُونَ
پارہ ۱۲ - ع ۱۱ (۱) اور ہم نے آپ کے قبل بھی (پیغمبروں کو) اگلے لوگوں کے گروہوں میں بھیجا تھا۔ اور کوئی رسول ان
کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو، (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) اور بالتحقیق ہم نے تم سے
پہلے اگلے گروہوں میں بھی رسول بھیجے تھے اور ایک رسول بھی ان کے پاس ایسا نہ آتا تھا کہ وہ اس کی منسی نہ اٹھتے ہوں
(ترجمہ مقبول)

(۵) فَوَيْلٌ لِلْشَّاعِرِينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ حَبْرِ جَهَنَّمَ جَبِثًا ثُمَّ لَنْ يُرْمَوْا مِنْ
کل شیعۃ ابہم اشد علی الرحمن عصیاً ہ پ ۱۶ - سورۃ مریم ع ۵۵ :- سوسم ہے آپ کے رب کی تم انکو
اس وقت) جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی۔ پھر ان کو دوزخ کے گردا گرد گھٹنوں کے بل گرا ہوا حاضر کریں گے پھر
ضرور ہم برگروہ میں سے ان کو الگ کریں گے جو خدا کے برخلاف زیادہ پکڑی کرنے والے تھے، (ترجمہ مقبول)

(۶) قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِّنْ تَحْتِ أَوْ يَهْلِكَكُمْ أَوْ يَحْيِيَكُمْ
شیعاً ویدنی بعصیہم باس بعضیہ دپ ۷ - الانعام ع ۸) آپ کہیں گے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر
کوئی عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑکاوے اور تمہارے ایک کو
دوسرے کی لڑائی چھیلا دے، (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب اپری کی طرف بھیجے
یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہارے ایک گروہ کو دوسرے سے بھڑکاوے اور تم میں سے ایک کی سختی کا مزہ دوسرے کو

چکھا دے، (ترجمہ مقبول)

(۷) وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ هَ (پ ۲۷ - سورۃ القمر ع ۳) :- اور ہم تمہارے ہم
طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے، (ب) اور ہم تمہارے ہمسروں کو ضرور ہلاک
کر چکے ہیں۔ پس ہے بھی کوئی نصیحت پانویلا (ترجمہ مقبول)

(۸) كَمَا فَعَلْ بِأَشْيَاءٍ عَمِلُوا فِي شِدَّةٍ مَّرِيبٍ هَ (پ ۲۲ - سورۃ نبا - آخری رکوع) :-
جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ دہی، ایہی، ربناؤ، کیا جادے گا جو ان سے پہلے تھے کیونکہ یہ سب بڑے شک میں تھے
جس نے ان کو تردیدیں ڈال رکھا تھا، (مولانا تھانوی) (ب) جیسا کہ ان سے پہلے گروہوں کے بارے میں کیا گیا ہے کہ بیشک
وہ سب پریشان کر دینے والے شک میں تھے، (ترجمہ مقبول)

ان آیات میں لفظ شیعہ یا اس کی جمع شیعہ اور اشیاع ان لوگوں پر اطلاق کیا گیا ہے جو کافر۔ نافرمان اور مستحق
عذاب تھے۔ اگر شیعہ کوئی مذہبی نام ہے تو پھر یہ سارے شیعہ جتنی ہوتے ہیں۔ کیا کوئی باشعور شیعہ عالم یہ مطلب تسلیم
کر سکتا ہے۔ لیکن بعض شیعہ مذہب کے نادان و دوست ذاکر یا مولوی حسب ذیل دو آیتوں سے شیعہ مذہب کے
قرآن میں مذکور ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ آیت ۹، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا۔ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ
عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَةِ هَٰذَا مِّنْ شِيعَةِ هَٰذَا مِّنْ

فَاَسْتَعَاثَهُ الَّذِي مِّنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِّنْ عَدُوِّهِ فَوَكَرَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِم دپ ۲۰ - سورۃ قح
القصص ع ۲) :- اور موسیٰ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر
(پڑے سوئے) تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک تو ان کی برادری میں سے تھا اور دوسرا ان کے
مخالفین میں سے تھا سو وہ جو ان کی برادری کا تھا اس نے موسیٰ سے اس کے مقابلہ میں جو کہ ان کے مخالفین میں سے تھا
مدد چاہی تو موسیٰ نے اس کو (ایک) گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا۔ (ترجمہ مولانا تھانوی)

(ب) مولوی مقبول احمد صاحب کا ترجمہ یہ ہے :- اور وہ شہر میں ایسے وقت جبکہ اہل شہر غافل تھے پہنچے تو اس میں
دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا ایک تو ان کے گروہ میں سے تھا اور ایک ان کے دشمنوں میں سے پس اس شخص نے جو ان
کے گروہ میں سے تھا اس شخص کے برخلاف جو ان کے دشمنوں سے تھا ان سے استغاثہ کیا۔ پس موسیٰ نے اس کے

ایک گھونسا مارا کہ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس آیت کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر لکھتے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جناب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ تم کو یہ نام مبارک ہو۔ کسی نے عرض کی حضور کو لٹا نام :- فرمایا شیعہ پھر پوری یہی آیت تلاوت فرمائی :-

الجواب (۱) اس آیت میں لفظ شیعہ کے تحت امام جعفر صادق کی طرف جو یہ منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا تم کو یہ نام مبارک ہو۔ یہ بالکل غلط ہے امام جعفر صادق کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے آیت میں لفظ شیعہ کسی مذہبی معنی میں استعمال ہی نہیں ہوا بلکہ اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہے اور خود مولوی مقبول احمد صاحب نے بھی دونوں جگہ لفظ شیعہ کا ترجمہ کر دیا ہے :- (۲) حضرت مولانا انشرف علی صاحب مٹھانوی نے بھی لفظ شیعہ سے مراد برادری کی مطلب یہ ہے کہ وہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اس بنا پر بھی لفظ شیعہ کا کوئی مذہبی معنی یہاں سے ثابت نہیں ہوتا۔ (۳) اور اگر علمائے شیعہ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ یہاں لفظ شیعہ مذہبی نام کے طور پر مذکور ہے تو یہ بھی ان کے خلاف ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی شیعہ کے بارے میں دوسری آیتوں میں مذکور ہے :- فاصبح فی المدینۃ خالفاً یترقب

فاذا الذی استنصرہ بالامس لیستصرغہ قال لہ موسیٰ اِنَّکَ لغوی مبینہ فلما اذن امر اذ ان یطش بالذی هو عدو لہما قال یوسى (ترید اَنْ تعقلنی کما قتلت نفساً بالامس ان ترید اَنْ تكون جباراً فی الارض وما ترید اَنْ تكون من المصلحین) پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک وہی شخص جس نے کل گذشتہ میں ان سے امداد چاہی ہے وہ پھر ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ اس سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ ہے تو جب موسیٰ نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا مخالف تھا وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰ کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے (ترجمہ مولانا مٹھانوی) اور مولوی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں۔ پس موسیٰ نے اس شہر میں اس حال میں صبح کی کہ خوف بھی کھاتے تھے اور اس بھی لگائے ہوئے تھے۔ یکایک دیکھتے کیا ہیں کہ جس شخص نے کل ان سے مدد مانگی تھی (آج بھی) ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ تو صریح گمراہ ہے۔ پھر جب یہ ارادہ کیا کہ اس شخص کو جو ان دونوں کا دشمن تھا مغلوب کر دیں تو اس نے یہ کہا کہ اے موسیٰ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے بھی اسی طرح قتل کر دو جس طرح تم نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ پس تم ہی چیتے ہو کہ اس زمین میں بڑے سرکش بن جاؤ اور یہیں چلتے

کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ جس شیعہ کا ذکر حضرت موسیٰ میں آیات وہ سخت گمراہ تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو فرمایا۔ اِنَّکَ لغوی مبین۔

صاحب بھی لکھتے ہیں کہ تو صریح گمراہ ہے۔ اور مولوی محمد حسین صاحب شیعہ علامہ کی عبارت احسن الفتاویٰ کی پہلے نقل کی جا چکی ہے کہ جو لوگ بے نماز اور گمراہ ہیں اور ان کو شیعوں کو دیا جاتا ہے۔ (۴) اور یہ اسرائیلی شیعہ جس کا ذکر زیر بحث آیت میں ہے اتنا شریر۔ گمراہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی بیکسنا خاندانہ کلام کیا کہ :- اے موسیٰ کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جو قتل کر چکے ہو بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے ہو حضرت قسم کے شیعہ سے سابقہ پڑا ہے اسی قسم کے شیعوں سے حضرت امام حسن نے حضرت معاویہ سے بچائی۔ ایسے شیعوں نے تو حضرت حسن کا سامان بھی لوٹ لیا تھا۔ اور آپ کے قتل کے لئے بھی آمادہ۔ کہیں ایسے ہی شیعہ نصیب ہوئے تھے جیسا کہ بحوالہ کتب پہلے ثابت کر دیا گیا۔ تعجب ہے کہ جس شخص

السلام صریح گمراہ فرماتے ہیں اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی معاف نہیں کرتا۔ شیعہ مفسرین اس کی کو مبارک مانتے ہیں اور اس کو اپنا مذہبی نام قرار دیتے ہیں چنانچہ مولوی اماد حسین صاحب کاظمی بھی یہی لکھتے ہیں :- قرآن مجید کی دیگر آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے دین پر چلنے والوں کو شیعہ ہی کہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے بارے میں فرماتا ہے۔ واد ابواھیمہ (پ ۲۳) والصفانہ ع ۳، ترجمہ اور یقیناً حضرت ابراہیم بھی فوج کے شیعوں میں آیت مجیدہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو شیعہ ہی کہا ہے اور جو نبی کا شیعہ نہ تھا اسے کہا ہے " (تفسیر المتقین)

یہ دلیل امام باڑوں میں مجالس ماتم کی تقاریر میں تو مقبول ہو سکتی ہے۔ لیکن علمی معیار پر بالکل ہے۔ یہاں قرآن میں شیعوں کے جس فرد کا ذکر ہے وہ تو سخت گمراہ۔ شریر اور جھگڑاؤ تھا۔ کیا اے

پیر و کار اور دین پر چلنے والا کہا جاسکتا ہے۔ اگر شیعہ کا مفہوم یہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد سے ثابت ہے تو آپ کو مبارک ہو۔

(۵) یہ شیعہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایسا پیر و کار اور محب ثابت ہوا کہ اسی کی باتوں سے آپ کے مخالف قبطی (فرعونی) شخص کو معلوم ہوا کہ کل جو شخص مارا گیا ہے اس کو بھی حضرت موسیٰ نے ہی قتل کیا تھا چنانچہ اس نے یہ خبر جا کر فرعون کے پاس پہنچا دی۔ اور امام موسیٰ کاظم نے بھی ایسے ہی شیعوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انہوں نے ہمارا زمانہ امت فاش کر دیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آگئے ہیں۔ (۶) مندرجہ آیات میں حضرت مولانا مفتاح نوئی نے قال یوموسیٰ اتوید ان تقتلنی۔ کا قائل اس اسرائیلی شخص کو قرار دیا ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سخت گمراہ فرمایا ہے۔ یہاں شبہ یہ ہوتا ہے کہ آپ نے تو فرعون میں اپنی قبطی کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس لئے یہ جواب تو قبطی کی طرف سے ہو سکتا ہے کہ اسرائیلی شیعہ کی طرف سے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گوارادہ تو قبطی کو کھڑے کا کیا لیکن اسرائیلی شیعہ پر چونکہ آپ پہلے غضبناک ہو چکے تھے اس لئے اس نے یہ گمان کیا کہ شاید مجھ کو ہی پکڑنے والے ہیں اس لئے اسی نے یہ مخالفانہ باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں۔ دوسرا قرینہ اس کا یہ ہے کہ قبطی کو تو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ کل جو شخص قتل ہوا تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا تھا اسی لئے فرعون لوگ قاتل کی تحقیق کر رہے تھے۔ تو جب فرعونوں کو ابھی تک یہ علم بھی نہ تھا کہ حضرت موسیٰ نے ان کے آدمی کو قتل کیا تو وہ فرعون یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ کل بھی آپ نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ یہ قول تو اس اسرائیلی شیعہ ہی کا ہو سکتا ہے جس کی مدد کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو گزشتہ روز ایک گھونسا مارا تھا۔ جس کی تاب نہ لا کر وہ مر گیا۔

(ب) مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی بھی لکھتے ہیں: اسرائیلی غلطی سے یہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے خفا ہیں مجھے پکڑنا چاہتے ہیں یہ سمجھ کر وہ بولا اے موسیٰ کیا تم مجھے ویسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا۔ فرعون نے یہ بات سنی اور جا کر فرعون کو اطلاع دی کہ کل کے فرعون مقتول کے قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کا حکم دیا، اور تفسیر خازن، تفسیر مظہری اور تفسیر حقانی وغیرہ میں قال یوموسیٰ لا کا قائل اسی اسرائیلی کو قرار دیا گیا ہے جو نامی علماء کے نزدیک شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس اسرائیلی شیعہ نے جوازام دیا کیا اس کے بعد بھی وہ مومن رہ گیا تھا۔ (ج) اور مولوی مقبول احمد صاحب

شیعہ مفسر بھی اس اسرائیلی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔ اعیون میں جناب امام رضا سے منقول ہے کہ موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ کل تو ایک شخص سے بڑا تھا اور آج اس سے بڑا رہا ہے (تو پکا مقصد ہے) میں تیری ضرور خبر لوں گا یہ فرما کر اس کے پیٹنے کا لٹے۔ لیکن مولوی مقبول احمد صاحب نے بھی حسب ارشاد امام رضا اس اسرائیلی شیعہ کو پکا مقصد ہونے کی سند عطا کر دی۔ کیا یہی وہ مایہ ناز شیعہ ہے جس کے متعلق مولوی امداد حسین صاحب کاظمی نے لکھا ہے کہ:۔ اس آیت مجیدہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیر و کاروں کو شیعہ ہی کہا ہے اور جو نبی کا شیعہ نہ تھا اُسے عداوتہ (اس کا دشمن) کہا ہے، (تفسیر المتقین)

کاظمی صاحب کا ایک اعلیٰ نکتہ

مولوی امداد حسین صاحب کاظمی مندرجہ آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔ قرآن مجید میں بعض مقامات پر یہ لفظ شیعہ بھی آتا ہے۔ اگرچہ دونوں کا مادہ ایک ہی ہے اور اس کے معنی پیر و کار۔ مددگار۔ پیچھے چلنے والے گروہ۔ پارہ۔ وغیرہ۔ لیکن ایک ناقد اور مبصر پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی انبیاء، پیغمبروں اور ان کے امین پر چلنے والوں کا ذکر آیا ہے وہاں ان کو شیعہ کہا گیا ہے۔ لیکن جہاں دشمنان خدا اور کفار وغیرہ کے پیر و کاروں کا ذکر آیا ہے وہاں انہیں شیعہ کہا گیا ہے۔ پس فرق ظاہر ہے۔ دین خدا پر چلنے والے اور نبیوں کے پیر و کار شیعہ ہیں اور کافروں کے پیچھے چلنے والے شیعہ ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں، (تفسیر المتقین)

الجواب:۔ (۱) کاظمی صاحب نے یہ کوئی اعلیٰ نکتہ نہیں بیان کیا بلکہ یہ ان کا ایک غرابیہ ہے جو شیعہ عوام کو خوش کرنے کے لئے تراشا گیا ہے۔ کیا کاظمی صاحب نے لفظ شیعہ کی تحقیق کے لئے کتب لغت کی درق گردانی نہیں کی۔ اور کیا کاظمی صاحب واحد اور جمع کا بھی فرق نہیں سمجھتے۔ لفظ شیعہ کی بحث کے شروع میں کتب لغت المنجی شیعہ الارباب اور قاموس کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ لفظ شیعہ اور اشیاع دونوں لفظ شیعہ کی جمع ہیں۔ شیعہ بمعنی ایک گروہ اور اشیاع اور شیعہ کا معنی بہت سے گروہ ہیں۔ فرق صرف واحد اور جمع کا ہے۔ معنوی طور پر کوئی ان میں فرق نہیں ہے کہ لفظ شیعہ مومنین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور لفظ شیعہ کافروں کے لئے۔ کیا کاظمی صاحب اتنا بھی نہیں جانتے کہ لفظ واحد کا معنی جمع میں محفوظ رہتا ہے۔ مثلاً عالم کی جمع علماء ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لفظ عالم توحید معنی میں مستعمل ہوا اور اس کی جمع علماء برے معنی میں۔ البتہ اضافت کی وجہ سے ان الفاظ کے مطلب میں فرق پڑ سکتا

ہے۔ وہ بھی مضاف الیہ کی وجہ سے نہ کہ واحد اور جمع کے فرق کی بنا پر۔

۲۔ اور یہ بھی آپ کا لکھنا بالکل غلط ہے:- قرآن مجید میں جہاں بھی انبیاء علیہم السلام وغیرہ کے پیروکاروں اور ان کے دین پر چلنے والوں کا ذکر آیا ہے وہاں ان کو شیعہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں کفار کے لئے بھی حسب ذیل آیات میں لفظ شیعہ مذکور ہے:- **فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّ لَهُمْ جُلُودًا جَدِيدًا ۖ فَهُمْ فِيهَا يَصْتَبِحُونَ ۚ كُلِّ شَيْعَةٍ أَيْتَهُمْ أَشِدُّ عَلَى الرَّكْبَةِ مِنْ عِتَابِهِ** (پ ۱۶ - سورۃ مریم ع ۵) سابقہ آیات کے نمبر ۱ کے تحت مولانا تھانوی اور مولوی مقبول احمد صاحب کے تراجم پہلے پیش کر دئے گئے ہیں۔ اب آپ اپنا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں:- پس تمہارے پیروکار کی قسم ہم ضرور ان کو اور شیطانوں کو دقتیامت کے دن، اکٹھا کریں گے، پھر ضرور ہم دوزخ کے گرد ان کے بل (دائروں) کے گرد سرکش رہا ہوگا“ (تفسیر المتقین) فرمائیے۔ اس آیت میں لفظ شیعہ سے مراد کفار کا گروہ ہے۔ یا نہیں اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ترجمہ یہ ہے:- تو تمہارے رب کی قسم ہم انہیں دوزخ کے آس پاس حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل کرے۔ پھر ہم ہر گروہ سے نکالیں گے جو ان میں رحمن پر سب سے زیادہ بے باک ہوگا، اور مولانا مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی نے تفسیر میں ہر گروہ سے کفار کا گروہ مراد دیا ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ:- بعض روایات میں ہے کہ کفار سب کے سب جہنم کے گرد زنجیروں میں جکڑے طوق ڈالے ہوئے حاضر کئے جائیں گے پھر جو کفر و سرکشی میں اشد ہوئے وہ پہلے جہنم میں داخل کئے جائیں گے (تفسیر خزائن العرفان) اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:- یعنی منکرین کے فرقہ میں جو زیادہ بدمعاش، سرکش اور اکڑا ہوا تھے انہیں عام مجرموں سے علیحدہ کر لیا جائے گا پھر ان میں بھی جو بہت زیادہ سزا کے لائق اور دوزخ کا حقدار ہوگا وہ خدا کے علم میں ہے اس کو دوسرے مجرموں سے پہلے آگ میں جھونکا جائے گا، تو جب قرآن کی آیت مذکورہ سے ہی یہ ثابت ہو گیا کہ لفظ شیعہ کافروں کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے تو یہ دعویٰ آپ کا باطل ہو گیا کہ کفار کے لئے قرآن مجید میں لفظ شیعہ آیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں کے لئے لفظ شیعہ۔ اور یہ کہ ”دین خدا پر چلنے والے اور نبیوں کے پیروکار شیعہ ہیں اور کافروں کے چیلے چلنے والے ہیں۔“

آیت:- **وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ** (براہیم کی بحث :- ۱۰) آیت نمبر ۱ جس میں شیعہ کا لفظ آیا ہے

سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۖ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ وَآخِذُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ جَاءَهُ بِقُلُوبٍ سَلِيمٍ ۖ الصَّفَافَةِ ۖ (۱۰) نوح پر سلام ہو عالموں میں۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو (یعنی کافروں کو) غرق کر دیا اور نوح کے طریقہ ابراہیم بھی تھے جبکہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے“ (مولانا تھانوی) (ب) حضرت محدث دہلوی آیت زیر بحث کا ترجمہ لکھتے ہیں:- اور اُس کی راہ والوں میں سے ابراہیم (ج) مولانا بریلوی لکھتے ہیں:- اور بیشک اُس کے گروہ سے ابراہیم ہے جبکہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا غیر سے سلام (د) مولوی امداد حسین صاحب کاغلی کا ترجمہ یہ ہے:- اور یقیناً ابراہیم ضرور اس کے شیعوں (پیروکاروں) میں (د) مولوی فرمان علی صاحب لکھتے ہیں:- یقیناً ان کے طریقہ پر چلنے والوں میں ابراہیم بھی ضرور تھے۔“ صاحب دہلوی نے لکھا ہے:- اور یقیناً ابراہیم بھی ان ہی کے پیروکاروں میں سے تھے۔“

آیت کی مراد

مولوی امداد حسین صاحب کاغلی اس آیت کی تفسیر میں بھی لکھتے ہیں:- تفسیر پر بحوالہ تفسیر مجمع البیان و تفسیر قمی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہو۔ عرض کیا گیا۔ کونسا؟ آپ نے فرمایا۔ شیعہ۔ عرض کیا گیا کہ لوگ تو اس نام سے ہمیں عیب لگاتے ہیں کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا۔ **وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ** لا براہیم۔ نیز اس کا قول۔ **هَذَا مِنْ عَدُوِّكَ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّكَ** (تفسیر المتقین) ۶ دو آیتوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ شیعہ ایک مذہبی نام ہے اور پہلے انبیاء اور ان کے پیروکار بھی شیعوں انہوں نے امام محمد باقر کی طرف بھی یہ قول منسوب کر دیا ہے۔

الجواب (۱) دوسری آیت یعنی **هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ** کا جواب تو سابقہ نمبر میں عرض کر دیا گیا ہے۔ ۱۔ آیت کا مطلب بیان کیا جاتا ہے تاکہ شیعی استدلال کی کاکت واضح ہو جائے۔ اس آیت کے چھ تر کر دیئے ہیں جن میں سے تین سنی مفسرین کے بیان تراجم ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ شیعہ لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو کسی مذہبی اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جیسا کہ کنتہ

سے پہلے یہ پیش کیا گیا ہے۔ شیعہ کا معنی گروہ اور فرقہ کے ہیں۔ یا کسی کے پیروکار اور مدگار ہونے کے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ گروہ اور پارٹی اہل حق کی ہو یا اہل باطل کی۔ مومنین کی ہو یا کافروں کی۔ اور قرآن مجید کی دوسری مذکورہ آیات میں لفظ شیعہ شیعاً اور شیاع سے مراد کفار کے گروہ ہی ہیں۔ لہذا اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے اس زیر بحث آیت کا یہی مطلب ہے۔

نہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کے سلسلہ میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو وہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ میں سے ہی تھے اور ان ہی کے طریقہ اور راہ پر چلنے والے تھے۔ اور یہ اس لئے فرمایا کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے یعنی اسلام اور وہ اصول طور پر اسلام ہی کی دعوت حقیت میں جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید خالص ہے جو بذریعہ رسالت اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے۔ ہاں اپنے اپنے دور اور امتوں کے مزاج و حال کے اختلاف کی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فرق و اختلاف ہوتا ہے۔ جس کو دینی اور اصولی اختلاف نہیں کہہ سکتے۔ جب شیعہ کا لغوی معنی ہی گروہ یا پیروکار آتا ہے اور شیعہ مفسرین نے بھی آیت کے ترجمہ میں یہی لکھا ہے تو پھر اس سے مذہبی اصطلاحی معنی کیونکر مراد لیا جاسکتا ہے جو اہل تشیع کے ہاں رائج ہے اور کس علمی بنیاد پر اس آیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب شیعہ ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

(۲) اگر شیعہ کوئی مذہبی اصطلاح ہوتی تو دو گے انبیائے کرام کے متعلق بھی اس کا ذکر آتا۔ حتیٰ کہ نبی کریم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی لفظ شیعہ کی اصطلاح بیان فرماتے اور قرآن مجید میں بھی لفظ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف منسوب ہوتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو شیعہ فرمادیا۔ لیکن امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شیعہ نہ کہا جن کی امت میں حسب زعم رافضی لفظ شیعہ اہل حق کیلئے قیامت تک استعمال ہونا تھا۔ اور بغیر شیعہ ہونے کے کوئی امتی نجات نہیں پاسکتا تھا۔ (۳) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے آپ کو شیعہ نہ کہا۔ اور نہ ہی حضرت حسن اور حضرت حسین کو اور نہ ہی حضرت فاطمہ الزہرا کو شیعہ کہا گیا۔ حالانکہ حسب اعتقاد شیعہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے تو پھر ان سب حضرات معصومین کو بھی شیعہ ہونا چاہیے تھا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ بھی شیعہ ہونے کا اعلان کرتیں اور دوسری ازواج مطہرات بھی۔ اور جن جن اصحاب کو شیعہ مومن مانتے ہیں وہ سب اپنے آپ کو شیعہ کہتے۔ کیونکہ قرآن مجید میں یہ مبارک نام مذکور تھا۔ جیسا کہ کاظمی صاحب نے تفسیر سانی اور تفسیر قمی کے حوالے سے بیان کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کوئی مذہبی نام نہیں ہے۔ نہ ہی کتاب اللہ و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مذہبی نام کا ثبوت ملتا ہے نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دود میں کوئی مسلمان اپنے آپ کو شیعہ کہتا تھا۔ اور نہ ہی شیعیان رسول کی کوئی اصطلاح رائج ہوئی ہے۔ اس لئے علم و انصاف کی بنا پر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شیعہ کوئی مذہبی نام ہی نہیں ہے۔ شیعہ علماء و مجتہدین محض عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر لفظ شیعہ کا مبارک ہونا بیان کرتے رہتے ہیں۔

(۱) خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب دوم لفظ شیعہ کا استعمال عثمان کے مطالبہ کی بنا پر مسلمانوں میں دو فرقہ بن گئے۔ اور گو یہ اختلاف اجتہادی نوعیت کا تھا لیکن اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے حضرت علیؑ کے موقف کی تائید کرنے والوں کو شیعیان علیؑ اور حضرت عثمانؑ کے قیام کے مطالبہ کرنے والوں کو شیعیان عثمانؑ کہا جانے لگا۔ اور یہاں بھی لفظ شیعہ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوتا تھا یعنی حضرت علیؑ یا حضرت عثمانؑ کا گروہ۔

چنانچہ فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضۃ ص ۹۹ میں ہے: - بنادی مناد الا ان فلان بن فلان و شیعته هم الفاضلون اول الشہادہ بنادی آخر الشہادہ الا ان عثمان و شیعته هم الفاضلون ہ

ایک پکارتے والوں کے پہلے حصہ میں پکارتا ہے کہ فلان بن فلان اور اس کے شیعہ کامیاب ہونے والے ہیں اور ان کی آخری حصہ میں پکارتا ہے کہ عثمان اور ان کے شیعہ کامیاب ہونے والے ہیں

اس روایت میں بھی شیعہ عثمان سے مراد حضرت عثمان کا گروہ ہے، اور فروع کافی کی اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عثمان اور ان کے پیروکار کامیاب ہونے والے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ اور مسلک کے اتحاد کے باوجود اگر سیاسی طور پر باہمی اختلاف ہو جائے تو فرق و امتیاز کے لیے اپنی اپنی جماعتوں کے علیحدہ علیحدہ نام رکھ لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف و نزاع کے موقع پر ہوا، اور آخر کار جب حضرت معاویہؓ اور حضرت امام حسنؓ کی صلح ہو گئی اور تمام امت مسلمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر متفق ہو گئی اور حضرات حبشین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضرت معاویہؓ کے بیت المال سے اپنے اور اہل و عیال کے لیے وظیفہ لینا قبول فرمایا۔ تو چونکہ دین میں تو پیسے ہی کوئی اختلاف نہ تھا۔ (جیسا کہ انج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے خطبہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے) اس لیے ان امتیازی ناموں کی بھی ضرورت نہ رہی۔ لیکن وہ لوگ جو مسلمانوں کے اتحاد کے خلاف تھے اور انہی کی سازشوں کی بنا پر باہمی اختلافات

کی خلیج وسیع ہوئی تھی، انہوں نے شیعیان علیؑ کی دقتی اصطلاح کو باقی رکھا۔ ان کا مقصد حضرت علیؑ کو مخلص اللہ وجہ کی بیوی نہ تھی۔ بلکہ اُمت مسلمہ میں حضرت علیؑ اور اہل بیت کے نام سے پھوٹ ڈالنا ان کا مشن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے مابعد کے اہل بیت بھی بیزاری کا اعلان کرتے رہے ہیں جیسا کہ سابقہ مباحث میں خود اہل تشیع کی کتابوں سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ (۲)

جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی دجال کو ماننے والے اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور انہوں نے یہ امتیازی نام اپنے لیے مخصوص کر لیا، حالانکہ احمد نام ہے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور مرزا قادیانی کا نام غلام احمد ہے نہ کہ احمد، لیکن اس کے باوجود وہ احمدی کے لفظ سے مغالطہ دیتے ہیں کہ العیاذ باللہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں۔ حالانکہ احمد سے مراد وہ حقیقتاً مرزا غلام احمد ہی لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ کتاب ہے کہ قرآن مجید کی آیت وَمُبَشِّرًا بِرُسُولِي يُأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي اَسْمُهُمْ اَحْمَدُ میں احمد سے مراد وہ خود ہے۔ اسی طرح شیعیان علیؑ کے نام کو ایک گروہ نے اپنے مخصوص عزائم کی بنا پر اپنے لیے استعمال کیا اور عرفاً ان کا بھی نام مشہور ہو گیا۔ چنانچہ عربی لغت کی کتاب "قاموس" میں ہے :- شِيعَةُ الرَّجُلِ بِالْكَسْرِ اتِّبَاعُهُ وَالنَّصَارَةُ وَالْفِرَقَةُ عَلَى حَدِّثَةٍ وَيَقَعُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْاِثْنَيْنِ وَالْجَمْعِ وَالْمَذَكُورِ وَالْمَوْثِقِ وَقَدْ غَلَبَ هَذَا الْاِسْمُ عَلَى كُلِّ مَوْثِقٍ يَتَوَلَّى عَلَيْهِمْ وَاهْلُ بَيْتِهِ حَتَّى صَارَ اسْمُ لِهْمٍ خَاصًّا ج. اشْيَاعٌ وَشَيْعَةٌ :- (اور کسی مرد کے شیعہ کا معنی اس کے پیروکار اور مددگار ہیں، اور علیؑ پر فرقہ ہونا اور لفظ شیعہ واحد، تشبیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب پر بولا جاتا ہے اور یہ نام ہر اس شخص کے لیے از روئے استعمال غالب آ گیا ہے جو حضرت علیؑ اور اہل بیت سے دوستی کا اظہار کرے حتیٰ کہ خاص کر ان کی نام پڑ گیا ہے۔ اس کی جمیع اشیا اور شیعہ ہے) اس سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ المرتضیٰ کے خلیفہ بننے سے پہلے لفظ شیعہ بوجہ مذہبی اعتقادی اختلاف کے مستقل نہ تھا اور بعد میں عرفاً شیعہ ان لوگوں کا نام پڑ گیا جو آپ کی دوستی اور محبت کا دعویٰ کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی مذہبی نام نہیں بلکہ جماعتی نام ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو لوگ حضرت علیؑ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں وہ فی الحقیقت آپ کے پیروکار بھی ہیں۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی دجال کے ماننے والے اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک احمد کی طرف بظاہر نسبت کرنے کی وجہ سے وہ اہل حق کا مصداق نہیں بن جاتے بلکہ بوجہ انکار عقیدہ ختم نبوت کے وہ قطعی کافر ہی رہتے ہیں۔ بہر حال کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیعہ کوئی مذہبی نام ہے اور سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام العیاذ باللہ مذہباً شیعہ تھے۔ البتہ لامشاحۃ فی الاصطلاح کے تحت (کہ اصطلاح مقرر کرنے میں کوئی تنگی نہیں ہے) اگر اس فرقہ نے اپنا نام شیعہ رکھ لیا ہے اور

اسی نام سے وہ مشہور ہو گئے ہیں تو اس سے ان کا اہل حق ہونا ثابت نہیں ہو جاتا اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ بحیثیت مذہبی نام کے قرآن سے ثابت ہے اور العیاذ باللہ حضرت ابراہیم وغیرہ انبیاء علیہم السلام بھی مذہباً شیعہ ہوئے ہیں۔ (۳) یہ بھی ملحوظ رہے کہ لفظ شیعہ کا اطلاق تو افراد پر بھی ہوتا ہے اور جماعت پر بھی، اور لفظ شیعہ کسی مذہب کا نام تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے ہمارا سوال شیعہ علماء سے یہ ہے کہ ان کے مذہب کا امتیازی نام کیا ہے؟ جس کی وجہ سے اس اُمت کے دوسرے مسلم فرقوں سے ان کے مذہب کا فرق واضح ہو جائے۔

(ب) شیعیان علیؑ کی اصطلاح سے بھی صرف حضرت علیؑ کی طرف اس گروہ کی نسبت ثابت ہوتی ہے پھر بھی یہ واضح نہیں ہوتا کہ بزرگ شیعہ حضرت علیؑ کا مذہب کیا تھا جس کی پیروی شیعیان علیؑ کے لیے لازم ہو۔ (ج) ہمارا نام اہل سنت والجماعت ہے اور اسی نام سے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہم سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے ہیں۔ ہمارا امتیازی مذہب سنت ہے اور اس کو ماننے کی وجہ سے ہم اہل سنت ہیں۔ اس کی تشریح و تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کی مستقل بحث میں کی جائے گی۔

ایک خطرناک مغالطہ

شیعہ علماء عموماً اپنے مذہب کی سچائی ثابت کرنے کے لیے سورۃ
الْمَائِدَةِ الذِّیْنَ كَفَرُوا فِي آيَاتِهِ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ط کے تحت تفسیر درمنثور ج ۲ کی یہ روایت پیش کیا کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا: - إِنَّ هَذَا وَشِيعَتَهُ لَهُمُ الْفَاثُرُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ - (یعنی حضرت علیؑ اور
آپ کے شیعہ قیامت کے دن کامیاب ہوں گے)۔

الجواب

(۱) تفسیر درمنثور کی ہر روایت حجت نہیں کیونکہ اس میں ہر طرح کی روایات
جمع کر دی گئی ہیں۔ (۲) مندرجہ روایت میں لفظ شیعہ کسی مذہبی اصطلاح کے طور
پر مذکور نہیں ہے بلکہ وہ اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہے یعنی حضرت علیؑ کا گروہ اور ان کے تابعین، اور حضرت
علیؑ المرتضیٰ کے صحیح تابعین اور اصل اہل سنت والجماعت ہی ہیں جو افراط و تفریط سے ہٹ کر آپ کی اعلیٰ
شان مانتے ہیں۔ بخلاف خوارج کے جو العیاذ باللہ آپ کی توہین و تکفیر کرتے ہیں اور دوافض آپ کو سائلہ
انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت دے کر غلو کرتے ہیں اور اہل سنت کا اہل حق ہونا بخوالہ احتجاج طبرسی
حضرت علیؑ کے ارشاد سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔ (۳) اسی تفسیر درمنثور جلد دوم میں آیت یٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قَدْ جَاءَكَ رَأْيُكَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُخْرِجْهُ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَبِيعْهُ سَوَاءٌ أَمْ يَبِيعْهُ وَشَوْكَهُ (سورۃ آل عمران) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ:-
تَبِيعَ وَجُوهَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَتَسَوَّدَ وَجُوهُ أَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالضَّلَالَةِ - ”یعنی قیامت کے دن
اہل سنت والجماعت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت و ضلالت کے چہرے سیاہ ہوں گے“۔

فرقہ شیعہ کا اصلی نام رافضی ہے

شیعوں کا اصلی نام جو حسب ارشاد امام جعفر صادقؑ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہ
رافضی ہے۔ چنانچہ فروع کافی جلد سوم کتاب الروضۃ ص ۱۱۰ پر ایک طویل
ہے جس میں لکھا ہے کہ ابوبصیر نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا تھا کہ:- فَاَنَا قَدْ نَبِزْنَا نَبِزًا اَنْكَسَرَتْ لَهُ ظُهُورُنَا وَنَمَتَا
بِهَافِئَاتِنَا وَاسْتَحَلَّتْ بِهِ الْوَلَاةُ دِمَاءَنَا فِي حَدِيثِ رَدِّهِمْ فَخَمَاءُ هَمْدٍ قَالَ فَقَالَ ابُو عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

الرَّافِضَةُ قَالَ قُلْتُ نَعَمْ - قَالَ لَا وَاللَّهِ مَا هُمْ سِوَكُمْ بَلِ اللَّهُ سَمَّاكُمْ - اَمَا عَلِمْتُمْ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اَنْ سَبْعِينَ
رَجُلًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ رَفَضُوا فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ لَمَّا اسْتَبَانَ لَهُمْ ضَلَالَتُهُمْ فَلَحَقُوا بِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا
اسْتَبَانَ لَهُمْ هَذَا فَسَمَوُا قِيَامَهُمْ رَفَضُوا فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَكَانُوا اَهْلًا ذَلِكِ
الْعَسْكَرِ عِبَادَةَ وَاشَدَّهُمْ حُبًّا لِمُوسَى وَهَارُونَ وَذُرِّيَّتِهِمَا عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَادْعَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلَى مُوسَى اَنْ
اَثْبِتَ لَهُمْ هَذَا الْاِسْمَ فِي التَّوْرَةِ فَانْفِثَ فِي قُلُوبِهِمْ بِهَذَا الْاِسْمِ اَيَاكَ فَاسْتَبَانَ لَهُمْ هَذَا الْاِسْمُ
لَهُمْ - ثُمَّ دَعَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَكُمْ هَذَا الْاِسْمَ الخ - (سیک ہیں بے نام سے پکارا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہماری کریں ٹوٹ
گئی ہیں اور اس سے ہمارے دل مردہ ہو گئے ہیں اور وہیوں نے اس وجہ سے ہمارے خون حلال قرار دیے ہیں اس حدیث کی بنا
پر جو ان کے فقہانے بیان کی ہے۔ تو حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا، کیا وہ نام رافضہ ہے، میں نے کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا
نہیں اللہ کی قسم انہوں نے ہمارا یہ نام نہیں رکھا بلکہ اللہ نے ہمارا نام رافضی رکھا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے اے ابومحمد
کہ بنی اسرائیل میں سے ستر مردوں نے فرعون اور اس کی قوم کو چھوڑ دیا تھا جبکہ ان کی گمراہی ان پر واضح ہو گئی تھی اور وہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل گئے تھے۔ جبکہ آپ کی ہدایت ان پر ظاہر ہو گئی تھی تو حضرت موسیٰؑ کے لشکر میں ان لوگوں کا نام رافضہ
رکھا گیا کیونکہ انہوں نے فرعون اور اس کی قوم کو چھوڑ دیا تھا اور یہ لوگ اس لشکر والوں میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والے اور
حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ اور ان کی اولاد سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی طرف
وحی بھیجی کہ آپ ان کے لیے یہ نام (رافضی) تورات میں لکھ دیں۔ کیونکہ میں نے ان کا نام رافضی رکھ دیا ہے اور اسی نام کی طرف
ان کو منسوب کیا ہے۔ پس حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے ان کا یہ نام تورات میں لکھ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ نام (یعنی رافضی) ہمارے
لیے ذکر فرمایا ہے۔)

رافضہ جمع رافضی کی ہے، اس کی جمع روافض بھی آتی ہے۔ لیجئے: اہل تشیعہ کا اصلی نام تورافضی ہے جو تورات میں بھی
مذکور ہے، اور یہ نام ان کا خود اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ برعکس اس کے لفظ شیعہ کے متعلق تو اس طرح کی تصریح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے حضرت ابراہیمؑ یا حضرت نوحؑ کے پیروکاروں کا نام شیعہ رکھا ہے یا اس اُمت کے شیعوں کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے ہی شیعہ
رکھا ہے۔ اس لیے جو ذکر ابن عباسؓ میں یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ ہمارا نام شیعہ تو قرآن میں مذکور ہے لیکن اہل سنت والجماعت
کا نام قرآن میں نہیں ہے۔ ان سے تو یہ پوچھنا چاہیے کہ ہمارا اصلی نام تورافضی ہے جو حسب ارشاد امام جعفر صادقؑ خود اللہ

تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اس لیے تم اپنا اصلی نام رافضی قرآن مجید سے ثابت کرو۔ ھاؤا بُوْھا کُفْرًا کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ؕ

اللہ کے دین کا نام اسلام ہے

اللہ تعالیٰ نے اس آخری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحمیہ کے لیے جو کامل اور جامع دین قیامت تک کے لیے بذریعہ وحی عطا فرمایا ہے اس کا نام اسلام ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ؕ (بیشک دین اللہ کے ہاں اسلام ہے) سورۃ المائدہ میں فرمایا: وَدَرَسْتُ لَکُمْ الْاِسْلَامَ مِیْنًا ؕ (میں نے اسلام کو تمہارا دین پسند کر لیا) حضرت مولانا مغانوی اس کے تحت لکھتے ہیں: ”یعنی قیامت تک تمہارا

یہی دین رہے گا، اس کو مسوخ کر کے دوسرا دین تجویز نہ کیا جائیگا“ (تفسیر بیان القرآن) اور جو شخص اللہ کے اس دین اسلام کو مان لیتا ہے اس کو مسلم کہتے ہیں اور اردو، فارسی زبان میں اس کو مسلمان کہا جاتا ہے اور اسلام کا لغوی معنی انقیاد ہے یعنی کسی کا حکم ماننا، سرحد کا نا، تابع ہونا، اسی سے لفظ مسلم ہے اور اس کی جمع مسلمین ہے اور قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم کا لقب اللہ تعالیٰ نے خود دین اسلام ماننے والوں کو عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰہِیْمَ ؕ کُفْرًا مِّنْ دِیْنِ الْاِسْلَامِ مَنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَاُولٰٓئِکَ لَیْسَ لَهُمْ شَیْءٌ مِّنْ دِیْنِ الْاِسْلَامِ ؕ (سورۃ الحجہ ۱۰۶) (۱) اس کا ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی

نے یہ لکھا ہے: ”دین تمہارے باپ ابراہیم کا، اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان (حکمران) پہلے سے اور اس قرآن میں“ اس کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں: ”یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تمہارا نام مسلم رکھا۔ جس کے معنی حکمران اور وفادار کے ہیں، یا ابراہیم نے پہلے تمہارا یہ نام رکھا تھا جبکہ دعائیں کہا، وَمِنْ ذٰلِکَ اٰمَنَّا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ ؕ (بقرہ ۱۵۶) اور اس قرآن میں شاید ان ہی کے مانگنے سے یہ نام پڑا ہو۔ بہر حال تمہارا نام مسلم ہے گو اور امتیں بھی مسلم تھیں مگر لقب یہ تمہارا ہی بھیرا ہے سو اس کی لاج رکھنی چاہیے۔“

(ب) مولانا اشرف علی صاحب مغانوی کا ترجمہ یہ ہے: ”تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر ہمیشہ قائم رہو۔ اس اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا (ذول قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی“ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے کھلایا: اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ ؕ اور شاید اور کتب مُنزَلہ میں بھی ہو اور قرآن میں تو جا بجا آیا ہے (تفسیر بیان القرآن) نیز مولانا مغانوی فرماتے ہیں کہ: ہر چند کہ بالعمی اللغوی دوسری اُمم مومنہ بھی موصوف باسلام تھیں مگر لقب کے طور پر یہی اُمت موصوف ہے اور دوسروں کے القاب یہود و نصاریٰ و قوم فوج و قوم ہود و قوم صالح وغیرہیں (ج) مولانا احمد رضا خان نقشب

بریلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: ”تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔ اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن

میں“ (د) شبیع مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ یہ ہے: ”یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اور اس (خدا) نے پہلے ہی سے تمہارا نام مسلم (مطیع و فرمانبردار) رکھا اور اس (قرآن) میں بھی (دہی نام رکھا)۔ (دہی) مولوی امداد حسین صاحب لکھی لکھتے ہیں: ”یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے۔ اُس نے تمہارا نام پہلے ہی سے مسلمان رکھا اور اس (قرآن) میں بھی (میں) شیخ طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”ای اللہ ستاکم المسلمین۔“ (یعنی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے) (تفسیر مجمع البیان) سنی اور شیعہ مفسرین کی تصریح سے ثابت ہو گیا کہ اس اُمت میں دین اسلام کو ماننے والوں کا نام خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے جو قرآن کے علاوہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ کے دین کا نام اسلام ہے اور اسلام پر ایمان لانے والوں کا نام بھی خود اللہ تعالیٰ نے مسلم (مسلمان) رکھا ہے۔ لیکن جب اسلام کے نام پر ہی اعدائے اسلام نے غیر اسلامی باطل عقائد و نظریات اختیار کیے اور انکی اشاعت و تبلیغ میں سرگرمیاں اختیار کیں تو سلف صالحین نے دوسرے باطل فرقوں سے امتیاز کے لیے اہل حق کا نام ”اہل سنت و الجماعت“ مشہور کیا، اور آج تک حق پرست مسلمانوں کا یہی امتیازی نام و لقب چلا آتا ہے، اور اہل سنت و الجماعت سے مراد وہ مسلمان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے آخری کامل و مکمل دین اسلام کو سنت رسول اور جماعت رسول یعنی صحابہ کرام کے واسطے سے تسلیم کرتے ہیں۔

سُنَّت کا لغوی معنی

عربی لغت میں لفظ سُنَّة کے متعدد معانی ہیں مثلاً (۱) صورت، سیرت، طبیعت اور طریقہ۔ (قاموس) (۲) المنجد میں ہے: ”السُّنَّةُ السَّیْرَةُ، الطَّرِیْقَةُ، الطَّبِیْعَةُ، الشَّرِیْعَةُ الْوَحْدَانِیَّةُ“ (۳) منتهی الامم میں ہے: ”سُنَّةٌ بِالْقَمْرِ رُؤْیٌ یَّارْخُسَارَہُ یَا دَاوْرَہُ رُؤْیٌ یَّا صُورَہُ وَیَیْثَانِی، وَخُوْنٌ وَطَبِیْعٌ وَرُؤْشٌ۔ (۴) غیاث اللغات میں سُنَّت کا معنی لکھا ہے: ”رُؤْش، عَادَتٌ۔ (۵) بَیَانُ اللِّسَانِ میں ہے: ”سُنَّتٌ: عَادَتٌ، طَبِیْعٌ، رُؤْشٌ، طَرِیْقٌ، یَزْرُ، صُورَةُ، یَیْثَانِی اور سُنَّت کی جمع سُنُنْ آتی ہے، اور قرآن مجید میں لفظ سُنَّت اور سُنُنْ دونوں مذکور ہیں۔

سُنَّت کی جمع سُنُنْ ہے اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ دونوں لفظ مذکور ہیں (۱) سُنَّةٌ مِّنْ قَدْ

اللہ جاننے والا حکمت والا ہے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں سنت کی صحیح سنن کا لفظ استعمال ہوا جس سے مراد وہ شرعی احکام ہیں جو پہلی امتوں میں نافذ رہے ہیں۔ (۲) لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُؤْمِنُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُؤْمِنُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُخْرِجَنَّكَ مِنْهُمْ وَنُحْطِلُ بِهِنَّ فِيهَا لَوْلَا فَلْيَكُ مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثَقِفُوا أَخِذُوا وَقْتَكُمْ لَقَتَيْلًا مُسْتَهْلًا فِي الدِّمَنِ خَلَوْا مِنْ قَبْلِ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (پ ۲۲ - سورة الاحزاب ع ۸)۔ یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں اڑا کر رہے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کریں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پاویں گے وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان مفسد لوگوں میں بھی اپنا یہ ہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گئے تھے ہیں اور آپ خدا کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے رد و بدل نہ پاویں گے“ (ترجمہ مولانا مفتاحی)

(ب) اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم ضرور تم کو ان کے درپے کر دیں گے۔ پھر وہ اس شہر میں تمہارے پڑوس میں نہ رہیں گے مگر بہت ہی کم اور ہر طرف سے ان پر لعنت ہوتی رہے گی۔ وہ جہاں کہیں پائے جائیں گے، پکڑے جائیں گے اور لیے قتل کیے جائیں گے جیسا کہ قتل کیے جانے کا حق ہے۔ اللہ کا قاعدہ ان لوگوں میں جو پہلے گزر گئے (یہی تھا) اور تم اللہ کے قاعدہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی سنت اللہ سے مراد اللہ کا وہ قانون ہے جس کے تحت منافقین اور شرانگیز لوگوں پر ذلت، رسوائی اور قتل کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

(ج) كَذَلِكَ نَسُكِّلُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِينَ (پ ۱۴ - سورة الحج ع ۱۶)۔ اسی طرح ہم یہ (استہزاء) ان مجرمین کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے اور (یہ) دستور پہلوں ہی سے ہوتا آیا ہے“ (ترجمہ مولانا مفتاحی)

(د) مجرموں کے دلوں میں (بہ سبب ان کی شرارتوں کے) ہم ایسا ہی ڈال دیا کرتے ہیں، وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے، جس حال میں کہ پہلوں کی روش یہی ہو چکی ہے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت کے تحت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں:۔ یعنی ہمیشہ یونہی جھٹلاتے اور ہنسی کرتے آئے ہیں اور سنت اللہ یہ رہی ہے کہ مکرر دین ہلاک اور رسوا کیے جلتے رہے اور انجام کار حق کا بول بالا رہا۔ (۸) قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ يَنْتَهُوا يَغْفِرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَنْتَهُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِينَ۔ (پ ۹،

سورة الاحفال ع ۵)۔ آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں گے تو ان کے سارے گناہ جو (اسلام) پہلے ہو چکے ہیں، سب معاف کر دیے جائیں گے، ورنہ اگر اپنی دہری (کفر کی) عادت رکھیں گے تو دسوا کیجئے کہ کفار سابقین کے حق میں دہار کا قانون نافذ ہو چکا ہے“ (ترجمہ مولانا مفتاحی) (ب) کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ باز آئیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ ان کو معاف کر دیا جائے گا، ورنہ اگر یہ دہریا ہی کریں گے تو پہلوں کا قاعدہ تو مقرر ہو ہی چکا ہے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی پہلوں کے طریقے سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دستور عذاب ہے جس کے تحت وہ ہلاک کئے گئے۔

(۹) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا (پ ۱۵، سورة الکہف ع ۸)۔ اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے (کفر وغیرہ کی) مغفرت مانگنے سے اور کوئی امر مانع نہیں رہا بجز اس کے کہ ان کو اس کا انتظار ہو) کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ ان کو بھی پیش آئے یا یہ کہ عذاب (اہل) رُود و رُوان کے سامنے آکھڑا ہو۔ (ترجمہ مولانا مفتاحی) (ب) اور جب کہ لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو ان کو ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگنے سے کسی اور بات نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ ان پر پہلوں کا قاعدہ جاری ہو جائے یا عذاب ان کے سامنے آکھڑا ہو“ (ترجمہ مقبول) یہاں بھی سنت الاولین سے مراد اللہ تعالیٰ کا طریقہ عذاب ہے جو کافر قوموں کی ہلاکت کے لیے مقرر ہوا۔

(۱۰) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ (پ ۴ - سورة آل عمران ع ۱۴)۔ بالتحقیق تم سے قبل مختلف طرق گزر چکے ہیں تو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ آخر انجام تکذیب کرنے والوں کا کیا ہوا“ (ترجمہ مولانا مفتاحی) (ب) تم سے پہلے بہت سے واقعات گزر گئے چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں سنت سے مراد پہلی کافر قوموں کے وہ واقعات ہیں جن کی بنا پر وہ عذاب الہی میں گرفتار ہوئے ہیں۔

(۱۱) فَبَلَّ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّةَ الْاَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا (پ ۲۲ - سورة فاطر ع ۵)۔ سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے (کافر) لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ سو آپ خدا کے (اس) دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پاویں گے“ (ترجمہ مولانا مفتاحی) (ب) تو کیا یہ اپنے پہلوں کے قاعدہ کے منتظر ہیں۔ پس تم خدا کے قاعدہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے، اور نہ کبھی تم خدا کے قاعدہ کو ملتا ہوا پاؤ گے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی سنت الاولین سے

مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دستور عذاب ہے جس کے تحت پہلی کافر قومیں ہلاک ہوئیں۔ مندرجہ بالا گیارہ آیات میں سنت کا لفظ عموماً اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی طرف سے مقرر کردہ انبیائے کرام کے طریقہ زندگی اور نافرمان کافروں کیلئے خدائی دستور عذاب کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور کافروں کے طریق کار پر بھی لفظ سنن کا اطلاق ہوا ہے۔

سنت کا شرعی معنی

گو لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ سنت کا اطلاق ہر قسم کے طریقہ، راستہ اور نمونہ وغیرہ پر کیا جاتا ہے، خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا۔ لیکن شرعی امور میں سنت سے مراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہوتی ہے۔ یعنی دین کا وہ طریقہ اور عمل جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے اور سنت میں وہ تمام احکام و اعمال آجاتے ہیں جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے یا جن سے منع فرمایا ہے یا جن کی طرف لوگوں کو ترغیب دی ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی مرحوم مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: "وَسُنَّةُ النَّبِيِّ طَرِيقَةُ النَّبِيِّ تَحَرُّوا" (ادب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مراد آپ کا وہ طریقہ ہے جو آپ نے قصد و ارادہ سے اختیار فرمایا ہے)۔ اور بغیر اضافت یا صفت وغیرہ کے جب لفظ سنت مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت ہوتی ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے: "وَالْأَصْلُ فِيهِ الطَّرِيقَةُ وَالسَّبِيلَةُ وَإِذَا أُطْلِقَتْ فِي الشَّرْعِ فَأَمَّا بِإِذْنِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْهُ عَنِ وَنَدَبِ إِلَيْهِ قَوْلًا وَفَعَلًا مِمَّا لَمْ يَنْطِقْ بِهِ الْكِتَابُ الْعَزِيزُ" (اور لغت میں سنت کا اصلی معنی طریقہ اور سیرت ہے لیکن جب شریعت میں مطلقاً سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد قولاً وفعلاً احکام ہوتے ہیں جو قرآن مجید میں صراحتاً مذکور نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حکم دیا ہے یا ان سے منع فرمایا ہے یا ان کی طرف دعوت دی ہے)۔ اور علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وَالْمُرَادُ بِالسَّنَةِ هُنَا اقْوَالُهُ وَافْعَالُهُ وَاحْوَالُهُ الْمَعْبُورَةُ بِالشَّرْعِ وَالطَّرِيقَةُ وَالْحَقِيقَةُ" (موقاة شرح مشکوٰۃ جلد اول باب الاعتصام بالكتاب والسنة) اور سنت سے یہاں مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال و احوال ہیں جن کو شریعت، طریقت اور حقیقت سے تعبیر کیا جاتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ شرعاً سنت کا مفہوم بہت وسیع اور جامع ہے جو دین و شریعت کے تمام مدارج کو محیط ہے۔

قرآن مجید میں اتباع سنت کی تاکید

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" (دپ ۲۸)۔

(سورۃ الحشر ۱) :- "اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو روک دیں (اور بھوم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رُک جایا کرو" (ترجمہ مولانا مفتاحی) (دپ) اور رسول جو کچھ تم کو دیں اسے لے لو اور جس سے تم کو باز رکھیں (اس سے) باز رہو" (ترجمہ مقبول) شیعہ مفسر علامہ طبرسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: "وَمَا أَمَرَكُمْ بِهِ فَافْعَلُوا وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا عَنْهُ فَإِنَّهُ لَا يَأْمُرُوكَ بِمَنْهَى الْأَعْيُنِ أَمَّا اللَّهُ وَهَذَا أَعَامَ فِي كُلِّ مَا أَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْهَى عَنْهُ وَإِنْ نَزَلَ فِي آيَةِ الْإِنْفِ :- اور جس بات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیں وہ کرو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رُک جاؤ کیونکہ آپ نہیں حکم دیتے اور نہیں منع فرماتے مگر اللہ کے حکم سے، اور یہ عام ہے ہر اس بات میں جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا اگرچہ یہ حکم مالی فائدے کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان) اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردہی کو سنت کہتے ہیں اس لیے اس آیت سے اتباع سنت کی تاکید ثابت ہوئی۔

(۲) "وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" (دپ ۱۳)۔ (سورۃ النحل ۶۴) :- "اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں" (ترجمہ مولانا مفتاحی) (ب) اور تمہاری طرف یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اسے تم لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرو۔ (ترجمہ مقبول) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیات کا مطلب واضح کرنا بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت میں شامل ہے۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: "اگر تم کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ایسی کتاب دے کر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیائے سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لیے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہی مقبر ہے جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو"۔

(۳) "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا"

(پ ۲۱ - سورة الاحزاب ۳۴) : ”تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الہی کرتا ہو، رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا“ (ترجمہ مولانا حفیظ نقوی) (ب) ”اے لوگو! بیشک تمہارے لیے پیروی کرنے کو اچھے سے اچھا نمونہ خود رسول اللہ موجود ہیں۔ (یعنی) اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی اُمید رکھتا ہو اور اللہ کی بہت سی یاد کیا کرتا ہو“ (ترجمہ مقبول) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں : ”یعنی پیغمبر کو دیکھو ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر انہی پر ہے، مگر مجال ہے پائے استقامت ذرا جثیش کھا جائے۔ جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں، ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ منج البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون اور نشہ و برخاست میں ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور ہمت و استقلال وغیرہ میں اُن کی چال سیکھیں“

(م) ”قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ“ (پ ۳ - سورة ال عمران ۴۴) : ”فرمادیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے“ (ترجمہ مولانا حفیظ نقوی)۔ مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر لکھتے ہیں : ”اے رسول! کہہ دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ تمہیں دوست رکھے“ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں : ”وَشَمَانِ خُذِ الْوَالَاتِ وَحَبَّتْ سَے منع کرنے کے بعد خدا سے محبت کرنے کا معیار بتلاتے ہیں یعنی اگر دنیا میں کج کسی شخص کو اپنے مالکِ حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباعِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر کس کر دیکھئے، سب کھرا کھوتا معلوم ہو جائے گا جو شخص جس قدر حبیبِ خدا محمد رسول کی راہ چلتا اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعلِ راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہیے کہ خدا کی محبت کے دعوے میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعوے میں سچا ہوگا اتنا ہی حضور کی پیروی میں مضبوط و مستعد یا پھلے گا۔ جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا اور اللہ کی محبت اور حضور کے اتباع کی برکت سے سچا گناہ بٹا ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی۔ گویا توحید وغیرہ کے بیان سے فارغ ہو کر یہاں سے نبوت کا بیان شروع کیا گیا اور پیغمبرِ آخر الزمان کی اطاعت کی دعوت دی گئی“

(۵) ”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا ارْسَلْنَاهُ عَلَيْهِمْ حَفِیظًا“ (پ ۵ - سورة النساء ۵۸)

”جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی، اور جو شخص رُوگردانی کرے سو ہم نے آپ کو اُن کا نگران کر کے نہیں بھیجا“ (ترجمہ مولانا حفیظ نقوی) (ب) ”جو رسول کی اطاعت کرے گا یقیناً اس نے خدا کی اطاعت کی اور جو بھڑکے گا تو ہم نے تم کو اُن کا نگران بنا کر نہیں بھیجا“ (ترجمہ مقبول) اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ اطاعتِ خداوندی بغیر اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہو نہیں سکتی۔

(۶) ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا“ (پ ۵ - سورة النساء ۵۸) : ”اے ایمان والو! تم اللہ کا کنا مانو اور رسول کا کنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ سب امور بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے“ (ترجمہ مولانا حفیظ نقوی) (ب) مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر نے یہ ترجمہ لکھا ہے : ”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول اور دایان امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں۔ پھر اگر کسی معاملے میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھرو۔ بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی سب بہتر اور عمدہ تاویل ہے“ (ترجمہ مقبول)۔ اس آیت میں ”أَطِيعُوا اللّٰهَ“ کے بعد ”وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ“ فرمانے سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی مستقل ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ مومنین کے لیے مطلق مطاع ہیں، اور آیت سابقہ ”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ“ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل اطاعت ثابت ہوتی ہے۔

(ب) آیت میں ”أُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ سے پہلے ”أَطِيعُوا“ فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ غیر رسول اگر اُولِی الامر ہوں تو ان کی اطاعت مستقل نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے تحت ہے یعنی اُولِی الامر (اصحاب حکومت) اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حکم دیں گے تو اُن کی اطاعت واجب ہے اور اگر ان کا حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو اُن کی اطاعت واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں اگر ان کی اطاعت کی جائے تو یہ معصیت اور گناہ کی اطاعت ہوگی۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : ”لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“ ”جہاں میں

خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو، اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔“ (ج) شیعہ علماء اس آیت میں اُولی الامر منکم سے مراد ائمہ اثنا عشر لکھتے ہیں یعنی بارہ امام، اور اسی بنا پر ان کو انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم اور مفترض الطاعت مانتے ہیں بلکہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی سب انبیائے کرام سے ان کو افضل مانتے ہیں لیکن یہی آیت اُن کے ان عقائد کی تردید کرتی ہے۔ کیونکہ اگر ان ائمہ کی اطاعت بھی مستقل اطاعت ہوتی، تو اُولی الامر منکم سے پہلے بھی اُطیعوا فرمایا جاتا۔

(د) شیعہ مفسر شیخ طبرسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :- واما اصحابنا فانهم رَوَوْا عن الباقر والصادق (ع) ان اولی الامر من آل محمد اوجب الله طاعتهم بالاطلاق كما اوجب طاعته وطاعة رسوله ولا يجوز ان يوجب الله طاعة احد على الاطلاق الا من ثبتت عصمته (دقتسیر مجمع البیان) :- ”اور ہمارے اصحاب نے امام باقر اور امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ اُولی الامر سے مراد آل محمد کے ائمہ ہیں کہ اُن کی اطاعت اللہ نے مطلقاً واجب کی ہے۔ جس طرح کہ اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت مطلقاً واجب کی ہے، اور یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کی اطاعت مطلقاً واجب کرے مگر اس کے لیے کہ جس کی عصمت ثابت ہو لیکن علامہ طبرسی کا یہ بیان محض تعصب پر مبنی ہے، جس کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اسی آیت کا یہ حکم اُن کے اس نظریہ کی تردید کر رہا ہے کہ :- فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ :- پھر اگر کسی معاملے میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیرو“ (ترجمہ مقبول)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُولی الامر کی اطاعت علی الاطلاق واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر اُن کی بھی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح واجب ہوتی تو نزاع اور جھگڑے کی صورت میں اُولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اِی فَرُدُّوهُ إِلَى اُولی الامر منکم۔ لیکن بجائے ان کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔ اس سے ائمہ کے معصوم ہونے کا عقیدہ بھی غلط ثابت ہو گیا کیونکہ اگر وہ معصوم ہوتے تو بجا امت نزاع انہی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا۔ (د) شیعہ علماء عاجز ہو کر آخر یہ تاویل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے مراد بھی ائمہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ لیکن یہ تاویل بھی بالکل غلط ہے کیونکہ آیت میں الرسول کا لفظ ہے جس سے مراد صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

مقتدرہ ہے۔ کیا شیعہ علماء کے نزدیک حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ بھی رسول ہیں؟ اور حضرت علیؑ المرتضیٰ کا وہ ارشاد بھی جس تاویل کو باطل قرار دیتا ہے جو اسی آیت کے تحت ”سنہج البلاغتہ“ میں منقول ہے، فرماتے ہیں :- فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ اَنْ حُكِمَ بِكَتَابِهِ دَرَّكَ إِلَى الرَّسُولِ اَنْ نَاْخِذَ لِسَنَّتِهِ :- پس اللہ کی طرف پھرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی کتاب (یعنی قرآن) سے فیصلہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کی سنت کو لیں۔“ (سنہج البلاغتہ مطبوعہ طہران ص ۵۸) حضرت علی المرتضیٰ نے بھی ردّہ الی الرسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع ہی لی ہے۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ آیت اُولی الامر منکم سے اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اپنا مفترض الطاعت ہونا اور معصوم ہونا سمجھتے تو پھر آپ اپنے اور حضرت معاویہ کے باہمی نزاع کا فیصلہ فریقین کے ثالثوں کے سپرد نہ کرتے بلکہ خود ہی فیصلہ فرماتے۔ کیا شیعہ علماء کے نزدیک حکمین یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری (جو حضرت علیؑ کی طرف سے حکم تجویز ہوئے تھے) اور حضرت عمرو ابن العاص (جو حضرت معاویہ کی طرف سے حکم تجویز ہوئے تھے) دونوں معصوم اور مفترض الطاعت تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے اس نزاع باہمی کا فیصلہ ان کے سپرد کر دیا۔

آیت نمبر :- فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (پ ۵۔ سورۃ النساء ۹) :- پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں۔ پھر آپ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔“ (ترجمہ مولانا محمد تقی)

(ب) مولوی مقبول احمد دہلوی لکھتے ہیں :- ایسا نہیں ہے تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ (دکھی) مومن نہ ہوں گے جب تک کہ ان جھگڑوں میں جو ان کے مابین پڑے ہیں تم کو حاکم نہ بنالیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو اس طرح تسلیم کر لیں جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے (ترجمہ مقبول) اس آیت میں ایمان کی حقیقت ہی یہ فرمائی ہے کہ ظاہر و باطن سے رسول کریم، رجمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو تسلیم کیا جائے اور اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بعد کوئی مسلمان دل میں اس کے متعلق ناگواری رکھتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا۔ (۲) انوکھی تفسیر :- شیخ علی بن ابراہیم قمی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :- فلا وربک

لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ (یا علیؑ رفیعاً شجر بینہم) یعنی فیما تعاھدا و تعاقدوا علیہ من خلافک بینہم و غصبک شمر (لَا یَجِدُوا فِیْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ) علیہم یا محمدؐ علی لسانک من ولا یتہ (وَلِیْسَ لَکُمُ الْکُفْرُ) (یعنی ۲) (تفسیر فی جلد اول ص ۱۸۸ مطبع النجف) :- ترجمہ :- پس آپ کے رب کی قسم یہ لوگ ایماندار نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ کو منصف نہ بنائیں، اسے علی! (اس میں جو ان کے درمیان جھگڑا واقع ہوا ہے) یعنی اس میں جو آپ کے خلاف انہوں نے باہمی عداوت و پیمان کیا ہے اور آپ سے خلافت غصب کرنے میں چہرہ نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں تنگی اس سے جو آپ نے فیصلہ کیا ہے) ان کے خلاف، اے محمدؐ! آپ کی زبان علیؑ کی ولایت (خلافت) کے بارے میں (اور دامن میں اچھی طرح بان لینا) علیؑ کے لیے) یہاں شیخ قمی نے ان آیات کو حضرت علیؑ کی خلافت پر محمول کر دیا، حالانکہ سیاق و سباق میں حضرت علیؑ یا ان کی خلافت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی فرمایا گیا ہے، اور مولوی امداد حسین صاحب کاظمی بھی لکھتے ہیں :- تفسیر صافی ص ۱۱۱ پر بحوالہ کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ جناب امیر المؤمنین کو مخاطب کیا ہے پھر آپ نے یہ آیت :- وَنُوحَاہُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَسَے لے کر فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ تک تلاوت فرمائی - اس کے بعد فرمایا کہ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ سے وہ معاہدہ مراد ہے جو ان منافقوں نے باہم کیا تھا کہ اگر محمدؐ کو خدا نے موت دی تو اس امر کو ہم بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے۔ پھر حضرت نے آگے تلاوت فرمائی :- ثُمَّ لَا یَجِدُوا فِیْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ اور فرمایا کہ خواہ تم ان کے قتل کا فیصلہ کر دیتے یا عفو کا۔ پھر یُسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا پڑھ کر ختم کر دیا۔ (تفسیر المتنبی) حالانکہ خود کاظمی صاحب آیت کے ترجمہ میں یہ لکھ رہے ہیں :- پس (نہیں ہے) (اے رسول) اور تمہارے پروردگار کی قسم الخ۔ جب ترجمہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا تو تفسیر میں حضورؐ کی جگہ حضرت علیؑ کیسے مخاطب بن گئے؟ کیا یہ قرآن کی تفسیر ہے یا اُس کی معنوی تشریف ہے؟

خود کا نام جُنُون رکھ دیا، جُنُون کا خبر د جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

سُنَّت و حدیث کی حُجَّت

بطور نمونہ مندرجہ سات آیات قرآنہ پیش کی گئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حُجَّت و اطاعت حاصل ہونے کا ذریعہ حضورؐ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و عمل کی مخلصانہ اطاعت ہے اور شرعاً اہل اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

سُنَّت و حدیث حُجَّت ہے۔ دین کی اصل بنیاد کتاب اللہ کے بعد سُنَّت رسول اللہ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سُنَّت رسول کا مفہوم شرعاً بہت وسیع اور جامع ہے، اور قرآنی احکام پر عمل کرنے کا صحیح اور کامل ترین نمونہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنَّت مقدسہ ہے۔ اسی حقیقت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک سال کے اس سوال (کہ حضورؐ کے اخلاق کیا تھے) کے جواب میں ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے کہ :- کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا) یعنی جو کچھ قرآن کریم میں علیؑ اور اصولی طور پر احکام شریعت مذکور ہیں، اُن کا عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سُنَّت و سیرت میں ملتا ہے۔ اتباعِ سُنَّت نبویہ ہی قربِ خداوندی کے حصول کا ایک واحد مقبول ذریعہ ہے، اور یہی حق و باطل کا علی الاطلاق معیار ہے۔ اسی حقیقت کو عارف باللہ حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے :-

خلافتِ پیغمبرؐ کسے راہ گزید _____ کہ ہرگز نہ منزل نہ خواہد رسید!

چونکہ شرعی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر کو سُنَّت کہتے ہیں (تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہنے کسی مسلمان نے کوئی عمل کیا ہو اور حضورؐ نے اس پر گرفت نہ کی ہو بلکہ سکوت اختیار فرمایا ہو تو یہ بھی مفہوم کے اعتبار سے سُنَّت میں شامل ہے) اور سُنَّت کا معنی اور مطلب تو قرآن مجید کی نصوص سے ثابت ہے۔ جس کی اطاعت کی اہل ایمان کو تاکید فرمائی گئی ہے اسی لیے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن کے علاوہ اپنے ارشادات میں بھی اپنی سُنَّت کی اتباع کی اہمیت واضح فرمائی ہے تاکہ اصولی طور پر جو احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں ان کی تشریح و تفصیل خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنَّتِ حدیث سے معلوم ہو سکے۔ جس کی بنا پر قرآن حکیم کے حکم کی صحیح اور کامل صورت نصیب ہو جائے اور ارشاد قرآنی پر اہل ایمان کے لیے عمل کرنا آسان ہو جائے، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ دین و شریعت کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی وحی الہی پر مبنی ہیں لیکن قرآن اور حدیث کی وحی میں چونکہ فرق پایا جاتا ہے، اس لیے قرآن کو وحی متلو اور حدیث کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی وحی میں الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہی ہوتے ہیں اور معانی بھی، اور حدیث کی وحی میں معنی اور مضمون تو اللہ کی طرف سے ہی اِقواء ہوتا ہے لیکن ان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں۔

احادیث اہل سنت سے اتباع سنت کی تاکید

کی اتباع کی تاکید بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہاں بطور نمونہ بعض احادیث حسب ذیل ہیں۔

(۱) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَكَّلْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمَا كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ، رَوَاهُ الْمُوطَّاءُ - (مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام بالكتاب والسنة)۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، اگر ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑ لو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں اسی ارشاد خداوندی کی تاکید فرمائی گئی ہے جو سورۃ النساء کی حسب ذیل آیت میں ہے: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ۔ یعنی اگر تمہارا کسی معاملہ میں نزاع و اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرو (۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فُسَادِ أُمَّتِي فَهُوَ أَجْرُ مَاكَ شَهِيدٌ۔ (مشکوٰۃ شریف) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری امت کے فساد و بگاڑ کے زمانہ میں میری سنت کو مضبوطی سے پکڑا تو اس کو ایک سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

اس حدیث سے اتباع سنت کا عظیم ثواب معلوم ہوا۔ (۳) مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ۔ (مشکوٰۃ شریف) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے میری سنت سے محبت کی تو بے شک اس نے مجھ سے ہی محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں بھی میرے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا حصول سنت کی پیروی اور محبت پروقوف ہے۔ (۴) مَنْ يَعِشْ مَعَكُمْ فَيَمِزْ اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ عَصَا عَلِيٍّ بِالنَّوَاجِدِ۔ (مشکوٰۃ شریف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی بعد میں زندہ رہے گا تو وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ پس تم پر میری سنت لازم ہے اور میرے خلفاء راشدین کی سنت جو ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔ ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت مبارکہ کی پیروی کی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور اتباع سنت کی تاکید فرمائی ہے جس سے سنت

کا شرعاً حجت ہونا اور واجب الطاعت ہونا ضرورتاً ثابت ہوتا ہے، اور اپنی سنت کے ساتھ اپنے خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع کا جو حکم دیا ہے اس کی تشریح انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مقام میں بیان کی جائے گی۔

احادیث شیعہ سے اتباع سنت کی تاکید

مذہب شیعہ کی کتب حدیث میں بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور اس کی اتباع کی تاکید کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ بعض روایات حسب ذیل ہیں۔ (۱) میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سنا، جس نے کتاب خدا اور سنت محمد کی مخالفت کی، اُس نے کفر کیا، (شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول صفحہ ۷۷) اس روایت میں امام جعفر صادق نے اس شخص کو کفر کرنے والا قرار دیا ہے جو سنت کی مخالفت کرے (۲) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں ہے قول مکرمل کے ساتھ اور نہیں ہے قول وعمل مکریت کے ساتھ، اور نہیں ہے قول وعمل مکریت مکریت رسول کی موافقت کے ساتھ (۳) امام محمد باقر علیہ السلام نے کسی سائل کے جواب میں فرمایا: اصل فقیہ وہ ہے جو تبارک دنیا ہو، آخرت کی طرف راغب ہو اور سنت نبی سے تمسک رکھنے والا ہو۔ (صفحہ ایضاً) (۴) علامہ باقر مجلسی نے کلینی اور سیّد رضی سے بسند ہائے معتبر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت یہ وصیت کی ہے:۔ لیکن میری وصیت تم سے یہ ہے کہ شرک بخداوند بزرگوار نہ لانا اور کسی چیز کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرنا، اور سنت و طریقہ حضرت رسول کو ضائع نہ کرنا۔ کتاب خدا اور سنت رسول خدا کو بدستور رکھنا (جلد العیون جلد اول صفحہ ۲ مطبوعہ لکھنؤ) (۵) نہج البلاغہ میں حضرت المرتضیٰ کی وصیت کے یہ الفاظ ہیں:۔ أَمَّا وَصِيَّتِي فَاللَّهُ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تُضَيِّعُوا سُنَّتَهُ أَقِيْمُوا هَذَيْنِ الْعُمُودَيْنِ وَأَوْقِدُوا هَذَيْنِ الْمَصْبِيحَيْنِ۔ (لیکن میری وصیت یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ضائع نہ کرو۔ ان دونوں ستونوں کو قائم رکھو اور ان دونوں چراغوں (یعنی توحید و سنت) کو جلانے رکھو) (صفحہ ۲ مطبوعہ طہران) (۶) حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے اور حضرت معاویہؓ کے مابین حکمین (ثالث حضرات) مقرر کرنے پر لوگوں کے اعتراضات کے جواب میں فرمایا:۔ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ۔ فردہ الی اللہ ان نحکم بکتابہ وردہ الی الرسول ان ناخذ بسنتہ۔ (نہج البلاغہ صفحہ ۱)۔ بے شک اللہ سبحانہ نے فرمایا

ہے کہ اگر کسی بات میں تمہارا نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔ اس نزاع کو اللہ کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کتاب اللہ پر فیصلہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پکڑ لیں۔ مندرجہ احادیث شیعہ سے بھی صراحتاً سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور اس کی اتباع کی ضرورت و تاکید ثابت ہوتی ہے۔ جس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

اہل السنۃ والجماعت کی خصوصیت

جب قرآن حکیم کی آیات محکمات اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ارشادات سے (جو کتب اہل سنت اور کتب شیعہ دونوں میں مذکور ہیں) یہ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شرعی حجت ہے، قرآن مجید کی علمی و عملی تصویر ہے۔ محبت و قرب خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے، رضائے الہی کا نشان ہے دوزین کے لیے سعادت کا موجب ہے۔ تو یہی لفظ سنت بعد میں اہل حق اور اہل باطل کے مابین امتیازی نشان قرار دیا گیا۔ جبکہ دین و شریعت میں اعدائے اسلام کی سازشوں کے تحت غیر اسلامی نظریات و افکار شامل کر دیے گئے اور ان پر بھی اسلام کا لیل چسپاں کر دیا گیا۔ اس لیے اہل حق نے دوسرے فرق باطلہ سے امتیاز کے لیے خصوصی طور پر اپنا مذہبی نام "اہل السنۃ والجماعت" مشہور کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اسلام اور اس شریعت کو ماننے ہیں جو کہ سنت رسول اور جماعت رسول سے مابعد کی امت کو حاصل ہوا ہے۔ اسی بنا پر سلف و خلف اہل حق اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعت ہی کہتے چلے آ رہے ہیں، اور یہی نام و عنوان خلاف سنت اور خلافت جماعت صحابہ کرام و ائمہ و ادرتحریکوں سے امت مسلمہ کے لیے دینی تحفظ کا ذریعہ بنا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں :- بندہ ضعیف عبدالعزیز عفی عنہ کہتا ہے کہ فقیر کا مذہب اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اور جو لوگ اہل سنت و جماعت کے مخالف ہیں خواہ کفار ہوں، خواہ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں مثلاً روافض اور خوارج اور نواصب وغیرہ جو مخالفین اہل سنت و جماعت سے ہیں۔ فقیہان سب فرقوں کو باطل جانتے ہیں اور ہزار دل سے ان سب فرقوں سے بیزار ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ ص ۲۳۱)

الجماعۃ کی شرعی حیثیت

اہل السنۃ والجماعت کی مذہبی اصطلاح میں جس طرح السنۃ سے مراد سنت رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح الجماعت سے مراد بھی جماعت رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جس طرح رسول کریم رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، کتاب اللہ کے علوم و احکام کے حصول کا واحد واسطہ اور ذریعہ ہے اسی طرح جماعت رسول بھی اہل سنت کی امت تک سنت کو علمی و عملی ہر حیثیت سے صحیح طور پر پہنچانے کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر جماعت رسول کو شریعت اور سنت کے حصول کے لیے شرعی واسطہ نہ تسلیم کیا جائے تو پھر دین کامل اور شریعت مقدسہ کے مکمل طور پر حاصل کرنے کا عالم اسباب میں اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اللہ کے الفاظ لینے والے بھی وہی لوگ ہیں اور ان کے معانی اور ان کی عملی صورتیں اخذ کرنے والے بھی وہی لوگ ہیں جنہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا اور ایمان لائے اور جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت نصیب ہوئی، جو سفر و حضر حضور کے ساتھ رہے، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں وطن چھوڑے۔ بڑے بڑے کبرائے قوم سے ٹکری اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم نبوی تلے قربانیاں دیتے رہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا ہے اور شرعی وحی کا دروازہ بھی بند ہو گیا ہے اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نہ ہی قیامت تک اپنی اصلی اور جامع علمی و عملی صورت میں باقی رہنا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں ہی آپ کے شاگردوں اور جانشینوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جن کے ہوتے نہ کسی اور نبی کی حاجت رہے اور نہ کسی نئی وحی اور شریعت کی۔ یہی جماعت محمدی امام الانبیاء والمرسلین کی امت امانت و وراثت کی من کا الوہوہ امین و ضامن بن جائے اور ایسی جماعت صحابہ کی شرعی اور دینی عظمت اور مابعد کی امت کے لیے ان کی مقتدایت اور پیشوائیت کا تذکرہ قرآن حکیم میں جا بجا ملتا ہے۔

جماعت رسول کی عظمت قرآن مجید میں

(۱) کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

(دہم۔ سورہ آل عمران ع ۱۲) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں :- تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔ تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

(ب) جو اُمّیں ہدایتِ مردم کے لیے پیدا کی گئیں، اُن میں تم سب سے بہتر ہو، نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی) یہ آیت اس امر میں نص قطعی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی جماعت سب اُمّتوں اور جماعتوں سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول کی ان صفاتِ کاملہ کا یہاں ذکر فرمادیا ہے جو ان میں بالفعل موجود تھیں یعنی نیکی کا حکم دینا، برائیوں سے منع کرنا اور غیر تَوْمُؤْنَ بِاللّٰہ سے یہ بتلادیا کہ اصحاب کا امر وہی کرنا صرف ظاہر اُدکھلا دے یا دنیوی اغراض کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ حقیقتاً اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تَوْمُؤْنَ بِاللّٰہ (تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو) چونکہ یہ آیت مذہبِ شیعہ کے اس عقیدہ میں کو بیخِ دین سے اُکھاڑنے والی ہے جو وہ صحابہ کرام کے متعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے شیعہ مفسرین نے اس آیت میں لفظی تحریف کا اقرار کر لیا ہے چنانچہ شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی آیت کا ترجمہ تو یہی کرتے ہیں کہ :- جو اُمّیں ہدایتِ مردم کے لیے پیدا کی گئیں ان میں تم سب سے بہتر ہو۔ لیکن اپنے مذہبی عقیدہ کی بنا پر حاشیہ میں اس کے خلاف یہ لکھتے ہیں کہ :-

تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ کسی نے اُن کے سامنے پڑھا :- کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ، تو حضرت نے فرمایا کہ اُمّتِ خیر اُمّت ہے جس نے جناب امیر المؤمنین و حسنین علیہما السلام کو قتل کیا۔ اس پر ہنسنے والے نے عرض کیا کہ میں آپ پر نڈا ہوں، یہ آیت کیونکر نازل ہوئی تھی، فرمایا ! اس طرح نازل ہوئی تھی :- اَنْتُمْ خَيْرُ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِیْنَ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مدح اس طرح فرماتا ہے :- تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُوْمُؤْنَ بِاللّٰہ (ترجمہ مقبول)

حَسَن اور حضرت حسین کو قتل کیا، کیا وہ بہتر اُمت ہو سکتی ہے؟“ حالانکہ معمولی علم وفہم والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سب جماعتوں سے بہتر فرمایا ہے، وہ اولین درجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ فرمائیے! کیا کسی صحابی نے حضرت علی المرتضیٰ کو قتل کیا ہے اور کیا کسی صحابی کے ہاتھ سے حضرت امام حسین قتل کیے گئے۔ وہ تو بعد کے واقعات ہیں اور آیت میں مخاطبہ مومنین کا ملین ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے۔ ان کے بعد دیگر مومنین بھی درجہ بدرجہ خیر اُمت میں شامل ہو سکتے ہیں اور نسبت سابقہ اُمتوں کے بحیثیت مجموعی اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سب سے افضل ہے۔ لیکن اس اُمت میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل اُمت ہیں، اور یہ ایک پوری جماعت ہے۔ جن میں چاروں خلفائے راشدین کے علاوہ حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور دیگر صحابہ بھی شامل ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (ج) آیت سے مراد ائمہ تو ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ آیت میں ان مومنین کی صفت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مذکور ہے حالانکہ حسب اعتقاد شیعہ ائمہ اہل بیت تو ہمیشہ تقیہ ہی کرتے رہے اور اپنے مذہب حق کو کھلم کھلا کبھی ظاہر نہیں کیا اور ان کا یہ تقیہ بھی دین کے نوحصوں پر محیط ہے۔ بہر حال قرآن مجید کی اس آیت میں لفظ اُمَّۃ کو غلط قرار دینے کی بنا پر ثابت ہوا کہ دورِ حاضر کے شیعہ مفسرین بھی قرآن مجید میں لفظی تحریف کے قائل ہیں۔

۷۳۔ فرقوں کی عظیم پیشگوئی

رسول کریم رحمۃ اللہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں بہت سی
مہتمم بال نشان پیشگوئیاں احادیث میں مذکور ہیں وہاں یہ عظیم

پیشگوئی بھی مذکور ہے کہ میری اُمت میں تہتر (۳۲) فرقے پیدا ہوں گے جن میں صرف ایک فرقہ حقیقی ہوگا، اور یہ پیشگوئی اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب حدیث میں مذکور ہے۔

احادیثِ اہل سنت

إِنَّ بَنِي إِسْرَءِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفَرَّقَ
أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً

قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي نَوَافِلُ التِّرْمِذِيِّ وَفِي رِوَايَةِ أَحْمَدَ وَابْنِ دَاوُدَ عَنْ مُعَاوِيَةَ شَتَابَ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةً فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ - رَمُوزُ شَيْخِ
بَابُ الْإِعْتِمَادِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ :- "مُتَحَقِّقُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبْتَرَفَرَقُونَ فِي تَقْسِيمِهِمْ هُوَ تَحْقِيقُهُ أَدْرِمِي أَمْتُ تَهْمَرُ (۳۰)

فروق میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے سوائے ایک فرقہ کے باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ اصحاب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول وہ ایک فرقہ کونسا ہوگا (جو جنت میں جائے گا) تو فرمایا کہ جو لوگ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ تمہتر (۷۳) فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ الجماعۃ ہے۔“

(۲) دوسری روایت میں ہے :- وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْعَلُ أُمَّةً مَحْدُودَةً عَلَى ضَلَالَةٍ وَبَيَّضَ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ وَكَأَنَّ الْقُرْمِذِي - (رَافِعًا مَشْكُوتَةً شَرِيفًا) :- اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میری اُمت یا یہ فرمایا کہ اُمت محمدؐ گمراہی پر کبھی اکٹھی نہیں ہوگی، اور اللہ کا ہاتھ اوپر الجماعۃ کے ہے اور جو اس جماعت سے علیحدہ ہو وہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شَذِّ شَذَّ فِي النَّارِ وَكَأَنَّ ابْنَ مَاجَةَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ :- (رَافِعًا مَشْكُوتَةً شَرِيفًا) اور حضرت ابن عمرؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سواد اعظم (سب سے بڑی جماعت) کی پیروی کرو۔ کیونکہ جو شخص اُن سے جدا ہو وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے حضرت انسؓ کی حدیث سے :- (مشکوٰۃ شریف) ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اُمت کے تمہتر (۷۳) فرقوں میں سے وہی لوگ جنتی ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت صحابہ کے طریقہ پر چلنے والے ہوں گے۔

احادیث مذہب شیعہ

اہل سنت کی طرح احادیث شیعہ میں بھی اُمت کے تمہتر (۷۳) فرقوں کی یہ پیشگوئی مذکور ہے۔ چنانچہ (۱) امام محمد باقرؑ فرمے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا :- اُتُفِقْتُ النِّصَارَى بَعْدَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى اثْنَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فِرْقَةً مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ وَاحِدٌ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَتَفَرَّقَتْ هَذِهِ الْأُمَّةُ بَعْدَ نَبِيِّهَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً اثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ فِرْقَةً فِي النَّارِ وَفِرْقَةٌ فِي الْجَنَّةِ - وَمِنْ الثَّلَاثِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً ثَلَاثُ عَشْرَةَ فِرْقَةً تَتَخَلَّ وَلاَ يَتَنَا وَمِودَتَنَا اثْنَا عَشْرَةَ فِرْقَةً مِنْهَا فِي النَّارِ وَفِرْقَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَسِتُّونَ فِرْقَةً مِنْ سَائِرِ النَّاسِ

فِي النَّارِ :- (دُرُوحُ كَافِي جُلْدِ سَوِّم، كِتَابُ الرُّوضَةِ ص ۱۱۰ مطبوعہ لکھنؤ) :- امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نصاریٰ کے بہتر (۷۲) گروہ بنے، جن میں سے ایک فرقہ اُن کا جنت میں جائے گا اور اکثر (۷۱) فرقے دوزخ میں جائیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ اُمت تمہتر (۷۳) فرقوں میں منقسم ہو جائے گی، جن میں سے بہتر (۷۲) فرقے جہنم میں اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ ان میں سے تیرہ (۱۳) فرقے ہماری ولایت اور ہماری نبوت کے مدعی ہوں گے۔ اُن میں سے بارہ فرقے دوزخ میں اور ایک جنت میں جائے گا اور دوسرے لوگوں میں سے ساٹھ (۶۰) فرقے دوزخ میں جائیں گے۔“

ایک سوال

جب تیرہ (۱۳) فرقے شیعوں کے ہوں گے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو شیعہ علماء ربانی کہ پاکستان میں وہ ایک جنتی فرقہ ان میں سے کون ہے اور باقی بارہ (۱۲) دوزخی فرقے ان میں سے کون کون سے ہیں؟

(۲) علامہ ابن بابوی قمی المعروف بہ شیخ صدوق نے اپنی کتاب ”خصال“ میں یہ روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- إِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً يَهْلِكُ أَحَدِي وَسَبْعُونَ وَيَتَخَلَّصُ فِرْقَةٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنْ تِلْكَ الْفِرْقَةِ قَالَ الْجَمَاعَةُ الْجَمَاعَةُ الْعَجَّةُ (کتاب خصال، جلد دوم ص ۱۱۰ مطبوعہ ایران) :- بیشک میری اُمت عنقریب تمہتر (۷۲) فرقوں میں منقسم ہوگی، جن میں سے اکثر (۷۱) فرقے ہلاک ہوں گے اور ایک فرقہ خلاصی پائے گا۔ انہوں نے (یعنی اصحاب نے) عرض کی، وہ فرقہ کونسا ہوگا، فرمایا ! الجماعۃ، الجماعۃ، الجماعۃ۔ (ب) دوسری روایت میں ہے :- وَانْ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ بَعْدِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فِرْقَةً نَاجِيَةٌ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میری اُمت عنقریب تمہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہوگی، جن میں سے بہتر (۷۲) فرقے دوزخ میں ہوں گے اور ایک فرقہ نجات پائے والا ہوگا۔ (ایضاً خصال ص ۱۱۰)

فرقہ ناجیہ کونسا ہے؟

اہل سنت کی احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ ناجی فرقہ (یعنی جہنم سے نجات پانے والا فرقہ) وہی ہوگا جو مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي كَإِبْرَاهِيمَ هُوَ الْبَرُّ - یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ

(ب) اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر کا ترجمہ یہ ہے :- ”اور جو شخص بعد اس کے کہ حق اس کے لیے کھل جائے رسول کی مخالفت اختیار کرے گا اور مومنوں کے راستہ کے سوا اور کوئی راہ اختیار کرے گا ہم بھی اُسے اس راہ پر چلائیں گے اور اُسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے“ (توجہ مقبول) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور ان لوگوں کے لیے جو المؤمنین کے راستہ کو چھوڑ کر اور کوئی راستہ اختیار کریں جہنم میں داخل کرنے کی وعید سنائی ہے اور ظاہر ہے کہ المؤمنین سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں جو براہ راست رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت کا علم و عمل حاصل کرنے والے ہیں۔ کتاب اللہ کے الفاظ و معانی سیکھنے والے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت تزکیہ کے تحت قلوب و ادواح کو پاک کرنے والے ہیں، اور یہی وہ جماعت رسول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیت میں کُنْتُمْ حَسْبُ اُمَّةٍ کا ممتاز لقب عطا فرمایا ہے، تو گو یا حدیث شریف میں جو مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي کا مضمون تھا وہ سورۃ النساء کی مذکورہ آیت کا ہی بیان ہے۔ لہذا نہ صرف حدیث نبوی بلکہ قرآنی وحی سے بھی ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت کے لیے

”فروع کافی“ کی مذکورہ حدیث

پیشگوئی مذکور ہے، اس میں کو حقیقی ہونے کے لیے ائمہ کی ولایت و محبت کو ماننا شرط قرار دیا گیا ہے لیکن ایک دوسری حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اصحاب رسول کے طریقے کو ماننا ضروری ہے۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی مشہور، اور مستند کتاب ”احتجاج طبرسی“ میں (جس کے مصنف شیخ احمد بن علی بن ابی طالب الطبرسی ہیں) حضرت علی المرتضیٰ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے :-

وردی عنه صلوات اللہ علیہ ان رسول اللہ قال ما وجدتم فی کتاب اللہ عزوجل فاعملوا کمربہ ولا عذرا لکم فی ترکہ وما لم یکن فی کتاب اللہ عزوجل وکانتم فیہ سنۃ مئی فلا عذرا لکم فی تردی سنۃ مئی فما قال اصحابی فقولوا۔ انما مثل اصحابی فیکم کمثل النجوم

بایہا أخذ اہندی وبائی اقاویل اصحابی اخذتم اہتم میتم و اختلاف اصحابی رحمۃ :- ”امیر المومنین!

حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کتاب اللہ میں جو کچھ پاؤ تو اس پر تمہارے لیے عمل کرنا ضروری ہے اور اس کے چھوڑنے میں تمہارے لیے کوئی عذر نہیں ہے اور جو بات کتاب اللہ عزوجل میں نہ پائی جائے، اور وہ میری سنت میں پائی جائے تو تمہارے لیے میری سنت کے ترک کرنے میں کوئی عذر نہیں، اور جس امر میں میری سنت نہ پائی جائے تو جو میرے اصحاب کہیں وہی تم کو۔ تحقیق تمہارے درمیان میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں، آں میں سے جس ستارہ کو لیا جائے، اس سے ہدایت ہو جاتی ہے اور میرے اصحاب میں سے جو قول بھی تم نے لو

تمہارا یہ پاجاؤ گے۔ اور میرے اصحاب کا اختلاف رحمت ہے۔“

اسی حدیث نے تو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کی حریف بہ حریف تائید کر دی کہ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصحاب رسول ہی کا مقام ہے اور انہی کی پیروی میں جنت ملتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تمام

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مآ اَنَا عَلَیْهِ دَا صَحَابِیُّ کِی تشریح میں لکھتے ہیں کہ :- اَمَّا لِمَ لَیْکَ یَغِیْبُ صَادِقِ عَلَیْہِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُہَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَمَکْہَا بِرَ تَمِیزِ فِرْقَہِ وَاحِدَہٖ نَاجِیَہِ اَزْ اَنْ فِرْقَہٖ مُتَعَدِّدَہٗ فَرَمُوْہُ اَسْتَ اَنْتَ الَّذِیْنَ ہُمْ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاصْحَابِیَّ یَعْنِیْ اَنْ فِرْقَہٗ وَاحِدَہٗ نَاجِیَہٗ اَنْدَکَ اَلِیْشَاں بِطَرِیقَیْہِ اَنْدَکَ مِّنْ بَرَاں طَرِیْقِ وَاصْحَابِ مِّنْ بَرَاں طَرِیْقِ اَنْدَ وَذَکَرِ اَصْحَابِ بِاَوْجُوْدِ کَفَا یَتِ بَذَکَ صَاحِبِ شَرِیْعَتِ عَلَیْہِ الصَّلَوٰۃُ وَالتَّحْمِیۃُ دَرِیْنِ مَوْطِنِ . بَرَاے اَنْ تَوَانِدُ بُوْدُ کَ تَابَ اَنْدَکَ طَرِیْقِ مِّنْ ہِمَاں طَرِیْقِ اَصْحَابِ اَسْتَ وَطَرِیْقِ نَجَاتِ مَنُوْطِ اِتِّبَاعِ طَرِیْقِ اَلِیْشَا نَسْتَ وِبِشْ - چِنَا نَحْ یَحْ قِ سُبْحَا نَہٗ فَرَمُوْہُ : اَنْ یُّطِیْعَ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہُ پِسْ اَطَاعَتْ رَسُوْلَ عَیْنِ اَطَاعَتْ حَقِّ اَمْدِ وَخِلَافِ اَطَاعَتْ اَوْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ عَیْنِ مَعْصِیَتِ اَوْ تَعَالٰی وَلَقَدْ سَ اَیْنِ دَرِ مَ اَمْنَحْتَ فِیْہِ دَعْوٰی اِتِّبَاعِ اَنْ سُرُوْرِ مَمُوْدُوْنِ عَلَیْہِ الصَّلَوٰۃُ وَالتَّسْلَامِ بِخِلَافِ اِتِّبَاعِ طَرِیْقِ اَصْحَابِ رِضْوَانِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ دَعْوٰی اَبْطَلِ اَسْتَ ، بَلْکَ اَنْ اِتِّبَاعِ فِی الْحَقِیْقَتِ عَیْنِ مَعْصِیَتِ رَسُوْلِ اَسْتَ عَلَیْہِ الصَّلَوٰۃُ وَالتَّسْلَامِ ۔۔۔۔۔۔ وَشَکْ نِیْسَتْ کَ فِرْقَہٗ مُتَنَزِّمِ اِتِّبَاعِ اَصْحَابِ اَنْ سُرُوْرَ اَنْدَ عَلَیْہِمْ اَصْلَحُ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَبْلِ سُنَّتِ وَجَمَاعَتِ اَنْدَ شُکْرَ اللّٰہِ تَعَالٰی سَعِیْمِ فَعِیْمِ اَلِیْشَا نَہِ الْفِرْقَہٗ الْاَنْتَہِ . چَہٗ طَافَ اَنْ اَصْحَابِ یَغِیْبُ عَلَیْہِمْ اَصْلَحُ الصَّلَوَاتِ وَالتَّحْمِیَاتِ ، خُوْدَ اَزْ اِتِّبَاعِ اَلِیْشَا نَاں مَحْرُوْمِ اَنْدَ ۔۔۔۔۔۔ وَطَعْنِ کَرُوْنِ دَرِ

(د) اختلافِ صحابہ کے بارے میں حضرت مجدد قدس سرہ فرماتے ہیں :- متابعت جمیع اصحاب اُصول دین لازم است و ہرگز در اصول اختلافی ندارند۔ اگر اختلاف است در فروغ است و ایضاً مبلغان شریعت جمیع اصحاب اندکما تر، لان الصحابة کلهم عدول واختلافی کہ در میان اصحاب پیغمبر علیہ وسلم الصلوات والتسلیمات واقع شدہ نہ اند ہوئے نفسانی بود چہ نفوس شریفۃ ایشان تزکیہ یافتہ بودند و از امارگی باطمینان بسیدہ ہوئے ایشان تابع شریعت شدہ بود و آن اختلاف مبنی بر اجتہاد بود و اعلائے حق - پس محطی ایشان نیز درجہ احد دارد عند اللہ و مصیب را خود دو درجہ است - پس زبان را از جفلے ایشان باز باید داشت و ہمہ را بر نیکی یاد باید

(د) اختلافِ صحابہ کے بارے میں حضرت مجدد قدس سرہ فرماتے ہیں :- متابعت جمیع اصحاب اُصول دین لازم است و ہرگز در اصول اختلافی ندارند۔ اگر اختلاف است در فروع است و ایضاً مبلغان شریعت جمیع اصحاب اندکما مترا، لان الصحابة کلهم عدول واختلافی کہ در میان اصحاب پیغمبر علیہ وسلم الصلوات والتسلیمات واقع شدہ نہ اند ہوئے نفسانی بود چہ نفوس شریفۃ ایشان تزکیہ یافتہ بودند و از آمارگی باطمینان بسیدہ ہوئے ایشان تابع شریعت شدہ بود و آن اختلاف مبنی بر اجتہاد بود و اعلائے حق - پس محطی ایشان نیز درجہ احد دارد عند اللہ و مصیب را خود دو درجہ است - پس زبان را از جفلے ایشان باز باید داشت و ہمہ را بر نیکی یاد باید

کرد۔ قال الشافعی رحمہ اللہ سبحانہ تلتک دماء طهر الله عنها ایدینا فلنطهر عنها اَلْسِنَتُنَا۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول نمبر ۳۱) :- تمام اصحاب کی پیروی اصول دین میں ضروری ہے اور ہرگز ان کا اختلاف اصول دین میں نہیں ہے۔ اگر اختلاف ہے تو فروغ میں ہے اور تمام اصحاب شریعت کے مبلغ ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔۔۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے وہ نفسانی خواہش کی بنا پر نہ تھا۔ کیونکہ ان کے شریف نفس پاک ہو چکے تھے اور آثارِ گئی سے پاک ہو کر مطمئن بن چکے تھے۔ ان کی خواہشات شریعت کے تابع ہو چکی تھیں بلکہ ان کا باہمی اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اور کلمہ حق کے بلند کرنے کے لیے تھا۔ پس ان میں سے جس سے اجتہاد دی خطا ہوئی ہے اس کو بھی اللہ کے ہاں ایک درجہ ملے گا اور جس کا اجتہاد صحیح تھا اس کو خود دو درجے ملیں گے۔ پس اُن پر جفا اور ظلم کا الزام لگانے سے اپنی زبان کو باز رکھنا چاہیے اور سب اصحاب کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :- ”یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا ہے۔ پس ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔“

اہل السنۃ والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہیں

جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی عظمت، شرعی حجیت، اور حق و باطل، راہِ جنت و دوزخ میں ان کا معیارِ حق ہونا واضح ہو گیا تو پھر سوائے اہل السنۃ والجماعت کے نام و عنوان کے اور کونسا بہتر اور جامع نام ہو سکتا ہے جس کی بنا پر فرقہ ناجیہ کو دوسرے باطل فرقوں سے امتیاز حاصل ہو سکے، اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رحمۃ اللعالمین، صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے علاوہ اہل بیت کی عظیم شخصیتیں حضرت علی المرتضیٰ، خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراء اور جنت کے جوانوں کے سردار حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی بوجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ ہونے کے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعتِ مقدسہ میں شامل ہیں۔ باوجود قربتِ نبوی ان حضرات کے عظیم فضائل کی باجمعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور انوارِ نبوت اور فیضانِ صحبت سے تزکیہٴ نفوس اور تصفیہٴ قلوب کی نعمتِ عظمیٰ حاصل کرنا ہے۔ صحابہ کرام میں مہاجرین ہوں یا انصار۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء ہوں یا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح قربتِ نسب پر رکھے ہوں۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ

نے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا ہے اور ان کو جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ اس لیے اُمتِ محمدیہ کے متعدد اور مختلف فرقوں میں سے اگر کوئی فرقہ اپنے اصول و عقاید کی بنا پر مقبول اور حجتی ہو سکتا ہے تو وہی اور صرف وہی ہو سکتا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پسندیدہ اور حجتی جماعت یعنی صحابہ کرام کی محبت اور پیروی کو راہِ جنت کا نشان اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا موثر واحد ذریعہ اور واسطہ مانا ہے اور ایسا فرقہ سوائے اہل السنۃ والجماعت کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

از روئے احادیثِ شیعہ سنت و جماعت پر منے والا عذاب سے محفوظ رہے گا۔

(۱) شیعوں کے شیخ ابن بابویہ قمی المعروف بشیخ صدوق (جو کتاب ”من لا یحضرہ الفقیہ“ کے مؤلف ہیں) اپنی کتاب ”جامع الاخبار“ میں لکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرمایا کہ :- ”لیس علی من مات علی السنۃ والجماعۃ عذاب القبر ولا شدۃ یوم القیامۃ۔ (جامع الاخبار) :- جو شخص سنت اور جماعت پر مرے گا اس پر قبر کا عذاب نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر قیامت کی سختی ہوگی۔ چونکہ اس حدیثِ قدسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل السنۃ والجماعت پر قبر اور قیامت کا عذاب نہیں ہوگا۔ اس لیے اسی کتاب ”جامع الاخبار“ کا ترجمہ شیعوں کے ادیبِ اعظم سید ظفر حسن صاحب امر وہوی نے بنام ”تحفۃ الابرار“ مطبوعہ کراچی شائع کیا ہے۔ اس میں اس حدیث کا ترجمہ ہی غلط لکھ دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :- ”اے محمد! جو شخص جماعت کی سنت پر قائم رہتا ہے بعد مرگ اس پر عذابِ قبر نہیں ہوتا اور نہ قیامت کی سختی اُسے پیش آتی ہے۔“ (ص ۱۳۶)۔ حدیث کے عربی الفاظ میں علی السنۃ والجماعۃ، یہاں واؤ حرفِ عطف ہے لہذا معنی یہ ہوگا :- ”سنت اور جماعت پر“ اور ادیبِ اعظم صاحب کا ترجمہ :- ”جماعت کی سنت پر“ تب صحیح ہوتا جبکہ حدیثِ نبویہ واؤ حرفِ عطف نہ ہوتا اور ترکیب اضافی ہوتی اور الفاظ یہ ہوتے :- ”علی سنۃ الجماعۃ“۔ ”اوپر جماعت کی سنت کے“ اس میں سنتہ مضاف اور الجماعۃ مضاف الیہ بنتا ہے۔ یہ ہے ادیبِ اعظم کے ترجمہ کا حال اور یہ وہی ادیبِ اعظم صاحب ہیں جنہوں نے ”اصول کافی“ مکمل اور فروغ کافی کی پہلی جلد کا ترجمہ کیا ہے۔ (۲) شیخ صدوق کی اسی کتاب ”جامع الاخبار“ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ”اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ

اہل محمد مات علی السنۃ والجماعۃ۔ (ص ۱۶۱)۔ ”خبردار! جو شخص محبت آل محمد پر مرے گا وہ سنت اور جماعت پر مرے گا۔“ اس حدیث سے بھی چونکہ ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کو محبت آل محمد حاصل ہوگی اس کی موت سنت اور جماعت پر آئے گی اور یہ مطلب شیعہ مذہب کے بالکل خلاف پڑتا ہے۔ اس ادیب اعظم صاحب موصوف نے اس حدیث کا حسب ذیل ترجمہ بھی بالکل غلط لکھ دیا ہے کہ: ”جو محبت آل محمد پر مرے گا وہ نیکو کار پر سبز گار مرے گا۔“ (دفعۃ الاولیاء ص ۱۶۱) یہاں ادیب اعظم صاحب نے حدیث کے الفاظ السنۃ والجماعۃ کا ترجمہ بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اور ان کی جگہ ترجمہ میں نیکو کار اور پر سبز گار کے الفاظ لکھ دیے ہیں حالانکہ اس حدیث میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ پر سبز گار اور نیکو کار ہو۔

قارئین کرام! اس ترجمہ سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے بڑے بڑے علماء و اُدباء کو تفسیر کس کس مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ عبرت! عبرت! عبرت! بہر حال اس حدیث شیعہ سے اس پروپیگنڈے کی تردید ہوگئی۔۔۔۔۔ کہ اہل السنۃ والجماعۃ کو آل محمد سے محبت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ محبت آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اہل السنۃ والجماعۃ کو ہی نصیب ہوئی ہے۔ (۳) اسی حدیث مذکور کا ترجمہ جو ایک شیعہ عالم ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر جھنگ سیالوی نے کیا ہے وہ یہ ہے: ”خبردار ہو! جو محبت آل محمد میں مرا وہ اہل السنۃ والجماعت ہو کر مرے گا۔“ (ثبوت خلافت حصہ اول) یہ ترجمہ صحیح ہے اور اس ترجمہ سے بھی ادیب اعظم صاحب کے ترجمہ کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔

ایک مُعتمد

ڈاکٹر مولوی نور حسین صاحب جھنگوی نے ترجمہ تو صحیح لکھا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی کتاب ”ثبوت خلافت“ کے ٹائٹل پر ان کے نام کے ساتھ ”سابقہ سنی“ بھی لکھا ہوا اور مصنف ”فلاح الکونین“ نے بھی ان کا نام علماء کی اس فہرست میں لکھا ہے جنہوں نے مذہب اہل سنت والجماعت کو چھوڑ کر شیعہ مذہب اختیار کیا ہے۔ لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ جب شیعہ مذہب کی حدیث میں ہی یہ لکھا ہے کہ آل محمد سے محبت کرنے والا اہل السنۃ والجماعت ہو کر مرتا ہے، اور ڈاکٹر صاحب خود بھی اس کا یہی

عہدہ
ہو چکا ہے

۲۷۵

لے شیعہ مجتہد مولوی حسین بخش نے ”انوار الخف“ کے مقدمہ میں ترجمہ یہ لکھا ہے: ”آگاہ ہو کہ جو شخص آل محمد کی محبت کرے گا وہ سنت و جماعت پر ہو کر مرتا ہے۔ (ص ۲۳)“

ترجمہ کر رہے ہیں تو کیا انہوں نے اس بنا پر مذہب اہل سنت کو چھوڑا ہے کہ اس میں آل محمد کی محبت لازم آتی تھی، اور چونکہ وہ آل محمد کی محبت پر مڑنا نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے سنی مذہب کو چھوڑ دیا۔ کیا کوئی شیعہ عالم اس مُعتمد کو حل کرنے کی کوشش کرے گا؟ ع۔ این کار از تو آید و مردان چنین کنند۔

احادیث اہل سنت اور احادیث شیعہ سے سنت اور جماعت کی

اہل السنۃ والجماعت کے الفاظ کا ثبوت

شرعی عظمت ثابت ہونے کے بعد گو اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ قرآن اور حدیث یا اصحاب سے اہل سنت والجماعت کے بھی الفاظ ثابت کیے جائیں۔ کیونکہ جو شخص بھی سنت اور جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے اس کو اہل السنۃ والجماعت ہی کہا جائے گا، اور اہل کا لفظ تو نسبت کے لیے آتا ہے۔ دراصل ثبوت تو سنت اور جماعت کا چاہیے جو الحمد للہ ثابت کر دیا گیا۔ لیکن بعض غالی شیعہ ذاکرین اور علماء عوام اہل سنت کو درغلانے کے لیے یہ کہتے رہتے ہیں کہ لفظ شیعہ قرآن میں موجود ہے۔ مگر اہل السنۃ والجماعت کے الفاظ قرآن میں موجود نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ بعض جہلاء ذاکرین جیلج بھی دے دیا کرتے ہیں کہ کوئی سنی عالم قرآن و حدیث یا اصحاب کرام سے یہ الفاظ ثابت نہیں کر سکتا۔ لہذا اس قسم کے جہلاء ذاکرین کے پروپیگنڈے کے اسناد کے لیے ہم یہاں اہل السنۃ یا اہل السنۃ والجماعت کے الفاظ کا ثبوت بھی پیش کر رہے ہیں تاکہ ہر پہلو سے مذہب اہل السنۃ والجماعت کی حقانیت واضح ہو جائے۔

مذہب شیعہ کی مستند کتاب ”احتجاج طبرسی“

اہل سنت کی تعریف حضرت علیؑ کی زبان سے

میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ میں خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ اَہل الجاعۃ - اَہل الفرقة - اَہل البدعة اور اَہل السنۃ کون لوگ ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا: - اما اهل الجاعۃ فانما ومن اتبعني وان قلوا وذلك الحق عن امر الله عز وجل وعن امر رسوله - واهل الفرقة المخالفون لي ومن اتبعني وان كثروا - واما اهل السنۃ فالمتمسكون بما سنه الله ورسوله وان قلوا - واما اهل البدعة فالمخالفون لامر الله ولكتابہ

ولرسوله العالمون برأيهم وأهواءهم وان كثروا (ص ۸۷) :- اہل الجماعة میں ہوں اور وہ لوگ جو میری اتباع کریں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں اور یہ حق ہے اللہ تعالیٰ کے امر سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے، اور اہل الفرقہ وہ ہیں جو میرے مخالف ہیں اور میری پیروی کرنے والوں کے مخالف ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہوں، اور اہل السنۃ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے طریقے (حکم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوط پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں، اور اہل بدعت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں جو اپنی آراء اور خواہشات پر عمل کرنے والے ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہوں۔“

یہاں حضرت علی المرتضیٰ نے اہل السنۃ اور اہل الجماعت کی اصطلاح استعمال کی ہے اور ان کی تعریف کی ہے اور ان کے مقابلے میں اہل بدعت اور اہل فرقہ کی مذمت فرمائی ہے اس سے ثابت ہوا کہ دو حضرت علی المرتضیٰ کے نزدیک اہل السنۃ والجماعت ہی حق پر ہیں اور خود حضرت علیؑ بھی اہل السنۃ والجماعت ہیں (ب) یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سائل نے اہل سنۃ کے متعلق تو آپ سے دریافت کیا ہے لیکن شیعہ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا، اور حضرت علی المرتضیٰ نے بھی جواب میں اہل سنۃ کی تعریف فرمائی ہے، شیعوں کا کوئی ذکر تک نہیں کیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں شیعہ مذہب کا وجود بھی نہ تھا۔ اگر کہیں لفظ شیعہ استعمال کیا گیا ہے تو لغوی معنی میں نہ کہ مذہبی معنی میں۔ (ج) چونکہ اہل سنۃ اور شیعہ دونوں آپس میں متضامین اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت شیعہ مذہب تو تھا اور سچا بھی تھا لیکن چونکہ سائل نے شیعہ کے متعلق دریافت نہیں کیا اس لیے حضرت علی المرتضیٰ نے شیعہ کی تعریف ضروری نہیں سمجھی۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیعہ مذہب کا اُس وقت وجود بھی تھا، اور شیعہ مذہب سچا بھی ہو تو ان مختلف مذاہب کے تذکرہ میں حضرت خود بھی شیعہ مذہب کی تعریف نہ کریں۔

علاوہ ازیں جب آپ نے اہل سنۃ کی تعریف فرمادی تو جو مذہب اس کے بالکل برعکس اور مخالف ہے، حضرت علیؑ اس کی تعریف کیونکر کر سکتے ہیں؟ ورنہ لازم آئے گا کہ العیاذ باللہ حضرت علی المرتضیٰؑ سنی بھی تھے اور شیعہ بھی تھے۔ البتہ علمائے شیعہ یہ آخری تاویل کر سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے نزدیک شیعہ مذہب ہی برحق تھا لیکن از

رُوئے تفسیر آپ نے اس کا تو ذکر ہی نہیں فرمایا، اور اس کی جگہ اہل سنۃ کی تعریف کر دی۔ گویا کہ مائتہ گروہ کے نزدیک شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور اقتدار میں زبان سے بھی مجمع عام میں اعلان حق نہیں کر سکتے تھے اور آپ کی پالیسی یہ رہتی تھی کہ رع - باغیان بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی (د) بعض عالم جاہل ذکر حضرت علی کے مذکورہ ارشاد میں اہل سنۃ کے لیے وان قتلوا کے الفاظ سے اور اہل بدعت کے لیے وان کثروا کے الفاظ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہاں اہل سنۃ انکو کہا گیا ہے جو تھوڑے ہیں اور اہل بدعت ان کو کہا گیا ہے جو زیادہ ہیں اور چونکہ اہل سنۃ ہونے کے مدعی اپنی عظیم اکثریت کی وجہ سے وان کثروا کا مصداق ہیں اس لیے یہ دراصل اہل بدعت میں سے ہیں۔ لیکن یہ استدلال محض جہالت پر مبنی ہے کیونکہ (و) وان قتلوا اور وان کثروا کے الفاظ میں ان وصلیہ ہے نہ کہ ان محققہ من المثلثہ - اور مستدل نے اپنی جہالت سے یہاں ان کو محققہ سمجھ لیا ہے جس کا معنی ہے تحقیق

(ب) ان وصلیہ میں وجود اور تحقق مقصود نہیں ہوتا بلکہ بطور بالفرض ایک بات کی جاتی ہے تو حضرت علیؑ کا ارشاد یہ ہے کہ بالفرض اہل سنۃ تھوڑے بھی ہوں تو وہ حق پر ہوں گے اور اہل بدعت اگر زیادہ بھی ہوں تو وہ باطل پر ہوں گے۔ مثلاً حضرت علی کا ارشاد ہے :- ان ولی محمد من اطاع الله وان بعدت لحمتہ وان عدو محمد من عصی الله وان قریب قرابتہ - ر نہج البلاغۃ ص ۸۷) :- بیشک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست وہی ہے جو اللہ کی اطاعت کرے۔ اگرچہ اس کی قرابت دور کی ہو اور حضور کا دشمن وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے اگرچہ اس کی قرابت قریب کی ہو۔ کیا کوئی اس عبارت میں ان شرطیہ وصلیہ کے استعمال سے یہ مطلب حاصل کر سکتا ہے کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں وہ اللہ کے فرمان ہیں العیاذ باللہ۔ یہ جواب بعض جاہل ذاکرین کے اعتراض کی بنا پر دیا گیا ہے ورنہ کوئی شیعہ عالم دین تدارکی سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ ”احتجاج طبرسی“ میں حضرت علی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس فرقہ کی تعداد زیادہ ہے وہ اہل بدعت ہیں۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض جاہل معترض کے قول کے مطابق اگر اہل سنۃ بوجہ کثرت کے اہل بدعت ہیں العیاذ باللہ تو پھر یہ تو بتائیں کہ حضرت علیؑ کے ارشاد کے مطابق اس زمانہ میں اہل سنۃ کون لوگ ہیں؟ شیعہ تو اس کا مصداق ہو نہیں سکتے کیونکہ ان کو تو اہل سنۃ کے نام سے بھی نفرت ہے اور اگر ہم بھی اہل سنۃ

نہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اہل سنت اور اہل حق کا کوئی وجود ہی نہیں؟ اور یہ بھی فرمائیں کہ حضرت امام مہدی بھی جب ظاہر ہوں گے تو وہ اہل سنت کے رہنما ہوں گے یا اہل بدعت کے؟۔۔۔ ع!

نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ داستان کب تک؟

اہل السنۃ والجماعت اپنے آپ کو "سوادِ اعظم" سے تعبیر کرتے ہیں اور

حضرت علیؑ کی زبان سے سوادِ اعظم کی تعریف

اہل تشیع اس کے خلاف ہیں۔ حالانکہ حضرت علیؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سوادِ اعظم سے منسلک رہنے کا حکم دیا ہے :- "والزموا السواد الاعظم فان بيد الله على الجماعة :- سوادِ اعظم کے ساتھ لگے رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ اوپر جماعت کے ہے" (منہج البلاغۃ)

حضرت ابن عباسؓ کی زبان سے اہل السنۃ کی تعریف

(۱) حافظ عماد الدین ابن کثیر محدث سورۃ آل عمرانؑ کی آیت :- "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ :- اس روز کہ بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے" کے تحت لکھتے ہیں :- یعنی یوم القیۃ حین تبیض وجوہ اہل السنۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اہل البدعۃ والفرقۃ قالہ ابن عباس :- "یعنی قیامت کے دن جبکہ اہل السنۃ والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت و فرقہ کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے" (۲)، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- عن سعید بن جبیر عن ابن عباس انہ قرأ هذه الآية - قال تبیض وجوہ اہل السنۃ وتسود وجوہ اہل البدعۃ - "حضرت سعید بن جبیر، حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت و فرقہ کے چہرے سیاہ ہوں گے" (تفسیر مظہری) (۳)، علامہ سیوطیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہ روایت درج کی ہے :- عن ابن عباس فی هذه الآية قال تبیض وجوہ اہل السنۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اہل البدعۃ والضلالة :- حضرت عبداللہ بن عباس سے اس آیت کے تحت مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اہل السنۃ والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت و ضلالت کے چہرے

سیاہ ہوں گے" (تفسیر دُرّ منثور جلد دوم، مطبوعہ بکیرٹ ص ۳۷)

حضرت عمرؓ کا ارشاد

حدیث کی مشہور کتاب "سننِ دارمی" میں ہے کہ :- عمرؓ بن خطاب کہتے ہیں کہ قریب ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ قرآن کے شبیہوں کو لے کر تم سے جھگڑا کریں گے تو ان کو حدیثوں کے ساتھ پکڑ لو۔ کیونکہ اصحابِ سنن اللہ کی کتاب کو خوب جانتے ہیں" (دارمی متوجم ص ۷۷) یہاں حضرت عمرؓ فاروق نے اصحابِ سنن کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ سنن جمع ہے سنت کی، اور اصحابِ سنن اور اہل سنت کے الفاظ ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے والے ہیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اہل السنۃ کا ثبوت

(۱) تفسیر دُرّ منثور ہی میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں یہ روایت لکھی ہے :- واخرج الخطیب فی رواۃ مالک والدیلمی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قوله تعالیٰ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ - قال تبیض وجوہ اہل السنۃ وتسود وجوہ اہل البدع :- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل السنۃ کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

(۲) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ و راع اور لقوی کے بیان میں لکھتے ہیں :- ولا یعلم تفصیل ذلك الا بالافتاء بالفرقة الناجية وهم الصحابة فانه عليه السلام لما قال الناجي منها واحدة قالوا يا رسول الله ومن هم قال اهل السنة والجماعة فقيل ومن اهل السنۃ والجماعۃ قال ما انا عليه واصحابی راحیاء العلوم جلد ثالث مطبوعہ مصر ص ۱۹ :- "اور اس کی تفصیل فرقہ ناجیہ کی پیروی کے بغیر نہیں معلوم ہو سکتی اور وہ فرقہ ناجیہ صحابہ کرام ہیں۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تمہارا، فرقوں کی پیشگوئی میں فرمایا کہ ان میں سے نجات پانے والا فرقہ ایک ہی ہوگا۔ تو صحابہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں تو فرمایا اہل السنۃ والجماعت۔ پھر عرض کیا گیا کہ اہل السنۃ والجماعت کون ہیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ تو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہیں"

(۳) امام غزالیؒ کی عربی کتاب "طبِ جسمانی و طبِ روحانی" کے ترجمہ "مُجربَاتِ غزالیؒ"

۳۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۱۳ء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ستفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة کلھا ہا لکنتہ وواحدۃ منها ناجیۃ قیل یا رسول اللہ ومن الفرقة الناجیۃ قتال علیہ السلام اهل السنة والجماعة، قیل وما اهل السنة والجماعة قال علیہ السلام وما انا علیہ واصحابی۔" میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے جن میں سے صرف ایک نجات پانے والا ہوگا اور باقی سب ہلاک ہونے والے ہوں گے۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے۔ فرمایا: اہل السنۃ والجماعۃ۔ عرض کیا گیا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کونسا فرقہ ہے، فرمایا: جس طریقہ پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں اُس پر چلنے والے۔"

امام حسن و حسینؑ اہل سنۃ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں (۴) میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ

تعالیٰ عنہ مخالفین سے خطاب کرتے ہوئے اپنے طویل خطبہ میں یہ بھی فرمایا تھا: "ات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی و اخی انتما سید شباب اهل الجنة وقرۃ عین اهل السنۃ۔" (تاریخ کاملی ابن اثیر جلد چہارم ص ۶۲ مطبوعہ بیروت)۔ "تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور میرے بھائی (حضرت حسنؑ) سے فرمایا تھا کہ تم دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہو اور اہل سنۃ کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو۔"

(۵) یہی ارشاد تاریخ ابن خلدون مترجم اردو حصہ دوم ص ۱۱۱ میں بھی مذکور ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا: "کیا تم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا ہے کہ تم دونوں سردار جوانانِ جنت ہو اور اہل سنۃ کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو" کتب تفسیر حدیث اور تاریخ وغیرہ کے مندرجہ حوالجات سے ثابت ہوا کہ اہل السنۃ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے لفظ نہ صرف یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے استعمال کیے ہیں۔ بلکہ رسول عربیؐ، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی یہی الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے پیارے نواسوں حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل سنۃ کی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے۔ لیکن نظم ظریفی کی انتہا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے ماتمیوں کے نزدیک اہل السنۃ والجماعۃ کہلوانا حضرات اہل بیت کی

دشمنی کی علامت ہے اور سبائے اہل سنۃ کے شیعہ کہلوانا اہل بیت سے محبت کا نشان ہے۔ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے جنوں کا نام خرد رکھ لیا، خرد کا جنوں

اسلام کا عروج و زوال مسلمانانِ اہل سنۃ والجماعۃ کے

عروج و زوال سے وابستہ ہے۔ غلبہ اسلام کا ایک زمانہ

اہل سنۃ کا عروج و زوال

تھا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و جہاد کے نتیجہ میں اسلام افریقہ اور کابل و قندھار تک پھیل گیا۔ ایران و روم جیسی صدیوں کی مستحکم سلطنتیں زیرِ زبر ہو گئیں اور قرآن مجید کی عظیم پیشگوئی: "لَیُظْهِرَنَّ عَلٰی الدِّیْنِ کَلِمَہُ" یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اپنے دین کو سارے دینوں پر غالب کرے گا۔ دور رسالت کے بعد دورِ خلافت راشدہ اور بعد صحابہ میں تکمیل پذیر ہوئی۔ دُنیا کی کوئی طاقت اسلامی فتوحات کے سیلاب کے نہ روک سکی اور صحابہ کرام کے قدم مبارک جہاں تک پہنچے کفر و شرک اور ظلم و ضلالت کی ظلمتیں دور ہوئیں، اور توحید و سنۃ اور عدل و ہدایت کے انوار پھیل گئے۔ غلبہ اسلام کی ایک جھلک علامہ اقبال مرحوم نے اپنے ان اشعار میں دکھلائی ہے۔

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں خشکیوں میں کبھی ٹڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جیتی تھی جہانداروں کی!

کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

مغلی کون و مراں میں سحر و شام پھرے! تے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے

کوہ میں، دشت میں لیکر تر اپنیام پھرے اور معلوم ہے تنجو کبھی ناکام پھرے!

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے، گھوڑے ہم نے

اسلام علمائے ربانین اور اولیائے صالحین کی تبلیغی سرگرمیوں سے ہندوستان میں پھیلا۔ حتیٰ کہ صرف امام الاولیاء حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و روحانی برکات سے نوے

لاکھ کافر مسلمان ہوئے تھے اور غالباً آٹھ سو سال تک ہندوستان میں اسلامی حکومت کا پرچم لہراتا رہا، اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رسول کریم رحمۃ اللہ علیہ وسلم کے ارشاد :- مَا آتَا عَلَیْہِ وَاصْحَابِہِی کے تحت :- (یعنی جنت میں وہی لوگ جائیں گے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے) اسلام پہلے مذہب اہل سنت و جماعت کی صورت میں جلوہ گر رہا۔ سلاطین و علما دین اہل سنت اپنی مجاہدانہ اور سرفروشاں طاقتوں سے دشمنان اسلام کی سرکوبی کرتے اور علمائے حق اور اولیائے اُمت اپنی علمی اور روحانی قوتوں سے عامۃ المسلمین کی تعلیم و تربیت فرماتے رہتے تھے۔ مجتہدین و فقہاء نے فقہ اسلامی کی حفاظت کی اور بالخصوص اہل سنت کے مجتہدین اربعہ یعنی امام اعظم امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک و امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں سے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فروغ و حدود کے تحفظ کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا، اور اولیاء اللہ میں سے خصوصاً اقطاب اربعہ یعنی سلطان الہند حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی، امیر ہری، محبوب بھجانی، قطب ربانی غوث الاعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی، شیخ المشائخ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور مرشد الکاملین حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی روحانی نسبتوں سے اہل ایمان کے قلوب و ارواح کو متور کیا۔ غرضیکہ شریعت کا علم ہوا یا عمل، طریقت کا حال ہوا یا مقام حقیقت کے مدارج ہوں یا منازل۔ ہر شعبہ کی اشاعت و حفاظت اہل سنت و الجماعت کے اکابر کے ذریعہ سے ہی ہوتی رہی ہے، اور علمائے اہل سنت کی جدوجہد کی بنا پر ہی ہر دور میں عامۃ المسلمین سنت رسول اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی عظمتوں کو مانتے چلے آ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں انکارِ سنت یا انکارِ صحابہ کے فتنے کامیاب نہیں ہو سکے۔

حتیٰ کہ مجبوراً علمائے شیعہ کو تقیہ کا راستہ اختیار کرنا پڑا اور وہ ایک گہری خفیہ تحریک کے ذریعہ خلفائے راشدین صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مطعون اور ان کے شرعی مقام کو مجروح کرنی کی کوششیں کرتے رہے۔ لیکن عوام اہل سنت کے دلوں میں عظمتِ صحابہ کا نقش اس طرح جما ہوا تھا کہ جاہل سے جاہل سنی مسلمان بھی جس طرح حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر حضرات اہل بیت کی تنقیص و توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا اسی

شرح اس کے لیے حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر خلفائے راشدین اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین بھی ناقابل برداشت ہوتی تھی، اور اگر کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ صحابہ کرام کے خلاف ہے تو اس کو عوام اہل سنت انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ علمائے شیعہ بظاہر سنی علماء کے روپ میں رہے اور خفیہ طریق سے حسبِ حال شیعیت کے لیے راہ ہموار کرتے رہے۔ چنانچہ شیعوں کے مایہ ناز مجتہد قاضی نور اللہ شومتری (جن کو جہانگیر بادشاہ نے قتل کرا دیا تھا اور علمائے شیعہ ان کو شہیدِ ثالث قرار دیتے ہیں) خود اعتراف کرتے ہیں کہ :- صاحبانِ معرفت اور اصحابِ بصیرت کے دہائے مضطرب پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت امیر المومنین کی خلافت کے زمانے سے لے کر سلاطین صفویہ کے ظہورِ سلطنت تک اہل تشیع میں بلائے تقیہ کا ایسا زور رہا کہ اپنے مذہب کو بالکل ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور نہ اپنے اُصول و فروع کی ترویج ہی ممکن تھی۔ بلکہ علماء و فقہائے معتزلہ و اشاعرہ کے اُصول و فروع میں عمل رہا کرنا تھا اسی سبب سے مخالفین کے مختلف فرقوں نے تو اپنے بزرگوں کے حالات مشہور کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کیں اور بہت سی کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں۔ لیکن علمائے شیعہ بہ سبب سالہا سال مظلوم اہل تشیع رہنے کے گوشہ تقیہ میں چھپے رہتے تھے اور اپنے کوشاں یا حنفی ظاہر فرماتے تھے (مجالس المؤمنین ص ۳)

لیکن جب اہل سنت صحابہ کرام کی شرعی عظمت سے غافل ہوتے گئے، اور شرفِ صحابیت کے اعتقاد میں کمزوری آئی گئی، تو

اہل سنت کا ذہنی تتریل

شیعیت کو بچلے اور پھولنے کا موقع ملتا رہا، اور شیعہ علماء و مجتہدین نے اپنے مذہبی لٹریچر کی اشاعت شروع کر دی، اور محبتِ اہل بیت کے عنوان پر ناواقف اہل سنت کو صحابہ کرام سے بدظن کرنے کی کوششیں تیز ہو گئیں، اور اس طرح ان کی تحریکِ دفع کو عوام اہل سنت کو متاثر کرنے کا موقع ملتا رہا۔

لیکن اکابرِ علمائے اہل سنت اس فتنہ سے غافل نہیں رہے اور سنی و شیعہ نزاعی مسائل کے حل میں مدلل تصانیف

متاخرین علمائے اہل سنت

شائع کر کے مذہب اہل سنت کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

حضرت مجدد الف ثانی

متاخرین میں گیارہویں صدی کے مجدد اعظم حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اپنے دیگر علمی و روحانی

مشاغل کے خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شرعی مقام کی تبلیغ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، اور اعتراضات و مطاعن شیعہ کا بہت محققانہ جواب دیا اور اپنے تجدیدی کارنامہ سے مذہب اہل سنت کا تحفظ کیا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات تین جلدوں میں شائع ہیں، ان کا اردو ترجمہ بھی چھپ گیا ہے۔ ان مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد نبوی مَا آتَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابُہِ الْکِتَابِ کُلِّیًّا دُور میں مستحکم فرمادیا اور ہر پہلو سے مذہب اہل سنت کا پرچم بلند ہو گیا۔ جہاں حضرت مجددؒ نے اکبری الحاد کا قلع قمع فرمایا وہاں سبائی تحریک کے آگے بھی سدِ سکندری کھڑی کر دی۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ سبائی تحریک کا مقابلہ کرنا اور مسلمانان اہل سنت کو اُس کے ہلک اثرات سے بچانا حضرت مجددؒ کا ایک عظیم تجدیدی کارنامہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے دفاع کا مقدس جذبہ حضرت مجددؒ کے قلب صافی میں اس طرح موجزن تھا کہ اس زمانہ میں اہل تشیع کی طرف سے ایک رسالہ شائع ہوا جس میں العیاذ باللہ خلفائے ثلاثہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی تکفیر کی گئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا گیا تھا، تو حضرت بقرہ ہو گئے اور اُس کے رد میں ”رَدُّ الرَّوَاْفِیِّ“ کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور خود اس رسالہ کی تصنیف کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ :- ”ایں حقیر ہر چند در مجالس و معارک مشافہت بمقدمات منقولہ و منقولہ ردِ آنہامی کرد و بر غلطہائے صریحہ ایشان را اطلاع میداد اما از دوسے حیثیت اسلام و بموجب حدیث نبوی علی مصدرہ الصلوٰۃ والسلام کہ فرمودہ :- اِذَا ظَهَرَتِ الْفِتْنُ اَوِ الْبِدْعُ وَ سُبَّتِ اصْحَابُہِ فَلْیُظْہِرِ الْعَالَمُ عَلَیْہِ وَاَنْ لَّمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ فَعَلِیْہِ لَعْنَةُ اللّٰہِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ لَہٗ صِرَافًا وَاَعْدَا۔“ بایں قدر رد و الزام کفایت نمی کرد و سوزش سینہ بے کینہ تشقی نیافت و بخاطر تقرر یافت کہ اظہار مقاصد ایشان تا در زمانیکہ در قید کتابت نہ آید فائدہ تام و نفع عام نہ بخشد فشرعت مستعیناً باللّٰہ الصّمد :-۔ یہ حقیر ہر چند اپنی مجلسوں میں اور دوسری جگہوں میں لوگوں کے سامنے نقلی اور عقلی طور

پراس رسالہ شیعہ کا رد کرتا رہتا تھا اور اس کی صریح غلطیوں کی اطلاع دیتا رہتا تھا لیکن اسلامی جمیّت کی رد سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے بموجب کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ :- ”جَبْ نَفْتِیَ یَا بَدِیِّیْنَ ظَاہِرِہٖوْنَ اَدْرِیْمِیْ“ اصحاب کو گالیاں دی جائیں اور اُن کو بُرا کہا جائے۔ تو اُس وقت عالم پر لازم ہے کہ وہ اپنا علم ظاہر کرے۔ (یعنی صحابہ کی طرف سے دفاع کرے)، اور جو عالم ایسا نہیں کرے گا اُس پر اللہ کی فرشتوں کی در سب لوگوں کی لعنت ہوگی، اور اللہ اس کی فرضی اور نقلی عبادت قبول نہیں کرے گا۔ صرف زبانی تردید اور الزام دنیا کافی سمجھتا تھا اور کیر صاف دل کی سوزش کو تسکین نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ جب تک اُن مقاصد کو کھمانہ جائے لوگوں کو پورا فائدہ اور عام نفع نہ ہوگا۔

پس میں نے خدائے بے نیاز سے مدد لیتے ہوئے اس رسالہ کی تصنیف شروع کر دی الخ حضرت مجددؒ کا یہ رسالہ ماشاء اللہ مذہب اہل سنت کے لیے ایک محققانہ دستاویز ہے۔ جس میں مطاعن شیعہ کا پورا پورا ابطال کر کے خلفاء عظام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی فضیلت اور حقانیت واضح کر دی گئی ہے۔ خصوصاً مشاہیر اصحاب کرام کے باہمی جھگڑوں کے مسئلہ کو حضرت مجددؒ اس طرح صاف کرتے ہیں کہ کسی صاحب شعور اور اہل ایمان کے دل میں کسی صحابی سے کوئی بدظنی باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تحریر فرماتے ہیں :- ”وَسَلَّ عَلَیْہِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْمُبَارِکِ وَ کَفَاکَ بِہٖ جَلَالۃٌ وَعِلْمٌ اِیْہِمَا اَفْضَلُ مَعَاوِیَۃِ اَوْ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیزِ فَنَقَالَ الْغُبَارُ الَّذِیْ دَخَلَ اَفْثُ فَرَسٍ مَعَاوِیَۃَ مَعَ رَمْلٍ عَلَی اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ خِیْرٌ مِّنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیزِ کَذٰلِکَ۔“ اشارہ بذلت الی ان فضیلة صحبة ورویتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یعد لہا شیئ وھذا فی غیر اکابر الصحابة رضوان اللہ علیہم ممن لم یضمرا لہم بجز درویتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فماباذا فی من ضم الیہا انہ قَاتَلَ مَعَهُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ اَوْ فِیْ زَمَنَہٗ بَاہِرًا اَوْ نَقَلَ شَیْئًا مِّنَ الشَّرِیْعَةِ اِلَیْ مَنْ بَعْدَہٗ اَوْ اَنْفَقَ شَیْئًا مِّنْ مَّالِہٖ بِسَبِّہٖ فھذا مِمَّا لَا یَمِکُنْ اَدْرَاکَ فَضْلَہٗ، وَتَشْکَ نِیْسَتٌ۔ کہ شیعین از اکابر صحابہ اند بلکہ افضل ایشان۔ پس تکفیر بلکہ تنقیص ایشان موجب کفر و زندقہ و ضلالت باشد و فی المعیط لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا یجوز الصلوٰۃ خلف الرافضة لانہم انکروا خلافة الصديق وقد اجتمعت الصحابة علی خلافته و فی الخلاصة من انکروا خلافة الصديق فانه کافر۔ (رَدُّ الرَّوَاْفِیِّ ص ۱۱) حضرت

عبداللہ بن مبارک تابعی دجن کو بڑا علم و مرتبہ حاصل ہے) سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیزؓ تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جس گھوڑے پر حضرت معاویہؓ سوار ہوئے ہیں۔ اس گھوڑے کے تحفوں کا غبار بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے کئی گنا بہتر ہے۔ آپ نے اس سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے، اور یہ فضیلت کا برصاحبہ کے علاوہ اُس صحابیؓ کو حاصل ہے جس کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ پس اُن صحابہ کی کتنی بلند شان ہوگی جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ کی ہے یا حضورؐ کے حکم سے حضورؐ کے زمانہ میں جنگ کی ہے، یا حضورؐ سے انہوں نے شریعت کی کوئی بات بعد والوں کو پہنچائی ہے یا حضورؐ کی وجہ سے اپنے مال میں سے خرچ کیا ہے، تو اُن کی فضیلت کا ادراک ہمارے لیے ناممکن ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ بلکہ اُن سب سے افضل ہیں۔ پس اُن کی تکفیر کرنا بلکہ اُن کی تنقیص کرنا کفر، زندیقیت اور کراہی کا موجب ہے۔ اور امام محمدؒ کی "محیط" میں ہے کہ رافضیوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے منکر ہیں، اور تحقیق آپ کی خلافت پر صحابہ کرام کا اجتماع ہو چکا ہے اور خلاصہ میں ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا منکر ہے وہ کافر ہے (۱۶ ص)

مقام عبرت

ایک وہ دور تھا کہ مجددِ اعظم مذہبِ اہل سنت کے تحفظ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے پُر جوش دفاع کرتے اور اس کو اپنی زندگی کا مقدس نصب العین سمجھتے تھے، اور ایک موجودہ دور ہے کہ اکابر علماء جو تفسیر و حدیث میں ایک علمی مقام رکھتے ہیں، سنی و شیعہ مسائل حل کرنے اور صحابہ کرام کی طرف سے تحریری و تقریری دفاع کرنے کو اپنے علوی مقام کے منافی سمجھتے ہیں، الا ماشاء اللہ بلکہ حبِ صحابہ اور بغضِ صحابہ کے بنیادی فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک متحدہ مذہبی پلیٹ فارم قائم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب اُسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں!

حضرت مجددِ العالی ثانی کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو اللہ تعالیٰ نے تجدیدِ دین کی نعمت عطا فرمائی، اور آپ کا سارا خاندان ہی تحفظِ مذہبِ اہل سنت

خاندانِ ولی اللہ

کی یادگار بن گیا۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تصنیف "جواب استقصاء الافحام" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ :- جب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے دورِ آخر میں ایرانیوں کے تعلقات کے سبب سے رخص کا اثر نمایاں ہوا، پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ (قاضی، نور اللہ شوستری نے قتیہ کر کے جہانگیر بادشاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار سے قاضی کا عہدہ پایا۔ اور برادر حکومت خفیہ خفیہ ایسی ناجائز کارڈایا کیں کہ اس اثر کو قوت پر قوت پہنچی گئی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ فتنہ رخص مستقل طور پر ہندوستان میں قائم ہو گیا اس وقت رحمت الہی نے دہلی کے ایک مقدس خاندان کو مجملہ اور عظیم الشان خدمات دینے کے، فتنہ رخص کے مقابلہ کی بھی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ شیخ حضرت مولانا ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی معرکہ الآراء کتاب "ازالة الخفا" تصنیف فرمائی۔ جس کے متعلق علامہ لکھنوی (یعنی حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی) اپنی شرح "موطا" میں لکھتے ہیں :- کتاب عظیم التظہیر فی بابہ (یہ کتاب اپنے موضوع میں بے نظیر ہے) پھر انہوں نے دوسری کتاب "قوة العینین" بھی لکھی اور حق یہ ہے کہ انہوں نے محبت اللہ قائم کر دی (رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ اتباعہ وموالیہ) اور ان کے بعد ان کے خلف الصدق حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے "تحفۃ الشاکرین" تصنیف کی۔ جس نے دنیا کے تشیع کو زیر و زبر کر دیا۔

۳۱۰۱۳، مجتہدین شیعہ کی عروں کا بہترین حصہ تقریباً ایک صدی تک اُس کے جواب میں صرف ہوتا رہا مگر راہ بجائے نبردند حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد اُن کے شاگردوں کا دور آیا۔ مولانا رشید الدین خان علیہ الرحمۃ نے "عزۃ الراشدین" "شوکت عمریہ" اور "ایضاح لطافۃ المقال" تصنیف فرمائیں، اور مولانا امراؤ علی صاحب کالمپوری نے "دجوم الشیاطین رد نزہۃ کشمیری" لکھی اور مولانا سیف اللہ بن اسد اللہ ملتانی نے "تنبیہ السفیہ" مولوی دلدار علی مجتہد کی کتاب "صوام" کے جواب میں لکھی، اور مولانا شاہ سلامت اللہ کانپوری نے "معرکہ الاسماء" تصنیف فرمائی اور مولانا حیدر علی صاحب نے قوسب سے بڑھ کر کام کیا، ان کی دوسری تصانیف مطبوعہ وغیر مطبوعہ کے علاوہ "منتہی الکلام" اور "ازالة العینین" میں دو کتابیں سیکڑوں بلکہ ہزاروں کتابوں کے قائم مقام ہیں۔ بقول مصنف "آیات بینات" مرحوم کے مولانا حیدر علی کے نام سے شیعوں کے بدن پر لڑ رہا رہا ہو جاتا ہے۔ مولانا حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں مذکورہ بالا کتابوں میں سے "منتہی الکلام" نے زیادہ زلزلہ

برپاکیا۔ ہندوستان سے لے کر ایران تک تمام مجتہدین شیعہ کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی جس کی بڑی وجہ تو اس کتاب کے دلائل و براہین کی قوت و شوکت اور مصنف کی نظر و تتبع کی وسعت ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ علامہ حکیم سبحان علی خان شیعہ رکن مصلحت اور دہ نے جن کے جواب میں ”مندیہ الکلام“ تصنیف ہوئی۔ اپنے خاص خاص دوستوں کو خطوط لکھے اور ان خطوط میں اس کتاب کی لاجوابی کا اعتراف کیا اور اپنی عاجزی اور پریشانی کا رد نادرے ہیں۔ یہ خطوط بتائید غیبی حضرت مولانا حیدر علی صاحب کو مل گئے جن کو انہوں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں چھپوایا۔ نام اس رسالہ کا ”رسالۃ المکاتیب فی رویۃ الثعالب والغرائب“ ہے۔

کتاب ”آیات بیانات“

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤی نے ”آیات بیانات“ کے مصنف کا جو ذکر فرمایا ہے تو وہ مصنف نواب حسن الملک مولانا سید محمد مہدی علی خان صاحب بہادر منیر نواز جنگ و معتمد پولشکل و فنانس ریاست حیدر آباد ہیں۔ جو پہلے شیعہ عالم تھے اور بعد میں مذہب اہل سنت اختیار کر لیا۔ رد شیعیت میں ان کی یہ کتاب لاجواب ہے جو دو جلدوں میں دارالاشاعت کراچی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

اکابر دیوبند کی خدمات جلیلیہ

دہلی سے اکابر اہل سنت کا مرکز دیوبند میں منتقل ہو گیا اور اکابر دیوبند نے اپنی جامعیت کی بنا پر اپنے دور میں مذہب اہل سنت کا بہت زیادہ تحفظ کیا۔ اور درس حدیث میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کو احادیث کی روشنی میں رائج ثابت کرتے رہے۔ جہاں ان حضرات اکابر نے دوسرے مذہبی و ملی فتنوں کا انسداد کیا وہاں فتنہ رافضی سے بھی غافل نہیں رہے اور اس پہلو سے مذہب اہل سنت کی حقانیت اور برتری کا لوہا منواتے رہے ہیں چنانچہ حجة الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک شیعہ مجتہد مولوی عمار علی صاحب کے سوالات کے جواب میں ۱۲۸۳ھ میں کتاب ”ہدیت الشیعہ“ تصنیف فرمائی جس میں مسئلہ خلافت کے علاوہ مسئلہ فدک کے موضوع پر مدلل بحث کر کے اہل سنت کے موقف کی حقانیت ثابت فرمائی یہ کتاب حضرت نانوتوی کے وہی علوم کا ایک بہترین مظہر ہے۔ (۲) ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد ہادی بن مرزا علی صالح لکھنؤی نے ایک مطبوعہ اشتہار میں دس سوالات شائع کر کے علمائے اہل سنت سے جواب طلب کیا تھا، تو حضرت

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ ”الاسولۃ الخاملۃ فی الاجوبۃ الکاملۃ“ مؤلفہ ۱۲۸۸ھ شائع کیا۔ جس میں شیعہ مجتہد کے سوالات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ (۳) شیعہ مجتہد کے اسی اشتہار کے جواب میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گناوی قدس سرہ نے بھی ایک کتاب ”ہدایۃ الشیعہ“ تصنیف فرمائی۔ جس میں مسئلہ خلافت وغیرہ پر محققانہ بحث کر کے شیعہ اعتراضات کا مکمل ابطال کر دیا ہے۔ (۴) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسئلہ خلافت پر دو مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ”ہدایات الرشید الی افحام العنید“ اور ”مطرقۃ الکرامۃ علی موائۃ الامامہ“ پہلے آپ نے ”ہدایات الرشید“ لکھی جو مسئلہ خلافت و امامت پر مفصل کتاب ہے، اس کے بعد ”مطرقۃ الکرامۃ“ تحریر فرمائی جو کہ تقریباً اس کا خلاصہ ہے لیکن بہت جامع کتاب ہے جس میں کتاب اللہ اور کتب روافض سے خلافت خلفاء ثلاثہ کو ثابت کیا ہے۔ (۵) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو تو تحفظ ناموس صحابہ کا اتنا احساس تھا کہ لکھنؤ کی مدح صحابہ ایچی ٹیشن میں براہ راست حصہ لیا اور دیوبند سے ایک دستہ رضا کاروں کا لے کر گرفتاری کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے، اور آپ نے ان حالات میں مدح صحابہ کے وجوب پر مدلل مضامین شائع کیے۔ چنانچہ سیکرٹری صاحب مرکزی مجلس تحفظ ناموس صحابہ لکھنؤ کے نام حضرت کا مکتوب، مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم کے مکتوب نمبر ۶۱ میں شائع ہو چکا ہے۔ جس میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ مدح صحابہ کے وجوب کی دوسری وجہ میں یہ تحریر فرماتے ہیں:-

”علاوہ ازیں جس جگہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے نہ صرف بدظنی پھیلانی جاتی ہو بلکہ اَشْهَدُ اَنْ عَلَیْہِا وَحَیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلاَ فَضْلِہٖ بِالْاَوَّلِیْنَ اذان میں کہا جاتا ہو۔ نیز امام باڑوں، مجلس خاصہ اور خصوصی مساجد میں ان کی طرف غلط اور جھوٹے اہانت آمیز واقعات منسوب کیے جاتے ہوں اور عوام سنیوں کا سُننا اور شریک ہونا اور غلطی میں پڑنا ممکن ہو تو سنیوں کی اصلاح اور تحفظ عقائد کے لیے ایسی مجالس منعقد کرنا جن میں صحابہ کرام کے صحیح واقعات ذکر کئے جاتے ہوں اور ان کی ثناء و صفت کی جاتی ہو، واجب ہے۔“

(ب) نیز اسی مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:- ”احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثناء و صفت ان سے

محبت رکھنے کی تاکید، اُن کی شان میں گستاخی کی مذمت، اُن کی تابعداری کرنے کا حکم، اُن کا ذکر بالخیر کرنے کا ارشاد وغیرہ نہایت کثرت سے مذکور ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کے اجتماعات عامہ عیدین، حج، جمعہ وغیرہ میں لکچر دیتے ہوئے، خطبہ پڑھتے ہوئے صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ثناء و صفت کرنی نہ صرف مستحب قرار دی گئی ہے (دیکھو دُرِّ مختار، شامی، عالمگیری وغیرہ) بلکہ حسب تصریح امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز (مکتوباتِ امام ربانی جلد دوم مصلح) اس کو شعارِ اہل سنت و جماعت بھی قرار دیا ہے۔ (ج) اسی مکتوب میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ: ”مسلمانوں کے لیے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرات خلفائے راشدین کے کارنامے، اُن کی تعلیمات، اُن کے حالات زندگی مرتبہ ہدایت ہیں اور نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام انسانی دنیا کے لیے اُن کے کارناموں میں کُلّی ہوئی صاف اور شہری روشنی موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ ۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء کے اخبار ”ہریجین“ میں گاندھی جی نے گاندھی و زرار کو زوردار الفاظ میں ہدایت کی تھی کہ وہ اپنا طرز عمل حضرات شیخین حضرت ابوبکر و عمر جیسا بنائیں یوں مومنین اس کی خصوصی طور سے ہدایت کرتے ہیں اور اسی بنا پر سیرت فاروقی (رضی اللہ عنہ) کو فرانس کی یونیورسٹیوں وغیرہ میں داخل نصاب کر دیا گیا ہے۔“

مشاجراتِ صحابہ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باہمی جھگڑوں کے پیش نظر افاضی اور خابنی مقام صحابہ نہ سمجھنے کی وجہ سے راہِ حق سے دُور ہو گئے، اور اہل سنت نے اس مسئلہ میں صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مفصل مکتوب حضرت علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی باہمی جنگ کے بارہ میں مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد اول میں مکتوب نمبر ۸۸ قابلِ استفادہ ہے۔ اس مکتوب میں حضرت نے مزید کے متعلق بھی بحث کی ہے اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مضامین کے اعتبار سے بھی درج کیے ہیں۔

صحابہ معیارِ حق ہیں

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے باطل نظریات کی تردید میں بھی حضرت نے باوجود اپنے دیگر مشاغل کثیرہ کے خصوصی توجہ فرمائی ہے، اور صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے پر اپنی زندگی کے آخری مبارک لمحات میں زیادہ زور دیا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر مودودی

میں حضرت نے ایک مستقل رسالہ ”مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت“ تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں عصمتِ انبیاء اور صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے پر محققانہ بحث فرما کر مودودی ضلالت کی قلعی کھول دی ہے۔ حضرت مدنی مودودیّت کو اہل سنت کے لیے ایک خطرناک فتنہ قرار دیتے ہیں اور مودودی جماعت کو اُن بہتر (۷۲)، جہتی فرقوں میں شمار کرتے ہیں جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ (ملاحظہ ہو ”الجمعیّت“ دہلی کا شیخ الاسلام نمبر)۔

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی

اس دور میں فتنہ رُفض کی تردید میں تنہا امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی قدس سرہ نے وہ کام کیا ہے، جس کا اثر انشاء اللہ العزیز صدیوں تک رہے گا۔ بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک عظیم تھے۔ جن کے ذریعہ حق تعالیٰ نے مذہبِ اہل سنت کی علمی و استدلالی طور پر اس دور میں برتری ظاہر فرمائی۔ اہل تشیع کے بیسیوں مذہبی رسالوں کے جواب میں امام اہل سنت کا ماہنامہ ”النجم“ سالہا سال تک ہندوستان میں نورِ ہدایت جھیلتا رہا۔ حضرت مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سنی و شیعہ نزاعی مسائل میں قیامِ موضوع پر محققانہ رسالے تصنیف فرمائے ہیں، اور قرآن مجید کی متعدد آیات مثلاً آیتِ تبلیغ، آیتِ تطہیر، آیتِ المودۃ فی القرنی، آیتِ مباہلہ، آیتِ معیت، آیتِ قتال مرتدین اور آیتِ استخلاف وغیرہ کی اس طرح مثل اور خُش شرح فرمائی ہے کہ اہل شعور و انصاف آدمی مذہبِ اہل سنت کی حقیقت تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اہل سنت مبتلین و مناظرین کے لیے حضرت امام اہل سنت کے ان رسائل میں نہایت محققانہ مواد موجود ہے۔

کاش! کہ اہل سنت کا کوئی ادارہ ان رسائل کی طباعت و اشاعت کا انتظام کر کے مذہبِ اہل سنت کے تحفظ کا عظیم کارنامہ سرانجام دے دیتا! جس کا فیضان مابعد کی آنے والی نسلیں تک جاری رہتا۔ یہ بھی واضح رہے کہ امام اہل سنت مرحوم صرف ایک مبلغ و مناظر اور مصنف و اہل قلم ہی نہ تھے، بلکہ آپ علم و عمل اور شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ آپ نے مذہبِ اہل سنت کے تحفظ اور خلفائے راشدین اور اسی مہرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زبان و قلم سے دفاع کرنے کا جو فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اس میں آپ کی شخصیت اس دورِ آخر میں نظیر ہے۔ اس فن میں اکابرِ علمائے دیوبند کو امام اہل سنت پر پورا پورا اعتماد تھا اور اکابرِ علماء و مستأخِ دیوبند کو کچھ ان مسائل

میں آپ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شیعوں کے اس الزام کے متعلق عرض کیا کہ ”حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت فاطمہ الزہراءؓ کا گھر جلانے کا ارادہ کیا تھا۔“ البیاض باللہ! تو حضرت تھانویؒ نے اس کو جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ: ”اس کا جواب مجھے اچھا مولوی عبدالشکور صاحب مدرس مدرسہ عربیہ محلہ چلہ امر دہر ضلع مراد آباد دیں گے۔“ (”النجم“ ماہ شعبان ۱۳۴۱ھ ص ۱۷)۔

اس پتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا لکھنؤیؒ کا یہ ابتدائی دور تھا کیونکہ بعد میں تو آپ نے لکھنؤ کو اپنا مستقل مرکز بنالیا تھا، اور فتنہٴ رفض کے رد میں آپ کی شخصیت بہت نمایاں ہو گئی تھی۔ ذِکْ فَضْلُ اللّٰهِ لُوْطِیْہِ مِنْ شِیْءٍ - ے

ہزاروں سال نرس گئی اپنی بے نوری پر روتی ہے! بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و دریدہ! پنجاب میں فتنہٴ مرزائیت اور فتنہٴ رفض کے استیصال میں میرے والد صاحب مرحوم حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر قوم اعوان ساکن ہمیں تحصیل چکوال ضلع جہلم، نے اپنے دور میں جس ہمت اور استقامت سے کام کیا ہے اس کی نظیر بھی نہیں مل سکتی جناب والد صاحب مرحوم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاص ذکاوت عطا فرمائی تھی اور حاضر جوابی کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ بڑے بڑے شیعہ مناظرین آپ کے سامنے میدان مناظرہ میں لا جواب ہوئے۔ مولانا مرحوم کی تصنیف ”آفتابِ ہدایت“ سنی و شیعہ نزاعی مسائل میں ایک یادگار کتاب ہے جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ عام فہم اردو میں ایسی جامع کتاب غالباً شائع نہیں ہوئی۔ حضرت مرحوم کی ایک اور مختصر کتاب اس موضوع پر ”رسائل ثلاثہ“ بھی ہے جواب نایاب ہے۔

مسک بریلویت کے پیشوا حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم نے بھی ہندوستان میں فتنہٴ رفض کے اسناد میں بہت مؤثر کام کیا ہے، اور روافض کے اعتراضات کے جواب میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف سے دفاع کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ بحث ماتم کے دوران مولانا بریلوی کے فتاویٰ نقل کیے جا چکے ہیں۔ منکرین صحابہ کی تردید میں ”رد الزعمہ“۔ ”رد تعزیر داری“ اور ”الادلة الطاعنة فی اذات الملائعہ“ وغیرہ آپ کے یادگار رسائل ہیں۔ جن میں سنی شیعہ نزاعی پہلو سے آپ نے مذہب اہل سنت کا مکمل تحفظ کر دیا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس فرقہ حقہ اہل سنت کی ایک عظیم الشان اسلامی تائید ہے۔ جنہوں نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حقوق کی ہمیشہ حفاظت کی ہے، اور ارشاد نبوی مَا اَنَا عَلَیْکُمْ وَاصْحَابِیْ کی روشنی میں امت کو صراطِ مستقیم پر چلایا ہے۔ آج اُس کے افراد عموماً غافل ہیں اور یہ امر اور بھی زیادہ تشویشناک ہے کہ اہل سنت کا مذہبی طبقہ بھی بحیثیت سنی ہونے کے سرگرم عمل نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج بھی کتاب و سنت کا علم و عمل سنی علماء و مشائخ کی کوشش سے باقی ہے، اور پاکستان میں بھی سینکڑوں ہزاروں دینی مدارس انہی کی مساعی سے قائم ہیں۔ جن سے ہر سال سینکڑوں علماء و حفاظ سند فراغت حاصل کرتے ہیں۔ مبلغین و مقررین اور معلمین و مدرّسین بکثرت ہیں۔ لیکن وہ دینی روح دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے اور خلوص و تلہبیت میں کمی آرہی ہے، اور علمی و دینی خدمات عموماً بحیثیت ملازمت سرانجام دی جاتی ہیں۔ سلف صالحین اور علمائے ربانیین کے طریق پر ایسے علماء و مبلغین کی کمی ہے۔ جن کی زندگی کا مقصد صرف تبلیغ و تحفظ دین ہو خواہ اُن کی تنخواہ زیادہ ہو یا کم یا ان کو تعلیم دین پر کچھ بھی معاوضہ ملے تو بھی وہ اپنا دینی فریضہ سمجھ کر محض متوکل علی اللہ تعلیم و تبلیغ دین میں مشغول ہیں۔

(۲) تعلیم و تبلیغ دین بھی بحیثیت اہل سنت کم کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس میں دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے علماء بھی عموماً خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ کے دلائل سے ناواقف ہوتے ہیں اور نہ ان کو وہ آیات یاد ہوتی ہیں۔ جن سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل ایمان اور جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ شیعہ معترضین کا جواب دینے کی اہلیت نہیں رکھتے اور صحاح سنہ پڑھنے کے باوجود ان احادیث کو حل نہیں کر

سکتے، جن پر شیعہ علماء اعتراضات وارد کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ کتب حدیث حنفی، شافعی، حنبلی مسائل کے پیش نظر تو پڑھائی جاتی ہیں اور ایک ایک مسئلہ پر کئی کئی دن بھی صرف ہو جاتے ہیں۔ لیکن سنی و شیعہ نزاعی مسائل کو دورانِ درس بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس میں کوئی محنت نہیں کی جاتی۔ ترجمہ و تفسیر قرآن میں بھی یہی غفلت پائی جاتی ہے۔ اس لیے فارغ التحصیل ہو کر سنی نوجوان علماء کو اگر کسی شیعہ مناظر سے بحث کرنی پڑ جائے تو وہ بالکل خالی الذہن ہوتا ہے اور وہ اس نزاعی پہلو سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا۔ اِلا ماشاء اللہ، اور اس کو اگر اس کمزوری کا احساس ہو جائے تو پھر اس کو اس کے لیے مستقل محنت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن برعکس اس کے اہل تشیع میں سے معمولی علم والے لوگ بھی شیعہ استدلالات اور مذہبِ اہل سنت اور خلفاء و صحابہ کرام پر اعتراضات یاد کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا پڑھنا اور پڑھانا شیعہ مذہب کی تبلیغ و تحفظ کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ اُن کے علماء و مجتہدین کی تقریر و تحریر سب شیعیت کے فروغ کے لیے ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایک تعجب خیز امر ہے کہ علمائے اہل سنت میں سے جو حضرات علوم کتاب و سنت میں جتنا بلند مقام رکھتے ہیں وہ سنی و شیعہ نزاعی مسائل کو تقریر و تحریر کے ذریعہ حل کرنا ضروری نہیں سمجھتے، اور اپنی تعلیمی و تدریسی زندگی کو ان مباحث سے بالکل فارغ رکھتے ہیں۔ بلکہ اب تو ذہنی تنزل کا یہ حال ہے کہ علماء ہوں یا مشائخ اُن کے حلقوں میں اہل سنت و الجماعت کے نام کی عظمت و اہمیت بھی نہیں بیان کی جاتی اس لیے عوام سنی مذہب کی حقانیت سے دن بدن غافل ہو رہے ہیں۔ وَ اِلٰی اللّٰهِ الْمُسْتَقٰی

مولانا محمد اسحاق صدیقی کا درمندانہ پیام | پاکستان کے اکابر علمائے اہل سنت میں سے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی

سندیلوی سابق مہتمم و شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ جواب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بٹوڑی کے مدرسہ اسلامیہ نیوٹاون کراچی ۵۔ میں استاذ الحدیث ہیں۔ سنی مسلمانوں کے تنزل کا ایک خاص احساس رکھتے ہیں اور ماشاء اللہ آپ کی مساعی کا محور مذہبِ اہل سنت ہی ہے۔ بمقام مجتہدین چکوال ”خدامِ اہل سنت“ کی تیسری سالانہ کانفرنس منعقدہ ۲۰-۲۱ محرم ۱۳۹۲ھ مطابق ۷-۸ مارچ ۱۹۷۲ء کے موقع پر آپ نے جو درودندانہ پیغام سنی مسلمانوں کے نام تحریر کیا تھا وہ افادہ عام کیلئے

میں درج کیا جاتا ہے۔

”ایک دل شکستہ کا پیام، اپنے سنی بھائیوں کے نام“

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اَصْحَابِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط
اقابلہ! سنی بھائیو! الحمد للہ کہ آپ ہم سب مسلمان ہیں، مگر مسلمان ہونے کے دعویدار کچھ اور گروہ بھی ہیں شیعہ بھی خود کو مسلمان کہتے ہیں اور قادیانی بھی اور بھی اسی قسم کے تدعیان اسلام موجود ہیں۔ جو اسلام کی الگ الگ تشریح و تفسیر کرتے ہیں تو کیا آپ کے نزدیک ہر ایک گروہ کی تشریح صحیح ہے؟ اور کیا ان میں سے ہر مذہب سچا ہے؟ اگر معاذ اللہ ایسا ہے تو اہل سنت کا امتیاز ہی کیا باقی رہ جاتا ہے اور اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ متناقض باتیں بھی ایک ساتھ صحیح ہو سکتی ہیں۔ تو یا معاذ اللہ توحید بھی صحیح ہے اور شرک بھی، اس کا نال تو کوئی پاگل ہی ہو سکتا ہے۔

”سنی“ ہونے کے معنی یہی ہیں کہ ہم اسلام کے اسی فرقہ کی تشریح کو صحیح سمجھتے ہیں۔ جس کا نام اہل سنت و الجماعت ہے اور اس کے علاوہ جتنی تشریحات کی گئی ہیں انہیں بالکل باطل سمجھتے ہیں۔ حق یہی ہے کہ اسلام صرف اس دین کا نام ہے جسے نبی اکرم، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کر تشریف لائے اور جو صحابہ کرام کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا۔ ہم کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور جماعت صحابہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی لیے ہمارا لقب اہل سنت و الجماعت ہے، ہمارا ہی دین حق ہے۔ اس کے علاوہ بقیہ ادیان و مذاہب بالکل باطل ہیں۔ اس کے بعد گزارش ہے کہ اگر آپ عالم ہیں تو اپنے نفس سے سوال کیجئے اور اگر عالم نہیں ہیں تو علمائے اہل سنت سے پوچھئے کہ کیا اسلام کی حفاظت و اشاعت فرض نہیں ہے؟ اور جب صحیح معنی میں اسلام صرف مسلکِ اہل سنت کا نام ہے تو کیا مسلکِ اہل سنت کی حفاظت و اشاعت اور اس کی امتیازی خصوصیات کا اظہار و انتصار شرعاً فریضہ لازمی نہیں ہے؟

آپ حفاظتِ اسلام کے نعرے لگاتے ہیں مگر اس کی تشریح نہیں کرتے۔ بغیر تشریح کے ہم اسلام کا مفہوم کیا سمجھیں؟ شیعیت، قادیانیت، پرویزیت وغیرہ مذاہبِ باطلہ کی اشاعت و ترویج کلم کھلا ہو رہی ہے اور سنی مذہب کو مٹانے کی کوشش شباب پر ہے۔ مگر ہمارے سنی بھائیوں کی غفلت لائقِ عبرت ہے، اُن کے کان پر

جوں تک نہیں رہی گئی۔ عوام تو کالافعام ہیں ہی، علمائے کرام بھی غافل بلکہ بے حس ہیں۔ عوام کو علمائے پوچھنا چاہیے کہ کیا آپ سنی عالم نہیں ہیں؟ اور اگر ہیں تو کیا سنی مذہب کی تعلیم و ترویج اور نصرت و حمایت آپ پر فرض نہیں ہے؟ اور آپ کی اس غفلت کے بارے میں آپ سے قیامت کے دن باز پرس نہیں ہوگی؟ آپ ہمیں مذہب اہل سنت کی خصوصیات و امتیازات اور اُس کی حقانیت کے دلائل۔ اس کے مخالفین کے مغالطوں کے جوابات کیوں نہیں بتاتے اور دشمنانِ اہل سنت کے مکائد سے کیوں نہیں آگاہ کرتے۔ اسی طرح سنی سیاسی لیڈروں سے پوچھئے! کیا آپ سنی نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو کیا سنیوں کے حقوق کی حفاظت آپ پر فرض نہیں ہے؟ آج پورے پاکستان میں اہل سنت کے حقوق پامال ہو رہے ہیں باوجودیکہ وہ اغلب اکثریت میں ہیں مگر ہمارے سنی سیاسی لیڈر، جن میں علماء بھی ہیں سرسمرہ درگلو ہیں اور کسی کے گلے سے اس ظلم کے خلاف آواز نہیں نکلتی۔ **فَاللّٰهُ الْمُسْتَكْبِرُ**۔ اگر ہمارے غفلت کا یہی عالم رہا تو اندیشہ ہے کہ خدا نخواستہ پاکستان سے اسلام و رخصت ہو جائے۔ یعنی مسلک اہل سنت و الجماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ **العیاذ باللہ**۔ اس لیے بہت جلد ہوش میں آنا چاہیے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ فُطْط وَالسَّلَام

محمد اسحاق صدیقی عفی اللہ عنہ

اے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی موصوف نے ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب ”خلافت و ملوکیت“ کے جواب میں ایک محققانہ کتاب بنام ”اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت“ لکھی ہے۔ جو پاکستان میں دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی کتاب کا ایک حصہ ”تجدید سیاست“ کے نام سے ۱۹۶۵ء میں جمعیت علماء اسلام کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ مودودی صاحب نے ”خلافت و ملوکیت“ میں خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ پر جو مطاعن وارد کیے ہیں، حضرت مولانا موصوف نے ”اظہار حقیقت“ میں علمی طور پر مکمل ابطال کر دیا ہے۔

خدامِ اہل سنت میدانِ عمل میں

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب موصوف نے سنی علماء کی غفلت کا جو شکوہ کیا ہے یا راقم الحروف نے جو کچھ پہلے عرض کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام سنی علماء پاکستان میں غفلت شعار ہیں اور کسی نے مذہب اہل سنت کے تحفظ میں کچھ نہیں کیا۔ بلکہ یہ عوام و خواص کی عمومی غفلت کے متعلق درد مندانہ شکوہ ہے ورنہ متعدد علماء اس موضوع پر تقریری و تحریری خدمات سر انجام دیتے رہتے ہیں۔ قریباً ۳۵ سال سے ”تنظیم اہل سنت“ کے نام سے علماء کی ایک جماعت کام کر رہی ہے جن میں حضرت مولانا دوست محمد قریشی مرحوم و مغفور، حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری اور مناظر اہل سنت حضرت مولانا جانا عبد الستار صاحب تونسوی (موجودہ صدر تنظیم اہل سنت پاکستان) کی اہم تحریری و تقریری خدمات ہیں تنظیم اہل سنت میں اور بھی نوجوان مقررین کام کر رہے ہیں۔ مولانا عبد الستار صاحب تونسوی قریباً سارے سال تبلیغی دورہ پر رہتے ہیں اور ماشاء اللہ آپ سنی و شیعہ نزاری مسائل میں بہت کامیاب مناظر ہیں حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری (چوکیروی) مصنف ”تحقیق فیک“ نے فتنہ رفس کے انسداد میں بڑا کام کیا ہے۔ آخر عمر میں آپ کے دل میں یہی تڑپ تھی کہ خلفاء و اصحاب بالخصوص یا راقم الامم اول حضرت ابو بکر صدیق کے فضائل و مناقب ہر سنی مسلمان کے سینہ میں جم جائیں۔

علامہ خالد محمود صاحب ایم۔ اے سابق پروفیسر ایم۔ اے۔ او کالج لاہور (جواب پی۔ ایچ ڈی ہیں اور لندن میں مقیم ہیں) نے اپنی خداداد ذکاوت اور علمی وسعت سے مذہب اہل سنت کے تحفظ کا فریضہ تحریری اور تقریری طور پر بہ طریق احسن سر انجام دیا ہے۔ دارالعلوم مکیہ شریف ضلع جھنگ میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی شخصیت اہل سنت کے لیے باعث افتخار ہے۔ جو سنی، شیعہ مسائل میں اچھی دسترس رکھتے ہیں اور اب آپ ایک مفصل کتاب ”دُحْمَاءُ بَيْنَهُمْ“ لکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام علماء کی خدمات کو شرف قبولیت بخشیں۔ آمین، لیکن حضرات علماء کی ان مساعی کے باوجود اہل سنت کا جماعتی کام ترقی پذیر نہیں ہو سکا۔ لہذا ایک ایسی تحریک کی ضرورت تھی جو سنی مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے حقوق کی آواز بلند کرے، اور تحریری و تقریری اور جماعتی قوت سے تحفظِ مذہب کے معنی ”اصحاب فی الکتاب“ اور ”عادلانہ و نافع“ (رد مودودی) وغیرہ

اہل سنت اور صحابہ کرام کی طرف سے مؤثر دفاع کا محاذ قائم کرے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر احباب کے مشورہ سے ”مجلس خدام اہل سنت والجماعت“ کے نام سے ایک جماعت بتاریخ ۲- ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۶۹ء قائم کی گئی تھی جن کا بعد میں ”تحریک خدام اہل سنت“ نام رکھا گیا۔ خدام اہل سنت کا کام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کے غلیظہ عظم مخدوم العلماء والصلحاء حضرت مولانا سید پیر خورشید احمد شاہ صاحب ساکن قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان کی تائید و تصویب کے بعد شروع کیا گیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس جماعت کی سرپرستی قبول فرمائی تھی اور اس کے قیام پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا تھا۔

حضرت پیر صاحب کا گرامی نامہ
حضرت پیر خورشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطوط میں بھی ”خدام اہل سنت“ کی تحسین فرمائی ہے۔ چنانچہ حافظ عبد الوحید صاحب حنفی نائب ناظم دفتر خدام اہل سنت چکوال نے اپنے عریضہ میں تیسری سالانہ ”سُنی کانفرنس“ ہمیں کے لیے دعا کی درخواست کی تھی۔ تو حضرت پیر صاحب نے جواب میں حسب ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا تھا:-

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت طرفین مطلوب۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے عزائم اور مقاصد میں کامیاب فرمائے، اور حضرت سیدی مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی اٹھائی ہوئی تحریک ”خدام اہل سنت والجماعت“ کو مقبول فرمائے، اور سُنی مسلمانوں کو اس میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائے اور خلوص سے خدمتِ دینِ مبین کی تمام مسلمانوں کے دل میں زندہ فرمادے۔ اللہ تعالیٰ تمامی مذاہبِ باطلہ مرزائیت، مودودیّت، پرویزیت، نیچریت جیسے فتنوں سے بچا دے اور مرزائی اور رافضیوں کے اقتدار سے جمیع مسلمانوں کو محفوظ رکھے، آمین اور قدیمی لقب ”اہل السنّت والجماعت“ کو آپ حضرات پر چسپاں فرمادے اور سلف صالحین کے مبارک قدموں پر چلا دے اور آپ کی ”سُنی کانفرنس“ کو اللہ تعالیٰ کامیاب فرمادے اور باغ و بہاراں بنا دے۔ سجدتِ اقدس و الحمد

والکرم، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کو السلام علیکم عرض کریں اور خاتمہ بالایمان کی میرے لیے درخواست کریں۔ والسلام علی من اتبع الهدی - ۲- ۲- ۲۵

(نوٹ:- حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ نے خدام اہل سنت احقر مظہر حسین غفرلہ کے لیے، جو الفاظ لکھے ہیں یہ حضرت کی اپنی تواضع اور چھوٹوں پر شفقت کا نتیجہ ہیں ورنہ، من آنم کہ من دانم۔)

تحریک خدام اہل سنت کا دورہ سُنی کنونشن“ بتاریخ ۱۵-۱۶ شعبان ۱۳۹۲ھ

خدام اہل سنت کنونشن لاہور

مطابق ۲۳-۲۵ ستمبر ۱۹۷۶ء چھوڑ (لاہور) میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں باوجود ضعف و نقاہت کے حضرت پیر صاحب قدس سرہ تشریف لائے تھے، اور اپنی پُر لطف روحانی تقریریں مسلمانانِ اہل سنت کو ”خدام اہل سنت“ میں کام کرنے کی تلقین و تاکید فرمائی تھی۔ بہر حال مذہبِ اہل سنت کی تبلیغ و تحفظ کے لیے تحریک ”خدام اہل سنت“ اپنا کام کر رہی ہے۔ اہل سنت کے نام سے ہی تبلیغی جلسے اور تبلیغی دورے مختلف مقامات میں رکھے جاتے ہیں، اور اضلاع کے اہم مقامات پر ”سُنی کانفرنس“ بھی منعقد کی جاتی ہے۔ موجودہ دور میں سُنی لٹریچر کی بڑی ضرورت ہے، جس کی طرف ”خدام اہل سنت“ خصوصی توجہ دے رہے ہیں اور رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے بعد یہ کتاب ”بشارت الدارین، بالقبر علی شہادت الحبیبین“ بھی اسی سلسلہ تصنیف کی ایک کڑی ہے۔

الحمد للہ! چھوٹی بڑی تصنیفات جماعت کی طرف سے ہی شائع کی جاتی ہیں جس میں شخصی نفع کا حصول مقصود نہیں ہوتا۔ ہر سال ”سُنی کیلنڈر“ بھی خدام کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے جو الحمد للہ بہت مقبول ہو رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ”سُنی اکیڈمی“ بھی قائم کی جائے گی جس کے ذریعہ سُنی اہم

۱۔ طویل علالت کے بعد حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰- جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۲- جون ۱۹۷۳ء انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ طحق تعالیٰ آپ کے صاحبزادگان سلّمہم اللہ تعالیٰ کو آپ کی دینی و روحانی خدمات سنبھالنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ کے جاری کردہ دینی مدرسہ ”مکتبہ العلوم“ کو ترقیات نصیب ہوں آمین۔ بجاہ النبی الکریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم -

تصانیت کی اشاعت ہوتی رہے۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ مذہبِ اہل سنت کے فروغ کے لیے ہر کام جماعتی حیثیت سے کیا جائے تاکہ ہر پہلو سے جماعتی نظم و نسق برقرار رہے اور سنی مسلمان اپنی اجتماعی قوت سے مذہبِ اہل سنت کو ہر فتنہ سے محفوظ کر سکیں۔

حق چار یار

خدا اہل سنت نے ”حق چار یار“ کے اعلان پر خاص زور دیا ہے اور الحمد للہ اس کی مقبولیت روز بروز بڑھ رہی ہے اور اس کی افادیت کو اہل سنت محسوس کر رہے ہیں۔ گو سچ اٹھاسے ملک میں حق چار یار مان لے جو اُس کا ہوگا بیڑا پار! یوں تو حضور خاتم النبیین، محبوب رب العالمین کے تمام اصحاب پیارے اور حقیقی ہیں لیکن اُن میں خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا درجہ چونکہ سب سے بڑا ہے اور انہی کو قرآنی خلافت موعودہ عطا ہوئی ہے۔ اس لیے خصوصیت سے ان حضرات کو مکرّمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ”چار یار“ کہا جاتا ہے۔ جن میں سے امام الخلفاء، یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ، اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مزارِ پُر انوار میں قیامت تک کے لیے محبوبِ خدا رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنگت اور یاری کا خصوصی شرف حاصل ہے، اور یہ وہی روضہ منقذہ ہے جو اہل سنت کے عقیدہ میں عرش و کرسی بلکہ خانہ کعبہ پر بھی فضیلت رکھتا ہے اور اکابر دیوبند نے بھی اس کی تفریح فرمادی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چار یار برحق، معیارِ حق اور قطعی جتنی ہیں۔ کسی کے بغض و انکار سے اُن کے علو مقام میں کمی نہیں آسکتی۔ لیکن اہل سنت موجود و دور میں چونکہ ان خلفائے راشدین یعنی چار یار کی عظمت و حقانیت کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم نہیں ہیں، اور دوسری طرف مخالفین و معاندین نے حضرات خلفائے ثلاثہ اور شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی باہمی دشمنی کا بے بنیاد مذہب پر دوپیکند اٹھایا ہوا ہے۔ اس لیے عظمتِ خلفاء کے تحفظ کا ایک طریق یہ ہے کہ ”حق چار یار“ کے اعلانِ حق کو ملک میں عام کیا جائے۔ تاکہ سنی مسلمانوں کے قلوب ان چار یار کی عظمت و حقانیت سے پُر نور اور مخالفین کی پھیلائی ہوئی ظلمتیں کا نور ہو جائیں اور یہ ضرورت اسی طرح کی ہے جس طرح کہ چھوٹی

نبوت کے قادیانی فتنہ کے انسداد کے لیے ”تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد“ اور ”ختم نبوت زندہ باد“ کے اعلان (نعرہ حق) کو ہر مقام اور ہر ایسٹج پر پھیلا دیا گیا تھا۔ جس سے قادیانی نبوت کے دروہام لرزے لگ گئے اور آخر کار ”ختم نبوت زندہ باد“ کے اعلانِ حق نے آئینی طور پر پاکستان میں قادیانی نبوت کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اگر وقتی تقاضا کے پیش نظر ”حق چار یار“ کا نعرہ بھی ملک میں ہر مقام اور ہر سنی ایسٹج پر گونجنے لگے تو انشاء اللہ تعالیٰ ”چار یار“ کی دھاک بیٹھ جائے گی اور خلافتِ راشدہ کا بھولا ہوا سبق ہر مسلمان کو یاد ہو جائے گا اور مسئلہ ختم نبوت کی طرح قومی اسمبلی میں ”تحفظ ناموس صحابہ“ کا قانون پاس ہو جائے گا اور کسی شخص کو بھی اصحاب و اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین کی جرأت نہیں ہو سکے گی۔

”لفظ یار“ کا مفہوم

عوام اہل سنت کی غفلت اور سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مخالفین یہ پروپیگنڈا بھی کرتے ہیں کہ ”یار“ کا لفظ تو عیب دار ہے، صحابہ کس معنی میں یار ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ”یار“ کے معنی میں کوئی عیب نہیں ہے۔ دوست، یار، رفیق ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں چنانچہ ”فیروز اللغات اردو“ میں ہے۔ یاراں، یار کی جمع، کچھ دوست + یارا نہ، دوستی، آشنائی + یارِ غار، غار کا دوست، پکا دوست + یارِ دوستی، مدد + مولانا ظفر علی خاں صاحب مرحوم اردو کے مشہور شاعر، صحافی اور ادیب ہیں جن کا یہ شعر ضرب المثل بن چکا ہے۔

ہم مرتبہ ہیں یار ان نبیؐ، کچھ فرق نہیں ان چاروں میں
یہاں مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے خلفائے اربعہ کو یار ان نبیؐ قرار دیا ہے اور شعر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چاروں میں فضیلت و درجہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ ان سب میں بڑا مرتبہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور بعد انبیائے کرام کے حضرت صدیق اکبر افضل البشر ہیں۔ شعر میں ان چاروں میں فرق نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ شرفِ صحابیت میں سب برابر ہیں اور ہم سب کو مانتے ہیں۔ مثلاً انبیائے کرام میں بھی باہمی فضیلت

پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے :- **تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ** :- یہ سب پیغمبر ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے :- اور یہ بھی قرآن مجید میں ہے کہ :- **لَا تَفَرِّقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ سُلَاطَةٍ** :- ہم اللہ کے پیغمبروں میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے :- اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمام انبیاء کے کرام پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، اسی طرح ہم تمام صحابہ کرام کو ماننے ہیں اور کسی صحابی کا بھی انکار نہیں کرتے البتہ اُن کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

”فیوز اللغات اردو“ میں ہے :- صاحب، دوست، مالک + صحابہ، صحابی اور صاحب کی جمع ہے صحبت

صاحب یار ہم معنی ہیں

دوستی - ساتھ مل بیٹنا + اور ”غیاث اللغات فارسی“ میں ہے :- صاحب بمعنی وزیر و یار +

قرآن مجید میں بھی صاحب بمعنی رفیق اور یار استعمال ہوا ہے چنانچہ آیت غار میں ہے :- **ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ**

قرآنی آیات سے ثبوت

إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا - (سودہ قہر رکوع ۶) (د) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ یہ ہے :- ”جیکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ آپ اپنے ہمراہی سے فرمادے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے“ (د) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں :- ”جب اپنے یار سے فرمادے تھے، غم نہ کھا۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے“ (ج) مولوی مقبول احمد دہلوی شیعہ مفسر نے یہ ترجمہ لکھا ہے :- ”دو ہیں نے سہرا تھا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے۔ اس وقت ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ افسوس نہ کرو، بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے“ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس آیت میں صاحب رسول سے مراد حضرت ابوبکر ہی ہیں اور مولانا تھانوی نے صاحب کا ترجمہ ہمراہی - مولانا بریلوی نے یار اور مولوی مقبول لکھنے ساتھی لکھا ہے اور قرآن مجید میں صاحب رسول یعنی یار رسول صرف حضرت ابوبکر صدیق کو ہی فرمایا گیا ہے، اور چونکہ سفر ہجرت میں حضرت صدیق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی رفاقت اور سنگت کا شرف حاصل ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے غار کے تذکرہ میں آپ کو صاحب رسول فرمایا ہے اس لیے آپ کا

لقب ”یار غار“ مشہور ہو گیا، اور اسی گہری دوستی کی بنا پر دو گہرے دوستوں کو ”عارفین“ میں ”یار غار“ کہا جاتا ہے - (۲) قرآن مجید میں لفظ ولی بھی بمعنی یار اور دوست استعمال ہوا ہے چنانچہ پارہ ۲۶ سورۃ الفتح میں ہے :- **ثُمَّ لَا يَجِدُ دُونََ لِيَا وَلَا نَفْسٍ مِّثْرًا** (د) ”پھر نہ اُن کو کوئی یار ملتا اور نہ مددگار۔“ (ترجمہ مولانا مہناوی) (د) ”پھر نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ مددگار۔“ (ترجمہ مقبول) تو آیت سے لفظ ولی بمعنی ”یار“ ثابت ہو گیا۔ ”حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی دیوبندیؒ نے بھی ان چار خلفاء کو ”چار یار“ سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ خلافت راشدہ کی بحث میں مولوی محمد ہادی صاحب شمیم مجتہد کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :- ”خلفائے راشدین تو ان (یعنی اہل سنت) کے نزدیک پانچ ہیں چار یار اور ایک امام حسن عظیم رضوان اللہ تعالیٰ - مگر ان کے خلیفہ راشد ہونے اور ان کے (یعنی دوسروں کے) نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اور سب ظالم ہی تھے الخ (الاجوبۃ دکا ملہ ۳۹ مطبوعہ دہلی) فوٹ - امام حسنؒ بھی خلیفہ راشد ہیں لیکن اُن کی خلافت حضرت علیؒ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا متمم ہے اور پھر آپ نے اپنی خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دی تھی۔ اس لیے مولانا علمائے اہل سنت خلفاء راشدین سے یہی ”چار یار“ مراد لیتے ہیں۔ پہلے اہل سنت کے نزدیک ان چار یار کی اتنی اہمیت تھی کہ عموماً مائتے مساجد میں یہ شعر لکھا جاتا تھا۔

چراغ مسجد و محراب و منبر ابو بکر و عمر، عثمان و حذیفہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مدح صحابہ کے دُجوب کے سلسلہ میں حضرت محمد الفاتحؐ کی خطبہ جمعہ کا شعر

شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے ایک مکتوب گرامی سے خطبہ جمعہ میں خلفائے اربعہ (چار یار) کا ذکر کرنا شعائر اہل سنت ثابت کیا ہے۔ حضرت محمدؐ ذ علیہ الرحمۃ کے وقت میں کسی سُنی خطیب نے خلفاء راشدین کا نام خطبہ جمعہ میں نہیں لیا تھا۔ تو اس پر حضرتؐ نے حاکم وقت کو اس خطیب کو سرزنش کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا، اسی سلسلہ میں آپ کا یہ مکتوب ہے :- ”ذکر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اگرچہ از شرائط خطبہ نیست ولیکن از شعائر اہل سنت است (شکراً اللہ تعالیٰ سعیمہم) ترک نہ کند بعد و ترمذ آں را اگر

کے کہ دلش مریض و باطنش خبیث۔ اگر فرض کنم کہ بتعصب عناد ترک نہ کردہ باشد وعید۔ "مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"۔ راہِ جواب خواہد گفت۔ این قسم گلی بدبو ازا بندائے اسلام تا این وقت معلوم نیست کہ در ہندوستان شگفتہ باشد۔ نزدیک است کہ اندیش معالہ تمام شہر متہم گرد دینے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہل سنت کے شعار میں سے ہے۔ واللہ تعالیٰ ان کی کوشش کی قدر کرے۔ کوئی اپنے ارادے اور سرکشی سے اس کو نہیں چھوڑنا کر وہ شخص جس کا دل بیمار ہو اور اس کا باطن خبیث ہو۔ اور اگر فرض کریں کہ تعصب اور عناد سے ترک نہ کیا تو وعید۔ "مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"۔ جس نے کسی قوم کی شباهت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔" کا کیا جواب

کہا جائے گا؟ اس قسم کا بدبودار پھول ابتدائے اسلام سے اس وقت تک ہندوستان میں کھلنا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن نزدیک ہے کہ اس معاملہ سے تمام شہر متہم ہو جائے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم ص ۱۸۱) ان "چار یار" کی نہ صرف عوام اہل سنت بلکہ سنی سلاطین کے ہاں بھی اتنی اہمیت اور عظمت تھی کہ بعض اسلامی حکومتوں کے مروجہ سکہ پر درمیان میں

اسلامی سکہ

کلمہ طیبہ :- لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اور چاروں گوشوں میں "چار یار" کے نام کندہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ہم کو دوپڑانے کے دستیاب ہوئے ہیں جن پر درمیان میں کلمہ اسلام اور اُس کے چاروں طرف حضرات چار یار کے نام لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک سکہ کی دوسری جانب "شاهمان بادشاہ غازی" لکھا ہوا ہے منلیہ دور کے اس اسلامی سکہ کا نقشہ میاں پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مسلمانان اہل سنت کو اپنے شاندار فاضل احسن ہو اور وہ سلاطین اسلام کے ملکی سکوں سے ہی سیکھ لیں۔ کلمہ اسلام کے ارد گرد خلفائے اربعہ دراصل کلمہ اسلام کے محافظ ہیں اور اسلامی کلمہ پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم "خدا" کو اور ہر سنی مسلمان کو "حق چار یار" کا غفلہ بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور پرچم خلافت راشدہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام دنیائے اسلام میں بلند سے بلند تر ہوتا جائے۔ آمین! بجاہ النبی الکریم، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

پاکستان کا ایک عظیم تاریخی فیصلہ

(قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو کافر قرار دیدیا)

۲۹- مئی ۱۹۷۴ء کو رتبہ ریلوے اسٹیشن پر جناب ایکسپریس میں سفر کرنے والے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے ایک سو ستر نہتے طلباء پر ہزاروں مرزائی غنڈوں نے زبردست جارحانہ حملہ کیا تھا جس سے غالباً ان کا مقصد اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے مسلمانان پاکستان کو مرعوب کرنا تھا۔ کیونکہ وہ پاکستان میں اپنی مستقل حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے لیکن خداوند ذوالجلالی کے ہاں کچھ اور ہی مقدر تھا مرزائیوں کو کیا معلوم تھا کہ ان کا یہی ناپاک حملہ پاکستان میں ان کی آئینی موت کا سبب بن جائے گا اور باوجود دعویٰ اسلام کے قانون کا کافر قرار دیدیتے جائیں گے۔ مرزائیوں کے اس ظالمانہ اقدام نے پاکستان کے مسلمانوں کو جگا دیا۔ ختم نبوت کے شدید اشتعل ہو گئے، حضور رحمتہ للعالمین، خاتم النبیین، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھنے والا ہر مسلمان حرکت میں آ گیا۔ مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر جماعت نے طریق کار کے اختلاف کے باوجود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ایمانی وفاداری کا ثبوت دیا! احتجاجی جلسے ہوئے، جلوس نکالے گئے، گرفتاریاں ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے سارا پاکستان ختم نبوت کی ایک تحریک بن گیا اور بلا اختلاف متفقہ طور پر حسب ذیل مطالبات انتہائی جوش و خروش سے حکومت پاکستان کے سامنے پیش کیے گئے۔ (۱) مرزائیوں کو فدائی ہوں یا لاہودی (غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے (۲) ان کو کلیدی اسامیوں سے ہٹا دیا جائے۔ (۳) رتبہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ ان مطالبات کے نتیجہ میں حکومت پنجاب نے رتبہ کیس کی سماعت کے لیے ایک خصوصی ٹریبونل قائم کیا۔ رتبہ سے مرزائی پارٹی کے قریباً پچاسی (۸۵) سرکردہ افراد گرفتار کئے گئے۔ پولیس نے رتبہ پر چھاپہ مار کر "الفضل" ۲- جون ۱۹۷۴ء کے دو ہزار پرچے ضبط کر لیے، اور ۱۳- جون کو وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی صاحب جتوئی نے تقریر میں اپنے اس عقیدہ کا اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور جو شخص آپ کے بعد کسی شخص کو نبی مانے وہ مسلمان نہیں ہے، اور قوم سے یہ پُر عزم وعدہ کیا کہ مرزائیت کے اس نوے سالہ پُرانے مسئلہ کو ضرور

حل کیا جائے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح حل ہوگا کہ ساری قوم اس سے مطمئن ہو جائے گی۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد یہ مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کر دیا گیا جس میں ایک رہبر کمیٹی بنائی گئی جو حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے معتز ارکان پر مشتمل تھی۔ جس میں علماء بھی تھے اور سیاسی زعماء بھی۔ قادیانی سربزراہ مرزا ناصر کے علاوہ لاہوری پارٹی کے سربراہ مسٹر صدر الدین کو بھی اپنا اپنا موقف پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ ان دونوں نے اپنا اپنا مطبوعہ محضر نامہ پیش کیا۔ رہبر کمیٹی میں اٹارنی جنرل کی موجودگی میں مرزا ناصر پر جرح کی گئی۔ مرزائی دونوں پارٹیوں کے محضر ناموں کے جواب میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی (ایم۔ این۔ اے) نے جمعیت علمائے اسلام (ہزاروی گروپ) کی طرف سے ”جواب محضر نامہ“ طبع کر کے قومی اسمبلی میں تقسیم کیا اور ”مجلس عمل، ختم نبوت“ کی طرف سے بھی حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (ایم۔ این۔ اے) ناظم اعلیٰ جمعیت علماء اسلام (مفتی گروپ) نے اپنا مطبوعہ جواب پیش کیا۔

قادیانی سربزراہ مرزا ناصر، لاہوری پارٹی کے صدر مسٹر صدر الدین، مولانا مفتی محمود صاحب اور حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اپنے اپنے مطبوعہ موقف نامے قومی اسمبلی میں پڑھ کر بھی سنائے۔ مرزا ناصر پر مدلل اور مفصل جرح کی گئی جس سے مرزا سخت پریشان اور مہبوت ہوا اور قومی اسمبلی کے جو مسلم ارکان پہلے مرزائیت کے دجل و فریب سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ اُن پر بھی مرزائی نبوت کا فتنہ منکشف ہو گیا اور حضور رحمتہ تعالین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی حقانیت زیادہ واضح ہو گئی۔ سچ کہا ہے بابائے صافیت مولانا ظفر علی خاں مرحومؒ مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں۔

نبوت اُسے بخشی انگریز نے !! یہ پودا اُسی کا ہے خود کاشتہ !!

آخر ستمبر ۱۹۷۴ء کا وہ تاریخی دن آگیا جس کی ملت اسلامیہ منتظر تھی اور وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی موجودگی میں قومی اسمبلی کے مسلم ارکان نے دخواہ حزب اقتدار سے تعلق رکھتے تھے یا حزب اختلاف سے متفقہ طور پر یہ قانون منظور کر لیا کہ مرزائی (قادیانی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں یا لاہوری سے) غیر مسلم اقلیت ہیں اور آئندہ اُن کا نام دوسری غیر مسلم اقلیتوں (عیسائیوں اور بدھوں وغیرہ) کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔ چنانچہ آئین میں ترمیم کے بعد جو قانونی

دفعات منظور ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں :- (۱) یہ قانون آئین میں دوسری ترمیم کا قانون مجریہ ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔ یہ قانون فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔ (۲) اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۱۰۶ کی دفعہ ۱ میں لفظ فرقے کے بعد قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کے افراد کے الفاظ شامل کئے جائیں گے۔ (۳) آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ میں دفعہ ۱ کے بعد حسب ذیل نئی دفعہ شامل کی جائے گی (۱) جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط پر یقین نہ رکھتا ہو یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الفاظ کے کسی بھی مفہوم یا اظہار کی صورت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا اس قسم کے دعویدار کو نبی یا مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے تحت مسلمان نہیں ہے۔ اور تفریق پاکستان کی دفعہ ۲۹ میں حسب ذیل تشریح بھی شامل کر دی گئی ہے کہ :- ”جو مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے (جس کا آئین کے آرٹیکل نمبر ۲۹ کی دفعہ ۱ میں صراحت کر دی گئی ہے) کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے، عمل کرے یا پرچار کرے گا۔ اُسے اس دفعہ کے تحت سزا دی جاسکے گی۔“ (رفائے وقت اولینڈی“ ۸ ستمبر ۱۹۷۴ء)۔

ملت اسلامیہ کو مبارکباد

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے اس تاریخی فیصلہ پر ہم ”خُدام اہل سنت“ کی طرف سے تمام ملت اسلامیہ خصوصاً سواد اعظم اہل السنۃ والجماعت کو مبارکباد پیش کرتے ہیں، اور پھر پاکستان کے اُن تمام علماء و زعماء جانشانِ رضا کاروں اور خواص و عوام کو بھی جنہوں نے اپنی اپنی صوابدید اور طریق عمل کے مطابق حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا پرچم بلند کرنے، انگریز کے خود کاشتہ پودے ”قادیانی نبوت“ کو برباد کرنے میں مخلصانہ جدوجہد کی ہے اور حالیہ تحریک ختم نبوت کے اُن فداکاروں کو بھی ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے تحفظ ختم نبوت کے لیے جام شہادت نوش کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔ آئین ۲۹، ہم وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی صاحب بھٹو، قومی اسمبلی اور سینٹ کے اُن تمام مسلم ارکان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے متفقہ طور پر آئین پاکستان میں مسئلہ ختم نبوت کو آئینی تحفظ دے کر قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا قانون منظور کیا ہے۔ (۳) ہم ۱۹۷۳ء کی تحریک ختم نبوت کے اُن جلیل القدر شہداء کو

خراج تحسین پیش کرتے ہیں جن کی قربانی اور شہادت کے نتیجے میں آج پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا ہے اور ہم ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے قائدین و زعماء اپنے دور کے عظیم قائد امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، جلیل القدر رہنما شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری، ۱۹۵۳ء کی مجلس عمل کے صدر علامہ ابوالحسنات صاحب قادری، مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق صدر مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری، خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی، فارج مرزائیت، مناظر اسلام مولانا لال حسین صاحب اختر کی ارواح کو ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں جنہوں نے مرزائی فتنہ کے السداد کے لیے اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ (۴) ہم ”مجلس احرار اسلام“ کے میاںک رہنما حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، قائد احرار چوہدری افضل حق صاحب اور شاعر ملت بابائے صحافت مولانا طفر علی خان وغیرہ اُن علماء و زعماء کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جنہوں نے انگریزی استبداد کے دور میں مرزائیت کو لگا را اور ساری عمر قادیانی فتنہ سے برسرِ پیکار رہے۔

(۵) ہم حضرت علامہ استاذ العلماء مولانا سید الزہراء صاحب کاشمیری، حضرت مولانا سید مرتضیٰ صاحب چاندپوری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اور عظیم شاعر اسلام علامہ اقبال وغیرہ اکابر ملت کو بھی خراج تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنی علمی اور استدلالی قوتوں سے قصر مرزائیت میں زلزلہ ڈال دیا تھا (۶) ہم حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب چشتی گولڑوی، رئیس المناظرین مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب بے برصفت ”آفتاب ہدایت“ و ”تازیانہ عبرت“۔ فاضل یگانہ، ادیب لسیب مولانا محمد حسن صاحب فیضی ساکن جھین تحصیل چکوال۔ (جن کے عربی بے لفظ قصیدہ کے سامنے مرزا قادیانی مبہوت ہو گیا تھا۔ یہ فیضی مرحوم میرے والد صاحب مرحوم کے چچا زاد بھائی تھے اور آدبِ عربی میں بڑی مہارت رکھتے تھے) اور مشکِ اہل حدیث کے اکابر مولانا ابوالوفاء شاہ اللہ صاحب امرتسری اور مولانا میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی مصنف ”شہادت القرآن“ (در مسئلہ حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو ہزار ہا آفرین کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ جنہوں نے براہ راست مرزا غلام قادیانی کا تعاقب کیا اور مرزائی فتنہ کے استیصال کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

حضرت صدیق کا عظیم کارنامہ خلافت

قادیانی نبوت کا ذبح کی آئینی شکست اور مسلمانانِ پاکستان کا تحفظ ختم نبوت

پر یہ اجماع دراصل امام الخلفاء حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عظیم کارنامہ کا ایک فیضان ہے جو آپ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسیکمہ کذاب، اسود عسی، طلحہ اسدی وغیرہ جھوٹے مدعیان نبوت کے مقابلہ میں سر انجام دیا اور حضرت صدیق اکبر کی قیادت میں صحابہ کرام اور مجاہدین اسلام نے بیک وقت اُن تمام جھوٹی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا۔ مسیکمہ کذاب باوجود اپنی چالیس ہزار فوج جرار کے قتل ہوا۔ اسود عسی بھی غازیان اسلام کے ہاتھوں مارا گیا اور طلحہ اسدی اور سجاح (مدعیہ نبوت) کو آخر کار قوبہ کی توفیق ملی۔ مدعیان نبوت کے مرتد ہونے اور اُن کے واجب القتل ہونے پر سب سے پہلا اجماع حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت میں ہی ہوا۔ اور تمام اُمت اسلام پر حضرت صدیق اکبر کا یہ احسان عظیم ہے جنہوں نے اپنی بمثال استقامت سے نہ صرف جھوٹی نبوتوں بلکہ منکرینِ زکوٰۃ اور مرتد قبائل کے فتنوں کا حق تعالیٰ کی نصرت سے بالکل ہی قلع قمع کر دیا۔ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَعَنْ سَائِرِ الصَّحَابَةِ الَّذِينَ جَاهَدُوا بَا مَوَالِهِمْ وَانْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَكَادُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَوْزًا عَظِيمًا۔

ہدیہ درود و سلام

آخر میں ہم امام الانبیاء والمرسلین، رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بارگاہ رسالت میں درود و سلام کا عاجزانہ ہدیہ پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ختم نبوت آئینی طور پر محفوظ ہو گیا ہے اور حضور کی ختم نبوت کے باغیوں کے کفر پر مہر لگ گئی ہے اور حضور کے گنہگار اُمتین کو اللہ تعالیٰ نے مقام ختم نبوت کے تحفظ کی توفیق عطا فرمائی ہے، اور حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ پاکستان ہر قسم کے داخلی اور خارجی فتنوں سے محفوظ رہے اور ملک و ملت کو خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبت اور پیروی میں مکمل نظام شریعت نصیب ہو۔ آمین! یا اے العالمین!

سُنی مطالبات کی تحریک

گذشتہ سال پاکستان کے شیعوں نے ماتمی جلوسوں کے آزاد ہونے کے علاوہ سرکاری سکولوں اور تعلیمی اداروں میں شیعہ دینیات نافذ کرنے کی پُر زور تحریک چلائی تھی اور اس سلسلہ میں حکومت کو یہ الٹی میٹم بھی دیدیا تھا کہ: "اگر ۲۰ ستمبر تک سرکاری مدارس میں جداگانہ شیعہ دینیات نافذ نہ کی گئی تو ۲۱ ستمبر ۱۹۷۳ء کو ملک بھر سے شیعہ عوام راڈ لینڈز پر پہنچ کر شدید احتجاج اور مظاہرہ کریں گے اور مظاہرہ کرنے کے نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی پر نہ ہوگی۔" چونکہ شیعہ مطالبات سوادِ اعظم اہل سنت کے حقوق کے خلاف تھے اور مشترکہ سُنی و شیعہ دینیات جاری کرنے سے سرکاری سکولوں میں سُنی شیعہ نزاعات بڑھنے کا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ کی تائید و توفیق سے "خُدّامِ اہل سنت" نے سُنی مطالبات کی عظیم تحریک اٹھائی اور "سوادِ اعظم کے ملکی و ملی حقوق کے تحفظ کے لیے اہم سُنی مطالبات" حکومت کو پیش کر دیئے گئے اور "سُنی مطالبات" کو طبع کر کے ملک میں تقسیم کیا گیا۔

اس سُنی دستاویز پر پنجاب، سندھ، سرحد، اور بلوچستان کے چاروں صوبوں کے تقریباً ایک ہزار علماء و علمائے دینی دستخط تھے جن میں قوی اسمبلی کے حسب ذیل سات علماء ارکان بھی شامل ہیں:- مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث (اکوڑہ تنگ-پشاور) مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، مولانا شاہ احمد صاحب (کراچی) مولانا عبدالحکیم صاحب (راولپنڈی) مولانا صدر الشہید صاحب (بٹوں) مولانا نعمت اللہ صاحب (کوہاٹ) اور مولانا عبدالحق صاحب (بلوچستان)۔ ان سُنی مطالبات پر دیوبندی، اور بریلوی علماء کے علاوہ مسلک اہل حدیث کے علماء کے بھی دستخط تھے اور حسب ذیل جماعتوں کے علماء و علمائے دینی نے بھی اپنے دستخطوں سے ان مطالبات کی تائید کی تھی:- تحریک خُدّامِ اہل سنت - تنظیم اہل سنت !!! پاکستان سُنی پارٹی - مرکز جمیئین صحابہ - پاکستان سُنی کانفرنس - جمعیت علمائے اسلام - جمعیت علمائے پاکستان - مجلس تحفظ ختم نبوت - مجلس احرار اسلام - انجمن تحفظ حقوق اہل سنت - مجلس تحفظ ناموس صحابہ مذکورہ سُنی مطالبات کی دستاویز ۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ تفصیل کے لیے یہ دستاویز قابل مطالعہ ہے ہم قارئین کے لیے صرف سُنی مطالبات کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

سُنی مطالبات کا خلاصہ

(۱) سوادِ اعظم اہل السنّت والجماعت کا یہ اسلامی اور جمہوری حق ہے کہ نصابِ تعلیم میں صرف اُن کی دینیات نافذ کی جائے اور شیعہ اقلیتی فرقہ کے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا جائے کہ "شیعہ دینیات سرکاری تعلیمی اداروں میں نافذ کی جائے" (۲) شیعہ فرقہ کے ماتمی جلوسوں کے لائسنس بالکل منسوخ کر دیئے جائیں کیونکہ یہ سُنی شیعہ فرقہ دارانہ فسادات کا مبنی ہیں اور شیعہ فرقہ کو اُن کی مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لیے اُن کی مساجد اور امام باڑوں میں پابند کر دیا جائے۔ (۳) ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی اُن نشریات پر پابندی لگادی جائے جو سوادِ اعظم اہل سنت کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والی ہیں اور خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ دیگر خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان و انور اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے محامد و کمالات کو بھی نشر کرنے کا انتظام کیا جائے (۴) اہل سنت کے لیے سُنی اوقات بورڈ قائم کیا جائے جس کا انتظام بھی سُنی حکام کے ماتحت ہو۔ (۵) کتاب اللہ، ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تعاملِ خلفائے راشدین اور اجماع اُمت کے تحت چونکہ مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی اور اُس کی اُمت مرزائے کافر ہے۔ اس لیے پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ و ما علینا الا المکذخ طرہ من جانب سوادِ اعظم اہل السنّت والجماعت پاکستان الحمد للہ! مرزائیوں کے متعلق سوادِ اعظم کا یہ خیر پانچوں مطالبہ آئینی طور پر منظور ہو چکا ہے۔ جس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں درج کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانانِ اہل السنّت والجماعت کو اپنے باقی مطالبات میں بھی کامیابی عطا فرمائیں اور خلافت راشدہ کے نظام حق کا نمونہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام دنیائے اسلام میں قائم ہو جائے۔ آمین! بجا کہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادمِ اہل سنت الاحقر منظر حسین غفرلہ
خطیب مدنی جامع مسجد چکوال دامیر "تحریک خُدّامِ اہل سنت" صوبہ پنجاب

سوادِ اعظم اہل سنت کے خلاف ایک غیر منصفانہ فیصلہ

سرکاری سکولوں میں شیعہ دینیات جاری کرانے کے لیے شیعہ فرقہ نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء سے راولپنڈی میں ایک زیر دست ایچی ٹیشن چلانے کی حکومت کو دھمکی دی تھی۔ جس کے خلاف ”خدا ام اہل سنت“ کی طرف سے ایک پمفلٹ بنام ”اہل سنت کے لیے ایک اور آئنا نش“ شائع کیا گیا تھا۔ لیکن اسی دوران میں اچانک یہ خبر پڑھی کہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو لاہور کے ایک اجلاس میں شیعہ دینیات کا مطالبہ منظور کر لیا گیا ہے اور تجب یہ کہ اس اجلاس میں کسی سنی عالم کو شریک نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف حکومت کے دو مرکزی نمائندے وفاقی وزیر تعلیم پیر زادہ اور وفاقی وزیر تجارت رفیع رضا اور شیعوں کے ۱۶ نمائندے شریک کئے گئے۔ جن میں جسٹس جمیل احمد رضوی، نواب مظفر علی قزلباش اور مسٹر مظفر علی شمسی وغیرہ شیعہ زعماء شامل تھے۔ چونکہ یہ فیصلہ بالکل یک طرفہ اور ہر پہلو سے سوادِ اعظم اہل سنت کے لیے خطرناک تھا اس لیے ”خدا ام اہل سنت“ کی طرف سے اس کے خلاف احتجاجی طور پر ایک پمفلٹ بعنوان ”ایک غیر منصفانہ فیصلہ“ ملک میں تقسیم کر دیا گیا۔ (۲) اس فیصلہ کے خلاف ماہنامہ ”الحق“ (اکتوبر و نومبر ۱۹۷۷ء) میں ایک مفصل مضمون جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ”الحق“ کا بھی شائع ہوا۔ جس کو ”خدا ام اہل سنت“ لاہور نے رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ (۳) حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی استاذ مدرسہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی (سابق شیخ الحدیث والتفسیر ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے بھی اس کے خلاف ایک مدلل مضمون تحریر فرمایا۔ **شیعہ مذہب کا کلمہ** نویں اور دسویں جماعت کے طلبہ کیلئے نیا نصاب مرتب ہونے سے پہلے حکومت نے شیعہ نصاب دینیات مصنفہ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی (دی۔ ایچ۔ ڈی) منظور کیا ہے۔ جس کے حصہ اول میں کلمہ اسلام یہ لکھا ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ عَلِيُّ دَلِيُّ اللَّهِ طَبَسٌ سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کا کلمہ ہی باقی تمام مسلم فرقوں سے جدا ہے۔ ان حالات میں بھی اگر مسلمانانِ اہلسنت نے شیعہ دینیات کے خلاف جدوجہد کئے اس غیر منصفانہ فیصلہ کو منسوخ نہ کر لیا تو اس غیر اسلامی کلمہ کے اجراء کی ذمہ داری اُن پر عائد ہوگی۔ کیا سوادِ اعظم اسلامی کلمہ کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے؟ والسلام

خادمِ اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ

چار یارِ مصطفیٰ اہل یقین

حصہ نظم

از قلم فیض دقم شیخ المشائخ امام اؤلیائے چشت حضرت حاج امجد اللہ صاحب
مہاجر مکی قدس سرہ

شہسوارانِ جہان، مردانِ دین !
چار یارِ مصطفیٰ، اہل یقین !
اولاً بوبکر صدیق، اہل دین !
دوسرے عادل عمر و الیقین !
تیسرے عثمان باحلم و حیا !
چوتھے ہیں حضرت علی شیر خدا !
اور سب اصحاب اُن کے ذمی علوم !
صدق اور عدل و شجاعت درجیا !
ان سے راضی ہے خدائے دوسرا
تو بھی جان و دل سے اے انداد !
میں ہدایت کے فلک پر فے نجوم !
ہے انہی چاروں سے دین کا ارتقاء
اور خوش ہیں اُن سے حضرت مصطفیٰ !
رہ فدا اُن پر سدا ہر روز و شب

جو کوئی بد اعتقاد اُن سے ہوا

ہے وہ مردود جنابِ کبریا

منقول از خلافتِ راشدہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی (رحمۃ اللہ علیہ) رجمالہ غزائے رُوح ص ۱۱۱

خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي (الحديث)

بعض لوگوں نے حضرات خلفاء کی فضیلت اور ترتیب کے متعلق ایک نکتہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے: **خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي** (یعنی سب سے بہتر میرا زمانہ ہے) اس حدیث میں خلفائے اربعہ کے نام کے آخری حروف بہ ترتیب آئے ہیں یعنی ق صدیق کا اور س امام عمرؓ کی اور نون عثمانؓ کا اور ح علیؓ کی اور کسی نے اس کو یوں نظم کیا ہے۔

ابو بکرؓ یکسو عضلی ایک جانب خلافت کو گھیرے ہیں با صد صفائی!
الف اور یاء کی طرح اُن کو جانو کہ محصور ہے جن میں ساری خدائی!
یہ تشبیہ ہے واقعی تو جبکہ بھی الف اور یاء نے یہ ترتیب پائی!
وہ اوّل خلیفہ کے اوّل میں آیا! یہ آخر خلیفہ کے آخر میں آئی!

حضرت مولانا اشرف علی صاحب مہتاقوی قدس اللہ سرہ ان اشعار کو پڑھتے اور یہ فرماتے، بھلا کوئی شعر کہے تو ایسے کہے۔ (منقول از "خلافت راشدہ" ص ۱۶۱)

فلسفہ شہادتِ امامِ عالی مقام

از مولانا ظفر علی خان مرحوم

کیوں ماتم حسینؓ میں یشور و شینؓ ہے کیوں گریہ و بکاء کیلئے ہے یہ بند و بست
خونِ نابہ بار کس لئے ہے آنکھ آپ کی؟ کیوں بہت آپ کتے ہیں اسلامی کی پست
کیا یہ بھی کوئی گریہ و زاری کی بات ہے قربان ہو گیا رہ دین میں وہ حق پرست
تم کربلا کی خاک اُڑاتے رہو! مگر ہم خوش ہیں دی حسینؓ نے طاعوت کو شکست
آوازہ خلیلؓ زنبیاد کعبہ نیست
مشہور شد ازان کہ بآتش نیکوشت

سچ منہ زان آوازِ بستان

حق چار یار (از محمد یونس سرور و آصفی)

اسلام پر نثار تھے حضرت کے چار یار ملت کے غمگسار تھے حضرت کے چار یار
گفاد کو ہمیشہ انہوں نے شکست دی نصرت سے ہمکنار تھے حضرت کے چار یار
حق بات اُن کے مُنہ سے نکلتی تھی بیدھڑک مقبول کردگار تھے! حضرت کے چار یار
زیر نگین تمام جہاں اُن کے آگیا!

دُنیا کے تاجدار تھے حضرت کے چار یار
خلقِ محمدیؐ کا نمونہ تھے سر بسر! یکتائے روزگار تھے حضرت کے چار یار
ملتی تھیں جہاں میں اُن کی مثال اب حضرت کے رازدار تھے حضرت کے چار یار
سرکارِ دو جہاں کی وفا کے سُرو سے!
کس درجہ باوقار تھے حضرت کے چار یار

(منقول از ہفت روزہ "الجمعیۃ" داولپنڈی)

مقامِ چار یار از ڈاکٹر منظور احمد منظور

دو جہاں میں ہے بلند آوازہ نامِ چار یار
بعد احمدؓ سب سے بڑھ کر ہے، مقامِ چار یار
کیوں نہ ہو دردِ زبان ہر وقت نامِ چار یار
ہم فدا یانِ محمدؐ! ہیں سلامِ چار یار

اعلانِ حق ہمارا ہے حق چار یار سے

(ماسٹر محمد یوسف صاحب ساکن ممبئی)

اعلانِ حق ہمارا ہے حق چار یار سے
توحید کا ہے غنفلہ سنت کی ہے بہار
باطل کا جن کے سامنے پرچم تھا سرنگوں!
وہ شوکتِ اسلام کا تابندہ ہیں نشان!
خلفائے راشدین کا منکر ہے بد نصیب!
ہے ارضِ پاک سے جو اٹھا مردِ حق شناس
جنگل، پہاڑ گونج اٹھے حق چار یار سے
اصحابِ مصطفیٰ پہ ہیں ”حُمدِ ام“ جانشار
اعلانِ حق ہمارا ہے، حق چار یار سے

اصحابی کا لُجُوم

از عزیز فیضانی

غضب سے شک ہے لوگوں کو اُن کے دینِ ایمان میں
وہ اُن کی آنکھ میں کیوں خار بن کر کھٹکتے ہیں
معبیتِ سرورِ کونین کی اُن کو میسر تھی!
خدا راضی ہوا ہوصات جن سے لفظِ قرآن میں!
جو گل بن کر کھلے ہوں گلبنِ حنیمِ رسولان میں
بیانِ اوصاف اُن کے کر دیئے خالقِ قرآن میں

وہ پایا مرتبہ اسلی رفیقِ غار ہونے سے
جو شاہانِ زمانہ بھی نہ حاصل کر سکے اب تک
ہیں یوں تو مخزنِ اوصافِ لیکن نمایاں ہیں
نبی ہے چاند، اُس کے چار یار اُس کے
گواہی صاف دیتی ہے حدیثِ کا لُجُوم اس کی
بنائی دین و ملت کی عمارت جن بزرگوں نے
وہ راضی ہو گئے حق سے، خدا راضی ہوا اُن سے!
عزیز اُن کا یہ رُتبہ ماننا داخل ہے ایمان میں!

(منقول از ”الجمعیت“ راولپنڈی)

جو صابرو شا کر ہیں وہ ماتم نہیں کرتے

اثرِ خامہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب مہاتوی جامعہ شرفیہ لاہور
جو صابرو شا کر ہیں وہ ماتم نہیں کرتے
یہ نوحہ و ماتم تو شکایت ہے خدا کی
بندوں کو ہو معبود کا، تقدیر کا شکوہ
تقدیر میں جو ہوتا ہے، ہو جانے پہ اُس کے
حکمت ہے ہر اک کام حکیمِ ازلی کا
ہے حکم کہ مُردہ نہ شہیدوں کو کہو تم!
ہے حکم شہیدوں کا کہ ہیں زندہ یہ سب لوگ
یوں خالقِ کونین کو برہم نہیں کرتے
ہم شکوہِ خلاقِ دو عالم نہیں کرتے
کیوں فیصلہ قدر پہ سرخم نہیں کرتے
راضی برضاِ نوحہ پیہم نہیں کرتے
شکوہ کبھی اس راز کے محرم نہیں کرتے
جو مُردہ نہیں کہتے وہ یوں غم نہیں کرتے
زندوں کا تو فساق بھی ماتم نہیں کرتے

ہے حکم پیرو نہ کر دسوگ بہت دن !
 فرمایا! جو نوحہ کریں، منہ کپڑوں کو نوچیں
 ہر سال کا یہ شور و شغب، نوحہ و ماتم !
 وہ حکیم الہی کے اڑاتے ہیں پر خچے !
 کرتا ہے بناوٹ وہ جو خود ہوتا ہے جھوٹا
 غم ہوتا ہے کچھ اور، یہ غم کرنا ہے کچھ اور
 دل لہج ہے پر صبر کا دامن نہیں چھٹتا
 اسلام کہ جو صبر و شجاعت کا ہے مذہب
 ہو جاتی ہے غم آنکھ مصیبت میں تو سب کی
 جب حضرت داؤد کو تھا آئے سے جبراً
 حسنینؑ کے والد کی شہادت بھی تھا اک ظلم
 ہے سب سے بڑا رنج تو حضرتؑ کی جدائی
 ہے دین اگر نوحہ و سرکوبی و ماتم !
 اللہ و نبیؐ سے جو صحابہؓ نے لبِ دین
 ہنگامہ و شور و شغب، نوحہ و ماتم
 اسلاف کو یوں گالیاں اور کو سننے دے کر
 اس ماہِ مبارک میں گناہوں کے یہ انبار
 کرتے ہیں وہی نوحہ و سرکوبی و ماتم
 ہے جرم چھپانے کی عجب چال کہ سمجھیں
 ہر سال میں تجدید ہے اس فتنہ گری کی !
 لیل ہے ! "حُبَّتْ ہے یہی آسِ منجی کی"

ایک تحفظ ختم نبوت زندہ باد
 پاکستان پائندہ باد

خلافت راشدہ ۷ زندہ باد
 سنی مذہب زندہ باد

حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت عمر فاروقؓ حق چار یار حضرت عثمانؓ ذوالنورین

حضرت علی المرتضیٰؓ

ماتمی مجتہد محمد حسینؒ ڈھکوی کتاب تجلیات صداقت

پر

ایک اجمالی نظر

از

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب امیر خدام اہلسنت والجماعت

صوبہ پنجاب

ناشر: خدام اہلسنت والجماعت چکوال ضلع جہلم

قیمت ۲/۵۰ روپے

کاتب: محمد رفیع خان لاہور

فہرست

”وہیت قت پر ایک اجمالی نظر“

صفحہ	نام مضمون	صفحہ	نام مضمون
۵۵۸	خلفاء ثلاثہ کے بارے میں مامی مجتہد کا نظریہ	۵۵۸	حضرت علیؑ کی ماتمی
۵۶۱	مامی مجتہد کا ایک عظیم الشان جھوٹ	۵۶۱	حضرت عثمانؓ کی غائبانہ بیعت
۵۶۱	تفسیر مجمع البیان کی عبارت کا انکار	۵۶۱	حضرت عمرؓ پر شک فی النبوة کا بہتان
۵۶۲	عقائد و مسائل	۵۶۲	خدا نے تو معاف کر دیا لیکن مامی مجتہد؟
۵۶۳	ایمان بالقرآن کی بحث	۵۶۳	حدیث ماسبقہم البیکہ... وقوفی قلبہ کے معنی مامی مجتہد کی جہالت
۵۶۵	دورِ حاضر کے شیعہ مفسرین	۵۶۵	حدیث قرطاس میں لفظ حجر کی بحث
۵۶۶	مامی مجتہد کا اپنا اقرار	۵۶۶	مامی مجتہد کی ”بحال“ کے مفہوم سے جہالت
۵۶۷	بحث خلافت و امامت	۵۶۷	امام حسنؑ حضرت معاویہؓ سے گزراہ الاونس لیتے رہے
۵۶۷	آیت اختلاف	۵۶۷	مامی مجتہد کے بعض تضادات (رسم و واجہاج)
۵۶۸	آیت تمکین	۵۶۸	شیعہ مساجد کی آبادی وغیر آبادی
۵۶۹	مامی مجتہد کی جہالت و خیانت	۵۶۹	شیعہ مساجد کی دوسری تصویر
۵۷۳	خلاصہ کلام	۵۷۳	متنوع کا ثواب
۵۷۵	شیعہ تفاسیر و احادیث	۵۷۵	امیر نے بھی متوجہ کیا
۵۷۷	حضرت ابو بکرؓ کی امامت مناز	۵۷۷	غنیۃ الطالبین کے حوالہ میں مامی مجتہد کا فریب
۵۷۷	حضرت علیؓ کی اقتدار	۵۷۷	سب شخصین کا حکم
۵۷۷	مامی مجتہد کا احقانہ چیلنج	۵۷۷	اہل سنت و الجماعت کے نام میں مامی مجتہد کی تلبیس
۵۷۸	حضرت علیؓ کی بیعت	۵۷۸	مامی مجتہد کے چیلنج کا جواب
۵۸۰	حضرت علیؓ کی پوزیشن	۵۸۰	ارشاد و رسالت سے اہل سنت کا ثبوت
۵۸۲	ہمارا سوال	۵۸۲	مناجات فارسی (از مصنف آفتاب ہدایت)
۵۸۳	مامی مجتہد کی مزید جہالتیں اور خیانتیں	۵۸۳	شیعوں کا عبد اللہ کا کلمہ اسلام
۵۸۶	اسلام عمرؓ کے متعلق رسولؐ خدا کی مخصوص وصا	۵۸۶	کلمہ شیعہ عالم اسلام کے لئے کھلا چیلنج ہے۔
۵۸۸	حضرت ابو بکرؓ پر زندہ انسان کو جلا دینے کا الزام	۵۸۸	

”تجلیات صداقت“ پر ایک اجمالی نظر

میرے والد صاحب مرحوم رئیس المناظرین ابو الفضل حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر کی رد و رفض و بدعت میں ایک مشہور تصنیف ”آفتاب ہدایت“ قریباً صر پچاس سال سے شائع ہے۔ جس کا اب تک کسی شیعہ عالم و مجتہد نے جواب نہیں لکھا تھا مگر حال ہی میں اس کا جواب شیعہ علامہ مولوی محمد حسین صاحب دھکو نے لکھا ہے (جن کی فلاح الکونین پر تقریظ ہے) اس کتاب کا نام و تجلیات صداقت رکھا ہے جس کو انجن حیدری چکوال نے شائع کیا ہے۔ ہم کو یہ کتاب ”بشارت الدارین“ مکمل کرنے کے بعد دستیاب ہوئی ہے۔ اور اس پر شیعوں کو بڑا ناز ہے چنانچہ کتاب کے ناشر نے آفتاب ہدایت کے جواب کی ضرورت تحت لکھا ہے کہ:- ان حالات سے مجبور ہو کر ہم نے صدر المحققین سلطان المتکلمین حمزہ الاسلام و المسلمین سرکار علامہ الحاج الشیخ محمد حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی رجو کہ سب سے زیادہ اتحاد اسلامی کے علمبردار ہیں، کی خدمت میں جواب لکھنے کی درخواست پیش کی۔ مقام شکر ہے کہ انہوں نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود ہماری مخلصانہ استدعا پر لبیک کہتے ہوئے اس کتاب کا دندان شکن جواب باصواب لکھ کر پوری ملت جعفریہ کا سرا افتخار بلند کر دیا جس پر آنے والی نسلیں بھی فخر کرتی رہیں گی انہ ”گو“ تجلیات صداقت ”دہل و فریب اور حق و باطل کے البتاس اور کتمان حق کا ایک عجیب شاہکار ہے لیکن اس سے ناواقف اہل سنت چونکہ فریب کا شکار ہو سکے ہیں اور شیعہ عوام بھی مجتہد صاحب موصوف کی اندھی تقلید کی وجہ سے خلفاء و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض و عناد کے باعث ہمیشہ کے لئے ورطہ ضلالت میں مبتلا ہو سکتے ہیں اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ مولوی محمد حسین صاحب موصوف کے علم و دیانت کا پول کھول دیا جائے اور چونکہ کتاب ”بشارت الدارین“ پہلے بھی ضخیم ہو چکی ہے اور طباعت کے مراحل میں ہے اس لئے بہت اختصار کے ساتھ کچھ عرض کیا جائیگا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

خلفائے ثلاثہ کے بارے میں مامی مجتہد کا نظریہ

بعض شیعہ چونکہ مولوی محمد حسین صاحب

ڈھکوکو مجتہد مانتے ہیں (اور کتاب کے ناشر صاحب نے بھی دیگر القاب کے ساتھ ان کو مجتہد العصر لکھا ہے) اس لئے ہم ان کو جواب میں مآتی مجتہد سے خطاب کریں گے۔ اور تعجب ہے کہ ناشر صاحب ان کو بد سب سے زیادہ اتحاد اسلامی کے علمبردار قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ مآتی مجتہد نے اپنی اس کتاب میں خلفائے ثلاثہ اور حضرت عائشہ صدیقہ کے خلاف جو کچھ زہرا لکھا ہے اور ان کے ایمان کا بھی صراحتاً انکار کیا ہے۔ اس سے واقف ہونے کے بعد کون غیر متند سنی مسلمان شیعوں کے ساتھ اشتراک و اتحاد کر سکتا ہے۔ اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جو شخص بھی شیعہ مذہب کا معتقد ہے وہ خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین اور ان کو خلفائے راشدین مانتے والوں کو مومن نہیں مان سکتا۔ اگر کوئی شیعہ صحابہ کرام اور ان خلفائے عظام کو مومن یا مسلم کہتا ہے تو وہ تفتیش کی بنا پر ایسے الفاظ کہہ دیتا ہے۔ یا وہ شیعہ مذہب سے ناواقف ہوتا ہے۔ بہر حال مآتی مجتہد نے خلفائے ثلاثہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے خلاف جو کچھ دریدہ دہنی کی ہے اس کا کچھ نور حریف کی (۱)۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادران اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ صرف اصحاب ثلاثہ کے بارے میں ہے۔ اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب و امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولت ایمان ایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں (تجلیات صداقت ص ۲۱)۔

(۲) مذہب شیعہ نہ جناب ابوبکر و عمر و عثمان کو کافر سمجھتا ہے اور نہ ہی ان کے پیروکاروں کو۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ ان کو مومن بھی نہیں سمجھتا (ص ۳۲۶)۔

(۳) اس میں شک و شبہ نہیں کہ شیخان حیدر کرار ابوبکر کو سچا مسلمان اور مخلص باایمان نہیں جانتے بلکہ۔۔۔ جانتے

ہے۔ حالانکہ بعض شیخ علماء ان کو ادران کے ایک اور مجتہد سامعی یا نقول بعض ان کے استاذ و مہتمم مولوی حسین بخش جاٹا پرنسپل دارالعلوم شیعہ محمدیہ سرگودھا وغیرہ کو خارجی کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک ٹریکٹ بنام ”خارجی فتنے کا سد باب“ میں ان کو ڈھکوکو اینڈ فرادہ کہتی اور جٹاٹا اینڈ سترز کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اس پارٹی کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ۔۔۔ دراصل یہ گروپ نہ شیعہ ہے نہ سنی ہے نہ بریلوی ہے نہ یہ خالص خارجی ہیں جن کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مولوی حسین بخش جاٹا موصوف جاٹا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے ہیں عراق کے سند یافتہ ہیں اور وہاں سے ان کو سند اجتہاد بھی حاصل ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ”امامت و ملوکیت“ اور اپنی تفسیر انوار النجف میں بھی درج کر دی ہے۔ اس جاٹا مجتہد نے بھی ”امامت و ملوکیت“ میں خلفائے ثلاثہ کے خلاف بہت زہرا لکھا ہے۔

ہیں (ص ۲۳۳)۔

(۴) اصحاب ثلاثہ کا جناب امیر خیر گیر سے بجائے شہر و شکر و مشیر ہونے کے ان کا دشمن اڑی ہونا۔ بجائے تابع دار اور قریب دار رسول ہونے کے ان کا دنیا دار اور عصیان کار ہونا۔ اور بجائے مقبول بارگاہ ہونے ان کا مردود بارگاہ خدا و رسول ہونا۔ کتب فریقین سے کچھ ایسے ناقابل انکار دلائل جاندار سے واضح و آشکارا کریں گے کہ نہ صرف پرستان ثلاثہ کی بلکہ تثنیہ کی رو میں بھی یوم القرائت تک بے قرار ہو جائیں گی۔

جاؤ گے تم کہاں شیعوں کو پھیر گے رکھ دیں گے تیرے نزدیک بخیر اور حیرت

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق لکھا ہے:۔۔۔ باقی رہا مولف کا یہ کہنا کہ عائشہ مومنوں کی ماں ہیں یہ ہم نے ان کے ماں ہونے کا انکار کب کیا ہے۔ مگر اس سے ان کا مومن ہونا تو ثابت نہیں ہوتا۔ ماں ہونا اور ہے اور مومن ہونا تو (ص ۶۸) ان عبارات کے بعد بعض لوگ حیران ہوں گے کہ العیاذ باللہ حضرات خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت عثمان ذوالنورین اور ام المومنین زہرا رسول حضرت عائشہ صدیقہ کو غیر مومن ماننے کے باوجود پھر مآتی مجتہد نے یہ کیوں لکھا ہے کہ ہم ان کو کافر نہیں کہتے۔ تو اس کی وجہ انہوں نے خود ہی بعنوان ”لفظ مسلمین کا منافقین پر اطلاق“ یہ بیان کی ہے کہ:۔۔۔ باقی رہا یہ کہنا کہ اس جنگ کے شامین کو مومنین کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ تو ابھی اوپر آیت نمبر ۱۵ کے جواب میں بالتفصیل واضح کیا جا چکا ہے کہ ایمان کے ایک عمومی معنی ظاہری اقرار لسانی کے بھی ہیں اور اس اعتبار سے منافقین کو بھی مسلمین و مومنین کہا جا سکتا ہے (ص ۹۲)۔ مآتی مجتہد کا مطلب یہ ہے کہ گوا اصحاب ثلاثہ اور ان کے پیروکار دوسرے اصحاب دل سے مومن نہ تھے لیکن زبان سے چونکہ وہ ایمان اور اسلام کا اقرار کرتے تھے اس لئے ان کو ظاہری اعتبار سے مومن و مسلم کہہ دیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمان اہل السنۃ الجماعۃ

سے خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان کے خلاف اس قدر زہرا لگنے والے اس مجتہد ڈھکوکو نے حالیہ تحریک ختم نبوت کے دوران امام بارگاہ ہاجرین چکوال میں رات کو ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کے دوران سنی شیعہ اتحاد کی تحمیل کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ خدا کرے کہ یہ سنی شیعہ اتحاد قیامت تک رہے اور یہ تقریر میں نے خود سنی تھی۔ یہ ہے۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور۔ دکھانے کے اور اللہ تعالیٰ بھولے بھالے سنی مسلمانوں کو فتنہ رفض کی حقیقت کی سمجھ عطا فرمائیں۔ آمین۔

کو برادران اسلامی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں تاکہ نادان فتنہ سنی مسلمان بھی سمجھیں کہ شیعہ ہم کو مسلمان مانتے ہیں نہ کہ کافر۔ حالانکہ جب شیعوں کے نزدیک خلفائے ثلاثہ حضرت علیؓ سے مومن ہی نہیں ہیں تو پھر ان حضرات کو مومن کامل اور قطعی جنتی مانتے والے سنی مسلمانوں کو وہ کیونکر مومن مان سکتے ہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

خلفائے راشدین۔ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے ایمان کا شخص ماتی مجتہد کا ایک عظیم الشان جھوٹ | منکر ہو جائے اس کو دنیا میں یہ سزا ملتی ہے کہ اس کی دینی فہم سلب ہو جاتی ہے۔ اور علمی و شرعی دیانت و امانت سے وہ محروم ہو جاتا ہے چنانچہ ماتی مجتہد کا بھی یہی حال ہوا ہے۔ ان کی زیر بحث کتاب غلط بیانیوں اور افتراء پر وازیوں کا مجموعہ ہے چنانچہ بطور نمونہ ہم ان کا ایک ایسا جھوٹ پیش کرتے ہیں جس کی وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتے۔

آفتاب ہدایت میں حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم تفسیر مجمع البیان کی عبارت کا انکار | نے فضائل اصحاب ثلاثہ کے ثبوت میں مذہب شیعہ کی مستند کتب کے حوالجات کے سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ:- علامہ طبرسی اپنی کتاب مجمع البیان میں تحریر کرتا ہے کہ آیت وَصَيَّجْنَاكَ بِاللُّغَةِ الْأَلْفَاظِيَّةِ اَلْاَنْفِي الَّذِي اَنْشَأَ ابُو بَكْرٍ فِي شَانِ مِيْن نَّازِلٍ هُوَئِيْ سَے۔ روایت یوں ہے:- عَنْ ابْنِ الزَّيْنِ قَالَ اِنَّ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِيْ اَبِيْ بَكْرٍ لَّانَّهُ اشْتَرَى الْمَمَالِيكَ الَّذِيْنَ اسْلَمُوا مِثْلَ بِلَالٍ وَعَاثِرِ بْنِ قَهْبَرَةَ وَغَيْرِهِمْ وَاعْتَقَهُمْ۔

ترجمہ:- ابن زبیر سے روایت ہے کہ یہ آیت شان ابی بکر میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے غلاموں کو جو اسلام لائے تھے اپنے مال سے خرید لیا جیسا کہ بلالؓ اور عامر بن مہیرہؓ اور ان کو آزاد کیا۔ اب جس کی خدمات اسلام میں یہ ہوں کہ بلالؓ جیسے عاشق ذات نبویؐ کو کفار کے ہاتھ سے اپنا مال خرچ کر کے نجات دلائے اور آزاد کر دے اور اللہ تعالیٰ اس کے نہ صرف متقی بلکہ اتقی ہونے کی شہادت دے اس شخص کی شان والا میں گستاخی کرنا کتنی جرات ہے خدا و اوصی کو ہدایت کرے۔ آفتاب ہدایت ص ۹۷) اس کے جواب میں ماتی مجتہد دھوکہ صاحب لکھتے ہیں:- خداوند علم برادران اسلامی کو بھی ہدایت دے کہ وہ اپنے بزرگوں کے من گھڑت فضائل و مناقب بیان کرنے میں دین و دیانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا کریں۔ اس بات کو امین الاسلام علامہ طبرسی علیہ الرحمۃ کی امانت۔ وسعت قلب اور عالی

ظرفی پر ہی محمول کرنا چاہیے کہ وہ باوجود ایک مقتدر شیعہ عالم ہونے کے اپنی تفسیر میں جہاں پہلے اپنے ائمہ طاہرین کے ارشادات پیش کرتے ہیں وہاں مخالفین کا نظریہ بھی بلا رد و قدح و یا اندازی سے پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان کے ناظرین کرام پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ وہ مجاہد۔ فتاویٰ اور سندی وغیرہ مفسرین اہل سنت کے اقوال سے لبریز ہے۔ اکثر تو وہ مفسر کا نام لے کر ہی تفسیر نقل کرتے ہیں اور جہاں صرف ردی یا قیل فرمائیں وہاں ان کی مراد مخالفین کی بیان کردہ تفسیر مذکور ہے مگر بایں ہمہ یہ عبارت جو مجمع البیان کی طرف منسوب کی گئی ہے یہ دروغ بے فروغ ہے اس کا تفسیر مذکور میں کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ یہ آیت وَصَيَّجْنَاكَ بِاللُّغَةِ الْأَلْفَاظِيَّةِ سورة واللیل کی آیت ہے اور اس کی تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۶۰۵ طبع ایران قدیم پر مذکور ہے مگر وہاں نہ یہ عبارت ہے نہ ابوبکر کا نام ہے۔

ع۔ میرے کہنے پر کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے۔

جب محبان ثلاثہ کے اسلام و ایمان کی یہ حالت ہو اور اس طرح بر ملا کذب و بہتان سے کام لیں تو۔ فعلی الاسلام السلام المراحہ در تجلیات صداقت ص ۱۵۵

الجواب:- آفتاب ہدایت میں شیعہ مفسر علامہ طبرسی کی تفسیر مجمع البیان سے جو عبارت نقل کی گئی ہے یعنی عن ابن الزبیر سے اَعْتَقَهُمْ تَحْک، جس میں حضرت ابوبکرؓ کا نام بھی ہے۔ لفظ بلفظ اس تفسیر میں موجود ہے۔ چنانچہ ہمارے پاس علامہ طبرسی موصوف کی مجمع البیان مطبوعہ بیروت موجود ہے اس کی جلد ۶ پارہ ۳ ص ۱۵۹ سورة واللیل کی آیت فَاَصْحَابُ الْاٰيَةِ اَعْطِيَ الْاٰيَةَ کے تحت یہ عبارت پائی جاتی ہے۔ جس کو ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ اب قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ ماتی مجتہد نے کتنا بڑا جھوٹ بول کر تفسیر مذکور کی زیر بحث عبارت کا انکار کیا ہے۔ اسی ایک حوالہ سے ماتی مجتہد کے دین و ایمان کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کتاب میں اور بھی جا بجا غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے جن کی نشاندہی کے لئے یہاں گنجائش نہیں ہے۔ کاش کہ ماتی مجتہد اپنی کتاب کا نام ”تجلیات صداقت“ نہ رکھتے اور ائمہ طاہرین کی محبت کے پردے میں تجلیات اور صداقت کے پر وقار الفاظ کی توہین نہ کرتے بلکہ اس کتاب کا نام ”ظلمات ضلالت“ رکھا جاتا تو بہت مناسب تھا۔ واللہ العبادی۔

ماتی مجتہد نے ص ۱۵ پر حنفی نماز کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس کے متعلق صرف اتنا عرض ہے کہ عقائد و مسائل | کیا حنفی علماء و صلحاء اسی طرح نماز پڑھتے ہیں یا کیا فقہ حنفی کی کتابوں میں اسی طرح نماز پڑھنا

خاموش رہے ہیں اس لئے وہ ان اساویت پر ماضی تھے۔ (اصول کافی کی مستقل بحث در بشارت الدارین میں ملاحظہ فرمائیے)
اس لئے اپنے اقرار کے مطابق مامی مجتہد اصول کافی کی کسی حدیث پر جرح و تنقید نہیں کر سکتے۔ اور تفسیر قمی کے مسنف شیخ
محمد بن ابراہیم قمی کو شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے بھی استاذ ہیں اور امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ اس لئے شیخ قمی نے اپنی تفسیر
میں وہی کچھ لکھا ہوگا جو انہوں نے شیعوں کے گیارہویں امام معصوم جناب حسن عسکری سے پڑھا اور سنا ہوگا۔ لہذا ڈھکوحجاب
کئے لئے کلینی اور قمی کی تنقید ضروری ہوگی۔ شیعہ مذہب کی بنیاد پر قول امام حسن عسکری اور شیخ قمی کا معتبر ہوگا نہ کہ ڈھکو
صاحب جیسے مامی مجتہدین کا۔ اور برعکس اس کے ہمارے لئے امام جلال الدین سیوطی کی تقلید لازمی نہیں ہے کیونکہ وہ فقہ ہیں
ہمارے امام و مجتہد نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے تفسیر درمنثور میں ہر قسم کی روایات جمع کر دی ہیں اور ان کی صحت کا
الزام نہیں کیا۔ لہذا اس قسم کی کتب تفاسیر و احادیث کی منقولہ روایتیں ہم پر حجت نہیں ہو سکتیں اور خود امام سیوطی کا
عقیدہ بھی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن میں کسی قسم کی کوئی کمی و بیشی نہیں ہوئی (ملاحظہ فرمائیے تفسیر لقمان)
دور حاضر کے شیعہ مفسرین بھی قرآن میں تخریفات کے قائل ہیں چنانچہ شیعہ مفسر مولوی
مقبول احمد دہلوی نے بحوالہ احتجاج طبرسی لکھا ہے کہ امام حسن نے مروان سے یہ فرمایا
تھا کہ: اے مروان اگر مانتا ہوں مانتوں کو یہ معلوم ہوتا کہ ان آیتوں کے باقی رکھنے میں جن کی تاویل میں نے تجھ سے بیان
کی ان کا کتنا بڑا ضرر ہے تو وہ ان کو بھی قرآن مجید سے ایسے ہی نکال دیتے جیسے کہ اور آیتیں نکال دیں "رضیہ ترجمہ
مقبول پ ۱۵ ص ۲۸۱ مطبوعہ افتخار بک ڈپو کرشن نگر لاہور) یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مولوی مقبول احمد دہلوی کے ترجمہ قرآن کی
تقریظ و تصدیق شیعوں کے بڑے بڑے مجتہدین نے تحریر کی ہے۔ مثلاً مفتی سید احمد علی مجتہد اعظم لکھنؤ۔ سید کلب
حسین مجتہد لکھنؤ۔ سید ناصر حسین مجتہد لکھنؤ۔ سید علی حائری مجتہد لاہوری وغیرہ اور پاکستان کے شیعوں کے خطیب اعظم سید
محمد دہلوی کی تقریظ بھی اس ضمیمہ قرآن پر موجود ہے۔ اور ان میں سے بعض مجتہدین کی تقریظیں ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی میں تو ہیں
لیکن مطبوعہ لاہور میں حذف کر دی گئی ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ دور حاضر کے شیعہ مجتہدین بھی تخریفات قرآن کے قائل ہیں اور
اگر ڈھکو صاحب جیسے شیعہ علماء تخریفات قرآن کا انکار کرتے ہیں تو یہ از روئے تقیہ کرتے ہیں۔ ورنہ وہ دل میں یہی عقیدہ رکھتے
ہیں کہ موجودہ قرآن صحیح و محفوظ نہیں ہے۔ اور قرآن کی ترتیب میں تبدیلی کے قائل تواج کل کے عام
شیعہ بھی ہیں۔

آفتاب ہدایت میں شیعوں سے چند سوالات کئے گئے ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ:
مامی مجتہد کا اپنا اقرار | کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے قرآن جمع کر کے اصحاب کو دکھلایا
تھا انہوں نے قبول نہ کیا تو آپ نے کہا کہ اب تم لوگ اس قرآن کو ناقیامت نہ دیکھو گے۔ وہ قرآن اس وقت
کہاں ہے۔ اگر وہ ہدایت خلق کے لئے تھا تو اس کے اتنا عرصہ گم رکھنے کی کیا وجہ ہے اور ایسے قرآن سے مسلمانان عالم
کو کیا فائدہ ہے۔ اگر امام غائب علیہ السلام نے اس کو چھپا رکھا ہے تو کیا وہ کتاب ہدایت چھپا رکھنے کے مجرم نہیں
ہیں "اس کے جواب میں مامی مجتہد لکھتے ہیں:- اس سوال کا تحقیقی جواب کتاب کی ابتدا میں تخریفات قرآن والی بحث
میں دیا جا چکا ہے۔ اس قرآن مجید کے اخفاء اور تاخیر ظہور کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اس کو
قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ مؤلف کے جیسے خلفاء تھے۔ اگر مجرم ہیں تو وہی نہ کہ امام زمانہ الخ (تجلیات ص ۱۷)
الجواب :- یہ بھی عجیب جواب ہے۔ اہل سنت تو یہ تسلیم ہی نہیں کر سکتے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی عظیم
شخصیت نے صحیح قرآن مجید مرتب کر کے پھر اس کو امام غائب کے ظہور تک چھپا دیا ہے کیونکہ اس سے تو تمام امت
قرآن اصلی سے محروم ہو جاتی ہے۔

دج، حضرت علی المرتضیٰ تبلیغ قرآن میں رسول کریم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح وارث ثابت نہیں ہو
سکتے۔ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مخالفین و منکرین کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے سارے قرآن مجید یا کسی
ایک ہی آیت کو چھپا دیا تھا؟

ج - حضرت علی کا قرآن پیش کرنا اور صحابہ کا اس کو قبول نہ کرنا یہ سب افسانہ ہے لیکن شیعہ اصول کافی کی احادیث
کا انکار نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہ نسبت قرآن نہ قبول کرنے والوں کے قرآن چھپانے والوں کا جرم
زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفِرُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنْ الْبَیِّنَاتِ وَ
الْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا یَبِیِّنُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یُحِبُّوْنَ الْعِظَمَ وَ یُحِبُّوْنَ الْعِظَمَ
الْاَعْنَون ۵ (پ ۲ - رکوع ۳) مولوی مقبول احمد شیعہ عالم کا ترجمہ یہ ہے:- جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی
دلیلیں اور ہدایت ہم نازل کر چکے بعد اس کے کہ ہم نے کل آدمیوں کے لئے کتاب میں اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔
یقیناً انہی پر اللہ لعنت کرتا ہے اور انہی پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں "اس آیت کے حاشیہ پر مولوی

آخر الزمان اور ان کے اصحاب کو خدا تعالیٰ زمین کے مشرق و مغرب کا مالک کر دے گا اور ان کے دین کو غالب فرمائے گا اور ان کے اصحاب کے ذریعہ سے تمام بدعتوں کو اور باطل کو اسی طرح نیست و نابود کر دے گا جیسا کہ ان اشعقیا نے حق کو برباد کرنا چاہا تھا پھر وہ نیکیوں کا حکم دیں گے اور بدیوں سے باز رکھیں گے، (حاشیہ ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی) اور پہلی آیت اختلاف کے حاشیہ پر بھی مولوی مقبول احمد لکھتے ہیں کہ:۔ تفسیر عیاشی میں ہے کہ جناب امام زین العابدین نے اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ واللہ یرہم اہل بیت کے شیعہ ہیں جن کے لئے خدا تعالیٰ یہ سب کچھ ہم میں سے ایک شخص کے ہاتھوں انجام دے گا جو اس امت کا مہدی ہوگا الخ چونکہ پہلی آیت اختلاف کی مراد امام زین العابدین سے اور دہری آیت تمکین کی مراد امام محمد باقر سے شیعہ تفاسیر میں یہی منقول ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تمکین و غلبہ دین سے مراد حضرت امام مہدی کے زمانہ کا غلبہ ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ کا غلبہ اس لئے شیعہ علماء ان دونوں آیتوں سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے (۲) لیکن مامی مجتہد مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو آیت اختلاف کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ یہاں خلافت سے اسلامی اصطلاحی خلافت مراد نہیں بلکہ اس کے لغوی معنی مقصود ہیں یعنی کسی فرد یا جماعت کی جانشینی۔ ان کے ملک و ملک پر تسلط۔ ان کے دیار و احوال پر غلبہ۔ چنانچہ اسلامی برادری کے مشہور مفسرین کی تفسیروں سے بھی یہی مطلب ثابت ہوتا ہے۔ تفسیر جلالین میں یستخلفتم فی الارض کے معنی یہ لکھتے ہیں بدلاً عن الکفار یعنی خدا مسلمانوں کو کافروں کی زمین میں وراثت بنائے گا۔ اس تفسیر مدارک میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں ائمی ارض الکفار وعدہم ان یتصلوا سلاسل علی الکفر و یؤدو شہم الارض یعنی خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسلام کی مدد کرے گا اور مسلمانوں کو کافروں کی زمین کا وارث بنالیا (۳) تفسیر ابن جریر ج ۱۸ ص ۱۲۲ طبع مصر (۴) معالم التنزیل مع ابن کثیر ج ۶ ص ۱۳۸ طبع مصر میں بھی یہی لکھا ہے کہ مسلمانوں کو کفار کی زمین کا جانشین بنائے گا (تجلیات ص ۱۳)

مامی مجتہد ڈھکو صاحب نے اس آیت اختلاف کی تفسیر میں خوب اپنی جہالت اور خیانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ (۱) اس آیت میں خلافت سے مراد لغوی خلافت اور جانشینی نہیں کہ محض کفار کی زمین پر مسلمانوں کو تسلط اور غلبہ نصیب ہو جائے اور وہ وہاں صرف کھٹی باٹی کا کام کرتے رہیں۔ بلکہ اصطلاحی خلافت مراد ہے یعنی یہ غلبہ و اقتدار دینی ہوگا اور اسلام کفر پر غالب آجائے گا۔ چنانچہ خود آیت

میں اس خلافت و جانشینی کی مراد واضح فرمادی ہے کہ لیسکتن لہم دینہم الذی انفتحی لہم جس کا ترجمہ شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد نے بھی یہ کیا ہے کہ:۔ جو دے گا ان کو دین ان کا جو پسند کر دیا ان کی واسطے اور تمکین دین کا معنی قوت و غلبہ دین ہی ہے۔ تو کیا مامی مجتہد انہیں جانتے کہ دینی اقتدار و غلبہ کا نام ہی اسلامی اصطلاحی خلافت ہے۔ (۲) علاوہ ازیں ڈھکو صاحب نے اس آیت سے مراد لغوی خلافت لے کر امام زین العابدین کے ارشاد کی صریح مخالفت کی ہے جو تفسیر عیاشی سے مولوی مقبول احمد صاحب نے نقل کیا ہے کیونکہ امام زین العابدین نے اس سے حضرت امام مہدی کی خلافت مراد لی ہے۔ تو کیا مامی مجتہد کے نزدیک امام مہدی کی خلافت بھی صرف لغوی اور دنیوی خلافت ہوگی اور دینی اور اصطلاحی خلافت نہ ہوگی؟ یہ ہے ڈھکو صاحب کی اپنی دیانت و صداقت کا حال جو آفتاب ہدایت کے مصنف کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ:۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولف جب یہ کتاب لکھتے بیٹھے تھے تو حیا و خرم اور خوف و خجست، الہی کا ہمارے چیر چھاڑ کر دور پھینک دیا تھا اس لئے وہ کذب ستاری اور افترا پر وازی میں ذرہ بھی جھجھک محسوس نہیں کرتے، (ص ۳) مامی مجتہد نے خلافت سے لغوی خلافت مراد لینے کی تائید میں جن تفاسیر کے حوالے پیش کئے ہیں اس میں بھی انہوں نے قلیس و خیانت سے کام لیا ہے کیونکہ ان مفسرین کے نزدیک بھی مراد دینی اور اصطلاحی خلافت ہے۔ اور جو انہوں نے تفسیر مدارک کی عبارت پیش کی ہے کیونکہ اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ جو ان کے اپنے ترجمہ سے ظاہر ہے یعنی ”خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسلام کی مدد کرے گا اور مسلمانوں کو کافروں کی زمین کا وارث بنالیا“ فرمائیے اسلام کی مدد کرنے کے وعدہ خداوندی کا کیا مطلب ہے۔ صحابہ کرام کے ذریعہ دین کو طاقت ملے یا حسب اعتقاد شیعہ دور صحابہ میں دین برباد ہو جائے؟ اور عربی عبارت میں یہ الفاظ تھے:۔ وعدہم ان یتصلوا سلاسل علی الکفر، جن کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر پر اسلام کو نصرت و غلبہ عطا فرمائے گا۔ لیکن ڈھکو صاحب نے علی الکفر کا ترجمہ چھوڑ ہی دیا ہے۔ (۴) اور تفسیر جلالین کے حوالہ اس مامی مجتہد نے یہ خیانت کی ہے کہ بعد کی عبارت چھوڑ دی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں خلافت لغوی نہیں بلکہ اصطلاحی یعنی اسلامی خلافت مراد ہے۔ چنانچہ ویسکتن لہم دینہم کے تحت لکھا ہے:۔ وهو الا سلاسل بان یتظہر علی جمیع الادیان ویوسع لہم فی البلاد فیملکوها۔ (دین سے مراد اسلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے گا اور

شہروں میں ان کو وسعت دے گا اور وہ ان کے مالک ہو جائیں گے۔ فرمائیے کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ م
(۵) اسی طرح تفسیر مدارک کی بعد والی عبارت بھی دھکو صاحب نے چھوڑ دی ہے جو یہ ہے :- فَاخْجِزَ اللَّهُ وَعَدَهُ
وَ أَظْهَرَهُمْ عَلَى جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَافْتَتَحُوا الْعِدْلَةَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَزَقُوا أَمْلَكًا لَّا كَسَتْهُ
وَمَلِكُوا خَزَائِنَهُمْ وَاسْتَقْبَلُوا عَلَى الدُّنْيَا ۖ تَوَجَّهَ :- پس اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان
(یعنی صحابہ) کو جزیرۃ العرب پر غالب کیا اور انہوں نے مشرق و مغرب کے دور دور شہروں کو فتح کیا اور انہوں
نے فارس کے بادشاہوں کو پامال کیا اور وہ ان کے خزانوں کے مالک بنے اور وہ دنیا پر چھائے گئے نیز لکھا ہے
کہ :- وَالْآيَةُ أَضَحَّ دَلِيلَ عَلَى حَقِّيَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ (اور یہ آیت بہت واضح دلیل ہے خلفائے
راشدین کی خلافت کے حق ہونے پر) اور تفسیر خازن میں تو بالکل وضاحت کر دی ہے کہ :- فی الْآيَةِ دَلِيلٌ
عَلَى خِلَافَةِ أَجِبَ بَكْرًا الصِّدِّيقِ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ بَعْدَهُ الْخ (اور اس آیت میں دلیل ہے
حضرت ابوبکر صدیق اور آپ کے بعد کے خلفاء راشدین کی خلافت پر) اور اسی تفسیر خازن میں فمن كفر بعد
ذلك کے تحت لکھا ہے کہ :- قَالَ أَهْلُ التَّفْسِيرِ أَقْلَ مَنْ كَفَرَ بِهَذِهِ النِّعْمَةِ وَجَحَدَ حَقَّهَا
الَّذِينَ قَتَلُوا عِثْمَانَ الْخ (اہل تفسیر نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے اس نعمت خلافت کی ناشکری کی
اور اس کے حق کا انکار کیا وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا) (۷) اور امام طبری کی تفسیر جامع البیان کا
جو مائمی مجتہد نے حوالہ دیا ہے تو اس میں بھی اہل سنت کی تائید پائی جاتی ہے چنانچہ وَكَيْفَ كُنْتَ لَهْمَ كَتَبْتَ تَحْتَ لَكِهِمْ :-
وَلْيُؤْتِنَهُمْ دِينَهُمْ يَعْنِي مِلَّتَهُمْ أَلَيْسَ لَهْمُ فَا مَوْجِبُهُ الْخ (اور ضرور اللہ تعالیٰ
ان کے دین کو ٹھکانہ دیگا) یعنی ان کے اس مذہب و ملت کو جس کو ان کے لئے پسند کیا ہے، اور جس کا ان کو حکم دیا
ہے، اور فمن كفر بعد ذلك کے تحت لکھا ہے کہ :- قَالَ الْقَاسِمُ أَبُو عَلِيٍّ بَقِيتُهُمْ عِثْمَانَ
بَنَ عِفَّانَ ۖ يَعْنِي قَاسِمُ بْنُ عَلِيٍّ نَعْنِي أَنَّهُ كَانَ يَكْفُرُ بِهَذَا الْمَذْهَبِ وَكَانَ يَكْفُرُ بِهَذَا الْمَذْهَبِ
ابن کثیر میں ہے :- هَذَا وَعْدٌ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى لِرَسُولِهِ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ يَأْتِيهِ
سَيَجْعَلُ أُمَّتَهُ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَيْ أُمَّةَ النَّاسِ وَالْوَلَاةَ عَلَيْهِمْ وَبِهِمْ تَصْلُحُ الْبِلَادُ وَ
تَخْفَضُ لَهُمُ الْعِبَادُ وَلِيَدُلُّكَ هُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا وَحُكْمًا فِيهِمْ وَقَدْ فَعَلَهُ بَنَاتُكَ

(۱۲) اور تفسیر کشاف میں ہے :- فَإِنْ قُلْتَ هَلْ فِي هَذِهِ الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ قُلْتُ أَضَحَّ
دَلِيلٌ وَأَبْيَنُ لَدُنَّ الْمُسْتَخْلِفِينَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ هُمْ هُمْ ۖ رِيسُ الْاُكْرُوكِ كَرِيسُ
اس آیت میں خلفائے راشدین کی خلافت پر دلیل پائی جاتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس میں بہت واضح بہت صاف دلیل
پائی جاتی ہے کیونکہ جن مومنین صالحین کو یہ خلافت دی گئی ہے وہ وہی خلفاء ہیں، (۱۳) امام رازی نے تو تفسیر کبیر میں اس
آیت سے بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے خلفائے راشدین کا برحق ہونا ثابت فرمایا ہے چنانچہ
لکھتے ہیں :- دَلَّتِ الْآيَةُ عَلَى إِمَامَةِ الْأَوَّلَةِ وَذَلِكَ لِأَنَّهُ تَعَالَى وَعَدَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
مَنْ الْحَاضِرِينَ فِي زَمَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الْمَوْلَى بِقَوْلِهِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
وَأُورِيهِ آيَاتٍ جَارُونَ أَمَامُونَ كِيَامَتٍ بِرُؤُوسِهِمْ كَرِيسُ الْاُكْرُوكِ كَرِيسُ الْاُكْرُوكِ كَرِيسُ الْاُكْرُوكِ كَرِيسُ الْاُكْرُوكِ
یہ وعدہ فرمایا ہے وہ وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ سے، اور اس کی دلیل آیت میں لفظ حکم ہے (تم میں سے) اور امام رازی نے ان مومنین
کا مدلل رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ وعدہ تمام امت کے لوگوں سے ہے یا صرف حضرت علی یا بارہ اماموں کے بارے میں۔
اگر خوف طوالت نہ ہوتا تو ہم امام رازی کی ساری عبارت درج کر دیتے جو اہم فوائد پر مشتمل ہے۔

مائمی مجتہد نے جن تفسیر اہل سنت کو اپنے حق میں پیش کیا تھا ہم نے انہی تفسیر کی ضروری عبارتیں
خلاصہ کلام یہاں نقل کر دی ہیں تاکہ قارئین دھکو صاحب کی علمی دیانت و امانت کی حقیقت سمجھ لیں۔ اس مجتہد
نے تمام کتاب میں اسی طرح فریب قلبی سے کام لیا اور کتابوں کے حوالجات کا ڈھیر دکھلا کر اپنا علمی سکھ جانا چاہا ہے۔
لیکن ہم نے ان کے اس فریب کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ واللہ العالی۔ بہر حال مذکورہ دونوں آیتوں یعنی سورۃ الحج کی آیت
لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ
جن مومنین پر اہل مکہ نے ظلم و تم کیا اور پھر ان کو گھروں سے نکلنا پڑا اور وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے
تو اگر ان کو ہم زمین میں تمکین و اقتدار دیں تو وہ نماز و زکوٰۃ کا نظام جاری کریں گے اور نیکیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے
منہج کریں گے۔ اور سورۃ النور میں پھر واضح طور پر ان مومنین صالحین سے وعدہ فرمادیا اور قسم کے ساتھ فرمایا کہ ان کو ضرور
غلیفہ بنایا جائیگا۔ اور ان کو خود اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کی طاقت عطا فرمائیں گے جو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے۔

تغالیٰ ولہ الحمد والمنة الخ ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ ہے کہ بیشک وہ عنقریب آپ کی امت کو زمین پر خلیفہ بنائے گا یعنی ان کو لوگوں کا امام اور ان پر والی بنائے گا اور ان کے ذریعہ شہروں کی اصلاح ہوگی اور اللہ کے بندے ان کے تابع رہیں گے اور ضرور اللہ ان کے خوف کو امن اور حکومت سے بدل دے گا۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمادیا ہے اور یہ اس کا شکر اور احسان ہے، لیکن مائمی مجتہد نے پہلی ساری عبارت چھوڑ دی ہے اور اس عبارت کا صرف آخری یہ لکھ دیا ہے کہ فقد فعلکہ تبارک وتعالیٰ ولہ الحمد والمنة، اور اس کے بعد کی یہ عبارت بھی چھوڑ دی ہے کہ:۔ ثم لہد امامات رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم واختار اللہ لہ ماعندہ من الکوامۃ قام بالامر بعدہ خلیفتہ ابوبکر الصدید الخ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی بارگاہت کرامت و بزرگی کو پسند فرمایا تو آپ کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق نے امرویں کو قائم کر لیا، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین کی اسلامی فتوحات کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ (۹) امام بنو نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے:۔ وفي الآية دلالة على خلافة الصديق وامامة الخلفاء الراشدين (اور اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت اور دوسرے خلفائے راشدین کی امامت کی دلیل پائی جاتی ہے)۔ (۱۰) اور تفسیر درمنثور میں بھی امام سید علی نے لکھا ہے کہ:۔ فأظهر الله نبیہ علی جزیرۃ العرب فامنا ووضعوا السلاح فکانوا کذلک آمنین فی امارۃ ابی بکر وعمر وعثمان الخ رہیں اللہ نے جزیرۃ العرب پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب فرمایا پس وہ ایمان لائے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی پس وہ لوگ اسی طرح امن والے رہے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی امارت و خلافت میں الخ (۱۱) تفسیر بیہدائی میں ہے:۔ وفيہ دلیل علی صحۃ النبوة بالانخبار عن الغیب علی ما هو بہ وخلافة الخلفاء الراشدين اذ لم یجتمع الموعود والموعود علیہ بغيرہم بالاجماع (اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے صحیح ہونے پر دلیل ہے کیونکہ یہ غیب کی خبر اسی طرح پوری ہوئی جیسا کہ فرمایا تھا۔ اور خلفائے راشدین کی خلافت کے صحیح ہونے پر بھی دلیل ہے۔ کیونکہ جو وعدہ فرمایا گیا تھا وہ ان کے بغیر کسی پر پورا نہیں ہوا۔ اور اس پر اجماع ہے۔

اور ان کے سابق حالات خوف کو اس غلبہ و اقتدار کی وجہ سے امن سے بدل دے گا۔ اور وہ خلفاء خالص میری عبادت کرنے والے ہونگے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور ان کو خلافت دینے کے بعد جو لوگ ان کو تسلیم نہیں کریں گے اور اس نعمت و خلافت کی ناشکری کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوں گے، اور شیعہ عقیدہ کے تحت اگر تینوں خلفائے راشدین العیاذ باللہ ظالم و فاسق قرار دیے جائیں تو پھر یہ آیت کسی طرح بھی صحیح ثابت نہیں ہو سکتی اور اس سے مراد صرف حضرت علی بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ حسب اعتقاد شیعہ وہ اپنے دور خلافت میں بھی اقامت دین نہیں کر سکے اور خلفائے ثلاثہ کی بدعت نماز تراویح وغیرہ کو ختم نہیں کر سکے۔ نہ ہی متو کو حلال قرار دے سکے۔ ملاحظہ ہو فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۲۹، ۳۰) اور نہ ہی شیعہ مذہب کی اذان و نماز کا انتظام کر سکے۔ چنانچہ شیعوں کے شہید ثالث رجن کو جہاںگیر بادشاہ نے قتل کر دیا تھا قاضی نور اللہ شوسری صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ:۔ والحاصل ان اموالخلافة ما وصل الیہ الا بالاسم دون المعنی (استحقاق الحق)۔ اور حاصل یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو خلافت برائے نام پہنچی تھی نہ کہ از روئے معنی و حقیقت اور خود مائمی مجتہد نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ:۔ مؤلف کے بزرگوں کی وجہ سے نہ انجناب کو ثبات قدم حاصل ہوا۔ نہ وہ موعودہ اصلاحات کر سکے (ص ۲۳) اور حضرت علیؑ کے ماسوا و دیگر اماموں کے لئے یہ وعدہ اس لئے صحیح نہیں ہو سکتا کہ ان کو دینی قوت و اقتدار ہی نہیں ملا اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ ماضی کا غلبہ رہا ہے لیکن آخر آپ نے بھی خلافت چھوڑ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مصالحت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اور بارہویں امام حضرت مہدیؑ تو صدیوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ اور آخری زمانہ میں ان کی خلافت کو کامل و غالب ہوگی لیکن اس کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ اس آیت اختلاف سے امام مہدیؑ کی خلافت مرد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مومنین میں سے نہیں جن کے متعلق وعدہ ہے۔ اور سورۃ الحج کی آیت میں دور رسالت کے مہاجرین کو تمکین و غلبہ دین عطا فرمانے کی پیشگوئی ہے اور حضرت مہدیؑ ان مہاجرین میں سے بھی نہیں ہیں اور یہ بھی بالکل غیر معقول نظریہ ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو دینی غلبہ و اقتدار اصحاب رسول کو بھی حاصل رہا۔ اور یہی آپ کا مابعد کی امت کو یہ نصیب ہوا ہوا اور اگر غلبہ دین نصیب ہوتا تو اصحاب امام مہدیؑ کو اس آخری زمانہ میں جب دنیا کا حاکم ہونے والا ہوتا اور پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی کے مذکورہ حوالہ میں امام محمد باقر اور امام زین العابدین کی طرف یہ منسوب کر دیا گیا ہے کہ آیت تمکین اور آیت اختلاف میں جس دینی غلبہ کا ذکر ہے وہ آخری زمانہ میں اصحاب مہدیؑ کو ملے گا۔ لہذا یہ کہ اصحاب مہدیؑ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت

کے مستحق ہیں لیکن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نصرت خداوندی اور غلبہ دین کے مستحق نہیں تھے حقیقت یہ ہے کہ جنگ مذہب اہل سنت و تسلیم کیا جائے مندرجہ زیر بحث آیات صحیح ہی ثابت نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ تسلیم کئے جاسکتے ہیں۔

ماتمی مجتہد اگر علمی دیانت سے کام لیتے تو ان کو شیعہ مذہب کی تفاسیر و احادیث سے ہی اس شیعہ تفاسیر و احادیث بات کا ثبوت مل جاتا کہ آیت استخلاف سے مراد خلفائے ثلاثہ کی برحق خلافت ہے چنانچہ (۱) جب جہاد فارس کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود جانے کا ارادہ فرمایا اور اس بارے میں حضرت علی المرتضیٰ سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا: ان هذا الامر لم يَكُنْ لِيْ وَلَا لِحَدٍّ مِنْهُ بَكْثُ وَلَا قِلَّةٌ وَهُوَ دِينُ اللَّهِ الَّذِي اَظْهَرَهُ وَجَنَدَهُ الَّذِي اَعَدَّهُ وَاصَدَّهُ حَتَّى بَلَغَ مَا بَلَغَ وَطَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ وَتَحَنَّنَ عَلَى مَوْعُودٍ مِنْ اللَّهِ وَاللَّهُ مُنْجِزُ وَعْدِهِ وَفَا هُوَ حَيْدَرٌ (نہج البلاغہ ص ۱۹ مطبوعہ طہران)

دیشک اس دین کی فتح و شکست کثرت اور قلت پر موقوف نہیں ہے۔ اور وہ اللہ کا دین ہے جن کو اس نے غالب کیا ہے اور یہ اللہ کا لشکر ہے جس کو اللہ نے ہی تیار کیا ہے اور اس کو طاقت دی ہے، حتیٰ کہ وہ پہنچا جہاں تک پہنچا اور پھیلا جہاں تک پھیلا۔ اور ہم اللہ کی طرف سے وعدہ پر ہیں اور اللہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کو مدد دینے والا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے یہاں جس اللہ کے وعدے کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد وہی وعدہ خلافت اور غلبہ دین ہے جو سورۃ النور کی آیت استخلاف میں وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات کے الفاظ میں مذکور ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ کے شیعہ شارح علامہ ابن مسیم بحرانی حضرت علیؑ کے اس ارشاد کی شرح میں لکھتے ہیں: وعدنا بموعود وهو النصر والغلبة والاستخلاف في الارض كما قال وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض، واللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور وہ مدد غلبہ اور زمین کی خلافت کا وعدہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات، کیا نامی مجتہد و حکم صاحب نے نہج البلاغہ میں حضرت علی کا یہ ارشاد اور علامہ ابن مسیم بحرانی کی شرح کے یہ الفاظ نہیں پڑھے تھے، کیا اب بھی ہیں کہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں لغوی خلافت مراد ہے نہ کہ اصطلاحی حضرت علیؑ کے اس ارشاد اور علامہ بحرانی کی اس تشریح سے آپکے یہ جاننا نہ نظر یہ بھی باطل ہو گیا کہ: ثلاثہ کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا (تجلیات ص ۱۹) کیونکہ حضرت فاروقؓ کے لشکر کو حضرت علیؑ

اللہ کا لشکر قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کے غلبہ اور فتوحات کو حق تعالیٰ کی خصوصی نصرت کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں۔ باوجود اس کے آپ کا یہ ریمارک اس امر کی دلیل ہے کہ آپ بھی مثل یہود اور نصاریٰ اور دوسری مغلوب کافرتوں کے اصحاب ثلاثہ کی شاندار اسلامی فتوحات کی وجہ سے غیظ و غضب میں مبتلا ہیں اور اعلان خداوندی لیغیظ بہم الکفار کا مصداق بن رہے ہیں۔ خلفائے ثلاثہ کی اسلامی فتوحات کا جو نقشہ مولانا حالی۔ علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری نے اپنے اشعار میں کھینچا ہے وہ بشارات الدارین میں درج کر دیا ہے۔ قارئین وہاں دیکھ لیں (۲) جہاد روم کے لئے جب حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت علی المرتضیٰ سے مشورہ لیا تو آپ نے جوار شاد فرمایا وہ بھی نہج البلاغہ میں منقول ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے: قد توکل اللہ لا ھل ھذا الدین باعزاز الحوزة و سکتا العوزة۔ (نہج البلاغہ ص ۱۸ مطبوعہ طہران) یعنی اس دین والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لی ہے ان کی جماعت کو غالب کرنے اور ان کی کمزوری کو چھپانے کی، اس کے تحت بھی علامہ ابن مسیم بحرانی لکھتے ہیں۔ وھذا الحكم من قولہ تعالیٰ وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات، یعنی حضرت علیؑ کا یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ سے ماخوذ ہے جو اس آیت میں ہے۔ وعد اللہ الذین آمنوا الخ (۳) شیعوں کی تفسیر صافی میں ہے: وعن الباقر ولقد قال اللہ فی کتابہ لولایة الامیر من بعد محمد خاصة وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات الخ۔ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خاص کر ان والیان حکومت سے وعدہ فرمایا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں۔ (۴) شیعوں کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی زندگی میں قریش کو دعوت اسلام دیتے ہوئے فرمایا۔ اے گروہ قریش و اے طوائف عرب شمارا میں خوام بھوسے شہادت بوحدا نیت، خدا و ایمان آوردن بر پیغمبری من و امیر مکیتم شمارا کہ ترک کیند بت پرستی را و اجابت نماید مراد ان چہ شمارا باں نے خوام تا بادشاہان عرب گردید و گروہ عجم شمارا فرما نبرداران گردند و در بہشت بادشاہان باشند، و حیات القلوب جلد دوم ص ۲۵۵) اے گروہ قریش اور اے قبائل عرب تم کو میں خداوند عالم کی وحدانیت اور اپنی پیغمبری پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ اور تم کو حکم دیتا ہوں کہ بت پرستی کو چھوڑ دو اور جس کام کی طرف میں بلاتا ہوں اس کو مان لو تاکہ تم عرب کے بادشاہ بن جاؤ اور عجمی لوگ بھی تمہارے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور بہشت میں بھی تم بادشاہ ہو جاؤ، اس روایت سے بھی صاف ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے تحت جن قریش کو عرب و عجم کی بادشاہت ملے گی یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص اتمام ہوگا اور آخرت میں بھی وہ جنت میں بادشاہ ہوں گے۔

فرمائیے۔ کیا اس بیش گوئی کا مصداق خلفائے ثلاثہ نہیں ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عرب و عجم کی حکومت اور بادشاہت ملی۔ اور انہی کو جنت کی بادشاہت کی بھی بشارت ملی ہے۔ کیا اب بھی ڈھکوسلے صاحب جیسے مجرم از عقل و انصاف مجتہد یہی رٹ لگاتے ہیں گے کہ ملکی فتوحات اصحاب ثلاثہ کی حقانیت کی دلیل نہیں ہیں اور یہ کہ ان حضرات کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا ہے۔

نبی کریم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الموت میں بارشاد نبوی حضرت ابوبکر حضرت ابوبکرؓ کی امامت نماز صہیق نے مسجد نبوی میں سترہ (۱۷) نمازیں پڑھائی ہیں۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے اس میں کوئی مزاحمت نہیں فرمائی (ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو۔ طبقات ابن سعد حصہ دوم۔ مترجم ۳۲۷- تاریخ کامل ابن اثیر ترجمہ جلد اول ص ۵۲۷۔ تاریخ طبری مترجم۔ تاریخ ابن خلدون مترجم۔ بخاری شریف۔ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور سند امام احمد بن حنبل ج ۶)

حضرت علی کی اقتداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں حضرت علی المرتضیٰ نمازیں پڑھتے رہے چنانچہ شیعہ مذہب کی مشہور اور معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں ہے:- ثم قام و تنهياً للصلاة و حضراً المسجد و صلى خلف ابي بكر

جناب والد صاحب مرحوم نے خلفائے ثلاثہ کے برحق ہونے کی ایک یہ بھی دلیل دی مآتی مجتہد کا احمقانہ چیلنج ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں تو اس کے جواب میں مآتی مجتہد لکھتے ہیں:- اگر کسی نے یہ شیعہ روایت سے یہ ثابت کر دیں کہ اقتداء کی نیت کی تھی تو ہم منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں۔ صرف خلف یا وراء وغیرہ سے کام نہیں چلے گا۔ اس طرح نماز تو خلف الجدار اور وراء الأسطوانہ بھی ہوتی رہتی ہے۔ کوئی ہے انعام کا خواہشمند، (تجلیات ص ۵۷)

الجواب (۱) احتجاج طبرسی کی جو روایت ہم نے لکھی ہے۔ اس میں خلف ابی بکر کے الفاظ ہیں یعنی ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ ہمارے لئے تو یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی اقتداء کی نیت بھی کی ہوگی ورنہ اگر انہوں نے اپنی نماز سوائے اقتداء ابی بکر کے پڑھی ہوتی تو بجائے اس کے نماز کی صفت میں دیگر نمازیوں کی طرح حضرت ابوبکر کے پیچھے کھڑے ہوں آپ کسی دیوار یا اسطوانہ (ستون) کے پیچھے کھڑے ہو جاتے کیا حسنرت علیؓ دیوار۔ ستون اور حضرت

ابوبکر خلیفہ وقت کے درمیان فرق نہیں کر سکتے تھے حضرت علیؓ کی نیت قلبی کا حال تو خدائے علیم بذات الصدور ہی جانتا ہے۔ حضرت علیؓ جیسی عظیم شخصیت کا حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی نیت اقتداء ہی کی ہوتی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کے متعلق فرمایا ہے یستخون فضلاً من اللہ و رضواناً (سورۃ الفتح) کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اگر حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے بے دلی سے مجبوراً نمازیں پڑھی ہیں جس کو شیعہ مذہب میں یقینہ کہتے ہیں تو آپ کی نمازیں ساری ضائع ہو گئیں۔ کیونکہ یہ نمازیں انہوں نے خدا کی رضا کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں نہیں پڑھیں بلکہ خود کی بنا پر پڑھی ہیں۔ لہذا مآتی مجتہد صاحب کا حضرت علیؓ کی نیت قلبی کے ثبوت کے لئے چیلنج کرنا ان کی انتہائی حماقت و جہالت کی دلیل ہے۔

حضرت علی کی بیعت حضرت ابوبکر صدیق سے خلافت کی بیعت بھی کی ہے۔ چنانچہ فردع کا فی سبلہ ثالث کتاب الروقہ میں ہے۔ فلذلك كتم علي عليه السلام امره

و بايع مكرها خيث لم يجد اعداءه ايس اسي و بر سے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے امر خلافت کو چھپا یا اور آپ نے مجبور ہو کر بیعت کر لی جبکہ آپ نے مددگار نہ پائے۔ اس کے جواب میں مآتی مجتہد اپنا نیا س یہ پیش کرتے ہیں کہ اصطلاحی بیعت کا مفہوم یہ ہے کہ: بیعت کرنے والا اپنا دین و ایمان اور اپنے امور دنیا و دین اس شخص کے حوالے کر دیتا ہے جس کی بیعت کرتا ہے اور اس کے عوض اس سے جنت لیتا ہے لیکن جو بزرگوار بمطابق فرمان رسول خود قسیم الجنة والنار ہو۔ جو خلافت کو بلا شرکت غیر سے اپنا حق سمجھتا ہو۔ اور جو ابوبکر کو گناہگار خیانت کار۔ دروغ گو اور غدار سمجھتا ہو۔ اس کے متعلق ایک لمحہ کے لئے کوئی بھی صحیح الدماغ آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ کسی کی بھی اور بالخصوص ابوبکر و عمر جیسے اشخاص کی بیعت کرے گا (تجلیات ص ۳۷)

الجواب: (۱) حضرت مصنف آفتاب ہدایت نے تو فردع کافی میں سے یہ روایت پیش کی ہے۔ جو حضرت امام محمدؒ باقر سے مروی ہے۔ اور اصول و فردع کافی وہ کتاب ہے جس کے بارے میں مآتی مجتہد خود شافی ترجمہ کافی کے مقدمہ میں تسلیم کر چکے ہیں کہ الکافی کی روایات کو امام غائب حضرت مہدیؑ کی رضا سکوتی حاصل ہے:- اس لئے اگر آپ کے نزدیک

لے اوشیوں کی مستند کتاب رجال کشی میں بھی امام باقر سے مروی ہے کہ: حتی جاءنا باير المؤمنين (ع) مكرها فبايع (ع) حتی کہ وہ امیر المؤمنین یعنی حضرت علیؓ کو مجبور کر کے لائے ہیں انہوں نے بیعت کی

حضرت علیؓ کی بیعت ابی بکر کو کوئی صحیح الدماغ آدمی تسلیم نہیں کر سکتا تو یہ اعتراض آپ کا امام محمد باقر اور امام غائب پر ہے۔ جنہوں نے اس کو تسلیم کر لیا ہے،

(ب) جب شیعہ علماء ہی کا ایک دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی ہے خواہ سبجہ واکراہ ہی ہے تو کیا وہ شیعہ علماء آپ کے نزدیک صحیح الدماغ نہیں ہیں۔

(ج) اگر مامی مجتہد علم وفہم اور دیانت و صداقت سے کام لیں تو فروع کافی جیسی مذہب شیعہ اصح الکلتب میں حضرت علیؓ کی بیعت کا ثبوت ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علیؓ حضرت ابوبکر کو حقیقتاً خلیفہ برحق اور افضل الصحابہ ملتے تھے۔ ورنہ اگر حضرت علیؓ جیسے امام برحق واکراہ کی وجہ سے خلفائے جور کی بیعت کر سکتے تھے تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بھی بڑی کی بیعت کر لینا کوئی مشکل نہ تھا۔

(۲) مامی مجتہد نے مصنف آفتاب ہدایت پر اعتراض کیا ہے کہ شیعہ کا دوسرا قول یہ لکھ کر کہ حضرت علیؓ نے بخوشی بیعت کر لی، اس کی تائید میں فروع کافی کی مندرجہ روایت پیش کر دی ہے کہ فبیاع مکرہا یعنی آپ نے مجبوری سے بیعت کر لی۔ گویا ان دونوں باتوں میں تضاد پایا جاتا ہے (تجلیات ص ۳۷۷)

الجواب (۱) یہ تضاد خود فروع کافی کی اسی روایت میں پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس خطرہ کے تحت لوگوں کو حضرت ابوبکر کی بیعت سے نہیں روکا کہ وہ بالکل ہی اسلام کو نہ چھوڑ دیں اور پھر بتوں کی پوجا شروع کر دیں وکان الاحب الیہ ان یقرّوہم علی ما صنعوا من ان یقرّوا عن جمیع الاسلام یعنی حضرت علیؓ کو یہ بات بہت پسند تھی کہ وہ لوگوں کو حضرت ابوبکر کی بیعت پر قائم رہنے دیں بہ نسبت اس بات کے کہ وہ سارے اسلام کو ہی بالکل چھوڑ دیں۔ اس سے آگے یہ الفاظ ہیں فیلذّک کتسم علی علیہ السلام امرہ (اسی مصلحت کے تحت حضرت علیؓ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت نہیں دی اور اپنے اس خلافت کو چھپا دیا رکھا تاکہ اگر حضرت علیؓ ان کو اپنی بیعت کی طرف بلا لیں اور وہ انکار کر دیں تو پھر اسلام سے بالکل خارج ہو جائیں گے۔ تو فرمایا جیہ جب اس مصلحت کی بنا پر آپ کو یہ زیادہ پسند تھا کہ لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرتے رہیں تو کیا اس مصلحت کے تحت اس میں آپ کی خوشی اور رضائانت ثابت نہیں ہو جاتی۔ اور اسی مصلحت کے تحت آپ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کر لی تھی۔ اب یہ تو امام محمد باقر سے پوچھئے کہ اس مصلحت کے بیان فرمانے کے بعد یہ کیوں فرمایا کہ حضرت علیؓ نے مجبوری سے بیعت کر لی جب کہ

انہوں نے مددگار نہیں پائے حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مذہب خود ہی تضادات کا مجموعہ ہے۔

(۲) مذہب شیعہ کی احادیث کا یہ حال ہے کہ ان کا سب سے بڑا راوی زرارہ ہے اور آفتاب ہدایت میں یہ لکھا ہے کہ زرارہ کو خود امام جعفر صادقؑ یہود و نصاریٰ سے زیادہ بُرا کہتے تھے (بحوالہ رجال کشی) اور اس زرارہ نے امام محمد باقرؑ کو بڑے حلیم علم کہا تھا۔ (اصول کافی ص ۵۵۷) اسی طرح دوسرے مشہور راوی بھی ہیں تو اس کے جواب میں مامی مجتہد فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ زرارہ بڑے حلیم القدر و عظیم المرتبت بزرگوار ہیں المدا طہار کی نظر اشترت میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ اگر زرارہ اور اس جیسے راویان انجیا نہ ہوتے تو آثار نبوت مٹ جاتے (رجال کشی ص ۳۳۱) جس دور میں امام عالی مقام موجود تھے وہ ایسا نازک دور تھا کہ جو شخص آل رسولؐ سے محبت و اخلاص میں مشہور ہو جاتا اُسے حکومت وقت کے عتاب و عقاب کا شکار ہونا پڑتا۔ اس لئے حکماء اسلام یعنی اہل بیت علیہم السلام ایسے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کی خاطر عام لوگوں میں بیٹھ کر مذمت فرماتے تاکہ حکومت یہ سمجھے کہ یہ اشخاص ائمہ کے منظور نظر نہیں ہیں۔ چنانچہ ہی جواب امام جعفر صادقؑ کی زبانی منقول ہے۔ امام علیہ السلام زرارہ کے فرزند عبداللہ سے فرماتے ہیں۔ . . . اپنے والد (زرارہ) کو میرا سلام پہنچانا اور ان سے کہنا کہ میں جو بعض اوقات تیری عیب جوئی کرتا ہوں تو یہ سب کچھ تیرے دفاع کی خاطر ہے۔ . . . معلوم ہوا کہ یہ مذمت اس اہم مصلحت کے پیش نظر ہے، (تجلیات ص ۵۲)

الجواب (۱) مامی مجتہد نے جو توجیہ کی ہے اور جس جواب کو امام جعفر صادقؑ کی طرٹ منسوب کیا گیا ہے یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ اور اسی سے شیعہ مذہب بے نقاب ہو جاتا ہے کہ جب امام معصوم خود اس زرارہ کو یہود و نصاریٰ سے بُرا فرماتے ہیں جس کو مامی مجتہد بڑا حلیم القدر و عظیم المرتبت وغیرہ مان رہے ہیں۔ تو پھر امام کے قول و فعل کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے۔ اس کی کیا دلیل ہوگی کہ جس کو امام معصوم اچھا کہہ رہے ہیں وہ حقیقتاً اچھا ہے اور جس کو بُرا کہہ رہے ہیں وہ حقیقتاً بُرا نہیں۔ تو پھر شیعہ کی کسی حدیث پر کوئی اعتماد ہو سکتا ہے جس کے امام اور راوی ایسے ہوں۔ اور اگر مامی مجتہد نے ایسے معصوم اماموں کی پیری کرنی ہے تو خود ان کے قول و فعل کا کیا اعتقاد ہو سکتا ہے اور اس کتاب تجلیات کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے جس کی ہر بات میں یہ احتمال ہے کہ مامی مجتہد اپنے اعتقاد کے خلاف یہ لکھ رہے ہیں۔ اور ہر قسم نے سابق اوراق میں آپ کے کذب و فریب کا کچھ نمونہ پیش ہی کر دیا ہے۔ اور اسی طریق کار کو شیعہ مذہب میں فقہ کے عظیم نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مامی مجتہد حضرت علی المرتضیٰ کو معصوم بھی مانتے ہیں اور شجاع و بہادر بھی اور یہ بھی ان کا دعویٰ ہے کہ غدیر خم میں رسول اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کے سامنے

حضرت علیؓ کی پوزیشن

آپ کی خلافت بلا فصل کی رسم تاجپوشی بھی ادا فرمائی تھی اور لافنی الاعلیٰ اور لاسیعت الاذوالفقار تو عموماً شیعوں کے ورد و زباں رہتا ہے۔ لیکن اس غنیمت مقام کے باوجود وہ حضرت علی المرتضیٰ کی کمزوری اور مغلوبیت کی یہ تصویر پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ”پہلوئے فاطمہ پر دروازہ گرایا جس سے شہزادہ حسن کی شہادت واقع ہو گئی“ (تجلیات ص ۱۴۷) (۲) بیعت دہلے دن عمرؓ نے جناب فاطمہ کے بطن اقدس پر ضرب لگائی جس سے حسن شہید ہو گیا اور وہ اس دن حج بیچ کر کرباہ تھا کہ گھر کو گھر والوں سمیت جلا دو۔ حالانکہ اس گھر میں سولے علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے اور کوئی موجود نہ تھا (تجلیات ص ۱۴۷) یہ تو شیر خدا کے سامنے خاتون جنت کا حال ہوا۔ العیاذ باللہ۔ اب خود حضرت علیؓ کا حال سنئے (۳) اس طرح جناب امیر کے گلے میں کپڑا وغیرہ ڈال کر زبردستی کٹاں کٹاں بیعت کی طرف لے جانا الامامة والسياسة ص ۱۴۷ شرح نہج البلاغۃ حدیث ج ۲ ص ۲۷ پر مذکور ہے۔ ”تجلیات ص ۱۴۷“ (۴) مامی مجتہد لکھتے ہیں۔ تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت لینے کے لئے جبر و اکراہ کے ساتھ حضرت امیر کو دربار خلافت میں لانے کے واقعات اس قدر مشہور و مسلم تھے کہ معاویہ اپنے بعض خطوط میں جناب امیر کو طعنہ دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ تفادک ما یقناد الجمل المخصشوش حتی بتایع (تمہیں مباد خلافت میں یوں پرکھ کر لایا جانا تھا جس طرح مست اونٹ کے ناک میں نکیل ڈال کر کھینچا جاتا ہے الخ۔

یہاں مامی مجتہد نے حتی بتایع کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ جس سے حضرت علیؓ کا بیعت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خواہ بالجرسی ہو۔ اور مامی مجتہد آخر میں لکھتے ہیں کہ :- اگر بالفرض حضرت علیؓ نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی بھی ہے تو وہ بہت ہی جبر و اکراہ اور خوشگوار واقعات کے بعد“ (تجلیات ص ۱۴۷) لیکن یہ بالفرض کا معاملہ نہیں ہے جبکہ فروع کافی کی حدیث مذکور سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ اور مامی مجتہد اپنے بیان کو وہ اصول کے تحت اس کی تردید نہیں کر سکتے کیونکہ الکافی کی تمام روایات کو حضرت امام غائبؑ کی رضائے سکوتی حاصل ہو چکی ہے۔ (۵) کتب شیعہ میں ہے کہ جب حضرت فاطمہؑ پر ظلم کیا گیا اور حضرت علی المرتضیٰ نے آپ کی کچھ مدونہ کی تو خاتون جنت نے آپ کو ان سخت الفاظ سے خطاب کیا۔ قالت لا صیرا لہو من بین علیہ السلام ما بین ابی طالب اشتملت شملۃ الجبین وقعدت حجوۃ الظینین“ (احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران ص ۱۵۹) اور علامہ باقر مجلسی نے اس روایت کا ترجمہ حتی یقین میں یہ لکھا ہے: خطاہا لہ دُرشت باسید اوصیاء نمود کہ مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ و مثل خائنان در خانہ گرینختہ بعد ازاں کہ شجاعان و ہررا بر خاک ہلاک انگندی مغلوب ایناں گردیدہ“ حضرت فاطمہؑ نے سید اوصیاء حضرت علیؓ کو سخت الفاظ سے خطاب کیا کہ جنین یعنی ماں کے پیٹ کے بچہ کی طرح تو چپ گیا ہے اور خائنانوں کی طرح گھر میں گھس گیا ہے۔ بعد اس کے کہ تو نے زمانہ کے بہادر وں کو ہلاک کیا ہے اب تو ان سے مغلوب ہو گیا ہے۔

ہمارا سوال

(۱) جب علمائے اہل سنت شیعوں کو الزام دیتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی موجودگی میں حضرت خاتون جنت کی یہ بے حرمتی کیوں ہونے دی اور اپنے گلے میں رسی ڈلو کے کیوں اتنی کمزوری دکھلائی تو شیعہ علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے یہ وصیت فرمادی تھی کہ خواہ آپ پر کتنا ہی ظلم کیا جائے آپ نے بہر حال صبر کرنا ہوگا۔ تو یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ (۱) کیا حضرت فاطمہ الزہراءؑ کو یہ وصیت معلوم نہیں تھی۔

اور اگر نہیں معلوم تھی تو کیوں؟ اور اگر وصیت معلوم تھی تو پھر کیوں حضرت علی المرتضیٰ کو اتنے توہین آمیز الفاظ سے خطاب کیا۔ جبکہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کر رہے تھے۔ (ب) شیعہ مذہب میں حضرت علیؓ بھی معصوم ہیں اور حضرت فاطمہ الزہراءؑ بھی پھر ایک معصوم نے کیوں ایک معصوم کے خلاف ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کیا امام معصوم کو ان الفاظ سے بکا ناظرہ جانز ہے۔ یہاں شیعوں کے لئے کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی لیکن باوجود حضرت فاطمہؑ کی اس قد نادر انگلی اور غضب کے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؑ دونوں کو معصوم مانتے ہیں مگر مسئلہ مذکور میں اگر روایات میں یہ آگیا ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر صدیق پر ناراض ہوئیں تو آسمان سر پر اٹھایا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث عدم توریث انبیاء پیش کی تھی۔ اور حضرت فاطمہؑ کی اپنی زبان سے جواب میں حضرت صدیق اکبرؓ کے خلاف کوئی ایسا توہین آمیز لفظ ثابت نہیں ہوتا۔ غضب فاطمہ کا ظہور تو حضرت علیؓ کے خلاف بہت سخت ہوتا ہے پھر حضرت فاطمہ الزہراءؑ کے غضب کے پیش نظر شیعہ حضرت علیؓ کے کیوں مخالف نہیں ہوتے جو حضرت خاتون جنت کے غضب کا باعث بنے ہیں (۲) ذاکر بن علیؑ شیعہ کی بیان کردہ جھوٹی روایات کے تحت عام شیعوں کو خلفائے ثلاثہ کے خلاف اتنا غصہ آتا ہے کہ وہ ان حضرات کا نام بھی نہیں سن سکتے اور ان سنی علماء سے بھی سخت نفرت کرتے ہیں جو خلفائے ثلاثہ کو برحق خلیفہ مانتے ہیں، تو ہمارا سوال یہ ہے کہ بالفرض ایسے غیور اور جری شیعہ نوجوان کے سامنے اگر خدا نخواستہ حضرت خاتون جنت کی اس قدر بے حرمتی ہوتی تو کیا وہ بھی اسی طرح صبر کر لیتے جیسا کہ حضرت علیؓ کی تصویر اس موقع پر پیش کی جاتی ہے۔ یا اگر ان کے سامنے کوئی دشمن ان کی مستورات کی اس طرح بے حرمتی کرے تو کیا خاموش رہ کر اس طرح صبر کر سکتے ہیں۔ بہر حال شیعوں نے خلفائے ثلاثہ اور اکثریت صحابہ کو اگر غاصب و ظالم قرار دیا ہے تو حضرت اہل بیت کا بھی وہ قشتہ کھینچا ہے کہ اس سے شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ کی خصوص غیرت و شجاعت کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت بھی باقی نہیں رہتی۔ اور سوائے حضرت امام حسینؑ کے باقی تمام ائمہ کی مقدس زندگیاں بھی تقیہ نامرضیہ کے تاریک پردوں میں چھپی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتقیہ حضور خاتم النبیین رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام

اصحاب میں سے کسی کی پیروی کو غلبہ دین کا ذریعہ بنائے اور کیوں بنائے؟ اُس اسلام اور اس نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا انبیاء باللہ اُمت کو کیا فائدہ جنہوں نے دور رسالت میں چند کامل اور غالب شخصیتیں بھی پیدا نہیں کیں۔

سے نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ داستان کب تک ؟

ماتمی مجتہد کی مزید جہالتیں اور خبیاتیں | عثمان ذوالنورین سے اس قدر شدید بغض و عناد رکھتے ہیں کہ انہوں نے

بعض ناقابل انکار واقعات کا بھی سرب سے انکار کر دیا ہے جن سے ان حضرات کی کوئی نہ کوئی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر کی ہجرت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت ابوبکر کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے تھے بلکہ آپ بعد میں حضور سے جا ملے تھے۔ آنجناب تو باہر الہی اپنے برادر و خود حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلا کر تنہا اس مہم پر روانہ ہوئے مگر جب ابوبکر کو کسی طرح آپ کے اس سفر کی اطلاع ہوئی تو عند معلوم کس مقصد سے راستہ میں آنحضرت سے جا ملے اور ہمراہ چلنے کی خواہش ظاہر کی اور آنحضرت نے خواہ افشائے راز کے خوف سے یا کسی اور مصلحت سے ان کو واپس نہ لوٹایا بلکہ ہمراہ رکھا۔ الخ۔

(تجلیات مٹا)

الجواب :- (۱) ہم پوچھتے ہیں کہ جب یہ سفر ہجرت رسول پاک اور حضرت علیؑ کے درمیان راز تھا تو حضرت ابوبکر کو حضور کا سامنا اور پھر غارتگری کی سمت جانا کیونکر معلوم ہوا؟

(ب) اور اگر ان کو حضرت علیؑ نے بتایا جیسا کہ ماتمی مجتہد یہ لکھ رہے ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے اس راز کا افشاء اپنے اور اپنے رسول کے دشمن کے سامنے کیوں کیا؟

(ج) بالفرض اگر حضرت ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے دشمن تھے تو آپ نے بجائے خود جانے کے ابھل اور اس کی پارتی کو کیوں نہ بتا دیا کہ حضور غلامِ سمت کو تشریف لے گئے ہیں۔ اور پھر باوجود دشمنی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف غارتگری بلکہ مدینہ منورہ تک آپ کو اپنے ہمراہ رکھا۔ اور بالفرض اگر حضرت ابوبکر بعد میں بھی راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے ہوں پھر حضور کا آپ کو مدینہ منورہ تک اپنے ہمراہ رکھنا وغیرہ یہ سب واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر عاشق صادق تھے اور اصحاب مکہ میں سے سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفا شناسی اور ہمدردی پر اعتماد تھا۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تشریف لے جا کر حضرت صدیق کو اپنے ساتھ لیا تھا چنانچہ حسب ذیل کتب سیرت و تاریخ

سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ (۱) سیرت النبی مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی میں ہے: حضرت ابوبکر سے پہلے سے قرار داد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے۔ (جلد اول ص ۲) (۲) رحمت للعالمین مؤلفہ قاضی محمد سلمان صاحب منصور پوری میں ہے: خدا کا نبی پیارے دوست ابوبکر کے گھر پہنچا.... اُسی شب کی تاریکی میں دونوں گوارا چل پڑے۔۔۔ ابوبکرؓ نے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھالیا۔ (۳) طبقات ابن سعد ترجمہ جلد اول ص ۳۲۵ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے مکان پر چلے گئے۔ رات اُسی میں رہے۔ پھر آپ اور ابوبکر نکلے اور غارت گوارا نہ ہو گئے (۴) تاریخ طبری مترجم حصہ اول ص ۱۳۷ میں ہے: جب آپ نے روانگی کا پورا ارادہ کر لیا تو آپ ابوبکر بن ابی قحافہ کے پاس آئے اور یہاں سے دونوں ایک روشن دان میں سے جوا ابوبکر کے گھر کی پشت پر تھا نکل کر جبل ثور کے غار کی طرف چلے۔ (۵) امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: ذکرہ ان قولیشا و من بمكة من المشركين تعاقدا على قتل رسول الله صلى الله عليه وسلم فتئل. اذ

يَمْكُوكَ الذين كفروا. فامره الله تعالى ان يخرج هو وابوبكر اقل الليل الى الغار الخ بيان کرتے ہیں کہ قریش اور مشرکین مکہ نے جب رسول اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ واذ يَمْكُوكَ الذين كفروا۔ پس اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اور ابوبکر رات کے پہلے سے ہیں رگھر سے نکل کر غار کی طرف جائیں۔

(۶) ماتمی مجتہد نے اپنی تائید میں تفسیر درمنثور کی ایک روایت پیش کی ہے لیکن وہ بھی ان کے لئے مفید نہیں کیونکہ اسی درمنثور جلد ۳ ص ۲۴۱ میں ہے:۔ وخرج ابو بکر عن علي بن ابي طالب رضي الله عنه قال خرج رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم وخرج ابوبکر رضي الله عنه معه لم يامن على نفسه غير حتى دخلا الغار (اور ابن عساکر نے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نکلے اور آپ کے ساتھ ابوبکر بھی نکلے اور حضور رسولؐ ابوبکر کے اپنی ذات کے لئے کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ دونوں غار میں داخل ہوئے۔)

(ب) اور درمنثور ہی میں ہے:۔ فلما دأبوا بكونهم في حفة حملة على كاهله. جب ابوبکر نے دیکھا کہ حضورؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے ہیں تو آپ نے حضورؐ کو اپنے کندھے پر اٹھالیا، کیا ماتمی مجتہد نے درمنثور کی یہ روایتیں نہیں دیکھی تھیں؟ (۷) اور ماتمی مجتہد نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اذالۃ الخفاء کا جو حوالہ اپنی تائید میں پیش کیا ہے وہ بھی ہمارے موقف کی تائید میں ہے۔ چنانچہ اذالۃ الخفاء جلد دوم مترجم ص ۱۳۵ میں یہ الفاظ ہیں:۔ فلما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم هاربا من اهل مكة خرج ليلا فتبعه ابوبكر فجعل

یمنی صدۃ امامہ و صدۃ خلفہ و صدۃ عن یمین و صدۃ عن یسارۃ الخ (حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے بھاگ نکلے۔ تورات کے وقت نکلے اور ابوبکر ان کے ساتھ ہوتے تو چلنا شروع کیا کبھی ان کے آگے چلنا شروع کر دیتے تھے اور کبھی ان کے پیچھے اور کبھی ان کے دائیں اور کبھی ان کے بائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ابوبکر تم کیا کہتے ہو۔ تو ابوبکر نے کہا کہ یا رسول اللہ گھات لگانے والوں کا خیال آجاتا ہے تو میں آپ سے آگے ہو جاتا ہوں اور تقاب کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو آپ کے پیچھے ہوتا ہوں الخ (ترجمہ از امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنؤی) عبارت میں فقہ ابوبکر کے الفاظ ہیں جس کا معنی ہے ابوبکر حضور کے پیچھے چلے اور لغت میں بھی تبعہ کا معنی کسی کے پیچھے پیچھے چلنا یا ساتھ چلنا آتا ہے (ملاحظہ ہو المنجد وغیرہ) لیکن مامی مجتہد نے اس کا مطلب بعد میں گھر سے چلنا نکال لیا۔ یہ ہے ان کی جہالت یا قلیس۔ اور ازالۃ الخفاء کی روایت میں یہ بھی ہے:-

فلما رآھا ابوبکر رضی اللہ عنہ انھا قد حفیت حملہ علی کاہلہ الخ (حب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حالت کو دیکھا کہ آپ کے دونوں پاؤں تھک چکے ہیں تو آپ کو اپنے کندھے پر سوار کیا۔) (۸) آفتاب ہدایت میں حضرت مصنف نے شیعوں کی تفسیر امام حسن عسکری سے بھی یہ عبارت پیش کی ہے:- ان اللہ تعالیٰ اوحی الیہ یا محمد ان العلوی یقبأ علیک السلام ویقول لاک ان اباجہل والاملا من قریبین قد دبیروا یریدون قتلاک الخ ان قال وامرک ان تستصحب ابابکر الخ۔ (جبرائیل علیہ السلام رسول پر وحی لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابوجہل اور جماعت قریش نے تیرے قتل کرنے کی تدبیر کی ہے۔ آگے چل کر فرمایا۔ اور خدا نے تجھے حکم دیا ہے کہ ابوبکر کو اپنا رفیق سفر بناؤ الخ اس میں چونکہ تصریح ہے کہ ابوبکر کو رفیق سفر بنانے کا اللہ تعالیٰ نے خود حضور کو حکم دیا تھا تو اس کے جواب میں مامی مجتہد لکھتے ہیں کہ:- اول یہ روایت مرسل و مجہول ہے۔ اور انت الصدیق کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ استفہام انکاری ہے (بجذبت حوت الاستفہام) کیا تو صدیق ہے؟ یعنی صدیق ایسے ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بطور تندیل و حکم ہے۔۔۔ مطلب یہ کہ واقعاً تو صدیق ہے یعنی تجھ جیسے ہی صدیق ہوتے ہیں۔

الجواب (۱) مامی مجتہد آفتاب ہدایت کے استدلال سے بالکل مبہوت نظر کرتے ہیں اور وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح ارشاد مبارک کو کہ: تو صدیق ہے، العیاذ باللہ ایک محمد اور پہلی قرار دے رہے ہیں۔ (احول ولاقوۃ

الآ باللہ سے گرمیں مجتہد وہیں مذہب کا شیعہ تمام خواہشمند (۱۰) آفتاب ہدایت میں مذہب شیعہ کی مشہور کتاب نظم حملہ حیدری کے اشعار بھی پیش کئے ہیں جن سے رسول اللہ کا حضرت ابوبکر کو خود ہمراہ لینا اور رات میں کندھوں پر اٹھانا مذکور ہے۔ اس کے جواب میں مامی مجتہد فرماتے ہیں: حملہ حیدری کا موافقہ ناظم مذہب شیعہ میں سے ہے اور نہ علماء و مجتہدین میں سے۔ بلکہ وہ صرف فرووسی کی طرح شیعی المذہب شاعر ہے۔ ظاہر ہے کہ شعرائے کرام کو علمی تحقیقات اور فنی مشگافیوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا (تجلیات ص ۱۲)

الجواب (۱) مامی مجتہد نے قرآن سے مامی اور نہ حدیث و سیرت سے نہ اصول کا کافی روایات قبول کریں نہ تفسیر قی کی۔ تو حملہ حیدری کو وہ کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔

اونٹ رے اونٹ تیری کوئی کل سیدھی والا معاملہ ہے۔

بہر حال مذکورہ واقعات صحیح ہیں۔ وٹھو صاحب مامی یا نہ مامی۔ ایت فار سے حضرت ابوبکر کے جو خصوصی فضائل ثابت ہوتے ہیں ان کا ذکر "بشارت الدارین" میں آگیا ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

آفتاب ہدایت میں کتب شیعہ سے حضرت عمر فاروق کے اسلام عمر کے متعلق رسول خدا کی مخصوص دعا: انما لک فی ثبوتہ من روایت پیش کی گئی تھی مدوی العیاشی عن الباقر علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ قال اللہم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب از بابی جہل بن ہشاشہ (بحوالہ بحار الانوار علامہ باقر مجلسی) ترجمہ: مدعو عیاشی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے خدا اسلام کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے اسلام لانے سے عزت بخش "سو حضور کی دعا مستجاب ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کی کیفیت حملہ حیدری میں لکھا ہے الخ (آفتاب ہدایت ص ۵۵) اس کے جواب میں مامی مجتہد لکھتے ہیں (۱) اولاً یہ روایت مرسل ہے اور اعتقادی مقام میں ایسی روایات حجت نہیں ہیں۔ ثانیاً اس روایت میں عمر صاحب کو ابوجہل کا ہم پلہ اور ہمسر قرار دیا گیا ہے جس سے ان کی مذمت ہی ہوتی ہے نہ مدح۔ ثالثاً اس میں عمرؓ یا ابوجہل کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ صرف ان کی وجہ سے اسلام کو تقویت پہنچانے کا ذکر ہے اور سابقہ اوراق میں کئی جگہ بالتفصیل یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ بعض اوقات خداوند حکیم اسلام کی نصرت و تائید فساق و فجار سے بھی کر دیتا ہے (ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۳۱۔ الخ) تجلیات ص ۱۲۳

الجواب :- (۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک حدیث مُرسل مطلقاً مقبول ہے۔ (ب) اس حدیث کا تعلق فضائل سے ہے نہ عقائد سے۔ (۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے حضرت عمرؓ کو ایمان نصیب ہوا گیا اور ابو جہل ہمیشہ کے لئے محروم رہا تو کیا آپ کے نزدیک ایمان و کفر اور مومن و کافر ہم پتہ ہیں؟ (۳) حضور رحمت اللعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان دونوں میں سے ایک کے ذریعہ اسلام کو تقویت پہنچانے کے لئے دعائے فرمائی تھی تو کیا ماتی مجتہد کے نزدیک حضورؐ کی اس دعا مبارک کا یہ مطلب تھا کہ اے اللہ ان میں سے ایک کے ذریعہ اسلام کو غلبہ نصیب فرما لیکن وہ خود فاسق و فاجر ہی رہے۔ بلکہ بزم و حکومت خود مومن نہ بنے۔ کیا اس سے زیادہ بھی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے خاص کی توہین ہو سکتی ہے۔ جس کا ارتکاب ماتی مجتہد کر رہے ہیں یہ صرف حضرت عمرؓ سے بغض و عناد کا اظہار نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی قبولیت کا تمسخر اڑانا ہے۔ العیاذ باللہ (۴) کسی فاسق و فاجر شخص سے دین اسلام کو تقویت پہنچانا یہ عام حالات میں ہے۔ اور زریحہؓ مسند رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھنڈی دعا کے متعلق ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس شخصیت (یعنی حضرت عمرؓ) کے ذریعہ اسلام کو طاقت و غلبہ نصیب ہو گا اس کا اپنا ایمان و اسلام بھی اعلیٰ درجہ کا کامل اور مضبوط ہو گا۔ (۵) ماتی مجتہد پانچویں وجہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:- کتب منیہ سے ثابت ہے کہ جناب عمرؓ ایسے ڈرپوک اور کمزور تھے کہ اپنا دفاع بھی نہ کر سکتے تھے۔ (تجلیات ص ۱۶۷) ماثلاً اللہ کیا ہی عجیب و غریب عقل و فہم ہے۔ کتنی اس محروم العقل مجتہد سے پوچھے کہ جب پہلے یہ مان لیا ہے کہ جن کے حق میں حضورؐ کی دعا ہے (یعنی حضرت عمرؓ) ان کے ذریعہ دین اسلام کو طاقت ملے گی۔ تو اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ بہت جبری اور بہادر تھے۔ ورنہ ڈرپوک اور بزدل آدمی بھی کسی کی طاقت کا ذریعہ بن سکتا ہے؟ اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دعائیہ الفاظ نے ہی ماتی مجتہد کے اس الزام کا ابطال کر دیا کہ:- اسے کاش کہ یہ لوگ یہ ملکی فتوحات حاصل نہ کرتے انہی لوگوں اور انہی کی ان مزعومہ فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا (تجلیات ص ۹۵) ڈھکوسا صاحب کچھ تو ہوش سے کام لیں جب حضورؐ کی دعا کا نتیجہ ہی یہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے ذریعہ اسلام کو قوت حاصل ہوگی۔ تو کیا شوکت و قوت اسلام آپ کے نزدیک بولٹ بدنامی ہے؟ جن اغیار یعنی دشمنان اسلام نے خلفائے ثلاثہ کی فتوحات پر طعن و تشنیع کی ہے اس کی وجہ تو یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ کے دس سالہ دور خلافت میں روم و ایران جیسی قدیم و مستحکم سلطنتوں کا خاتمہ ہوا اور قیصر و کمری کے علاقے پر اسلامی پرچم اہرا گیا۔ آپ کیوں ان اسلامی فتوحات سے سوچ و قاب کھا رہے ہیں۔ کیا آپ بھی تو ان اغیار کی فہرست میں

شامل نہیں ہیں؟ (۶) اور اپنے عقیدہ کے تحت یہ بھی تو فرمایا کہ جب حضرت علیؓ جیسے بہادر پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اور وہ کامل الایمان بھی تھے۔ تو پھر اس دعا کی کیا ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ العیاذ باللہ حضرت عمرؓ جیسے غیر غلص اور بزدل اور ڈرپوک کے ذریعہ اسلام کو طاقت عطا فرمائے۔ کیا حضرت علیؓ المرتضیٰ شفیق خداوندائے اسلام سے ہی صرف گوشہ نشینی اور تنقید کے سہرے تھے جو کسی طرح بھی قوت اسلام کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے؟

ماتی مجتہد نے حضرت ابو بکرؓ پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ:-
حضرت ابو بکرؓ پر زندہ انسان کو جلادینے کا الزام
 ابو بکرؓ نے فجاجہ سلمیٰ کو آگ میں جلادیا۔ حالانکہ شریعتاً کسی کو آگ میں جلانا منوع ہے، (ص ۳۲)

الجواب :- اس شرعی جرم کا ارتکاب تو حضرت علیؓ نے بھی کیا ہے چنانچہ شیعہ مذہب کی مستند کتاب ”رجال کثی“ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ابن سبا یہودی کو آگ میں جلادیا تھا۔ جبکہ اس نے تین دن مہلت دینے کے باوجود توبہ نہ کی:-
 واستتابہ ثلاثۃ ایام فی فلسۃ یثب فاحرقہ بالنار“ (رجال کثی مطبوعہ کربلا ص ۹۸)

حضرت علیؓ کی ماتحتی
 ”آفتاب ہدایت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فضائل میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امیر الحج مقرر فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں ماتی مجتہد لکھتے ہیں:-
 اگر بغرض محال چند لحظات کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ابو بکر امیر الحج تھے تو دو باتیں تو بہر حال غلط ہیں۔ ایک حضرت علیؓ کا ان کے ماتحت و مامور ہونا۔ کیونکہ یہ بات ناقابل رد حقائق سے ثابت ہے کہ جناب امیر پوری حیات رسول میں کبھی بھی کسی کے ماتحت نہیں رہے۔“ (تجلیات ص ۲۹)

الجواب :- (۱) ماتی مجتہد اسی بحث میں یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ:- وہ اہل سنت بھی جنہوں نے ابو بکرؓ کا امیر حج ہونا لکھا ہے۔ انہوں نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ صرف قافلہ سالار تھے۔ دوسرے کام اور لوگوں کے سپرد تھے۔ چنانچہ شبلی نعمانی

طبقات ابن سعد حصہ سوم ص ۷۵ میں ہے: قاسم بن عبد الرحمن سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن سعد نے کہا کہ عمرؓ کا اسلام فتح تھی ان کی ہجرت مدینہ اور ان کی خلافت رحمت تھی۔ ہم نے اپنی وہ حالت دیکھی ہے کہ عمرؓ کے اسلام لانے تک ہم لوگ بیت اللہ میں غار نہیں چڑھ سکتے تھے جب عمرؓ اسلام لائے تو انہوں نے لوگوں سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم نے بیت اللہ میں نماز پڑھی۔“

نے سیرت النبی ج ۱ ص ۱۳۱ طبع اول پر لکھا ہے :- حضرت ابوبکر تافلہ سالار - حضرت علی نقیب اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص - جابر - ابوسدیرہ وغیرہ معلم تھے، (بحوالہ بخاری) تو جب حضرت ابوبکر حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سفر حج کے قافلہ سالار تھے تو کیا حضرت علی المرتضیٰ بھی اس قافلہ کے ایک فرد نہ تھے - اسی کا نام ماتحت ہونے کیونکہ سال قافلہ سالار کے ماتحت ہوتا ہے، امیر قافلہ حضرت ابوبکر صدیق تھے اور حضرت علیؓ سمیت سب صحابہ آپ کے ماتحت تھے - خواہ کام ان کے جدا جدا پر رکھے گئے ہوں - (۲) بارگاہ خداوندی میں نماز بھی حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کے پیچھے پڑھی ہے - کیا مقتدی امام کے ماتحت نہیں ہوتا -

مقام حدیبیہ میں بیعت رضوان میں شامل ہونے والے تمام صحابہ کرام نے **حضرت عثمانؓ کی غائبانہ بیعت** رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر حاضرانہ بیعت کی تھی جن میں حضرت ابوبکر صدیق - حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰ بھی تھے لیکن حضرت عثمانؓ ذوالنورین چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت مکہ مکرمہ میں تھے - اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر آپ کو غائبانہ اس بیعت میں شامل فرمایا - اور اس کی تائید میں آفتاب ہدایت میں حضرت مصنف نے شیعوں کی فروع کافی جلد ۳ ص ۱۵۱ کی یہ روایت پیش کی تھی :- وَبَايَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآلَهُ وَنَزَبَ بِأَحَدِي يَدَيْهِ عَلَى الْآخَرَىٰ لِعِثْمَانَ - وَقَالَ الْمُسْلِمُونَ طَوَافُ لِعِثْمَانَ قَدِ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَمِعَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاحِلًا - قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ لِيَفْعَلَ - فَلَمَّا جَاءَ عِثْمَانُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ أَطَقْتَ بِالْبَيْتِ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِطَوَافٍ بِالْبَيْتِ وَرَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَآلِهِ لَمْ يَطْفِئْ جَهْدًا (ترجمہ) رسول پاک نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارا اور عثمانؓ کی (غائبانہ) بیعت کی - مسلمان کہنے لگے - رہے نصیب عثمانؓ نے طواف کعبہ کیا اور صفا اور مروہ کی سعی نصیب ہوئی - آنحضرتؐ فرمایا - عثمانؓ البیہ نہیں کرے گا - پھر جب عثمانؓ اُسے تو حضور علیہ السلام نے دریافت کیا عثمانؓ کیا تو نے طواف کعبہ کیا؟ عثمانؓ نے کہا میں طواف کیے کرتا حالانکہ رسول پاک نے طواف نہیں فرمایا - (آفتاب ہدایت) اس کے جواب میں مامی مجتہد لکھتے ہیں :- اس طرح عثمانؓ سفارت پر بھیجے گئے کہ ان کے کفار قریش سے اچھے تعلقات تھے - باقی رہا ان کے لئے آنحضرتؐ کا اپنے ہاتھ پر بیعت لینا تو بنا بر صحت روایت جو کہ خبر واحد ہے اور اعتقاد میں ناقابل اعتماد - اس میں بھی ان

کی ہرگز کوئی فضیلت نہیں - چونکہ آنحضرتؐ کو باعلام اللہ علم تھا کہ عثمانؓ بھی اپنے دو مصاحبوں کی طرح اس بیعت پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور آئندہ جنگوں سے راہ فرار اختیار کریں گے اس لئے اگر ان کی طرف سے بیعت نہ ہوتی تو آئندہ ان کو یہ عذر کرنے کا موقع مل جاتا کہ انہوں نے فرار نہ کرنے کا عہد کیا ہی نہ تھا - اس لئے آنحضرتؐ نے انعام حجت کرنے اور ان کے اس عذر کو قطع کرنے کے لئے اپنے ہاتھ پر ان کی طرف سے بیعت کر لی تاکہ وہ سب سے زیادہ پختہ ہو جائے - توڑنے والے کے لئے سب سے زیادہ باعث وزر - وبال قرار پائے چنانچہ ایسا ہی ہوا - اور وہ کثرت بیعت میں اپنے صاحبین کے ساتھ برابر شریک رہے الخ (تجلیات ص ۸)

الجواب :- (۱) یہ روایت فروع کافی کی ہے جس کو بقول آپ کے امام غائبؓ کی رضائے سکوتی حاصل ہے اس لئے آپ کے لئے اس میں چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے - (۲) آپ کا یہ لکھنا نرمی کم عقلی ہے کہ :- اگر ان کی طرف سے بیعت نہ ہوتی تو آئندہ ان کو یہ عذر کرنے کا موقع مل جاتا کہ انہوں نے فرار نہ کرنے کا عہد کیا ہی نہ تھا، کیونکہ حضرت عثمانؓ نے خود تو یہ بیعت نہیں کی - اس لئے اس صورت میں تو ان کے لئے عذر کرنے کا یہ زیادہ موقع ہے کہ میں نے تو بیعت کی ہی نہیں پھر توڑنے کا اس سے کیا تعلق ہے؟ کیا مامی مجتہد اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ بیعت اس پر لازم آتی ہے جو خود اپنے ارادہ سے کرتا ہے - اور یہاں تو حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہی نہ تھا - تو فرمائیے اس غائبانہ بیعت کو آپ کس طرح انعام حجت قرار دے سکتے ہیں (۳) یہ مامی مجتہد کی بدبخشی ہے کہ وہ رحمت للعالملین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو ناقابل اعتماد قرار دے رہے ہیں - اس بیعت میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ یا ان کی نیت کا کوئی دخل ہی نہیں ہے بلکہ اس میں صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اور دست مبارک کا دخل ہے - اگر حضرت عثمانؓ نے بعد میں بیعت توڑنی تھی یا العیاذ باللہ توڑی ہے تو اس کا الزام تو سراسر رحمت للعالملین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک بلکہ خود حضورؐ کی ذات پر آتا ہے - کیونکہ اس میں حضور کے دست مبارک کا ہی باہمی عہد ہے - نہ کہ حضرت عثمانؓ کا - (۴) اگر بغض عثمانؓ کی وجہ سے مامی مجتہد کی فہم و دیانت پر پردہ نہ پڑ گیا ہوتا تو وہ اس حقیقت کے قائل ہوجاتے کہ حضرت عثمانؓ کی اس غائبانہ بیعت کے ٹوٹنے کا تو احتمال ہی ختم ہو گیا ہے - کیونکہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے باعلام اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت لی ہے - اور اس یقین کی بنا پر اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا ہے کہ حضرت عثمانؓ اس بیعت کو توڑ ہی نہیں سکتے - اس لئے مامی مجتہد نے حضرت عثمانؓ کی نہیں بلکہ خود محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی توہین کی ہے -

مے خدا ہی بلانہ وصال صم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

(۵) یہ اسی حضرت عثمان کی غائبانہ بیعت ہے جو وفار و عشق نبوی میں اسنے کامل ہیں کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف کعبہ کی اجازت نہیں ملی آپ نے باوجود قریش کی اجازت کے بھی طواف کعبہ کرنا پسند نہیں کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ماتی مجتہد نے حضرت عمرؓ فاروقی پر طعن کرتے ہوئے لکھا ہے: صلح حدیبیہ

حضرت عمرؓ پر شک فی النبوة کا بہتان کے موقع پر جناب عمرؓ کا شک فی النبوة کرنا اور ان کا اظہار ان الفاظ میں کرنا مآ شگلت منذ اسلمت الا یومئذ۔ کتب کثیرہ میں باسانید کثیرہ مروی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۳۷ وغیرہ۔ سیرت جلیہ ج ۳ ص ۳۷) (تجلیات ص ۳۷)

الجواب (۱) ماتی مجتہد نے درمنثور وغیرہ کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے نبوت میں شک ہونا ثابت ہوتا ہو۔ لہذا حضرت عمرؓ فاروقی پر ان کا یہ ایک عظیم بہتان ہے کہ آپ نے نبوت میں شک کیا تھا۔ آفتاب ہدایت میں اس بہتان کے جواب میں یہ لکھا گیا ہے کہ: ہم نے تو کسی کتاب میں یہ نہیں دیکھا۔ مولانا عبدالحکیم صاحب نے التمجید میں اس کے متعلق شیعہ کو پانسو روپیہ انعام دینے کا وعدہ کیا ہے کہ اگر کسی معتبر کتاب حدیث سے یہ قول دکھلا دیں، اور سالہا سال سے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعلان شائع ہے لیکن آج تک کوئی شیعہ عالم و مجتہد یہ الفاظ نہیں ثابت کر سکا کہ حضرت عمرؓ نے یہ کہا تھا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک ہو گیا تھا۔ اگر ماتی مجتہد صاحب کے پاس کوئی مستند ثبوت ہے تو وہ کیوں نہیں پیش کرتے۔ جو عبارت انہوں نے لکھی ہے اس میں دوسرے سے نبوت کا لفظ ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجتہد موصوف نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا تاکہ جھوٹ کا پول نہ کھل جائے۔

جنگ اُحد میں جو صحابہ میدان جنگ سے ہٹ گئے تھے اس کی خدانے تو معاف کر دیا لیکن ماتی مجتہد؟ مختلف وجوہ ہیں۔ جن کا ہم نے نشارت الدارین، میں ذکر کر دیا ہے۔

اور جن اشخاص سے بھی یہ تصور ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کرنے کا قرآن مجید میں اعلان فرما دیا ہے۔ (۱) وَلَقَدْ عَفَا عَنْكَ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اور یقیناً خدانے تم سے درگزر کیا۔ اور اللہ مومنوں بڑا فضل کرنے والا ہے (ترجمہ مقبول - ۱) (د) اور یقیناً سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر

(سورۃ آل عمران ع ۱۶) (۲) وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (ایضاً ع ۱۶) (د) اور یقیناً سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑے حلم والے ہیں (مولانا تھانوی، (د) اللہ تعالیٰ ان کے قصور سے درگزر کیا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بردبار ہے (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی) جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دینے کا اپنی قطعی دجی میں اعلان فرما دیا۔ تو اب کسی اہل ایمان کے لئے تو ان پر طعن کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی لیکن بغض صحابہ نے ماتی مجتہد کو پھر بے قرار کر رکھا ہے اور وہ دل سے معاف کرنے کے لئے آمادہ نہیں چہناچہ لکھتے ہیں کہ: یہ درست ہے کہ جنگ اُحد کے جھگڑوں کو رتب کریم کی بارگاہ سے معافی مل گئی تھی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس معافی کا مطلب کیا ہے۔ ارباب عقل پر غصی نہیں کہ: حق تعالیٰ کے اس عفو کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں سزا نہیں دی۔ اس عفو سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جرم فرار سے بھی بری کئے گئے الخ (تجلیات ص ۳۷)

الجواب (۱) ارباب عقل اور اہل ایمان تو اعلان خداوندی کے بعد یہی سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے خوش نصیب صحابہ ہیں جن کو رتب غفور نے معاف فرما دیا ہے۔ اب بھی اگر ان کو کوئی شخص اس قصور کی بنا پر محل طعن بنائے تو وہ ان کا نہیں بلکہ خدا کے غفور و رحیم کا مقابلہ کر رہا ہے اور اس کو اس قرآن پر ایمان نصیب نہیں ہے۔ (۲) قرآن کریم میں انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی ان کی شان عصمت کے باوجود کسی لغزش کے صدور پر استغفار اور پھر حق تعالیٰ کا معاف فرما دینا مذکور ہے تو کیا ماتی مجتہد و حکو صاحب ان انبیائے معصومین کے متعلق بھی دل میں وہی بغض و عناد چھپائے ہوئے ہیں جن کا اظہار انہوں نے ان صحابہ کے بارے میں باوجود اعلان معافی کے کر دیا ہے۔

از خدا خواہم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از فضل رب

حضرت صدیق اکبر کے فضائل کا کتب شیعہ سے ثبوت پیش کر تے ہوئے آفتاب ہدایت میں لکھا ہے کہ: کتاب حدیث ماستبقمکم البو بکر۔۔۔ وقوفی قلبہ کے معنی میں ماتی مجتہد کی جہالت مجاہد المومنین مجلس سوم ص ۸۹ میں ہے کہ حضرت سلمانؓ غازی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام حضرت ابوبکرؓ کی شان میں صحابہ کی مجلس میں بیٹھ کر ہمیشہ یوں فرمایا کرتے تھے۔ ماستبقمکم البو بکر بصوہم وصلوۃ ولكن بشیخی وقوفی قلبی (ترجمہ) ابوبکرؓ نے تم سے زیادہ نماز و روزہ ادا کرنے میں فوقیت حاصل نہیں کی بلکہ اس کے صدق و صفاء قلبی کی وجہ سے اس کی عزت و وقار بڑھا ہے اس کے جواب

میں مامی مصنف لکھتے ہیں کہ: حسب عادت یہاں بھی مولف نے خیانت مجرمانہ سے کام لیا ہے اور روایت نقل کرنے میں تحریف لفظی و معنوی کی ہے۔ لفظی اس طرح کہ ایک تو اس کے ماقبل و مابعد کو نظر انداز کر دیا ہے۔ دوسرے اس طرح کہ فی حدیث کو فی قلب ہاں لکھا ہے۔ پوری روایت دیکھنے کے بعد ابوبکر کی بجائے فضیلت کے رد فیلت ثابت ہوتی ہے۔ منقولہ بالا عبارت کا پہلا حصہ یوں ہے۔۔۔ یعنی جناب نے ابوبکر کو مال و جاہ کا طمع دلایا یہاں تک کہ اسی لالچ میں اگر وہ مسلمان ہو گیا اس کے بعد آنحضرتؐ اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے۔ ما سبقکم ابوبکر و بھوہر و صلوة و لکن بشی و قوفی حدیث۔ و مراد آنحضرتؐ۔۔۔ یعنی آنحضرتؐ کی مراد یہ تھی کہ ابوبکر کے سینہ میں حب ریاست جاگزیں ہے جس کی وجہ سے اسلام لایا ہے۔ ورنہ اس نے فائدہ و نہ کی ادائیگی میں تم لوگوں پر کوئی سبقت حاصل نہیں کی۔ اس سے ابوبکر کے سابق الاسلام ہونے والا نظریہ بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وہ سابق الاسلام ہوتا تو سابق فی الصوم و الصلوة بھی ضرور ہوتا۔ اور معنوی تحریف اس طرح کی گئی ہے۔ و لکن بشی و قوفی حدیث کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ صحیح ترجمہ یوں ہے کہ ابوبکر نے نماز و روزہ ادا کرنے کی وجہ سے تم سے سبقت نہیں کی بلکہ وجہ اس چیز کے سبقت کی ہے جو اس کے سینہ میں مرکوز ہے۔ لفظ و قوفی (مجرد) کی ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کے معنی جاگزیں ہونے کے ہیں۔ اسے باب تفعیل سے قرار دینا اور پھر اس کا صلہ فی بنانا کلام عربی سے اپنے نابلد ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کے مترادف ہے اور پھر اس کا ترجمہ یوں کر نا۔ بلکہ اس کے صدق و صداقت کی وجہ سے اس کی عزت و وقار بڑھا ہے۔ عجائبات روزگار میں سے ہے۔“ (تجلیات ص ۱۱۸)

الجواب (۱) آفتاب ہدایت میں نہ لفظی تحریف کی گئی ہے اور نہ معنوی۔ کیونکہ (۱) ماقبل اور مابعد کی عبارت کو بخوبی طوالت نہ لکھنے کو لفظی تحریف نہیں کہا جاتا۔ اس کو لفظی تحریف کہنا خود مامی مجتہد کی جہالت ہے۔

(۲) آفتاب ہدایت میں فی قلب کے الفاظ بھی غلط نہیں ہیں کیونکہ مجمع البحار میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں بھی فی القلب ہے۔ نہ کہ فی صدر۔ (۳) اور مجمع البحار میں جو روایت شیعہ کے عمدة الفضلاء العظام مولانا سید محمد بشیر صاحب نے لکھا ہے اس میں بھی انہوں نے دل کا لفظ لکھا ہے جو لفظ قلب کا ترجمہ ہے نہ کہ صدر کا۔ (۴) اور تحریف معنوی ثابت کرنے کے لئے مامی مجتہد نے جو و قوفی (مجرد) کے باب سے استدلال کیا ہے وہ بھی ان کی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ و قوفی (مجرد) کا مصدر اور اسم بھی وقار آتا ہے۔ چنانچہ لغت حدیث کی مشہور کتاب مجمع البحار میں بھی (جس کے حوالجات آپ نے بھی پیش کئے ہیں) اس حدیث کے الفاظ لکن بشی و قوفی قلب کے تحت لکھا ہے۔

اى سَكَنَ فَبِهِ وَبَشَتْ مِنَ الْوَقَادِ وَالْحَلْمِ وَالزَّانَةِ - وَتَوَقَّعُوا وَقَادًا (یعنی حضرت ابوبکر کے دل میں ساکن اور ثابت ہو گیا۔ وقار، حلم اور بروہاری۔ یہ و قوفی وقار آتا ہے۔

(۵) مجمع البحار کی تشدیح سے معلوم ہوا کہ حدیث میں و قوفی لازم معروف مستقل ہے نہ کہ متعدی مجہول۔ لہذا آپ اس کو فعل مجہول لکھنا غلط ہے۔ اور آپ نے خود یہ لکھا ہے جس کے معنی جاگزیں ہونے کے ہیں یہ بھی اس کے فعل لازم معروف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ فرمائیے۔ جاگزیں ہونا لازم ہے یا متعدی؟ اب بتائیے کلام عربی سے نابلد آپ ہیں یا آفتاب ہدایت کے مصنف مولانا دبیر مرحوم جو عربی کے ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ لیکن آپ تو حسن خود و مجتہد ہیں۔

(ج) مجالس المؤمنین کا جو ترجمہ شیعہ عالم مولانا محمد بشیر صاحب نے کیا ہے اس میں بھی انہوں نے وقار کا لفظ لکھا ہے۔ لا اور ہمیشہ آپ اپنے اصحاب کے مجمع میں فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر تم پر روزہ و نماز کے سبب سے سبقت نہیں کی۔ اس کی سبقت برسبب ایک شے کے تھی جس کا وقار اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا، (موافق المؤمنین) ترجمہ مجالس المؤمنین مطبوعہ آگرہ ص ۱۹۷

(۳) حدیث کے الفاظ ما سبقکم میں حضرت ابوبکر کی سبقت سے مراد فضیلت میں سبقت لے جانا ہے۔ چنانچہ مجمع البحار میں جو حدیث منقول ہے اس میں بجائے ما سبقکم کے لکن یخلفکم کے الفاظ ہیں جس سے ثابت ہو گیا کہ حدیث زیر بحث میں سبقت سے مراد دوسرے اصحاب پر حضرت ابوبکر کا فضیلت میں سبقت اور فوقیت حاصل کرنا ہے۔ اور آفتاب ہدایت میں بھی یہی معنی مراد لیا گیا ہے۔ لہذا مامی مجتہد کے سارے اعتراضات باطل ہو گئے اور ان کا علم و اجتہاد بالکل ناقص قرار دیا ہو گیا۔ اور اس حدیث سے آپ کا یہ ثابت کرنا بھی کہ حضرت ابوبکر طمع اور لالچ کی وجہ سے اسلام لائے تھے باطل ہو گیا اور

بھی تو ملحوظ رہے کہ حضرت ابوبکر تو خود اہل مکہ میں بالدار تھے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مالدار بھی نہ تھے۔ تو پھر حضور مال کا لالچ کیونکر دیتے؟ باقی رہا ریاست اور حکومت کا لالچ تو اس وقت کے حالات میں حضرت ابوبکر کو یہ کیونکر یقین آ سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ نصیب ہو گا اور پھر وہ ابوبکر پہلے خلیفہ بنیں گے۔ اور بالفرض وہ ریاست و حکومت کے پیش نظر مسلمان ہوئے تھے تو حضور کے پیچھے رسول ہونے کی بنا پر ہی تو اس کا یقین آیا ہو گا تو اس صورت میں بھی حضرت ابوبکر کا کامل الایمان ہونا ثابت ہو گیا۔ اور حضور کی پیشگوئی کے مطابق آپ ہی اول خلیفہ و جانشین رسول بنے۔ پھر حضرت ابوبکر کی خلافت راشدہ کے آپ کیوں منکر ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ کو نصیب ہوئی ہے۔ (۴) مجالس المؤمنین کی روایت کا ماقبل اور مابعد اپنے مضمون کے لحاظ سے خود ہی ایک عجوبہ ہے لیکن یہاں مزید بحث کی گنجائش نہیں۔

کوئی بات ان سے سرزد ہونا محال تھی۔ "سلاح حقہ حقیقی معصوم بھی ترک عصیان پر مجبور نہیں ہوتا بلکہ اس کی عصمت اختیار ہی ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے۔ خیر سے موٹ کو "محال" کا مفہوم ہی معلوم نہیں ہے۔ ورنہ ایسی بے پڑ کی نہ ڈالتے۔ سچ ہے۔

پسیدال نمی پرند مریداں می پرانند

بایں ہر حقان اصحاب ثلثہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا کیا قرآن کی متعدد آیات۔ پیغمبر اسلام کی معتبر روایات اور تاریخی مستندات کی صریح تکذیب نہیں ہے الخ (تجلیات ص ۱۱۱)

الجواب (۱) آفتاب ہدایت کے حضرت موکف تو محال کا مفہوم جانتے تھے۔ لیکن خیر سے ماتی مجتہد خود محال کی قسموں سے ناواقف ہیں۔ واضح ہو کہ محال کی دو قسمیں ہیں (۱) محال بالذات (۲) محال بالغیر۔ اور موکف آفتاب ہدایت حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم کی مراد یہاں محال بالذات ہے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معصوم نہیں ہیں اور ان سے کفر و عصیت کا صدور ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ قرآن مجید میں یہ اعلان فرما دیا ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے۔ اور کفر و فسق وغیرہ سے ان کو نفرت و لادبی ہے اس لئے اب ان سے کفر وغیرہ کا صدور نہیں ہو گا اور یہی مطلب محال بالغیر ہونے کا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ملحوظ رہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے راضی ہونے کا بھی اعلان فرما دیا ہے۔ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَدَضُّوا عَنْہُ۔ (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) لہذا ان اعلانات خداوندی کے بعد بھی اگر ان سے کفر وغیرہ کا صدور ہو یا ان سے ایسے افعال کا ارتکاب ہو جو باعث غضب الہی میں تو پھر حق تعالیٰ کی رضا کا اعلان محل طعن بن جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ انہوں نے ایسے افعال کا مرتکب ہونا ہے تو پھر ان پر راضی ہونے کا اعلان کیوں فرمایا۔

(۲) چونکہ شیعوں کے نزدیک حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ انبیائے کرام کی طرح معصوم ہیں۔ اس لئے ان آیات سے ان کی شخصیتیں مراد نہیں ہو سکتیں۔ ان کا مصداق تو وہی حضرات صحابہ ہیں جو معصوم تو نہیں ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے ان کو یہ ارفع مقام حاصل ہو گیا ہے۔ اور چونکہ مہاجرین و انصار اور تمام صحابہ کرام نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کر لی تھی اس لئے وہ بطریق اولیٰ ان آیات کا اعتقاد ہوں گے۔

(۳) ماتی مجتہد کا یہ لکھنا کہ اصحاب ثلثہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا آیات۔ احادیث اور تاریخی مستندات کے خلاف ہے تو یہ ان کا روایتی جھوٹ ہے جس کے مرتکب ہو کر وہ تقیہ کا ثواب لٹے رہتے ہیں۔

آیت استخلاف :- وَعَدَ اللہُ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات کی بحث میں اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی تفاسیر اور احادیث سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کی روشنی میں خلفائے ثلاثہ برحق ہیں اور وعدہ خداوندی کے مطابق ان کو دینی تمکین و اقتدار نصیب ہوا۔ اور ماتی مجتہد علم و دیانت کی حد میں رہ کر کوئی ایک قرآنی آیت بھی نہیں پیش کر سکتے جس سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت یا ان کے ایمان کی نفی ہوتی ہو۔ اور سبائی پارٹی نے ان کے مظالم کی جو داستانیں گھڑی ہیں ان کی شرعا کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور کتب اہل سنت میں اگر کہیں کوئی ایسی روایت پائی جاتی ہے تو اس میں بھی ان کذابین کی دخل اندازی ہے۔

(۴) سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت کی تفسیر میں شیعی مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ فرماتے ہیں:- کافی اور تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ حَبِیبُ الْیَکْمِ الْاِیْمَانِ میں الایمان سے اور ذِیْنِہِ فِی قُلُوبِکُمْ میں صغیر غائب سے مراد جناب امیر المومنین ہیں۔ اور کَرَّہَ الْیَکْمُ الْکُفْرُ وَالْفُسُوقُ والعیصیان میں الکفر سے مراد ہیں حضرت اول۔ اور الفسوق سے مراد ہیں حضرت ثانی اور العصیان سے مرثالث الخ (حاشیہ ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی) البیاض بالذات۔ یہاں اول۔ ثانی اور ثالث سے مراد خلفائے ثلاثہ ہیں۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ یہ قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ ایک عنادیر ہے جو امام جعفر صادق کی طاعت مستنوب کر دیا گیا ہے۔

آفتاب ہدایت میں بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء امام حسنؑ حضرت معاویہؓ سے گزارہ الاؤنس لیتے رہے | ص ۳۵ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ:-

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسنؑ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا "کیا کوئی خلیفہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی ایسا معاملہ کرتا ہے حاشا وکلاً۔ ان کے آپس میں ذاتی عداوت نہیں تھا الخ اس کے جواب میں ماتی مجتہد لکھتے ہیں:-

مضمون نگار نے جس وظیفہ کا ذکر کیا ہے وہ وظیفہ نہ تھا بلکہ شرائط صلح میں سے ایک شرط کے تحت امام کے لئے گزارہ الاؤنس تھا جو بوجہ حقیقی خلیفہ رسول ہونے کے ان کا حق تھا نہ معاویہ کا (اصحاب) (تجلیات ص ۱۹۲)

الجواب:- (۱) ما شاء اللہ وظیفہ نہ کہیں اس کو گزارہ الاؤنس ہی کہ دیں۔ بہر حال یہ تومان لیا کہ امام معصوم حضرت معاویہ سے سالانہ وصول فرماتے تھے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا امام معصوم کے لئے حسب اعتقاد شیعیہ ایک ظالم و فاسق خلیفہ کے بیت المال سے یہ رستم یعنی حلال مٹی۔ اور سالانہ لاکھوں روپے وصول کرنے کی شرط منکر خدا کی امانت یعنی حضرت

علی المرتضیٰ سے ملی ہوئی خلافت راشدہ کو ایک فاسق و فاجر حکمران کے سپرد کر دینا اور خود گھر میں بیٹھ کر راحت و عافیت کی زندگی گزار دینا اور اُمت مرحومہ کو یوں کس میرسی کی حالت میں چھوڑ دینا کیا اس کے بعد بھی امام کی عصمت باقی رہ جاتی ہے۔ اور اس کے باوجود بھی مائمی مجتہد کا یہ فرمانا کہ امام حسن ہی حقیقی خلیفہ تھے انتہائی کج فہمی اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔ اور یہ بھی ان کے ان علمی غرابیات میں کا ایک غرابیہ ہے جو وہ قارئین کرام کی ضیافت بلج کے لئے چھوڑتے رہتے ہیں۔ اب مائمی مجتہد کو کون یہ بات سمجھائے کہ خلیفہ تو شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو ملکی اقتدار بھی حاصل ہو۔ اور یہ حقیقت آیت استخلاف کے الفاظ و یکتان لہم سے ثابت ہے۔ اور جب امام حسن نے اقتدار خلافت حضرت معاویہ کے سپرد کر دیا تو پھر آپ نہ حقیقی خلیفہ رہے نہ مجازی۔ البتہ آپ کو اس معنی میں امام کہتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ آپ خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد بھی اہل سنت کے ایک دینی اور روحانی رہنما تھے۔ اور مابعد کے ائمہ کو بھی اسی بنا پر امام کہا جاتا ہے۔ اداکان کے علاوہ امام عظم ابوحنیفہ امام شافعی۔ امام مالک۔ امام احمد بن حنبل اور دیگرے اکابر اُمت مثلاً امام غزالی اور امام رازی وغیرہ کو بھی اس معنی میں امام کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے دور میں اہل حق کے دینی رہنما ہوئے ہیں۔ امام جعفر صادق بھی اہلسنت کے دینی و روحانی رہنما اور امام ہیں اور امام زین العابدین وغیرہ ائمہ اہل بیت بھی۔ اور شیعوں کے ہاں جو امامت کا مفہوم ہے کہ یہ بارہ امام سابقہ انبیاء کے کرام علیہم السلام حتیٰ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ سے بھی افضل ہیں۔ تو یہ عقیدہ بے بنیاد ہے جو روافض نے منصب نبوت کی تنقیص کے لئے وضع کر لیا ہے اور جس کے بعد عقیدہ ختم نبوت کی کوئی عظمت باقی نہیں رہتی۔

مائمی مجتہد کے بعض تضادات (رسم ذوالجناح) کے تحت لکھتے ہیں:- اور ظاہر ہے کہ تعزیر بے جان چیز قرار پھر کی شبیہ ہے اور نہ ہی اسے شبیہ ذوالجناح پر تطبیق کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ جاندار کی جاندار شبیہ ہے نہ بے جان۔ یعنی سرکار سید الشہداء کے راہوار کی شبیہ ہے۔ اور بے جان چیزوں کی تصویر کشی کے جواز پر سب مذاہب اسلامیہ کا اتفاق ہے الخ (تجلیات ص ۵۳۸)

الجواب:- (۱) یہاں مائمی مجتہد امام حسین کے راہوار (گھوڑے) کا نام ذوالجناح بتا رہے ہیں حالانکہ اپنی کتاب "سعادۃ الدارین فی قتل الحسین" میں ذوالجناح نام کا انکار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:- اس گھوڑے کا نام کیا تھا؟ عام طور

پر مشہور ذوالجناح ہے مگر قریباً تمام قابل وثوق کتب پر متقابل کی روگردانی کے بعد بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ البتہ اس کی رو میں بعض اہل تحقیق کے ارشادات ملتے ہیں "سعادۃ الدارین ص ۱۳۳"

(۲) جس چیز کی تصویر کے جواز پر مذہب اسلامیہ کا اتفاق ہے وہ بے جان چیز کی تصویر ہے۔ نہ کہ بت۔ یعنی مجسمہ۔ اور تصویر اور بت میں فرق ہے۔ اور تعزیر بت ہے نہ کہ تصویر۔

(۳) امام حسین کا گھوڑا سواری کے لئے تھا جو آج موجود نہیں۔ ہمارے زمانہ کے گھوڑے بھی مستقل جانور ہیں۔ آج کے گھوڑے کو امام حسین کے گھوڑے کی شبیہ قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ چونکہ مسئلہ مائمی مفصل بحث "بشارت الدارین" میں آگئی ہے۔

اس لئے یہاں اس مسئلہ پر مزید بحث

کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔ یہاں صرف ذوالجناح کے بارے میں مائمی مجتہد کی تضاد و بیانی کا ثبوت مقصود تھا۔ جو پیش کر دیا گیا۔

آفتاب ہدایت میں شیعوں کی عملی حالت کے متعلق یہ لکھا گیا تھا کہ ہمارے شیعہ مساجد کی آبادی وغیر آبادی کے مکے شیعیہ میں فیصد شاید دو شخص بمشکل مل سکیں جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں

باقی سب نماز یا نماز میں سخت سست نظر آئیں گے۔۔۔۔۔ جہاں کہیں شیعوں کی آبادی ہے مساجد ویران و اسے آباد ہیں۔ ہم نے دو جگہ مناظرہ کے دیکھے ایک کنڈیاں ضلع میانوالی دوسرا چک بلی خاں تحصیل گوجر خاں (ضلع راولپنڈی) ظہر کی نماز کا وقت میدان مناظرہ میں آیا۔ تمام مسلمانوں نے ضرورت پڑھی مگر شیعہ کے شیخ اور مفتی سب یونہی کھڑے رہے۔ لیکن شیعہ کو تکلیف برداشت کرنے کی نماز باجماعت ہی کیا تھی۔ صرف متعہ جیسا کار ثواب کرنے سے امام حسین۔

امام حسن۔ علی المرتضیٰ۔ رسول پاک کا درجہ مل جاتا ہے۔ عید غدیر کا ہی شیعہ کے ہاں ۱۸ ذی الحجہ روز متبرک ایسا جاتا ہے کہ شیعیان علیؑ کے اس روز تمام صغیرہ کبرہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور نویسندگان اعمال کو حکم ہوتا ہے کہ شیعیان علیؑ کے گناہ تین روز تک نہ کھو۔ یعنی اٹھارہویں سے بیسویں تک "تحفۃ العوام ج ۲ ص ۱۶۱" (آفتاب ہدایت ص ۲۲۵) اس کے جواب میں مائمی مجتہد لکھتے ہیں:- علاوہ بریں یہ کہنا کہ شیعہ دو شخص فیصد ہی بمشکل مل سکیں جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں۔ اتنا بڑا کذب و افتراء ہے کہ قریب ہے کہ اس کی شدت سے آسمان کا شامیانہ پھٹ جائے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور فرشتہ زمین پر پانی دھسن جائے۔ بفقہ تھالی مملکت خدا و پاکستان میں دو کروڑ کے لگ بھگ شیعیان

حیدر کرنا موجود ہیں۔ ہر جگہ ان کی شاندار مساجد موجود ہیں۔ جمعہ و جماعت کا مبارک سلسلہ برابر جاری و ساری ہے۔ مسجدیں نمازیوں سے چھلک رہی ہیں۔ نہ صرف ماہی نماز گزار بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے شیعیان حیدر کرنا موجود ہیں جو شب زندہ دار اور عبادت گزار ہیں۔ بالخصوص شیعہ مملکت ایران صانہا اللہ عن الخدثان میں یہ ایمان افروز مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ع۔ میرے کہنے پر کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے“ (تجلیات ۵۸)

حضرت مصنف آفتاب ہدایت نے شیعوں کی نماز اور ان کی مساجد کی طرف سے شیعہ مساجد کی دوسری تصویر کے متعلق جو کچھ قریباً پچاس برس پہلے لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اور جس کا اقرار پچاس سال گزرنے کے بعد بھی خود مآتمی مجتہد تجلیات صداقت، کی تصنیف سے صرف دو سال پہلے اپنی کتاب سعادت الدارین ۵۴ پر کر چکے ہیں۔ چنانچہ شیعوں کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: مگر یہ تو بتائیے کہ ہم میں کتنے ایسے ہیں جو مذکورہ بالا صفات احکام پر عمل کرتے ہیں۔ صرف فرائض ہی کو لیجئے۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ۔ جماعت۔ تلاوت قرآن ہم میں کس قدر ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے۔ کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار قاری قرآن بھی بہت کم ملیں گے۔ نماز باجماعت اور نماز جمعہ سے تو غرض ہی کیا ہے عتبات عالیہ کی زیارت کو اگر سو جائیں گے تو جگہ کو پانچ بھی نہیں۔ امام باڑوں کی عمارتیں عالیشان ہیں۔ ہزاروں روپیہ کا شیشہ آلات موجود ہیں مگر مساجد ویران پڑی ہیں۔ اول تو مسجدیں نماز کی پابندی ہی نہیں۔ اگر ہے تو کسی وقت ایک نماز پڑھ گیا کسی وقت دو آگے۔ کسی وقت چار۔ ایسی حالت میں ان کا اعلان پیر وی حسین اس شخص سے بلند درجہ پر نہیں جو مسلمان ہی نہ ہو الخ۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ

یہاں لکھ رہے ہیں کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار۔ لیکن اس کتاب تجلیات صداقت پر آفتاب ہدایت کے چیلنج کے جواب میں ۱۴۱۱ھ عہد شیعہ حفاظ کی ایک فہرست پیش کر دی ہے اور یہ لکھ دیا ہے کہ اس وقت صرف صوبہ پنجاب میں بفضل ایزدی بیسیوں شیعہ حفاظ قرآن موجود ہیں، لیکن یہ صرف دعویٰ ہی ہے کیونکہ جب اہل سنت کی طرف سے چیلنج دیا جاتا ہے تو کسی حفاظ کے مقابل میں کوئی شیعہ حافظ میدان میں نہیں نکلتا۔ ایک مشہور عالم شیعہ عالم مولوی کفایت حسین انجمنی کا نام عموماً شیعوں کی طرف سے پیش ہوتا رہا ہے اور مذاہن بعض اہل سنت بھی مولوی کفایت حسین مذکور کو حافظ کہہ دیتے ہیں حالانکہ مصنف آفتاب ہدایت حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب کے سامنے وہ قرآن مجید نہیں سنا سکے تھے۔ میرے کہنے پر کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہیے۔

پاکستان میں شیعوں کی آبادی دو کروڑ بتانا بھی ترا جھوٹ ہے۔ اور شیعہ اس سے بہت کم تعداد میں ہیں۔

مآتمی مجتہد کی ان دو کتابوں (سعادت الدارین اور تجلیات صداقت) کی تصنیف کی درمیانی مدت صرف دو سال ہے۔ سعادت الدارین میں وہ خود لکھ چکے ہیں کہ: مساجد ویران پڑی ہیں، اور پچاس سال پہلے آفتاب ہدایت میں بھی لکھا گیا تھا کہ: جہاں کہیں شیعوں کی آبادی ہے مساجد ویران ہیں لیکن اب یہ مآتمی مجتہد اپنے ہی لکھے ہوئے کے خلاف اپنی کتاب ”تجلیات صداقت“ میں یہ فرما رہے ہیں کہ: مسجدیں نمازیوں سے چھلک رہی ہیں، یہ ہے ان کی تعداد ویرانی اور تاریخی جھوٹ کہ جس پر ان کے یہ الفاظ چسپاں ہوتے ہیں کہ: قریب ہے کہ اس کی شدت سے آسمان کا شامیازہ چھٹ جائے الخ

اب قارئین اندازہ لگائیں کہ جو مصنف شیعہ مساجد کی ویرانی اور آبادی کے بارے میں اتنا بڑا جھوٹ بول سکتا ہے حالانکہ یہ ایک مشاہدہ کی بات ہے تو وہ دوسرے علمی نزاعی مسائل اور حوالہ کتب وغیرہ میں کیونکر جھوٹ نہ بولتا ہوگا۔ کیا ایسے مصنف کی کوئی تصنیف قابل اعتماد ہو سکتی ہے؟

ہے ثابت جھوٹ ان کا آزمائے جس کا جی چاہے۔

آفتاب ہدایت کی مندرجہ زیر بحث عبارت میں شیعہ مذہب کی رو سے کچھ التفسیر منہج العاوقین متعہ کا ثواب متعہ کا یہ ثواب لکھا گیا ہے کہ ایک دفعہ متعہ کرنے سے امام حسین کا... اور چار مرتبہ متعہ کرنے سے العیاذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ نصیب ہو جاتا ہے۔ داود ہم نے بشارت الدارین میں بھی یہ روایت شیعہ مجتہد سید علی حائری لاہوری کے والد سید ابوالقاسم لاہوری کی کتاب برہان المتعہ سے نقل کر دی ہے)

اس کے جواب میں مآتمی مجتہد لکھتے ہیں: خداوند عالم اسی سورۃ النساء میں جس میں آیت متعہ موجود ہے فرماتا ہے۔ من یطع اللہ و الرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین و الصّٰدقین و الشہداء و الصّٰلحین و حسن و اویئک و فیقاً دپ ۵۔ سورۃ النساء ج ۶) اور جو اللہ اور رسول کا کہا ملنے تو ایسے ہی لوگ جنت میں، ان (مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (بڑے بڑے) احسانات کئے یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور ریزہ میرے، نیک بندے۔ اور یہ لوگ (کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں“ (ترجمہ تفسیری) جب اس آیت کی روشنی میں خدا و رسول کی اطاعت کرنے والا جنت میں۔ صدیقوں اور شہیدوں کے درجہ میں ان کی رفاقت کر سکتا ہے تو پھر وہ متعہ جسے خدا و رسول نے حلال و جائز قرار دیا تھا اور بعض حکام وقت نے ممانعت فی الدین کرتے ہوئے اسے ممنوع قرار دے دیا۔ تو اگر کوئی شخص اس مردہ حکم شریعت کو زندہ کرنے کی غرض سے اس پر عمل کرے اور جنت میں اسے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام

کی رفاقت نصیب ہو جائے تو اس میں کیا اعتراض ہے ؟ حلالیہ میں یہ تو نہیں کہ ایک کرنے والا معاذ اللہ خود امام حسن حسین بن جانا ہے ۔ بلکہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوگا اور ظاہر ہے کہ رفاقت جب ہی ہو سکتی ہے کہ درجہ ایک ہو جو قرآن سے ثابت ہے ” (تجلیات ص ۲۹۹)

الجواب (۱) یہ آیت پارہ ۵ ج ۶ - ۱ اور سورۃ نسائ کے رکوع ۹ میں ہے) ماشاء اللہ مامی مجتہد نے مذکورہ ثواب متعہ کا مان لیا ہے ۔ یہاں متعہ پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں ۔ البتہ ضروری گزارش یہ ہے کہ جو متعہ پہلے مباح تھا وہ باقاعدہ نکاح ہوتا تھا اور اس میں دو گواہ بھی ضروری ہوتے تھے ۔ البتہ اس میں نکاح کی مدت مقرر کر دی جاتی تھی ۔ اور بعد میں یہ بھی ممنوع قرار دیا گیا ۔ لیکن جو متعہ کو مامی مجتہد جاری کرنا چاہتے ہیں اس میں شیعوں کے نزدیک گواہوں کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے مرد اور عورت اپنی رضا سے کوئی معاوضہ مقرر کر لیں اور کسی کو بھی معلوم نہ ہو تو وہ مقررہ مدت میں آپس میں مجامعت کر سکتے ہیں ۔ اب بتلائیے کہ زمانہ میں اور اس متعہ میں کیا خاص فرق باقی رہ جاتا ہے ۔ کیا زمانہ بھی مرد و عورت کی مرضی پر باجمعی مجامعت کا نام نہیں ہے ؟ کیا مامی مجتہد کے نزدیک صرف زمانہ بالجرہی ناجائز ہے ۔ اور باجمعی رضا مندی سے سب کچھ حلال ہے ؟

۲ ۔ اگر متعہ شریعت میں باعث اجر و ثواب عمل ہوتا تو حضرت علی المرتضیٰ اپنے دور خلافت میں تو اس کے حلال ہونے کا ضرور حکم نافذ فرماتے اور جو لوگ متعہ کو حرام قرار دیتے ان کو شرعی سزا دی جاتی ۔ حالانکہ فروج کافی ج ۳ کتاب المروءۃ کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی اپنے دور خلافت میں بھی متعہ کے حلال ہونے کا حکم نہیں دے سکے ۔ فرمائیے ۔ اس وقت ان کو کس کا خوف لاحق تھا ؟ اگر متعہ حکم شریعت اور سنت تھا العیاذ باللہ ۔ تو پھر حضرت علی نے بحیثیت خلیفہ اسلام ہونے کے اس سنت کو کیوں زندہ نہیں کیا ۔ جبکہ اس پر عمل کرنے کا اتنا ثواب ہے کہ متعہ کرنے والے کو العیاذ باللہ رسول خدا کا درجہ بھی مل سکتا ہے ۔ ہمارے نزدیک اپنے دور اقتدار میں بھی حضرت علی کا متعہ کو حلال نہ قرار دینا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک بھی متعہ کی اباحت منسوخ ہو چکی تھی ۔

(۳) شیعوں کی کتب الرجال میں سے کتاب تہذیب الاحکام میں خود حضرت علی سے یہ روایت منقول ہے : حرّم رسول اللہ لجوم الاحادیث الاہلیۃ ونکاح المتحتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر بلوگہ سے کا گوشت اور نکاح متعہ حرام فرمایا ۔

جب شیعوں کی مستند کتاب سے متعہ کی حرمت میں حضرت علی المرتضیٰ کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آخرت میں انبیاء صلیقین ۔ شہداء اور صالحین کی رفاقت ان مومنین کو نصیب ہوگی جنہوں نے اطاعت خلد رسول کی ساری شرطیں پوری کی ہوگی ۔ لہذا صرف متعہ کے عمل سے ان حضرات کی رفاقت نصیب نہیں ہو سکتی اس سے مامی مجتہد کی تاویل بھی باطل ہوگئی اور خود مذکورہ درجات کے حصول کی روایت بھی مسترد ہوگئی کیونکہ اس میں صرف متعہ کرنے سے العیاذ باللہ امام حسین وغیرہ کا درجہ مل جانا مذکور ہے ۔

(۵) یہ عجیب بات ہے کہ جو نکاح شرعی و مامی بالاتفاق حلال ہے ۔ اس میں تو امام حسین وغیرہ کا درجہ حاصل ہو سکے لیکن اس متعہ سے یہ درجات مل جائیں جو زمانہ سے ملتا جلتا ہے ۔

(۶) اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن مجید میں مومن کے لئے بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے ۔ ان کے علاوہ صرف شرعی نوڈیوں کی اجازت ہے ۔ اگر یہ متعہ بھی ہمیشہ کے لئے حلال ہوتا اور یہ شرعاً نکاح ہی منظور ہوتا تو پھر چار بیویوں کی حد تو ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ متعہ والی عورتوں کے لئے کوئی حد ہی مقرر نہیں تھی کہ متعہ شیعہ میں کنواری عورت سے بھی متعہ حلال ہے اور نکاح والی عورت سے بھی ۔ اس صورت میں تو کسی عورت کی سعادت محفوظ نہیں رہ سکتی ۔ اگر اس متعہ کو حلال سمجھ کر اور پھر عظیم کام کا ثواب قرار دے کر قوم میں رواج دیا جائے تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ادبائش نوجوان اور ملنگ و دھڑنگ لوگ شیعہ مذہب زیادہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس طرح ان کو متعہ کے مواقع حاصل ہو جاتے ہیں ۔ دنیا میں یہ اور آخرت میں وہ نعمتیں جن کو مامی مجتہد قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔

مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم سے

مامی مجتہد نے تمام حجابات اتار کر یہ بھی فرما دیا ہے کہ :- یہ کہنا کہ کتب شیعہ سے ثابت آئمہ نے بھی متعہ کیا ہے کہ کسی امام نے متعہ نہیں کیا ” یہ کتب شیعہ سے ناواقف کی دلیل ہے ورنہ کتب شیعہ سے آئمہ طاہرین کا اس سنت نبویہ پر عمل کرنا مذکور ہے ۔ ملاحظہ ہوا انوار نعمانیہ دیر بالخصوص قابل دید ہے اور وسائل شیعہ وغیرہ الخ (تجلیات ص ۳۷۷)

الجواب :- مبارک صدمبارک ۔ آئمہ طاہرین کا ایسا ہی کردار چاہیے ؟ استغفر اللہ ۔ تم تفصیل میں نہیں جانتے صرف یہاں ہمارا یہ سوال ہے کہ ان آئمہ طاہرین کی منکوتہ بیویوں کے نام تو ان کے نسب نامہ میں مذکور ہیں اور ان کی اولاد کے نام بھی مشہور ہیں ۔ کیا سادات عظام کا کوئی متعہ نامہ بھی مامی مجتہد پر پیش کر سکتے ہیں کہ جس میں یہ

ثابت ہو گیا تو پھر مامی مجتہد خواہ مخواہ کیوں متعہ جیسے فعل حرام کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔

(۴) قرآن مجید کی کسی آیت سے شیعہ متعہ کی حلت ثابت نہیں۔ اور نہ ہی یہ متعہ جس میں گواہوں کی بھی ضرورت نہیں کبھی اسلام کے کسی دور میں مباح ہوا ہے۔

(۵) مامی مجتہد نے متعہ کے ثواب میں امام حسین سے لے کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک کا درجہ پالینے پر جو سورۃ النساء کی آیت اذینک مع الذین انعم اللہ علیہم سے استدلال کیا ہے یہ ان کی کج فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آیت میں تو صرف یہ مذکور ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے ہیں ان کو انبیاء صدیقین۔ شہداء اور صالحین کی معیت اور رفاقت نصیب ہوگی۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ ان کو انبیاء وغیرہم کا درجہ ملے گا۔

(ب) ان حضرات کی صحبت اور رفاقت کے لئے یہ مسند ہی نہیں کہ ان کا درجہ بھی ایک ہو۔ چنانچہ سورۃ الممتحہ آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشکدکم علی الکفار رحمۃ بینہم (حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفر پر بہت سخت ہیں اور آپس میں بڑے رحم رکھنے والے ہیں) تو کیا اس آیت میں معیت اور رفاقت رسول کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کا درجہ ایک تھا اور وہ ہمیشہ ایک ہی درجہ و مقام میں رہتے تھے۔ اسی طرح جنت میں جن مومنین کو انبیاء اور صدیقین کی محبت اور معیت نصیب ہوگی ان کے جنت میں درجے اور مقامات مجاہدانوں کے۔

(ج) مامی مجتہد کا بیان کہ وہ معیت کا مطلب حضرت امام جعفر صادق کے ارشاد کے خلاف ہے چنانچہ شیعہ مفسر مولوی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:-

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن دو قسم کے ہیں ایک تو اللہ پر وہ ایمان لانے والا جس نے وہ کل شرطیں پوری کی ہوں جو مومن کے لئے اللہ نے مقرر کی ہیں۔ پس وہ تو انبیاء و شہداء و صدیقین و صالحین کے ساتھ ہوگا اور اس سے بہتر رفاقت اور کون سی ہو سکتی ہے؟۔۔۔ اور ایک وہ مومن ہے جس کے قدم پھسل جائیں گے اس کی حالت زراعت کے دنٹھل کی سی ہوگی کہ جلد ہر توانے جھکایا جھک گیا یہ وہ ہے جس کو دنیا میں بھی خوف پیش آئیں گے اور آخرت میں بھی اس کی شفاعت کی حاجتگی اور انجام بخیر ہوگا۔ (حاشیہ ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی)

تفصیل ہو کہ فلاں امام نے فلاں فلاں مومنہ عورت سے متعہ کیا تھا اور پھر ان سے فلاں فلاں اولاد پیدا ہوئی۔ الخ۔

آفتاب ہدایت میں روافض کی تکفیر کے تحت یہ غلیۃ الطالبین کے حوالہ میں مامی مجتہد کا فریب لکھا ہے کہ:- روافض کے کفر کا فتویٰ جب درگاہ

غوث اعظم حضرت پیران پر شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے صادر ہو چکا ہے جیسا کہ غلیۃ الطالبین میں بروایت حضرت انسؓ یہ حدیث منقول ہے۔ سبیح فی آخر الزمان قوم ینقصون اصحابی فلا تقبالسوہم ولا تشاربوہم ولا تلوا کلوہم ولا تلنا کھوہم ولا تقبلوا علیہم ولا تصلوا صلہم (آخر زمان میں ایک قوم ہوگی جو میرے اصحاب کی تنقیص شان کریں گے۔ پس تم ان کی مجلس میں نہ بیٹھو۔ نہ ان سے مل کر پیو اور کھاؤ نہ ان سے رشتہ بندی کرو۔ نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھو۔ نہ ان سے مل کر نماز پڑھو)۔ آفتاب ہدایت ص ۳۸۹ اس کے جواب میں مامی مجتہد لکھتے ہیں:- اگر عبدالقادر جیلانی نے شیعیان علی پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے تو اس سے ہمارے مولف محترم کو خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کے سنان قلم کی زد سے خفی حضرات بھی محفوظ نہیں رہے بلکہ انہوں نے جہنمی فرقوں کی فہرست میں نعمان بن ثابت کو فی (امام اعظم) کے نام لیواؤں کو بھی شمار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو غلیۃ الطالبین بحوالہ شرح فقہ اکبر ج ۱ ص ۱۸۱ تہذیب) (الجواب ۱۱) حضرت غوث اعظم نے تو امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کے خلاف فتویٰ لگایا ہے اور نہ ہی امام اعظم کے ماننے والے احناف پر۔ بلکہ ان کا فتویٰ ان لوگوں کے خلاف ہے جو فرقہ مرجئیہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور دعویٰ امام ابو حنیفہ کے پیروکار بننے کا کرتے تھے۔ چنانچہ غلیۃ الطالبین کی عبارت یہ ہے:- واما الحنفیۃ فہم بعض اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت زعموا ان الایمان هو المعرفۃ والافتاد بالذی و بما جاء من عندہ جملۃ الخ (اور مرجیہ میں سے) حنفیہ میں سے وہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے بعض ماننے والے ہیں جو گمان رکھتے ہیں کہ ایمان معرفت اور اللہ و رسول اور جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے اس کے اقراء کا نام ہے الخ اور حضرت پیران پیر امام اعظم کے خلاف کیونکر فتویٰ دے سکتے ہیں جب کہ آپ کے امام احمد بن حنبل نے (جن کے حضرت پیران پر مقلد ہیں) حضرت امام ابو حنیفہ کے حق میں یہ فرمایا ہے کہ:-

انہ من اهل الودع والنہد وابتداء الآخوۃ بمحل لا یدرکہ احد (امام ابو حنیفہ درجہ۔ زہد اور آخرت کے ایثار میں ایسا مقام رکھتے ہیں جو کوئی نہیں پاسکتا) (النجرات الحسان مؤلفہ علامہ ابن حجر مکی ص ۲) امام اعظم اور ان کے مقلدین حضرات فرقہ مرجیہ کے مخالف ہیں چنانچہ خود امام اعظم نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں تحریر فرمایا ہے:- ولا

نقول ان حسناتنا مقبولة وسيأتنا مغفورة كقول المرحومة (اور ہم اس طرح نہیں کہتے جس طرح مرجعہ کہتے ہیں کہ: ہماری نیکیاں مقبول ہیں اور ہماری برائیاں (مذہب) بخش جائیں گی) اس کے بعد اپنا عقیدہ یہ لکھتے ہیں: - وما كان من السيئات دون الشرك والكفر ولم يمتب عنها صاحبها حتى مات موثقاً فانه في مشيئة الله تعالى ان شاء عذبه بال نار وان شاء عفاه ولم يعذب به بال نار أصلاً (ہم یہ کہتے ہیں کہ شرک اور کفر کے ماسوا جو گناہ ہوں گے۔ اور اس شخص نے ان گناہوں سے توبہ نہیں کی مگر مومن ہونے کی حالت میں وفات پائی ہے تو بیشک اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت پر موقوف ہے اگر چاہے تو اس کو دوزخ کا عذاب دے اور چاہے تو اس کو معاف کر دے اور بالکل عذاب نہ دے) اور فرمہ مرجعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر صرف ایمان اور تصدیق حاصل ہو تو پھر آخرت میں گناہوں کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں ہوگا۔ لیکن امام اعظم فرماتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے بھی وہ عذاب پاسکتا ہے۔ اور اعمال گویا ایمان کی جزء نہیں لیکن اعمال صالحہ سے ایمان کی قوت اور نورانیت بڑھتی ہے اور علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فقہ اکبر میں امام اعظم کے عقیدہ کی وضاحت کر کے شبہات کا جواب دیدیا ہے۔ بخوف طوالت ہم نے یہاں خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ اور اہل مشہم کے لئے اتنا کافی ہے۔

مآتی مجتہدین فتاویٰ کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: - دوسرا الزام سب صحابہ سے ہم کی مرتبہ واضح کر سب شیخین کا حکم | چکے ہیں کہ ہم کفار و مشرکین کو بھی سب کرنا روا نہیں سمجھتے اور اگر بالفرض کوئی شخص اس فعل کا ارتکاب کرے تو اہل سنت کے اصول مذہب کے مطابق یہ گناہ کفر نہیں ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر ص ۸۶ پر ملا علی قاری لکھتے ہیں: -

الْبَسَبُ الشَّيْخِينَ لَيْسَ بِكُفْرٍ يَعْنِي شَيْخِينَ الْبُكْرَ وَعَمْرُوكَا لِي دِينًا كَفَرْنَا بِهِ أَسَى طَرَحَ عَلَامَةُ عَبْدِ اللَّهِ فِيهِ فِتَاوَى جَاهِلٍ پُر لکھتے ہیں: - سب شیخین موجب کفر نمی شود و ہمیں مذہب موافق قول امام اعظم است "یعنی سب شیخین موجب کفر نہیں اور یہی نظریہ امام اعظم کے قول کے موافق ہے۔

صلائے عام ہے یا دان نکتہ داں کے لئے۔ (تجلیات مذاق ص ۶۷)

الجواب (۱) اس مسئلہ میں فقہار کا اختلاف ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے: - ایں مسئلہ قدیم و حدیثاً مختلف فیہ است و تحقیق انیست کہ یکہ فضیلت واد حضرت علی مرتضیٰ را بر حضرت ابوبکر وابتدع است کافر نیست و یکہ منکر خلافت صدیق اکبر یا منکر استحقاق جناب ایشان برائے خلافت یا حلال دانندہ سب شیخین

باشند در اکثر کتب فقہ اور اکابر نوشتہ اند۔ فی الخلاصة والرافضی ان فضل علیاً علی غیرہ فهو مبتدع ووانکر خلافة الصديق فهو كافراً متطبی (فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد سوم ص ۷۷) یہ مسئلہ قدیم و حدیثاً (یعنی پہلے بھی اور بعد میں بھی) مختلف فیہ رہا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ جو شخص حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت دے وہ بدعتی ہے کافر نہیں ہے اور جو شخص حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا منکر ہے یا آپ کے خلافت کے استحقاق کا منکر ہے یا شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ کو سب کرنا حلال سمجھتا ہے تو اکثر فقہ کی کتابوں میں اس کو کافر لکھا ہے "اور علامہ میں ہے کہ رافضی اگر حضرت علیؑ کو دوسروں پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے اور اگر وہ حضرت صدیق کی خلافت کا منکر ہے تو کافر ہے الخ۔ تو حضرت مولانا عبدالحی کے فتویٰ سے یہی ثابت ہوا کہ شیخین کو سب کرنا حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ اور مولانا شیعہ جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو سب کرتے ہیں تو وہ اس فعل کو جائز اور حلال سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ (۲) مآتی مجتہد نے شرح فقہ اکبر کی مابعدی عبارت چھوڑ دی ہے جس میں لکھا ہے کہ: - نعم نحن لا نستحل السب اذا قتل فهو كافر ولا محالة۔ (۳) دماں اگر شیخین کے سب کرنے اور قتل کرنے کو حلال سمجھتا ہے تو وہ لا محالہ کافر ہے "اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ سب صرف ماں بہن کی گالی دینے کو ہی نہیں کہتے بلکہ کسی کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن سے اس کی توہین ہوتی ہے وہ بھی سب کہلاتا ہے۔ اور خود مآتی مجتہد نے اپنی اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے بارے میں فاسق۔ فاجر۔ ظالم۔ غاصب۔ منافق وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہ سب نہیں تو اور کیا ہے۔ (۳) علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ فعذہب آجی حلیفۃ رضی اللہ عنہ ان من انکر خلافة الصديق وعمر فهو كافر صواعق محوقہ ص ۵۳) پس امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہے "اور شیعہ جو سب کرتے ہیں وہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق کی خلافت کے منکر ہو کر ہی کرتے ہیں لہذا ایسے لوگ حسب تصریح فقہائے کرام کافر ہوں گے۔

(۴) امام ربانی حضرت عبد اللہ ثانی فرماتے ہیں: - سب شیخین کفر است واحادیث صحیحہ بران دال است "رسالہ ردالرافض ص ۷۷) یعنی سب شیخین کفر ہے اور صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

(ب) شک نیست کہ شیخین از اکابر صحابہ اند بلکہ افضل ایشان پس تکفیر بلکہ تنقیص ایشان موجب کفر و مذند و ضلالت باشند (ایضاً ص ۷۷) یعنی اس میں شک نہیں ہے کہ شیخین حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا برصحابہ میں سے

ہیں بلکہ ان میں سے افضل ہیں۔ پس ان کی تکفیر بلکہ تنقیص بھی کفر۔ زندقہ اور شدات کا موجب ہے۔

چونکہ شیعوں کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
اہل السنۃ الجماعت کے نام میں مامی مجتہد کی تبلیس
شیعہ لا بد اھیہ پیش کرتے ہیں۔ اس لئے آفتاب ہدایت میں لفظ شیعہ اور لفظ سنت پر بحث کی گئی ہے اور وہ
آیات پیش کی گئی ہیں جن میں لفظ شیعہ کفار اور اشرار کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں مامی مجتہد بعنوان
”اہل سنت نہیں بلکہ اہل سنت“ لکھتے ہیں کہ: اگر بغرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لفظ سنت (سین کے پیش
اور نون کی شد کے ساتھ) ہر جگہ اچھے معنوں میں استعمال ہوا ہے تو تب بھی مولوی کرم الدین صاحب یا ان کے ہم
مذہبوں کو اس سے کیا فائدہ؟ کیونکہ وہ اہل سنت نہیں بلکہ اہل سنت“ (سین کی زبر اور نون بغیر شد یعنی سال) یعنی ایک خاص
سال والے لوگ اور اس سال سے مراد ہے صلح حسنی کے بعد معاویہ کے تحت حکومت پر متمکن ہونے والا سال۔ چنانچہ
فتح الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۵۲۲ واستیعاب برعاشیہ صاحب جلد ۱ ص ۳۳۶ وغیرہ میں ہے کہ اس کے بعد معاویہ کو فہ
میں داخل ہوا۔ اور لوگوں نے اس کی بیعت کی۔ اور اس سال کا نام سنۃ الجماعۃ رکھا گیا۔ کیونکہ اس سال جنگ ختم ہوئی
اور سب لوگ حکومت معاویہ پر جمع ہو گئے۔ حیوۃ الحيوان ج ۱ ص ۱۳۵۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۲۷۔ منہج الوصول ص ۱۶۷ میں بھی اس
سال کا نام عام الجماعۃ لکھا گیا ہے اور معاویہ والے ”اہل السنۃ الجماعت“ جماعت کے سال والے لوگ کہلاتے پھر
مرد و ایام سے یہ لفظ بدلتے بدلتے ”اہل السنۃ والجماعت“ بن گیا۔ یہ ہے موجودہ اہل السنۃ والجماعت کے مذہب کی اصل
حقیقت جو ہم نے بلا کم و کاست انہی کی کتابوں سے پیش کر دی ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ یہ مذہب معاویہ بن ابی سفیان
کا خود کاشتہ پودا ہے۔ بانی اسلام کا اس کی تائیس و تشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے الخ (تجلیات ص ۵۶)

مامی مجتہد نے یہاں جو کچھ لکھا ہے کہ اہل السنۃ والجماعت کے نام میں سنت سے مراد سنت
تبلیس ہی تبلیس
رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ یہ لفظ سنۃ یعنی سال ہے۔ اور سال جماعت والے لوگوں کا یہ
نام ہے۔ تو یہ استدلال مامی مجتہد کے دجل و فریب کا ایک تاریخی شکار ہے۔ اور ناواقف لوگوں پر علمی رعب ڈالنے کے لئے
استیعاب اور فتح الباری وغیرہ کتابوں کا حوالہ پیش کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کتابوں میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ اہل سنت کا نام دراصل
اہل سنۃ الجماعت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مامی مجتہد نے کسی کتاب کی عربی عبارت نہیں لکھی تاکہ ان کے اس جھوٹ

کا پردہ چاک نہ ہو جائے۔

(۲) جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ جس سال حضرت امام حسنؑ اور حضرت امیر معاویہؓ کی صلح ہوئی اور تمام اہل اسلام کا حضرت
معاویہؓ کی حکومت پر اتفاق ہو گیا۔ تو اس سال کا نام عام الجماعۃ پڑ گیا۔ یعنی وہ سال جس میں مسلمانوں کی ساری جماعت متحد و متفق
ہو گئی اور حضرت امام حسنؑ بھی اس متفقہ جماعت میں شامل ہیں۔ نہ کہ جدا چنانچہ علامہ ابن عبد البر کی استیعاب
میں ہے۔ وسلم الامر الحسنی الی معاویۃ فی النصف من جمادی الاولی من سنۃ احدى واربعمین
وبایع الناس معاویۃ حینئذ ومعاویۃ یومئذ ابن سبتہ و سبتین الا شہدین قال ابو عمر رضی اللہ عنہ
هذا صح ما قبل فی تاریخ عام الجماعۃ الخ (اور حضرت حسنؑ نے اس خلافت حضرت معاویہؓ کو نصف جمادی اول ۱۸ھ
میں سپرد کیا اور اس وقت لوگوں نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کی۔ اور اس وقت حضرت معاویہؓ کی عمر و ماہ کم چھیانوہ سال تھی
حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تاریخ عام الجماعۃ کے متعلق یہ سب سے زیادہ صحیح قول ہے، فرمائیے اس عبارت
میں اہل سنۃ الجماعت کہاں ہے۔ یہاں تو لفظ عام الجماعۃ کا ہے نہ کہ سنۃ الجماعۃ کا۔ اور اس عبارت میں یہ بتایا گیا ہے کہ
کس سال میں یہ صلح ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھا گیا تھا۔ اور عام الجماعۃ نام ایسا ہی ہے جیسا کہ
اس سال کا نام عام الفیل رکھ دیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ابابیل نے ابراہیم بادشاہ کے ہاتھوں کے شکروں کو
تباہ کر دیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں آتا ہے۔ اکتس ترکیت فعل و بکک باصحاب الفیل۔ کیا مامی
مجتہد عام الفیل کے نام کی بنا پر یہ کہہ دیں گے کہ اس سال والے لوگوں کا نام اہل عام الفیل ہے؟

(۲) نہ ہی حضرت امیر معاویہؓ اور آپ کی جماعت نے اپنا نام اس سال کی بنا پر اہل سنۃ الجماعت رکھا اور نہ ہی مخالفین
آپ کی جماعت کو اس نام سے پکارا۔ اور نہ ہی کسی کتاب میں اس نام کا ثبوت ہے۔ مامی مجتہد تو یہ جھوٹ بول کر صرف تنبیہ
کا اجر عظیم حاصل کر رہے ہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

(۳) امام حسنؑ اور امیر معاویہؓ کی اس تاریخی صلح سے بہت پہلے اہل سنت (سین کے پیش اور نون کی شد کے ساتھ) کی
اصطلاح مشہور تھی چنانچہ شیعوں کی مستند کتاب احتجاج طبری میں حضرت علی المرتضیٰ کی زبان مبارک سے اہل سنت اور
اہل جماعت کی تعریف منقول ہے۔ فرماتے ہیں:- اما اهل الجماعة فانما وصفوا بتبعي وان قلوا ادا اهل
جماعت میں ہوں اور جو میری پیروی کرنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں (ب) وَاَقَامَ اَهْلُ السُّنَّةِ

قَالَتُمْ سَكُونُ بِمَا سَنَّ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَإِنْ قُلُوا (اور اہل سنت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے طریقے (حکم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوط پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں) اب مامی مجتہد ہی یہ بتائیں کہ حضرت علی المرتضیٰ نے یہ اہل سنت کی تعریف میں سنت کے لفظ سے سنت رسول مراد لی ہے یا سنت جماعت (جماعت کا سال)

(۴) حافظ عطاء الدین محدث اپنی تفسیر ابن کثیر میں سورہ آل عمران ح ۱۱ کی آیت یوم یقبض وجہ کے لکھتے ہیں:

یعنی "یوم القیمة حین یقبض وجہ اہل السنة والجماعة وتسود وجہ اہل البدعة والفرقة قالہ ابن عباس" یعنی حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے روشن ہونگے اور اہل بدعت و فرقة کے چہرے سیاہ ہوں گے)

(۵) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے بھی یہ روایت اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔

اسی سلسلہ میں مامی مجتہد لکھتے ہیں کہ:- جس طرح ہم نے شیعان علی کا نام اور ان مامی مجتہد کے چیلنج کا جواب کے فضائل اور ان کا ناجی ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ اگر اہل سنت میں کچھ جرات و ہمت ہے تو اسی طرح یہ بھی احادیث میں اپنا پورا نام (اہل سنت والجماعت) دکھائیں اور پھر اس کا ناجی ہونا ثابت کریں۔ اگر وہ ایسا کر دکھائیں تو ہم ان کو منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں الخ (تجلیات ص ۵۷)

الجواب:- (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے لفظ شیعہ کسی مذہبی اصطلاحی نام کے طور پر ثابت نہیں آپ نے جو روایات پیش کی ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ قابل احتجاج ہیں یا نہیں؟ ان میں لفظ شیعہ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(ب) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں شیعہ ہوں اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ نے کبھی اپنے شیعہ ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

(۲) احتیاج طبری کی مذکورہ عبارت میں حضرت علی نے اہل سنت اور اہل جماعت کی مدح فرمائی ہے اور اہل بدعت اور اہل فرقة کی مذمت کی ہے۔ اگر اس زمانہ میں شیعہ کوئی مذہبی نام ہوتا اور یہ قابل مدح بھی ہوتا تو آپ شیعہ کی تعریف فرماتے نہ کہ اہل سنت کی۔

(۳) فرقہ شیعہ کا اصلی نام رافضی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھا گیا ہے چنانچہ آفتاب ہدایت میں لکھا ہے:-

میرے شیعہ بھائی برائے منائیں۔ اگر ان کو رافضی کے لقب سے خطاب کیا جائے کیونکہ یہ مبارک لقب ان کو بقول امام جعفر صادق بارگاہ ایزدی سے عطا ہوا ہے۔ جیسا فروع کافی کتاب الروضہ جلد ۳ ص ۱۳ میں قول امام بہام درج ہے۔ لَا وَاقِدًا لَهُمْ سَتُوكُمْ بَلْ اَللَّهُ سَتَاكُمْ (مترجمہ) خدا کی قسم تمہارا یہ نام لوگوں نے نہیں رکھا بلکہ خدا نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے۔ اس کے جواب میں مامی مجتہد اس روایت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:- رافضی کے لغوی معنی ہیں "ترک کرنا۔ چھوڑنا" جس طرح اچھائی کا ترک کرنا بڑا ہے اس طرح بُرائی کا ترک کرنا اچھا ہے۔ لہذا اگر حضرات شیعہ کو اس اعتبار سے رافضی کہا جائے کہ یہ بُرے لوگوں اور بُری باتوں کے تارک ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور یہی امام علیہ السلام کے مفصل فرمان کا حاصل ہے جس کا صرف ایک جملہ اوپر استدلال میں پیش کیا گیا ہے۔ امام نے فرمایا ہے کہ پہلے پہل یہ لقب فرعون اور فرعونوں نے ان عباد و گردوں کو دیا تھا جو اعجاز موسوی و کچھ کر حلقہ بگوش توحید ہو گئے تھے اور فرعون کی ربوبیت کا تجوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکا تھا اور شیعان حیدر گمراہ کو بھی اسی لئے رافضی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امت محمدیہ کے بعض فرعون صفت مدعیان خلافت و امامت کی اتباع و پیروی ترک کر کے خدا کے مقرر کردہ ائمہ ہدایت کو مرکز رشد و ہدایت تسلیم کیا ہے۔ اہل الصفات قارئین کرام خود کریں کہ امام عالی مقام کے اس تمام فرمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے شیعہ خیر المرید کی اس سے مدح ظاہر ہوتی ہے یا قدح الخ (تجلیات ص ۵۸)

الجواب:- (۱) چونکہ بقول آپ کے رافضی کے نام سے مدح ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے آفتاب ہدایت میں یہ لکھا گیا ہے کہ:-

میرے شیعہ بھائی برائے منائیں الخ۔ لیکن پھر بھی خدا جانے شیعہ فرقہ کے لوگوں کو اگر رافضی کہا جائے تو کیوں اس پر بُرا مناتے ہیں؟

(۲) جب حسب ارشاد امام جعفر صادق رافضی نام اللہ نے رکھا ہے تو پھر مامی مجتہد اس نام کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت کریں اور رافضیوں کا ناجی ہونا بھی باریک و دربار ثابت کریں؟ ہاں تو بڑھانے کے لئے مکتوم صدقین۔

ہم نے بشارت الدارین میں یہ پوری روایت مع ترجمہ نقل کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے (خادم اہل سنت بنفعل)

ہم نے ”بشارت الدارین“ میں لفظ سنت اور لفظ شیعہ اور ارشاد رسالت اہل سنت کا ثبوت کے نام اہل سنت والجماعت کے موضوع پر مفصل بحث کر دی ہے۔ یہاں تاہم مجتہد کے چیلنج کے تحت حسب ذیل احادیث پیش کرتے ہیں۔

(۱۱) تفسیر و منشور میں آیت یوم تبيض وجوه و وجوه اهل السنة وتسود عليه وسلم في قوله تعالى يوم تبيض وجوه وتسود وجوه - قال تبيض وجوه اهل السنة وتسود وجوه اهل البدعة حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت یوم تبيض وجوه وتسود وجوه کی تفسیر میں فرمایا کہ قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

(۱۲) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ روع اور تقویٰ کے بیان میں لکھتے ہیں - ولا يعلم تفصيل ذلك الا بالاقتداء بالفرقة الناجية وهم الصحابة فانه عليه السلام لما قال الناجي منها واحدة قالوا يا رسول الله ومن هم قال اهل السنة والجماعة۔ الخ راجع العلوم جلد ثالث مطبوعہ مصر ص ۱۹۹ (توضیح اور اس کی تفصیل سوائے فرقہ ناجیہ کی پیروی کے معلوم نہیں ہو سکتی - اور وہ یعنی فرقہ ناجیہ صحابہ کرام ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ۳۷ فرقوں میں سے ناجی ایک فرقہ کو فرمایا تو صحابہ نے عرض کی - اے اللہ کے رسول اور وہ کون لوگ ہیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ اہل سنت والجماعت)۔ لیجئے۔ تفسیر و منشور کی روایت سے اہل سنت اور احیاء العلوم کی روایت سے اہل سنت والجماعت کے الفاظ کے علاوہ اہل سنت کا ناجی ہونا بھی خود رحمت للعالمین - خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہو گیا۔ اب ہم تاہم مجتہد مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو بالقبائے کوئی اور انعام نہیں طلب کرتے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ وہ جھوٹ بونا جھوٹ دیں اور مذہب اہل سنت والجماعت کی اتباع میں جنت اور رشتے خداوندی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ وصا علينا الا البلاغ۔

ہم نے بہت اختصار کے ساتھ تاہم مجتہد کی ”تجلیات صداقت“ پر تنقید کر کے ان کی بعض علمی خیااتوں اور غلط بیانیوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ ان شاء اللہ حسب فراغت بعد میں اس کا مفصل جواب بھی لکھا جائے گا۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ اللہ تعالیٰ غافل سنی مسلمانوں کو احساس عطا فرمائیں اور ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ اس فانی حیات میں ہم اپنے مذہب اہل سنت کی خدمت و نصرت کا فریضہ سرانجام دے کر حق تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکیں۔ آمین۔

بجاء النبی الصمیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وھمحبہ اجمعین۔
خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ مدنی جامع مسجد چکوال ء ضلع جہلم
ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ

”مناجات فارسی“

از مصنف آفتاب ہدایت حضرت مولانا ابو الفضل محمد کرم الدین دبیر

دراں روزے کہ از اہوال و فرخ پر خطر باشد
شفیع من رسول پاک و صدیق و عمر با شد
دوست من بدانان قبول و جملہ اولادش
شفیق حال زارم سرور جن و بشر با شد
چوں عمر خویش کرم و وقت بہر خدمت اسلام
چرا از شر شیطان بس مرا رنج و ضرر با شد
سر خودی سیل اللہ تپور من فدا کردہ
اگر منظور حق شد یا ورم لخت جگر با شد

الہی رسم فرما بر دبیر خستہ حال خود
بفر دوس پیشش یوم محشر مستقر با شد

۱۔ یہ فارسی مناجات آفتاب ہدایت کے ماہی کے دوسرے صفحہ پر لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ تاہم مجتہد ڈھکو صاحب کے لئے بھی ایک تازیانہ عزت ہے جو اپنی کتاب میں حاجی حضرت مولانا مرحوم پرنامی ہونے کا الزام لگاتے ہوئے یہ بتانا تراشی کرتے ہیں کہ مصنف آفتاب ہدایت العیاذ باللہ حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر اہل بیت کے دشمن ہیں۔ اس مناجات اور دعا سے واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا دبیر مرحوم کا قلب بیکر خلفاء و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت علی المرتضیٰ حضرت حسن حضرت حسین اور حضرت فاطمہ قبول اور آپ کی مقبول و محبوب اولاد کی محبت و عظمت سے بے ریزہ ہے۔ ان سب حضرات کے توسل سے حق تعالیٰ کی مغفرت اور رخصت طلب کریں۔ ۲۔ اس سحر آمیزے طے بجائی نازی اسلام مولوی منظور حسین صاحب شہید مرحوم ہیں جن کے غفر حالات اوقات ہدایت کے مقدمہ میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ ۳۔ یہ علامان محمد کی پرائی رسم ہے ء کدوے ہیں آگ میں چڑھتے ہیں اکثر دار پر

شیعوں کا جہاد گانہ کلمہ اسلام

عموماً نادان افق لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیعوں کا کلمہ تو وہی ہے جو تمام دنیا کے مسلمان مشروع سے بالاتفاق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مانتے اور پڑھتے چلے آتے ہیں۔ اور خود شیعہ بھی عموماً یہی کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارا کلمہ وہی ہے جو سب مسلمانوں کا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کا کلمہ بھی بعض دوسرے عقائد کی طرح عام اہل اسلام سے بالکل جدا ہے۔ چنانچہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے جس اجلاس لاہور میں سرکاری سکویوں میں شیعہ دینیات نافذ کرنے کا حکومت کے دو نمائندوں وفاقی وزیر تعلیم پرزادہ صاحب اور وفاقی وزیر زراعت رفیع رضا اور ۱۶ شیعہ علماء و زعماء کے مابین کھجوتہ ہوا ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے:-

نویں اور دسویں جماعت میں شیعہ طلبہ کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کی کتابین فوری طور پر شروع کر دی جائیں گی۔
د ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء وغیرہ۔ اور خدام اہل سنت کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ "ایک غیر منصفانہ فیصلہ" کے صلا پر بھی یہ عبارت منقول ہے۔ تفصیل وہاں ملاحظہ کر لی جائے، ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی ایم اے پی۔ ایچ ڈی کا جو نصاب دینیات اس اجلاس میں حکومت نے منظور کیا ہے، اس کے "دینیات" کے نام پر ہی پانچ حصے ہیں جن کو "امامیہ" پاکستان ٹرسٹ انارکلی لاہور نے شائع کیا ہے۔ ان میں سے "دینیات" حصہ اول میں کلمہ کے عندان کے تحت یہ لکھا ہے کہ:-

اسلام کی اچھی اور نیک برادری میں شامل ہونا بہت آسان ہے۔ بس جو آدمی یہ مان لے کہ:-

(۱) ہمارا پیدا کرنے والا۔ ہمیں پالنے والا۔ ہمیں روزی دینے والا اور ہمارا مالک اللہ ہے۔

(۲) ہمارے مالک کے احکام ہمیں اس کے اچھے اور نیک بندے اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنچائے ہیں اور

(۳) ہمیں اسلام کی سچی راہ پر قائم رکھنے کے لئے اللہ نے جو امام مقرر کئے ہیں ان میں سب سے پہلے امام حضرت علی علیہ السلام

ہیں۔" وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ان باتوں کا اقرار کرنا اسلام کی برادری میں شریک ہونے کے لئے عربی زبان میں کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس اقرار کو کلمہ پڑھنا کہتے ہیں۔ کلمہ یہ ہے:-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ عَلِيُّ وَلِيُّ

لا الہ الا اللہ - اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں - محمد رسول اللہ - حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں -
حضرت علی اللہ کے ولی ہیں - الخ (دینیات حصہ اول ص ۲۲ تا ۲۳)

شیعوں کے مذکورہ کلمہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ صرف شیعہ بننے کے لئے علی ولی اللہ کے الفاظ کلمہ ہیں۔ کیونکہ مذکورہ عبارت میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے یعنی حضرت علی کو پہلا امام جو شخص مان لے "وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ان باتوں کا اقرار میں شریک ہونے کے لئے ضروری ہے" لہذا یہ کہ یہ کلمہ کوئی شخص کلمہ اس ولی اللہ کا اقرار نہ کرے وہ اسلام کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا۔ اور جن مسلمانوں نے اب تک کلمہ اللہ کا اقرار نہیں کیا وہ سب دائرہ اسلام سے خارج اور غیر مسلم ہیں۔ العیاذ باللہ اور یہ کسی ایک شیعہ فرد پاکستان شیعہ قوم کے نمائندہ ۱۶ علماء زعماء کا متفقہ عقیدہ ہے جنہوں نے حکومت سے مذکورہ اجلاس میں کا یہ مرتبہ نصاب دینیات منظور کرایا ہے۔ اور ان شیعہ زعماء میں نواب مظفر علی قزلباش جسٹ اور مسٹر مظفر علی شمسی بھی شامل ہیں۔

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ کلمہ میں حضرت علی اللہ کے ولی ہیں کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت علی اللہ کے پیارے ہیں بلکہ شیعوں کی انکے نزدیک ولایت معنی امامت ہے۔ اور ان الفاظ یعنی علی ولی اللہ کا مطلب اس سے پہلے دینیات کے مصنف کے قریب میں یہ بیان کر دیا ہے کہ:- سب سے پہلے امام حضرت علیہ السلام ہیں۔

(ب) علی ولی اللہ کے الفاظ نہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ اسلام میں پڑھائے ہیں اور نہ خود حضرت علی المرتضیٰ

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

یہ مسئلہ کوئی جزدی اور فروعی نہیں۔ اور نہ ہی صرف خلافت و امامت کا مسئلہ ہے بلکہ یہ کلمہ اسلام کا مسئلہ ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک جو کلمہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے پڑھا جاتا رہا ہے۔ اس میں صرف اللہ نے کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر ہے یعنی لا الہ الا اللہ - محمد رسول اللہ - اور اس کلمہ کے الفاظ قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ اسی کو کلمہ اسلام کہا جاتا ہے۔ لیکن شیعوں نے اپنا اختراع کلمہ نصاب و بنیات میں لکھ کر تمام دنیا کے مسلمانوں کو چیلنج کر دیا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے ان کا کلمہ کافی نہیں ہے اب حکومت سے ہمارا مطالبہ صرف یہی نہیں ہے کہ سرکاری سکوں کے نصاب میں ایسی کتاب کو شامل کیا جائے جس میں شیعوں کا مذکورہ کلمہ لکھا ہے۔ بلکہ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ اسلام کا جو اصلی اور تحقیقی کلمہ ہے اس کا تحفظ کیا جائے اور شیعہ فرقہ کے علماء جس کلمہ کو اسلامی کلمہ قرار دے رہے ہیں اس کو بالکل ختم کیا جائے۔ اور حکومت سے بھی زیادہ اسلام کے علماء و مشائخ پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ جس کلمہ کو صحیح کلمہ اسلام قرار دیتے ہیں اس کا وہ پوری کوشش سے تحفظ کریں۔ اور پاکستان کے شیعوں کے مخالفین اسلام کلمہ کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا مکمل سد باب کریں۔ اور نہ صرف علمائے اسلام اور مشائخ عظام بلکہ کلمہ اسلام کا تحفظ ہر ایک مسلمان پر لازم ہے۔ جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتا ہے۔ و ما علینا الا البلاغ۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

خاوم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ

انہم سلعان المناظر حضرت مولانا شاکر علی دین صاحب جبر ساکن بدین تحصیل حکدان میں تھے
صفت شہادت الدین القسوم شہادت حسن کے والدین حضرت مولانا شاکر علی دین صاحب جبر ساکن بدین تحصیل حکدان میں تھے

[illegible]

آوازِ نہ عمریت | یہ کتاب بھی مصنف اُنقاہت ہے۔ بلا لحاظِ کرمِ اہلِ سنّت و جماعت کی، ایسا ہے جس میں ناخلائم و نا قابلِ کسبِ مسافرا و سیاحات، احادیث و
محرزِ انصاف | اصل یہ کتاب علاء الدین بغدادی کی لکھن و ماہِ طبری سے تیار کی گئی ہے۔ اس کا نام دیکھ کر مجھے کسی توجہ کی اور ادنیٰ کو گوارہ نہ ہے کہ وہ اس کتابِ عمریت کے
 صحابہ و راویین کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض آئندہ ملنے کے کام سے نجات بخوئی شائع ہو گئے۔ اور وہ دیکھ کر یہ کہان
 یہ کتاب اللہ تعالیٰ سے ایسا ہے جس سے روئے

[illegible]

ریکارت علی مصنف بشارت الدین کی تصنیف ہے جن میں شیخ محمد رفیع صلیب کی کتاب علیہ زہد کا مکمل باب موجود ہے۔

۲۔ دوقضائے اہل سنت والجماعت: زیلہ اردو، دارالحدیث، ملتان کے ہیں۔
 ۳۔ مکتبہ رشیدیہ: یومینہ، لاہور کے ہیں۔
 ۴۔ مکتبہ جامعہ مغربیہ: مدنی، علی گڑھ کے ہیں۔

